لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة

"بیشک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہترین نمونہ ہے" (الاحزاب: ۲۱)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل

کس کے ساتھ کیسا؟



تالیف: رضوان ریاضی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔

- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

بے شک تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے [الاحزاب:۲۱]

رسول اکرم ﷺ کا طرزِ عمل

کس کے ساتھ، کیسا؟

رضوان ریاضی

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ
FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.
NEW DELHI-110002

رسول اکرم ﷺ کا طرزِ عمل کس کے ساتھ، کیسا؟

تالیف: رضوان ریاضی

صفحات: ۵۰۴ سائز: 23x36/16 قیمت: -/۱۵۰

باہتمام: محمد ناصر خان

ناشر

فرید بُک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ
FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

Corp. Off.: 2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2
Phones: 23247075, 23289786, 23289159 Fax: 23279998

Rasul-E-Akram *Sallallahu Alaihi Wasallam* Ka Tarz-e-Amal Kiske Saath, Kaisa?

Author: **Rizwan Riyazi**

Pages: **504** Ist Edition: **2006**

Price: **Rs. 150/-**

OUR BRANCHES:

- **Farid Book Depot (P) Ltd.**
422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6
Ph.: 23265406, 23256590
- 168/2, Jha House, Basti Hazrat Nizamuddin (W), New Delhi-110013 Ph.: 55358122
- 208, Sardar Patel Road, Near Khoja Qabristan, Dongri, Mumbai-400009 Ph.: 022-23731786, 23774786

Printed at: **Farid Enterprises, Delhi-2**

گذارش: قارئین حضرات سے گزارش ہے کہ فرید بُک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ کے بانی الحاج فرید خان صاحب مرحوم کی مغفرت کے لئے دُعا فرمائیں۔ اللہ ان کو غریق رحمت کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم، اما بعد.

محترم رضوان ریاضی صاحب نے ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل کس کے ساتھ، کیسا؟'' کے عنوان پر یہ کتاب مرتب کی ہے۔ موصوف نے بہت اچھے انداز میں لکھا ہے اور ہر بات مدلل و مستند ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے سب ہی کو فائدہ ہونا یقینی ہے۔

اس کتاب کی اہمیت وافادیت کو دیکھتے ہوئے کئی مدارس نے اپنے درسِ نظامیہ میں اس کو شامل کرلیا ہے۔ **فرید بُک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ** کی طرف سے اُردو کے ساتھ ساتھ ہندی زبان میں بھی یہ کتاب چھپ کر تیار ہے۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس کے نام سے ہی لگایا جاسکتا ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نافعیت اور قبولیت عامہ سے نوازے اور اللہ پاک مؤلف اور ہم سب کو اپنی رضا، عالی سے سرفراز فرمائے۔

— محمد ناصر خان

تاثر از مولانا مبارکپوری حفظہ اللہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد:

عزیز گرامی قدر مولانا رضوان اللہ ریاضی صاحب کی کتاب ''رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل کس کے ساتھ، کیسا؟'' کو میں نے جستہ جستہ پڑھا ہے. اس میں آپ نے رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل یتیموں، بیواؤں، غلاموں، خادموں، بیماروں، غریبوں ومسکینوں، مظلومین، قیدیوں، بھیک مانگنے والوں، ملازمین اور ان کے مالکان، لڑکی والوں، حیوانوں، مہمانوں، مالداروں ورئیسوں، دینی ذمہ داران، بندر کے گلے میں موتیوں کا مالا پہنانے والوں، مشورہ لینے دینے والوں، تاجروں، پڑوسیوں، جورو کے غلاموں، والدین، شادی سے اعراض کرنے والوں، اعتراض کرنے والوں، دین کا مذاق اڑانے والوں، بدعتیوں، مداحوں وچاپلوسوں، دھوکہ دھڑی کرنے والوں، دودھ میں پانی ملانے والوں، حاسدوں، چوروں، شرابیوں، بہتان تراشوں، زانیوں، لواطت اور اغلام بازی کرنے والوں، رشوت خوروں، سودخوروں، حلالہ کی چھری چلانے والوں، دہشت گردوں، جانی دشمنوں اور اہل خانہ کے ساتھ کیسا تھا، اس سلسلے میں تفصیل سے لکھا ہے، اور ہر معاملے کی مدلل وضاحت کی ہے اور خوب کی ہے. کس کے ساتھ کیسا سلوک اور طرز عمل ہونا چاہیے اس سلسلے میں کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو سکا ہے ہر موضوع کو خوب اچھی طرح نکھارا ہے.

اللہ کرے یہ سلسلہ مقبول ہو اور لوگوں کو اس سے رہنمائی حاصل ہو اور رفتہ رفتہ مسلمانوں میں اس عادت کو پکڑنے کا رواج چل پڑے اور معاشرے میں اس کے اثرات دیکھے جائیں.

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کے علم وعمل میں دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے

اور ان کے قلم کو خطا وخلل سے محفوظ رکھتے ہوئے انہیں اخلاص کی نعمت سے مالا مال کرے اور ان کی تحریر سے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے. آمین

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم

کتبہ

صفی الرحمٰن مبارکپوری

۲۸/ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ، ۷/ مئی ۲۰۰۵ء

تقریظ از ڈاکٹر فریوائی حفظہ اللہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله الكريم، أما بعد:

زیر نظر کتاب ''رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل کس کے ساتھ، کیسا؟'' تالیف/شیخ رضوان اللہ ریاضی کا موضوع کتاب کے نام اور عنوان سے ظاہر ہے۔ نبی اکرم ﷺ سارے جہاں کے لیے رحمت ہیں اور آپ کی زندگی پوری کی پوری انسانوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ سیرت ایک بڑا وسیع موضوع ہے اور محدثین عظام رحمہم اللہ نے رسول اکرم ﷺ کی زندگی کے تشریعی اور غیر تشریعی پہلوؤں پر بے شمار کتابیں تصنیف کی ہیں، اور سیرت وشمائل نبویہ اور مغازی وسیر اور دلائل نبوت وغیرہ پر بے شمار مؤلفات بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ احادیث نبویہ کے مختلف اور متنوع مجموعوں میں (جن میں سے بیشتر کی حیثیت انسائیکلوپیڈیائی ہے) ہر ہر گوشہ پر مواد موجود ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی بالاستیعاب سیرت کے لیے صرف صحیح بخاری کا مطالعہ ہی کافی ہوگا۔ رسول اکرم ﷺ نے نبوت ورسالت کے تیئس سال انسانی معاشرہ میں ایک عام انسان کی طرح گزارے اور اللہ کے رسول کی حیثیت سے آپ نے اپنی زندگی کا جو نمونہ پیش کیا اس میں ہر سطح کے لوگوں کے لیے رشد وہدایت کا سامان موجود ہے۔

زیر نظر کتاب میں اکتالیس عنوانات کے تحت رسول اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ یا آپ کے اسوۂ حسنہ کو اس انداز سے مرتب کیا گیا ہے کہ معاشرے کے ہر طبقہ کے استفادہ کے لیے اور اس سے عبرت وموعظت حاصل کرنے کے لیے اس کا ہر عنوان اپنے اندر جاذبیت رکھتا ہے۔ احادیث کے مجموعوں میں سے اس طرح کا انتخاب اور اس طرح کی ترتیب جس میں معاشرے کے ہر طبقہ کے سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کی زندگی اور آپ کے ارشادات کی روشنی میں لوگوں کے لیے سامانِ رشد وہدایت بہم پہنچایا جائے، یہ بڑی ہی مفید کوشش ہے۔

معاشرے کا ہر طبقہ اس کتاب کے ایک سے زائد عنوان سے مستفید ہو سکتا ہے؛ بالخصوص جو آدمی جس طبقہ سے ہے یا جس طبقہ کی نمایندگی کر رہا ہے اس کے لیے ان موضوعات میں دلچسپی کا پورا سامان موجود ہے۔ نیز یہ ایک ایسا آئینۂ نبوت ہے جس میں انسان اپنا سراپا دیکھ کر اپنی اصلاح کی کوشش کر سکتا ہے جو یہ اور اس طرح کی کتابوں کا اصل مقصد ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو زیادہ مفید عام بنائے اور اس کے مؤلف کے لیے اس کو توشۂ آخرت بنائے، اور جس نے بھی اس سلسلے میں کوشش کی ہو اس کو بھی اپنی توفیق سے نوازے، آمین۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی
أستاذ حدیث جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامیة بالریاض

۱۹ ربیع الآخر ۱۴۲۶ھ
۲۷ مئی ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ

الحَمْدُ لِلَّهِ وَحْدَهُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ، أَمَّا بَعْدُ:

قارئین کرام! آپ کے ہاتھ میں میری یہ کتاب ''رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل کس کے ساتھ، کیسا ؟'' ہے، جسے میں نے تقریباً چار سال قبل لکھنا شروع کیا تھا اور آج اس کا مقدمہ لکھنے بیٹھا ہوں .مگر جو احساسات قلمبند کرنا چاہتا تھا، شاید انہیں کما حقہ قلمبند نہ کر سکوں. کیونکہ علمی کمزوری کے ساتھ ساتھ قلمی صلاحیت کی کمی کا احساس تو پہلے ہی سے تھا، مگر رہی سہی کسر خانہ کعبہ کے دیدار نے پوری کر دی. چونکہ یہ مقدمہ لکھتے وقت کعبہ سامنے ہے، اس لیے نہ تو دل پر قابو ہے نہ دماغ پر، جس کی وجہ سے احساسات کو حیطۂ تحریر میں لانا مشکل ہو رہا ہے؛ بلکہ احساسات نے کچھ اور ہی رخ اختیار کر لیا ہے.

مسجد حرام کے باب النبی ﷺ پر بیٹھا یہ مقدمہ لکھ رہا ہوں، سامنے خانہ کعبہ نظر آ رہا ہے، اس کے کالے غلاف پر سونے سے لکھے ہوئے حروف سورج کی شعاعیں پڑنے کے سبب چمچما رہے ہیں، عمرہ کرنے والوں کا ازدحام ہے، عورتیں، مرد، بچے اور بوڑھے سب یکسوئی کے ساتھ طواف کعبہ میں مستغرق ہیں، حجر اسود کے پاس کچھ زیادہ ہی بھیڑ ہے. جوانوں کا طبقہ اسے بوسہ دینے کے لیے بیتاب ہے، مقام ابراہیم بھی سامنے ہے، طواف سے فارغ ہونے والے اس کے پیچھے سنت پڑھ رہے ہیں، بعض لوگ ملتزم سے چپک کر زار و قطار آنسو بہا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور اپنی مرادیں مانگ رہے ہیں، حجر اسود کے سامنے خانہ کعبہ سے معلق رسی کے سہارے پولیس کھڑی ہے جو لوگوں کو غیر ضروری ازدحام سے منع کر رہی ہے .ایسی پُر ایمان فضا کے دیکھتے ہوئے جذبات واحساسات کنٹرول میں رہیں، شاید یہ دنیا

کے کسی بھی مسلمان کے بس کا روگ نہیں!!

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے، اس کا عنوان سیرت نبوی سے منسلک ہے. اس میں اسی ہستی کے افعال وکردار اور طرزِ عمل کو واضح کیا گیا ہے جس کی لائی ہوئی شریعت نے آفاق عالم میں اپنی حقانیت سے معترضین کے کان کھڑے کر دیے ہیں اور صرف ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پنٹا گان کی تباہی کے بعد اب تک امریکہ اور برطانیہ میں ہزاروں لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور روز افزوں کفرستان، اسلامستان میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے اور آج کعبہ کے اردگرد مسلمانوں کا جم غفیر اسی مبارک ہستی کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق طواف کرتا نظر آ رہا ہے. جی ہاں! یہی وہ کعبہ ہے جس کے سائے میں آج سے پندرہ سو سال قبل عبد المطلب کا فرش لگتا تھا اور ان کی ہیبت سے ان کے اپنے لڑکے بھی فرش سے الگ تھلگ مودب بیٹھتے تھے، اسی دوران وہ ہستی بھی نمودار ہوتی تھی جس کے افعال وکردار کے بارے میں؛ شاہوں، گداؤں، امیروں، فقیروں، یتیموں، بیواؤں، دشمنوں اور دہشت گردوں حتی کہ جانوروں کے ساتھ جس کے طرز عمل کے بارے میں یہ کتاب منصۂ شہود پر آئی ہے. نوخیز عمر نے ابھی آٹھ سال کا وقفہ بھی مکمل نہیں کیا تھا، وہ ہستی لڑکھڑاتے ہوئے قدموں پر آگے بڑھتی تھی، ہر ایک پیار ومحبت کی نگاہ سے اسے دیکھتا تھا، کیوں کہ معصومیت اس کے چہرے سے ٹپکتی تھی، اس کا حسن گفتار اور اس کی شوخ وچنچل آواز سامعین کو مسحور کیے دے رہی تھی؛ چنانچہ وہ بچہ آ کر عبدالمطلب کے فرش پر بیٹھ جاتا تو عبدالمطلب کے بیٹے اور اس بچے کے چچا لوگ اس کا ہاتھ پکڑ کر فرش سے اٹھا دیتے تھے. مگر جب عبدالمطلب کی نظر اس مبارک ہستی پر پڑتی تو فرماتے:

''میرے اس بیٹے کو چھوڑ دو، اللہ کی قسم! اس کی شان نرالی ہے''.

پھر اس عظیم شخصیت کو اپنے فرش پر بیٹھا لیتے، اپنے ہاتھ سے اس کی پیٹھ سہلاتے اور اس کی نقل وحرکت کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ [ابن ہشام (۱/۱۶۸)]

ہاں یہ کتاب اسی ہستی کے طرز عمل کے بارے میں لکھی گئی ہے جو بچپن ہی سے لوگوں کے لیے سراپا رحمت تھی رحمت...اور بسا اوقات اس کا اظہار یہاں کعبہ کے پاس بھی ہوتا تھا جو ابھی میری نگاہوں کے سامنے ہے... مکہ کے لوگ قحط سے دوچار ہیں، بابائے قریش ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں:

''ابوطالب! آپ سے مخفی نہیں کہ ہماری وادی قحط کا شکار ہے، بال بچے کال کی زد میں ہیں، جانور پانی کے بغیر بلبلا رہے ہیں، ذرا چل کر دعا فرما دیجیے۔''

ابوطالب قریش کی درخواست سن کر ایک چھوٹے سے معصوم بچے کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں جو اپنے چچا جان کی انگلی پکڑ کر اپنے چھوٹے چھوٹے قدموں پر چل رہا ہے، بچہ ابر آلود سورج معلوم ہوتا ہے جس سے گھنا بادل ابھی ابھی چھٹا ہو، اس کے اردگرد اور بھی بچے ہیں. ابوطالب اس معصوم بچے کو پکڑ کر اس کی پیٹھ کعبہ کی دیوار سے ٹیک دیتے ہیں، بچے نے ان کی انگلی پکڑ رکھی ہے، اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہیں آتا، مگر دیکھتے ہی دیکھتے اِدھر اُدھر سے بادل کی آمد شروع ہو جاتی ہے اور ایسی موسلا دھار بارش ہوتی ہے کہ وادی میں سیلاب آجاتا ہے اور شہر و بیاباں شاداب ہو جاتے ہیں... ہاں! یہ بچہ وہی تھا جس کو دنیا محمد کے نام سے جانتی ہے اور بعد میں ابو طالب نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کر کے محمد ﷺ کی مدح میں کہا تھا:

وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الغَمَامُ بِوَجْهِهِ   ثِمَالُ اليَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

''وہ خوبصورت اور گورے ہیں، ان کے چہرے سے بارش کا فیضان طلب کیا جاتا ہے، یتیموں کے والی اور بیواؤں کے نگراں ہیں''.

مگر دنیا کی تاریخ میں شاید کوئی ایسا دور نہیں گزرا ہے جس میں اس آدمی کو ستایا نہ گیا ہو، جس نے لوگوں کو ظلمت سے نور کی طرف نکالنے کی کوشش کی ہے؛ خواہ وہ آدمی کتنا ہی بڑا مصلح اور ریفارمر کیوں نہ ہو!! اسے ضرور مخالفین سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے!! پنجہ آزمائیاں بھی کرنی پڑتی

ہیں!! آتش وآہن کی ضربیں بھی برداشت کرنی پڑتی ہیں!! بسااوقات اپنے شیر خوار بچوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے!! اور وہی لوگ اس کے دشمن بن جاتے ہیں جو پہلے کبھی اس کے جگری دوست تھے!! اور یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جب حق کا اعلان کیا تو وہی لوگ آپ کے جانی دشمن بن گئے جن کو آپ کی برکت بچپن ہی میں لگ چکی تھی. صادق وامین کے لقب سے ملقب کرنے والے اب آپ کو اپنے مذہب و معاشرہ کا گستاخ سمجھنے لگے اور انہیں وہ واقعہ بھی متأثر نہیں کر سکا کہ تعمیر کعبہ کے بعد حجر اسود نصب کرنے کا جھگڑا ختم کرنے والی ہستی کبھی انصاف سے ہٹ کر ایک لفظ بھی لب کشائی نہیں کر سکتی!! چنانچہ اسی کعبہ کے سامنے اس متبرک ہستی کو ذلیل ورسوا کیا گیا!!.. سر انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ سجدہ میں ہے، رسول اکرم ﷺ اپنے پروردگار سے سرگوشی کر رہے ہیں، کعبہ کے نزدیک ہی ابوجہل بھی بیٹھا ہوا ہے اور عقبہ بن ابی معیط کے ذریعے آپ ﷺ کے سر پر اونٹنی کی اوجھڑی ڈلوا دیتا ہے. سر پر اوجھڑی پڑی ہوئی ہے اور سجدہ سے اوپر نہیں اٹھ رہا ہے، اتنے میں ایک آدمی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جا کر خبر دیتا ہے کہ تیرے باپ کو کعبہ کے پاس میں نے دیکھا ہے، ان کے سر پر اوجھڑی رکھی ہوئی ہے، اوجھڑی کے بوجھ سے وہ اب تک سجدہ ہی میں پڑے ہوئے ہیں اور ابوجہل اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہ قابلِ رحم منظر دیکھ کر مزے لے رہا ہے. حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے چھوٹے قدموں پر دوڑتی ہوئی آتی ہیں اور رو رو کر اپنے باپ کے سر سے اوجھڑی ہٹاتی ہیں...!!

یہی نہیں بلکہ جس ہستی کی تگ ودو کی بدولت یہ خانہ کعبہ بتوں کی پرستش سے آزاد ہوا، اسی ہستی کو کفار مکہ نے خانہ کعبہ کے پاس نماز کی ادائیگی سے روک دی اور طرح طرح کی ایذائیں بھی دیں. ایک مرتبہ آپ ﷺ نے دشمنوں کی بات نہ مان کر کعبہ کے پاس نماز شروع کر دی تو ان کافروں نے آپ کو بہت زیادہ زدوکوب کیا؛ حتی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی مار مار کر بے ہوش کر دیا گیا جنہوں نے آپ کی حمایت میں آواز بلند کی تھی. مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے دشمنوں

کے ساتھ جو طرز عمل اپنایا وہ دنیا کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے؛ وہ طرز عمل تھا آپ کے عفو ودر گذر کا!!......

اسی کعبہ کے اردگرد پیش آنے والے واقعات کے تناظر میں ذرا تاریخ اسلامی کا مطالعہ کیجئے اور اندازہ لگائیے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے مخالفین کے ساتھ بھی کس قدر قابل ستائش طرز عمل اپنایا اور اپنے احباب کے لاکھ شکوہ کے باوجود ان لوگوں کے حق میں بد دعا کے لیے ہاتھ نہیں اٹھایا جنہوں نے آپ کا وجود ختم کر دینے کی قسمیں کھا رکھی تھیں...... آپ ﷺ کعبہ کے سایے میں اپنی چادر کو تکیہ لگائے لیٹے ہوئے ہیں، اتنے میں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں:

"يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَلاَ تَسْتَنْصِرُنَا؟ أَلاَ تَدْعُو لَنَا؟".

"اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے لیے مدد طلب نہیں کریں گے؟ ہمارے لیے اللہ سے دعا نہیں کریں گے؟"

یہ سن کر رسول اکرم ﷺ کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اور فرماتے ہیں:

"قَدْ كَانَ مَن قَبْلَكُم يُؤخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْفَرُلَهُ فِي الأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهَا ثُمَّ يُؤتَى بِالمِنشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأسِهِ فَيُجْعَلُ نِصْفَيْنِ وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ وَعَظْمِهِ، مَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَن دِينِهِ، وَاللَّهِ! لَيُتِمَّنَّ اللَّهُ هَذَا الأَمْرَ حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِن صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ لاَ يَخَافُ إِلَّا اللَّهَ وَالذِّئْبَ عَلَى غَنَمِهِ، وَلَكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ".

"تم سے پہلے جو مسلمان تھے ان کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا، پھر ان کو اس میں گاڑ دیا جاتا، پھر ان کے سر پر آرا رکھ کر چلایا جاتا اور انہیں دو ٹکڑے میں پھاڑ دیا جاتا؛ نیز لوہے کی کنگھیاں ان کی ہڈی اور پٹھوں تک کی جاتیں، مگر اس طرح کی سخت آزمائشیں بھی انہیں اپنے

دین سے نہیں پھیرتی تھیں. اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور ایک نہ ایک دن غالب کر کے رہے گا، یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے (جو یمن کا پایہ تخت ہے) حضرموت تک کا سفر کرے گا اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا، یا اور کوئی ڈر ہوگا تو وہ یہ کہ اپنی بکریوں پر بھڑیے کا، مگر تم لوگ جلدی مچا رہے ہو"(۱).

اور اس سے بھی بڑھ کر عفو ودرگذر کی مثال اس دن قائم ہوتی ہے جس دن مکہ کی باگ ڈور کفار کے ہاتھ سے چھن کر رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ میں آتی ہے... یہی وہ کعبہ ہے جہاں آپ کو ستایا گیا، پیٹا گیا، گالیاں دی گئیں، برا بھلا کہا گیا اور اتفاق سے وہ تمام مجرمین یہاں سر جھکائے ہوئے موجود ہیں؛ مگر آپ خانہ کعبہ سے تین سو ساٹھ بتوں کو گراتے جاتے ہیں اور پڑھتے جاتے ہیں:

﴿جَاءَ الحَقُّ وَزَهَقَ البَاطِلُ إِنَّ البَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾.

''حق آیا اور باطل مٹ گیا، اور باطل تو ہے ہی نیست ونابود ہونے والا''. [الاسراء:۸۱]

پھر بعد میں آپ ﷺ اسلامی حکومت کا اعلان کرتے ہیں اور سارے مجرمین کو معاف فرما کر'' لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ اليَوْمَ اذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ'' کا مژدہ سناتے ہیں!!

پھر کیا خیال ہے آپ کا اس ہستی کے بارے میں......؟

میں سمجھتا ہوں کہ کعبہ کے سامنے بیٹھ کر میں نے جن احساسات کے پیش نظر کعبہ ہی کے اردگرد پیش آمدہ واقعات کی روشنی میں جو کچھ بیان کیا ہے، اس سے آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ رسول اکرم ﷺ یقیناً تمام بنی نوع انسان کے لیے اُسوۂ حسنہ ہیں اور انسانیت اسی وقت فلاح وبہبودی کی راہ پر گامزن ہوسکتی ہے جبکہ وہ ہر ایک کے ساتھ وہی طرزِ عمل اختیار کرے جو رسول اکرم ﷺ نے اپنایا ہے اور جس کی تعلیم دی ہے. اسی لیے تو قرآن میں کہا گیا ہے:

(۱) بخاری: المناقب/علامات النبوة فی الإسلام (۳٦۱۲) أحمد (۵/۱۰۹) أبوداود (۲٦٤۹).

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾.

''بلاشبہ رسول اللہ ﷺ میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے''. [الاحزاب:۲۱]

اس کتاب سے متعلق چند باتیں بطور استحضار درج ذیل ہیں:

① کتاب کا اصل موضوع جیسا کہ کتاب کے نام سے واضح ہے، سیرت نبوی سے متفرع ہے .اس میں قارئین کئی ایک عناوین ایسے بھی پائیں گے جن کے تحت درج بیانات پڑھ کر انہیں شبہ ہوگا کہ بھلا اس عنوان کے تحت ایسی باتیں کیسے لکھ دی گئیں جبکہ رسول اکرم ﷺ کو ان سے کچھ واسطہ ہی نہ تھا. مثال کے طور پر ایک عنوان ہے'' رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل والدین کے ساتھ''. یہاں قارئین کو یہ شک ہوسکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ ابھی ماں کے پیٹ ہی میں تھے کہ آپ کے والد محترم حضرت عبد اللہ کا انتقال ہو گیا اور ابھی چھ سال کی عمر ہوئی تھی کہ والدہ محترمہ حضرت آمنہ بھی آپ کو داغ مفارقت دے گئیں. تو پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے والدین کے ساتھ کسی قسم کا طرز عمل اپنایا ہوگا ؟ اس قسم کا شبہ بالکل درست ہے مگر مطالعہ کرتے وقت یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ بھلے ہی رسول اکرم ﷺ نے اپنے والدین کے ہمراہ زندگی نہیں گزاری ہے، لیکن آپ ﷺ نے اپنی امت کو والدین کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا طرز عمل اپنانے کی تعلیم دی ہے، اور اس سلسلے میں بہت ہی عمدہ تعلیمات احادیث اور سیرت کی کتابوں میں بھری پڑی ہیں؛ چنانچہ انہی کے پیش نظر میں نے یہ اور اس قسم کے دیگر عناوین قائم کیے ہیں.

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ وہ اسی نقطہ کو ذہن میں رکھ کر مطالعہ کریں تا کہ کتاب کا مدعا بآسانی سمجھ میں آ جائے؛ نیز ہر عنوان اور اس کے تحت تحریر کردہ باتوں سے ان کی ذہنی مطابقت ہو جائے. اس لیے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کی بتائی ہوئی تعلیمات اور آپ کے اپنائے ہوئے طرز عمل ہی کی روشنی میں یہ کتاب ترتیب دی ہے تا کہ عوام النّاس کو معلوم ہو

جائے کہ رسول اکرم ﷺ نے کس کے ساتھ کیسا طرزِ عمل اپنایا ہے؟ ...اور مقصد صرف یہ ہے کہ ہر مسلمان سبھوں کے ساتھ خواہ کوئی دوست ہو یا دشمن، قریبی رشتہ دار ہو یا دور کا کوئی انسان، یا حیوانات ہی کیوں نہ ہوں، غرض ہر ایک کے ساتھ وہی طرزِ عمل اپنائے جو رسول اکرم ﷺ نے اپنایا ہے یا جس کی آپ نے تعلیم دی ہے، کیوں کہ وہی ایک ہستی ہے جو قابل نمونہ ہے اور جس کی پیروی اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے؛ بلکہ اپنی اطاعت کو رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کے ساتھ مشروط رکھی ہے ﴿مَنْ أَطَاعَ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾.

② اس کتاب میں سیرت رسول کے ہر پہلو پر گفتگو کی جا سکتی ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس موضوع میں اتنی زیادہ وسعت ہے کہ احادیث اور سیرت کی ساری کتابیں ہی اس میں داخل کی جا سکتی ہیں. مگر یہ ایک انسان کی لاکھ کوشش کے باوجود ناممکن ہے. اسی لیے سیرت کے مختلف گوشوں پر لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں اور اپنے اپنے انداز میں دنیا کو رسول اکرم ﷺ کا پیغام دیا ہے(۱). میں نے بھی رسول اکرم ﷺ کے عام طرزِ عمل سے متعلق مواد اکٹھا کرنے کی کوشش کی ہے جو بلاشبہ قابل قدر کام ہے مگر رسول اکرم ﷺ کے طرزِ عمل کے ہر گوشے کو

(۱) رسول اکرم ﷺ کے مختلف اوصاف کو بنیاد بنا کر علمائے کرام نے علیحدہ علیحدہ کتابیں لکھی ہیں. اس دنیا میں کوئی بھی ایسی ہستی نہیں ہے جس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کے متعلق لکھی جانے والی کتابوں کے عشرِ عشیر بھی لکھی گئی ہوں. جبکہ سیرتِ نبوی ﷺ کے موضوع پر آئے دن کتابیں دنیا کی بیشتر زبانوں میں منظر عام پر آ رہی ہیں اور امتِ محمدیہ کے علاوہ دیگر مذاہب کے پیروکار بھی بک اسٹالوں سے یہ کتابیں بڑے شوق سے خریدتے ہیں. کیونکہ کامل واکمل انسان ہی کسی اور کے لیے اسوہ بن سکتا ہے اور یہ کمال صرف اور صرف ایک ہی شخصیت کو حاصل ہے جس کو دنیا ''محمد ﷺ'' کے نام سے جانتی ہے. رسول اکرم ﷺ کا ایک وصف ہنسی خوشی اور مذاق بھی ہے. الحمد للہ رسول اکرم ﷺ کے اس وصف کے بارے میں عربی زبان میں ''ضحک النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وتبسمه ومزاحه'' کے نام سے ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب مجھے بھی تالیف کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، جو سعودی عرب میں شائع ہوئی ہے اور ماشاء اللہ اسے بڑی ہی پذیرائی ملی ہے. فالحمد للّٰہ علی نعمه وفضله.

تحریر کرنے کے لیے کئی ہزار صفحات درکار ہوں گے جنہیں قلمبند کرنے کے لیے نہ تو کسی مؤلف کی عمر مستعار وفا کر سکتی ہے اور نہ ہی قارئین ان کے مطالعہ کے متحمل ہو سکتے ہیں. اس لیے میں نے کوشش کی ہے کہ بہت ساری باتوں سے صرفِ نظر کر کے اپنی اس کتاب میں رسول اکرم ﷺ کے طرزِ عمل سے متعلق صرف ان اہم مباحث کو صفحۂ قرطاس پر جگہ دوں جو آیندہ نسل کے لیے اصول و بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن کی روشنی میں اسلامی معاشرے کی اصلاح وترقی کا کام تیزی کے ساتھ انجام دیا جا سکے. اس سلسلے میں مختلف عناوین کا انتخاب کر کے میں ایک خالی جگہ کو پر کرنے میں کس قدر کامیاب ہو سکا ہوں اس کا اندازہ تو قارئین ہی کریں گے. ہاں! البتہ اتنا ضرور کہوں گا کہ اتنے صفحات لکھنے کے باوجود بھی میرا ضمیر رسول اکرم ﷺ کی زندگی کے مزید گوشوں پر لکھنے کے لیے قلم کو جنبش دینے کی بار بار دعوت دے رہا تھا مگر اتنی تفصیل لکھنے کے لیے وقت کہاں؟! اور اس سے بھی بڑھ کر المیہ یہ ہے کہ ہمارے قارئین کے پاس مجھ سے بھی زیادہ کم وقت ہے، جبکہ اپنے وقت کا حال یہ ہے کہ سعودی عرب کی اس زندگی میں اپنی ڈیوٹی کمپنی کی ڈیوٹی کے ساتھ جوڑنے پر یومیہ 16/ گھنٹے سے تجاوز کر کے 20/ کی سرحد میں گھس جاتی ہے!!

③ میں نے کوشش کی ہے کہ ہر عنوان کے متعلق جو کچھ بھی مواد اکٹھا کروں وہ مستند ہو. چنانچہ میں نے امہات کتب کی مدد سے ہی اپنی تحریر کی تکمیل کی ہے اور احادیث پر فن حدیث کے ماہر علماء کا حکم بھی نقل کر دیا ہے؛ تا کہ ہمارے قارئین جو بھی پڑھیں وثوق کے ساتھ پڑھیں، اور تا کہ صحیح وضعیف کی آمیزش اور رطب ویابس کی موجودگی ان کو شبہ کی عمیق وادی میں نہ ڈال دے. کتاب کے اندر درج شدہ مراجع وحواشی میں جس عرق ریزی وجانفشانی سے کام لیا گیا ہے اس کا اندازہ قارئین دورانِ مطالعہ بخوبی لگا سکتے ہیں. مجھے یقین ہے کہ جہاں یہ کتاب عام لوگوں کے لیے مفید ہوگی، وہیں علماء وفضلاء کے طبقہ میں بھی حسن نگاہ سے دیکھی

جائے گی. ان شاء اللہ

④ ہر عنوان کے لکھتے وقت قارئین کی تشنگی کا خیال رکھا گیا ہے، جیسا کہ میں نے اس سے پہلے اپنی کتاب ''غیرت کا فقدان اور اس کا علاج، قرآن وسنت کی روشنی میں'' لکھتے وقت اس بات کا لحاظ رکھا تھا جو ہندستان، پاکستان اور سعودی عرب میں شائع ہو چکی ہے اور الحمد للہ قارئین کی جانب سے اچھے اور خوش کن تاثرات ملے ہیں.

رسول اکرم ﷺ کے طرزِ عمل سے متعلق اس کتاب میں جہاں عوام کی تشنگی کا خوب خوب لحاظ رکھا گیا ہے وہیں منبر ومحراب کی زینت بننے والے حضرات بھی اپنے منتخب موضوع کے سلسلے میں اس سے خوب خوب استفادہ کر سکیں گے.

⑤ کتاب کی اول تا اخیر ٹائپنگ کا کام گرامی قدر دوست جناب عاصم صدیقی سلفی حفظہ اللہ نے انجام دیا ہے اور بڑے ہی خوبصورت انداز میں سیٹنگ کی ہے جس کے سبب کتاب کی طباعت میں چار چاند لگ گیا ہے. اللہ تعالیٰ موصوف کو اس کا کامل جزائے خیر عطا کرے اور انہیں سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرے.

⑥ کتاب کی تیاری میں جن جن حضرات نے جس قسم کا بھی تعاون پیش کیا ہے، میں ان کا بے حد ممنون ومشکور ہوں. ساتھ میں یہ عرض کر دوں کہ اس کتاب میں جو کچھ بھی درج ہے وہ ایک طالب علم کی ادنیٰ سی کوشش ہے جس میں غلطیوں کا احتمال بہر حال موجود ہے. لہٰذا میں بھی یہاں وہی کچھ کہوں گا جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کسی مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے کہا تھا:

''أَقُولُ فِيهَا بِرَأْيِي فَإِنْ كَانَ صَوَاباً فَمِنَ اللّٰهِ وَإِنْ يَكُنْ خَطْأً فَمِنِّي وَمِنَ الشَّيْطَانِ، وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ بَرِيئَانِ مِنهُ''.

''اس مسئلہ میں میری یہ رائے ہے، اگر یہ صواب ودرست ہے تو یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو یہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ اور اس کے رسول اس سے بری ہیں''.

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ دورانِ مطالعہ اگر کتاب میں کوئی غلطی نظر آئے یا شریعتِ اسلامیہ کے خلاف کوئی بات ہوتو براہِ کرم مطلع کرنے کی زحمت گوارہ کریں۔ صد شکریہ کے ساتھ آپ کا مخلصانہ مشورہ قبول کیا جائے گا.

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور آپ کو ہر ایک کے ساتھ وہی طرز عمل اپنانے کی توفیق بخشے جو رسول اکرم ﷺ نے اپنایا اور جس کی آپ نے تعلیم دی ہے. نیز اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو میری، میرے والدین اور بیوی بچوں کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے.

﴿يَوْمَ لاَ يَنْفَعُ مَالٌ وَلاَ بَنُونَ إِلاَّ مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ﴾ آمین یارب العالمین!

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

أخوكم:

رضوان اللہ ریاضی

مسجد حرام، مکہ مکرمہ

۲۷ر جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ، مطابق ۱۳ر اگست ۲۰۰۴ء، ۱۱/ بجے دن، قبل الجمعہ

موبائل نمبر +966-567354917

Email: drizwanfs@hotmail.com

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل یتیموں کے ساتھ

وہ کمسن بچہ جو باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو چکا ہو، خاندان کے ہر رکن کا فرض ہے کہ اس کو آغوشِ محبت میں رکھے، اس کی تعلیم و تربیت پر پورا دھیان دے، اس کے مال وجائداد کی صاحبِ عقل وشعور ہونے تک حفاظت کرے اور پھر امانت کے ساتھ اسے واپس کردے. اگر لڑکی ہے تو اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کے علاوہ کوئی مناسب رشتہ تلاش کر کے اس کی شادی بیاہ کردے۔

یہ وہ اوامر واحکام ہیں جو شریعتِ اسلامیہ نے کسی یتیم کی پرورش و پرداخت اور دیکھ بھال کرنے والے ذمہ داروں پر واجب قرار دیا ہے اور جسے لے کر مکہ کی سرزمین میں فاراں کی چوٹی سے وہ ذاتِ مبارکہ نمودار ہوئی جو ابھی اپنی ماں کے پیٹ ہی میں تھی کہ باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئی اور جب چھ سال کی عمر ہوئی ہے تو ماں کا سایۂ محبت بھی اٹھ گیا. ایسی صورت میں ضروری تھا کہ پیغمبر امی ﷺ کو اس سرزمین کے آباد کاروں میں یتیموں کے لیے نمونہ بنا کر مبعوث کیا جائے جہاں آئے دن قتل وغارت گری، جنگ وجدال، بدامنی وبداخلاقی اور سب سے بڑھ کر ظالمانہ وغاصبانہ طور پر دوسروں کے حقوق کی پامالی کے سبب یتیموں کا کوئی رکھوالا نہیں، لیکن ان کے مال وجائداد کا ہر ایک لالچی وحریص تھا.

عرب میں یہ رواج تھا کہ یتیم عموماً اپنے باپ کی وراثت سے محروم ہی رہا کرتے تھے کیونکہ چھوٹے بچوں کو وہ وراثت کا حقدار نہیں سمجھتے تھے(1). اور بسا اوقات ان یتیموں کے ساتھ بدسلوکی بھی کیا کرتے تھے. قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر اسے بیان کیا گیا ہے؛ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿أَرَأَيْتَ الَّذِى يُكَذِّبُ بِالدِّينِ فَذٰلِكَ الَّذِى يَدُعُّ الْيَتِيمَ﴾

(١) تفسیر ابن جریر طبری، سورة النساء، ج: ٤/ ١٧٠.

''اے میرے نبی! کیا آپ نے اس آدمی کو دیکھا ہے جو جزا وسزا کے دن کو جھٹلاتا ہے، یہ وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے''(۲) [الماعون:۱،۲].

سورۃ الفجر میں ان سرپرستوں کے متعلق بیان کیا گیا ہے جو یتیموں کے جوان ہونے کے خوف سے ان کے باپوں کی متروکہ جائداد (وراثت) کو ہضم کر جانا چاہتے تھے. ارشاد ہے:

﴿كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾

''ہرگز نہیں، بلکہ تم یتیم کی قدر نہیں کرتے ہو اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو

---

(۲) قاضی ابو الحسن الماوردی نے ''أعلام النبوۃ'' میں یتیموں کے ساتھ ناانصافی کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا ہے:
''ابوجہل ایک یتیم کا وصی تھا. وہ بچہ ایک دن اس کے پاس ایسی حالت میں آیا کہ اس کے بدن پر کپڑے تک نہ تھے اور اس نے ابوجہل سے التجا کی کہ اس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے اسے کچھ دیدے. لیکن اس ظالم نے اس یتیم کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور آخر کار وہ کھڑے کھڑے مایوس ہو کر واپس ہو گیا. قریش کے سرداروں نے اس یتیم سے از راہِ شرارت کہا کہ محمد کے پاس جا کر شکایت کر، وہ ابوجہل سے سفارش کر کے تجھے تیرا مال دلا دیں گے. بچہ بے چارہ ناواقف تھا کہ ابوجہل سے محمد ﷺ کا کیا تعلق ہے اور یہ شریر لوگ اسے کس مقصد کے پیش نظر یہ مشورہ دے رہے ہیں. وہ سیدھے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور اپنا معاملہ آپ کو کہہ سنایا. آپ ﷺ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور بچہ کو ساتھ لے کر اپنے جانی دشمن ابوجہل کے ہاں تشریف لے گئے. آپ ﷺ کو دیکھ کر اس نے آپ کا استقبال کیا اور جب آپ نے اس سے کہا کہ اس بچے کا حق اسے دے دو تو وہ فوراً مان گیا اور یتیم کا مال لا کر اسے دے دیا. قریش کے سردار تاک میں لگے ہوئے تھے کہ دیکھیں ان دونوں کے درمیان کیا ہنگامہ پیش آتا ہے، وہ کسی مزے دار جھڑپ کی امید کر رہے تھے. لیکن جب انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو حیران ہو کر ابوجہل کے پاس آئے اور اسے طعنہ دیا کہ تم نے بھی اپنا دین چھوڑ دیا؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! نہیں، میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا، بلکہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ محمد (ﷺ) کے دائیں اور بائیں ایک ایک حربہ ہے، اگر میں نے ذرا بھی ان کی مرضی کے خلاف ورزی کی تو وہ میرے اندر گھس جائے گا''.
اس واقعہ سے اندازہ لگائیے کہ اس زمانہ میں عرب کے ترقی یافتہ معزز قبیلے تک کے بڑے بڑے سرداروں کا بے یار ومددگار یتیموں کے ساتھ کیسا سلوک تھا؟!.

نہیں ابھارتے ہو، اور وراثت کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو، اور تم لوگ مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو"۔ [الفجر:۱۷،۲۰]

لیکن اس مظلوم فرقہ کی خوشحالی ودادرسی کا وقت تب آیا جب مکہ کے یتیم، تاجدارِ مدینہ، جن وانس کے سردار، انبیاء علیہم السلام کے امام، یتیموں کے غمگسار اور انسان ہی نہیں بلکہ حیوانوں کے لیے بھی سراپا رحمت بنا کر بھیجے جانے والے معلم ورہنما احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کا ورودِ مسعود ہوا اور پھر وحیِ آسمانی نے سب سے پہلے خود انہی کو خطاب کرکے یاد دلایا:

﴿أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيماً فَآوَىٰ وَوَجَدَكَ ضَآلاًّ فَهَدَىٰ وَوَجَدَكَ عَآئِلاً فَأَغْنَىٰ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلاَ تَقْهَرْ﴾ [الضحیٰ:۶،۹]

"کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم پا کر پناہ نہیں دی، اور آپ کو (رشد وہدایت سے) غافل پا کر آپ کی رہنمائی نہیں کی، اور فقیر ومحتاج پا کر آپ کو بے نیاز نہیں کردیا، پس آپ یتیم پر سختی نہ کیجئے"۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں یتیموں کی دادرسی کی بنیاد ڈالی اور اپنے اقوال واعمال سے ان کی خدمت میں بھر پور حصہ لینے والوں کے لیے ایک بہترین مثال پیش کی. آپ نے عرب کے رئیسوں اور مالداروں کو یتیموں کے متعلق اخلاقی ہدایات دیں اور اللہ تعالیٰ کی وحی سے انہیں آگاہ کیا کہ کسی کی مجبوریوں کی داستان سن کر لطف اندوز ہونے کے بجائے اس کی مجبوریوں کو دور کردینا اور ہچکولے کھاتی اس کی کشتی کو ساحل تک پہنچا دینا ہی دراصل حقیقی زندگی کی معراج ہے اور یہ معراج اسی وقت نصیب ہوسکتی ہے جب کہ ظلم وستم میں گرفتار مظلوموں کی گردنیں آزاد کردی جائیں اور یتیم ومسکین کی خدمت میں حتی الامکان کوشش کی جائے:

﴿فَكُّ رَقَبَةٍ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَومٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ﴾. [البلد:۱۳،۱۵]

"کسی گردن کو آزاد کرانا یا کسی فاقے کے دن کسی رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا"۔

رسول اکرم ﷺ کی جب مدنی زندگی شروع ہوئی تو پھر پہلے کی اخلاقی ہدایات نے قانون کی صورت اختیار کر لی اور قرآنِ کریم میں ان متولیوں کے متعلق خاص احکام نازل ہوئے جو

یتیموں کی بے کسی و بے بسی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں حق وراثت سے محروم رکھ دیتے تھے اور ان کی بددیانتی وبدنیتی کے سبب زندگی بھر اس بے کس گروہ کو ٹھوکر کھانا پڑتا تھا؛ چنانچہ ان متولیوں سے کہا گیا:

﴿وَآتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلاَ تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلاَ تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا﴾[النساء:٢]

''یتیموں کا مال ان کے حوالے کردو اور حلال و پاک کے بدلے میں حرام و ناپاک کو اختیار نہ کرو، اور اپنے مال کے ساتھ ان کے مال ملا کر نہ کھاؤ، بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے''.

نیز ان سرپرستوں کو حکم دیا گیا کہ یتیموں کے باشعور ہونے سے قبل ان کے مال ان کے سپرد نہ کردو کہ وہ کم عقلی کی بنا پر دھوکہ کھا کر اپنی جائداد سے ہاتھ دھو بیٹھیں، بلکہ سن رشد کو پہنچنے کے بعد ان کی عقل کو پرکھ کر ان کی امانت واپس کی جائے اور اس میں کسی قسم کا خرد برد نہ کیا جائے. ارشاد ہے:

﴿وَلاَ تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلاً مَعْرُوفًا وَابْتَلُوا الْيَتَامَى حَتَّى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلاَ تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا﴾

''اور اپنا مال کم عقلوں کے حوالے نہ کرو، جسے اللہ نے تمہارا ذریعۂ معاش بنایا ہے اور اس میں سے ان کے کھانے اور پہننے کا انتظام کرتے رہو، اور ان سے نرم لہجہ میں بات کرتے رہو، اور یتیموں (کی سمجھ بوجھ) کو آزماتے رہو، یہاں تک کہ وہ سن بلوغت کو پہنچ جائیں، اگر تمہیں ان کی ہوشمندی کی طرف سے اطمینان ہو جائے تو ان کا مال ان کے حوالے کردو، اور فضول خرچی کرکے اور ان کے بڑے ہونے سے پہلے جلدی کرکے اسے نہ کھاؤ''. [النساء: ٥، ٦].

چونکہ متولی یتیم لڑکی کی جائداد کو اپنے قبضہ میں کر لینے کی غرض سے اس سے شادی کر لیتے تھے اور اس لڑکی کو مجبور پا کر اسے ستاتے تھے، اس لیے مذکورہ آیت سے قبل ہی یہ حکم نازل ہوا:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾

''اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم بچیوں سے شادی کر کے ان کے ساتھ انصاف کا توازن برقرار نہیں رکھ سکو گے تو دوسری پسندیدہ عورتوں سے شادی کرلو'' [النساء:۳].

یتیموں کے متعلق اسلام کی ان تعلیمات کا اثر یہ ہوا کہ ایک قلیل سی مدت میں عربوں کی فطرت پلٹ گئی. وہی دل جو بے کس و بے بس یتیموں کے لیے سخت پتھر تھے، موم سے زیادہ نرم پڑ گئے اور اس کی ابتدا خود نبی کریم ﷺ نے اپنی ذاتِ مبارکہ سے کی. آپ ﷺ نے یہ اعلان فرمادیا:

''أنا وَكَافِلُ اليَتِيمِ فِي الجَنَّةِ هٰكَذَا'' (۳).

''میں اور کسی یتیم کی کفالت کرنے والے جنت میں یوں دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے''.

نیز یہ فرمایا:

''خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ''.

''مسلمانوں کا سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا جاتا ہو، اور مسلمانوں کا سب سے بدتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو'' (۴).

رسول اکرم ﷺ یتیم بچوں کے ساتھ انتہائی شفقت کے ساتھ ملتے تھے اور انہیں ایسا باور کراتے تھے کہ گویا وہ اپنے والدین میں سے کسی کے سایہ سے محروم نہیں ہیں، اور یہ اس لیے تاکہ ان کی دلجوئی ہو اور دیگر بچوں کی طرح وہ بھی خوش خوش رہیں. کبھی انہیں اپنے والدین کے نہ ہونے کا احساس نہ ہو کہ غمزدہ ہو جائیں اور کسی طرح کی کوئی خلش ان کے دل میں پیدا ہو جائے.

رسول اکرم ﷺ یتیم بچوں کا کس قدر خیال رکھتے تھے اور ان کے ساتھ کس قدر شفقت

---

(۳) بخاری: الأدب/ فضل من يعول يتيماً، باب: ۲٤/ ٦۰۰٥.

(٤) ابن ماجه: الأدب/ حق اليتيم (۳٦۷۹)، الأدب المفرد: باب ۷٦. شیخ البانی نے ضعیف کہا ہے.

ومحبت سے پیش آتے تھے؟ اس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے لگائیں. وہ بیان کرتے ہیں کہ دیکھو! میں، قثم اور عبیداللہ بن عباس چھوٹے بچے تھے، ہم کھیل رہے تھے کہ ہمارے پاس سے رسول اللہ ﷺ کی سواری کا گزر ہوا. آپ ﷺ نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''اسے اٹھا کر مجھے دو''. پھر مجھے اپنے آگے بیٹھا لیا اور قثم کے متعلق فرمایا: ''اسے بھی اٹھا کر مجھے دو''. اور اس کو پیچھے بٹھا لیا؛ حالانکہ عبیداللہ حضرت عباس کو قثم سے زیادہ عزیز تھا. لیکن آپ ﷺ نے اپنے چچا عباس کے جذبات کا بھی لحاظ نہیں کیا (کہ قثم کو تو اٹھا لیا اور عبیداللہ کو چھوڑ دیا). پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور ہر مرتبہ یہ دعا فرمائی:

''اللَّهُمَّ اخْلُفْ جَعْفَرًا فِي أَهْلِهِ''.

''اے اللہ! جعفر کے بچوں کا تو والی ونگہبان بن جا''(۵).

دیکھا آپ نے! کہ نبی کریم ﷺ نے یتیم بچوں کا کس قدر خیال کیا؟!

آج کے دور میں جو لوگ یتیم بچوں کی نسبت طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں اور یہ زبان درازیاں کرتے ہیں کہ جو بچہ باپ کی آغوشِ محبت سے محروم ہوتا ہے وہ فلاں فلاں بری صفات کا حامل ہوتا ہے، ان کا یہ کلام انتہائی غیر اسلامی ہے. میں نے خود اپنے کانوں سے بہت سے لوگوں کو یتیم بچوں کے متعلق زبان درازیاں کرتے ہوئے سنا ہے، حالاں کہ فطرتًا کوئی بھی بچہ برا نہیں ہوتا؛ خواہ اس کا باپ زندہ ہو یا مردہ، مومن ہو یا کافر!! اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

''كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ''.

''ہر بچہ فطرت پہ پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اسے یہودی، یا نصرانی، یا مجوسی بنا دیتے ہیں''(٦).

جب تمام بچے ہی فطرت پر پیدا ہوتے ہیں اور فطرت سے مراد اسلام ہے تو کسی کا کسی

(٥) [صحيح] أحمد (١/ ٢٠٤)، السنن الكبرىٰ للبيهقي (٤/ ٦٠)، حاكم (١/ ٣٧٣، ٣/ ٥٦٧).

(٦) بخاري: الجنائز/ ما قيل في أولاد المشركين (١٣٨٥)، مسلم: كتاب القدر (٢٦٥٨).

یتیم کے متعلق یہ کہنا کہ یتیم ہونے کی وجہ سے یہ بچہ ایسا ہے ویسا ہے، کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟ اگر یہ درست ہوتا کہ یتیم بچے ہی بگڑتے ہیں یا بری صفات کے مالک ہوتے ہیں تو تجربے کی روشنی میں تو ہم اس کے برعکس دیکھتے ہیں کہ جس بچہ کے والدین موجود ہیں اکثر وہی آگے چل کر صحیح تربیت نہ ہونے کے سبب نالائق ونافرمان نکل جاتا ہے، جبکہ اکثر یتیم بچوں کو دیکھا گیا ہے کہ باپ کے سایہ سے محرومی کے بعد ماں کی عمدہ تربیت کے نتیجہ میں بچپن ہی سے وہ ہوشمند اور خوش اخلاق ووفادار ہوتے ہیں اور شیخ سعدی کا یہ شعر ان پر منطبق ہوتا ہے:

بالائے سرش زہوشمندی　　　　می تافت ستارۂ سر بلندی

آج بگڑے ہوئے سماج کے بدتہذیب وبدزبان افراد کی زبان سے یتیموں کے متعلق جو طرح طرح کے نازیبا الفاظ نکلتے ہیں، انہیں اپنی زبان کو لگام دینا چاہئے اور یتیموں کے ساتھ وہی حسنِ سلوک اختیار کرنا چاہئے جس کی تعلیم ہمیں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی زندگی سے ملتی ہے. ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی عدالت میں ایک یتیم نے ایک شخص پر ایک نخلستان کے متعلق دعوی دائر کیا، مگر وہ دعوی ثابت نہ ہوسکا اور آپ ﷺ نے وہ نخلستان مدعا علیہ کو دلا دیا جس کی وجہ سے وہ یتیم رو پڑا. آپ کو ترس آ گیا اور مدعا علیہ سے فرمایا:

"تم نخلستان اس یتیم کو دے دو، اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے بدلے جنت دے گا".

وہ شخص اس ایثار پر راضی نہ ہوا. ابو دحداح صحابی حاضر تھے، انہوں نے اس سے کہا: کیا تم نخلستان میرے فلاں باغ سے بدل لوگے؟ وہ آمادہ ہوگیا، ابو دحداح رضی اللہ عنہ نے فوراً بدل دیا اور وہ نخلستان اس یتیم کو اپنی طرف سے ہبہ کر دیا(۷).

نبی کریم ﷺ چونکہ یتیموں کا بہت ہی زیادہ خیال رکھتے تھے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں کو بھی اجر وثواب کی امید دلاتے تھے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس کارِ خیر

(۷) الاستیعاب لابن عبدالبر، تذکرۃ أبی الدحداح.

میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے؛ بلکہ ایک یتیم کی پرورش کے لیے کئی کئی ہاتھ بیک وقت آگے بڑھتے تھے اور جب آپس میں فیصلہ نہ ہو پاتا (کیونکہ ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ وہی یتیم کی پرورش کرے) تو مقدمہ نبی کریم ﷺ کی عدالت میں پہنچتا تھا. جس کی ایک واضح مثال بخاری و مسلم وغیرہ میں موجود ہے، جس میں آیا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی صاحبزادی کی دیکھ ریکھ کے متعلق حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت زید رضی اللہ عنہم کے درمیان صرف اس لیے اختلاف ہو گیا، کیوں کہ ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی بچی کی کفالت کریں (۸).

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ابوبکر بن حفص بیان کرتے ہیں:

"أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ كَانَ لا يَأْكُلُ طَعَامًا إِلَّا وَمَعَهُ عَلَى خِوَانِهِ يَتِيمٌ".

"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے دسترخوان پر کسی یتیم کے بغیر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے" (۹).

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنے خاندان اور انصار وغیرہم کی یتیم بچیوں کو اپنے گھر لے جا کر دل وجان سے ان کی پرورش کرتیں اور اپنی آغوشِ تربیت میں پرورش پانے والی بچیوں کی جائداد کو تجارت کرنے والوں کو دے دیتی تھیں؛ تاکہ اس جائداد میں روز افزوں اضافہ ہو، زکاۃ سے کمی نہ آنے پائے.

موطأ امام مالک کی روایت میں آیا ہے:

"أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَتْ تُعْطِي أَمْوَالَ الْيَتَامَى الَّذِينَ فِي حِجْرِهَا مَنْ يَتَّجِرُ لَهُمْ فِيهَا" (۱۰).

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی آغوش میں تربیت پانے والے یتیموں کی جائداد تاجروں

---

(۸) بخاری: المغازی، باب: عمرة القضاء (۴۲۵۱)، مسلم (۱۷۸۳) مختصراً.

(۹) الأدب المفرد، باب: فضل من يعول يتيماً (۱۳۶)، شیخ البانی نے صحیح الاسناد کہا ہے.

(۱۰) موطأ مالك: كتاب الزكاة، باب: زكاة أموال اليتامى والتجارة لهم (۵۸۸).

کو دے دیا کرتی تھیں''۔

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لوگوں کو یہ حکم دیا کرتے تھے:

''اتَّجِرُوا فِي أَمْوَالِ الْيَتَامَى لاَ تَأْكُلُهَا الزَّكَاةُ''.

''یتیموں کی جائداد میں تجارت کیا کرو تاکہ اسے زکاۃ نہ کھا جائے''(۱۱)۔

آج بہت سارے یتیم خانے قائم ہیں؛ بلکہ عیسائیوں نے تو دنیا کے گوشے گوشے میں یتیم خانے کھول رکھے ہیں. لیکن ذرا انصاف سے بتاؤ کہ رسول امی ﷺ کی آمد سے قبل بھی یتیموں کا یہ بدقسمت گروہ اس نعمت سے آشنا تھا؟ نہیں، تاریخ ہمیں جواب دینے سے خاموش رہے گی!! اگر منہ کھولے گی تو جواب نفی میں ہوگا. سب سے پہلے یتیم خانہ کی بنیاد ڈالنے والی ہستی وہ ہے جو سرزمین عرب میں یتیم پیدا ہوئی، یتیمی کی زندگی گزاری اور چند ہی دنوں میں عرب کی سرزمین میں ایک ایسی انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد ڈالی جس نے اپنے بچوں کے لیے یہ فرض قرار دیا کہ بے یار و مددگار یتیموں کا خاص خیال رکھا جائے، ان کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کیا جائے اور ان کے سارے معاملات انتہائی خوش اخلاقی سے حل کیے جائیں تاکہ انہیں ذرہ برابر بھی یہ احساس نہ ہونے پائے کہ وہ یتیم ہیں.

نبی کریم ﷺ خود اس فریضہ کی انجام دہی کے لیے کوشاں رہتے تھے اور اپنے پیچھے اپنی امت کو بھی یہی تعلیم دے گئے. اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا آپ کی امت بھی آپ کے اس اسوۂ حسنہ کو بحسن وخوبی قبول کر کے اس کی ادائیگی میں اہم کردار ادا کرتی ہے یا نہیں!! جبکہ یہ تو اب معلوم ہو چکا ہے کہ لندن کے لارڈ میر یا آرفس کورٹ کے حکام اسلام کے ابنائے قدیم کے اسوہ کے مطابق ہی اپنے فرائض کی انجام دہی کرتے ہیں اور عوام الناس کی نگاہوں میں سرخرو بنتے ہیں!!

(۱۱) حوالہ سابق، حدیث نمبر (٥٨٦).

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل بیواؤں کے ساتھ

یتیم کے بعد اگر کوئی کمزور ولاچار اس سرزمین پر ہے تو اس کا تعلق صنف لطیف کے اس گروہ سے ہے جس کو زمانہ کی گردش کے بعد دنیا بے خاوند یا بیوہ کے نام سے جانتی ہے. جبکہ کچھ ہی دنوں قبل وہ کسی محافظ ونگراں کی بیوی یا زوجہ کہلاتی تھی اور اس کی آغوش محبت میں قدم رنجہ ہونے سے قبل کسی کی شریف زادی اور دختر تھی. جس کے مستقبل میں نہ جانے کتنے حسین خواب تھے، چشم تصور میں نہ جانے کتنی خوبصورت کلیاں اس کے آنگن میں اٹھکھیلیاں کھیلتی تھیں اور یوں طرح طرح کے خوش کن خیالات سے اس کے من کو تسلی ملتی تھی. لیکن قدرت کا اٹل نظام اس کی زندگی میں اس طرح حائل ہو گیا کہ اس کے سارے خوش کن خواب وخیالات چکنا چور ہو گئے، حسین تصورات کا انبار تھا لیکن تصدیق کی صورت میں کچھ بھی اس نے اپنے گھر آنگن میں لہلہاتے ہوئے نہیں دیکھا، ابھی زندگی کی سواری اسٹیشن پر پہنچنے ہی والی تھی کہ گاڑی راستہ ہی میں خراب ہو گئی اور اسے منزل سے پہلے اترنا پڑا. چاروں طرف اندھیر ہے، کوئی معاون ومددگار نہیں. راہ گیر تو اِکا دُکا چلتے نظر آتے ہیں، لیکن وہ بھی ایسے ایمان فروش کہ اس مجبور ولاچار صنف کو جو اَب اپنے سب سے بڑے محافظ یعنی شوہر کی نگہبانی سے ہاتھ دھو بیٹھی ہے، موقع ملتے ہی چیل کی طرح اچک لیں!!

ایسی صورت میں ضروری تھا کہ اس کمزور وناتواں صنف کی غمخواری کی جائے جس کے لیے ساری دنیا سورج کی اتنی ساری روشنی کے باوجود بھی اندھیری ہے اور اس کی زندگی کی گاڑی کو اسٹیشن تک پہنچایا جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے عملی مشکلات سے دور رکھا تھا، لیکن اب شوہر کا سایہ اٹھنے کے بعد اس کی ذمہ داری خود اس کے ناتواں کندھے پر آپڑی ہے اور اس طرح کوئی مسیحا اس کے غم والم اور فکر وتردد کو کافور بنا سکے. چنانچہ رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں یہ مثال

ملتی ہے جنہوں نے اس مجبور وناتواں صنف کی مردہ زندگی کو پھر سے زندہ کیا، مرجھائے ہوئے پھولوں کو تازہ پانی سے سیراب کیا، جس کے سبب ان پژمردہ پھولوں میں ایک بار پھر تازگی آگئی اور ان کی خوشبوئیں فضا میں تحلیل ہوکر مشامِ جان کو معطر کرنے لگیں.

ٹھیک اس وقت جب ایک نوجوان کے تمام ولولے برانگیختہ ہوتے ہیں، جذبات پر کنٹرول رکھنا ویسا ہی مشکل ہوتا ہے جیسے سیکڑوں فٹ کی بلندی پر پرواز بھرنے والے تیز رفتار جہاز کو پنٹا گان اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے چند قدم پہلے روکنا ناممکن، اور اس عمر میں ہر نوجوان حسین سے حسین اور پرشباب ونوعمر دوشیزہ کا خواہاں ہوتا ہے تاکہ اپنی زندگی کو سکون وراحت بخش سکے، ویسے وقت میں نبی کریم ﷺ نے ایک بیوہ کا ہاتھ تھاما اور اسے اپنی زندگی کا ہم سفر بنایا. نیز عربوں میں ایک شوہر کے لیے کئی کئی شادیوں کے رواج کے باوجود بھی آپ نے اسی چالیس سالہ بیوہ کے ساتھ ایک ہی شادی پر اکتفا کیا اور اپنی پچیس سالہ پرشباب زندگی کو گزارتے ہوئے نبوی زندگی کی سرحد میں داخل ہوگئے؛ بلکہ نبوت ملنے کے بعد بھی تین سالوں تک آپ نے اسی بیوہ کے ہمراہ زندگی گزاری، اور زن وشو کا یہ پاکیزہ رشتہ بھی کچھ اس طرح خوشگوار تھا کہ آپ ﷺ مرتے دم تک اس خوشگوار زندگی کے حسین لحات نہیں بھول پائے. آپ بارہا اپنی چالیس سالہ بیوی کے ذکر سے رطب اللسان رہتے، آپ کے وفا شناس دل میں اس پہلی ملکۂ محبت کی شیریں یادیں کروٹیں لیتی رہتیں اور اس دلگداز یاد سے بے اختیار وارادہ آپ کے گہوارۂ چشم اشکبار ہوجاتے: ؎

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
اللہ جانے ہمیں بیٹھے بیٹھے کیا یاد آیا گیا

یہاں تک کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ ؓ کو انتہائی غیرت ورشک میں آکر کہنا پڑا:

"ما تَذْكُرُ مِنْ عَجُوزٍ مِنْ عَجَائِزِ قُرَيْشٍ حَمْرَاءِ الشِّدْقَيْنِ هَلَكَتْ فِي الدَّهْرِ فَأَبْدَلَكَ اللَّهُ خَيْرًا مِنْهَا".

''آپ قریش کی ایک بوڑھی عورت کو کیا بار بار یاد کرتے رہتے ہیں جس کے (دانت گر کر صرف) سرخ سرخ مسوڑھے رہ گئے تھے (نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت) جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے آپ کو اس سے اچھی (جوان کنواری خوبصورت) بیوی عنایت فرمائی ہے''(۱).

رسول اکرم ﷺ نے نہ یہ کہ صرف ایک ہی بیوہ کو سہارا دے کر اس کے اجڑے ہوئے چمن کو پھر سے لالہ زار بنایا؛ بلکہ آپ نے اپنی زندگی میں اس کے بعد مختلف اوقات میں دس عورتوں سے شادیاں کیں اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سوا نو بیویاں؛ حضرت سودہ، حفصہ، زینب، ام المساکین، ام سلمہ، جویریہ، ام حبیبہ، میمونہ اور صفیہ رضی اللہ عنہن بیوہ تھیں، جن کی کفالت کا بار گراں آپ نے اپنے کندھوں پر اٹھایا. اور تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ آپ نے ہر ایک کو اس کا حق برابر دیا، اس معاملہ میں کسی بھی طرح کی بے انصافی آپ سے سرزد نہیں ہوئی. اس طرح آپ نے اپنے متبعین کے لیے ایک انمول نمونہ پیش کرکے رہتی دنیا تک کی بیواؤں کی مشکلاتِ زندگی کو حل کر دیا. یہی نہیں بلکہ آپ نے بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے تعاون وامداد میں کوشاں رہنے والوں کو رات رات بھر نفلی عبادت میں مشغول رہنے والوں اور دن میں نفلی روزے رکھنے والوں کے قائم مقام بتایا اور انہیں اس مظلوم ومجبور فرقہ کے ساتھ ہمدردی وغمخواری کرنے کے عوض دائمی خوشی واطمینان کا سامان کر دیا(۲)، اور فرمایا:

''السَّاعِي عَلَى الْأَرْمِلَةِ وَالمِسْكِينِ، كَالمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوِ القَائِم اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ''.

---

(۱) مسلم: فضائل الصحابة (۲٤۳۷)، بخاري تعليقاً، مناقب الأنصار (۳۸۲۱).

(۲) کیوں کہ قرآنی آیت: ﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (جان لو! اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے) کے مطابق اللہ کی یاد سے ہی دلوں کو اطمینان وسکون ملتا ہے اور یہاں آپ ﷺ کی زبانی یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ بیوہ کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا نفلی عبادت کرنے والوں کی صف میں ہے تو گویا یہ بھی عبادت ہوئی.

''بیوہ اور غریب و مسکین کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے مانند ہے، یا ایسے عبادت گزار کے مانند ہے جو رات بھر اللہ کی عبادت کرتا ہے اور دن میں روزے رکھتا ہے''(۳).

نبی کریم ﷺ اپنے امتیوں کو اس گروہِ مظلوماں کی داد رسی پر ابھارتے تھے اور خود بیواؤں کے پاس پہنچ کر ان کی خبر گیری کی کوشش کرتے تھے؛ تاکہ یہ مظلوم گروہ شکستہ دل اور رنجیدہ خاطر نہ ہو جائے. حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب میرے والد جعفر جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تو رسول اکرم ﷺ آل جعفر کے گھر تین دنوں کے بعد تشریف لائے اور فرمایا: ''آج کے بعد میرے بھائی (جعفر کی موت) پر مت روؤ، میرے بھائی کے بچوں کو میرے پاس بلا کر لاؤ''. ہم (جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں) کو آپ کے پاس لایا گیا، ان دنوں ہم بہت چھوٹے تھے. آپ نے فرمایا: ''میرے پاس حلاق بلا کر لاؤ''. چنانچہ حلاق بلایا گیا، اس نے ہم بچوں کا سر مونڈا. پھر آپ نے فرمایا: ''محمد (بن جعفر) ہمارے چچا ابو طالب کا ہم شکل ہے اور عبداللہ (بن جعفر) شکل و صورت اور اخلاق میں مجھ سے ملتا جلتا ہے''.

اس موقع پر آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ! خاندانِ جعفر کا والی بن جا اور عبداللہ کی کمائی میں برکت دے''.

یہ دعا آپ ﷺ نے تین مرتبہ دہرائی. اس کے بعد ہماری والدہ آپ کی خدمت میں آئیں، آپ ﷺ سے ہماری یتیمی کا ذکر کیا اور اپنا غم واندوہ آپ کو بتانے لگیں. آپ ﷺ نے فرمایا:

''الْعَیْلَةَ تَخَافِینَ عَلَیْهِمْ وَأَنَا وَلِیُّهُمْ فِي الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ؟''(۴).

''تمہیں ان کی تنگ دستی کا خوف ہے؟ حالانکہ دنیا و آخرت دونوں میں میں خود ان کا

---

(۳) بخاری: النفقات/ فضل النفقة علی الأهل (۵۳۵۳)، مسلم: الزهد (۲۹۸۲).

(٤) [صحیح] مسند إمام أحمد (۲۰٤/۱)، أبو داود (٤۱۹۲)، نسائی (۱۸۲/۸).

سرپرست وولی ہوں''.

اسلام سے قبل بیواؤں کی حیثیت کیا تھی اس سے دنیا ناواقف نہیں. یہودی مذہب میں بیوہ عورت اپنے مردہ شوہر کے بھائی کی مِلک ہو جاتی تھی، وہ جس طرح چاہتا اس سے سلوک کرتا، ازدواجی زندگی کے اس مجبورانہ رشتہ میں عورت کی مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا. ہندوؤں میں اب بیوہ کی زندگی کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ اسے شوہر کے چتا ہی پر ''ستی'' کے نام پر بے موت مر جانا تھا یا زندہ رہنے کی صورت میں دنیا کی تمام لذتوں اور آرائشوں سے سبکدوش ہو کر عمر بھر سوگ میں رہنا پڑتا تھا، اور عربوں کے یہاں یہ بیوہ شوہر کے وارثین کی ملکیت بن جاتی تھی جو حسب خواہش اس کے ساتھ برتاؤ کرتے اور اپنی مرضی کے بغیر اس کی کہیں شادی نہیں کرتے تھے. لیکن محمد عربی ﷺ نے آتے ہی ان تمام ظالمانہ بندشوں کو توڑ کر جاہلیت کی زنجیروں سے بیواؤں کو آزاد کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنایا:

﴿وَأَنْكِحُو الأَيَامَى مِنْكُمْ﴾

''اور اپنے میں سے بے شوہر والی عورتوں کی شادی کر دو''. [النور:۳۲]

لیکن افسوس کہ ہمارے معاشرے میں اس اسلامی تعلیم سے اس قدر بے توجہی برتی گئی کہ آج برصغیر میں بیواؤں کے دل ودماغ میں ہندوانہ رسم کا بیج پنپ اٹھا، جس کے سبب سماج کے ہنسنے کے خوف سے وہ دوسری شادی کرنے کو تیار نہیں ہوتیں اور اگر کوئی تیار ہو بھی گئی تو پھر معاشرے میں بہت سے افراد اس کے اس فعل کو غیر مہذب سمجھتے ہیں. علاوہ ازیں ہمارے کچھ علماء نے بھی یہ ضعیف حدیث سنا کر ان بیواؤں کی روحانی تسکین کا سامان بہم پہنچانے کی کوشش کی:

''أَنَا وَامْرَأَةٌ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ كَهَاتَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ – وَأَوْمَأَ يَزِيْدُ بِالْوُسْطَى وَالسَّبَّابَةِ – امْرَأَةٌ آمَتْ مِنْ زَوْجِهَا ذَاتُ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ حَبَسَتْ نَفْسَهَا عَلَى يَتَامَاهَا حَتَّى بَانُوْا أَوْ مَاتُوا''.

''میں اور محنت ومشقت سے کالی پڑ جانے والی عورت قیامت کے دن ان دو انگلیوں کی مانند قریب ہوں گے - یزید (راوی حدیث) نے بیچ اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا - وہ حسن و جمال اور جاہ وعزت والی عورت جو شوہر کے انتقال کے بعد بیوہ ہو جائے لیکن اپنے ننھے بچوں کی خدمت کے لیے اپنے کو روکے رہے (اور شادی نہ کرے) یہاں تک کہ وہ اس سے علیحدہ ہو جائیں یا مر جائیں''(۵).

یہ حدیث ضعیف تو ہے ہی؛ نیز نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عملی کردار سے بھی اس کی مخالفت ہوتی ہے، کیونکہ عہدِ نبوی میں بیواؤں سے شادی کا بہت اچھا نظام تھا. جو مجاہدین جنگ میں شہید ہو جاتے تھے ان کی بیواؤں کی عدت گزرنے کے بعد فوراً شادی ہو جاتی تھی اور الحمد للہ آج بھی سعودی عرب میں ایسا رشتہ خوشی خوشی قبول کیا جاتا ہے. جہاں کسی عورت کو طلاق ہوئی یا شوہر کے انتقال کے بعد وہ بیوہ ہوئی، اس کو دوسرا پیغامِ نکاح آ پہنچتا ہے.

برصغیر ہند و پاک میں یا ان ملکوں میں جہاں کفار ومشرکین کے عادات واطوار کو مسلمانوں نے اپنا آئیڈیل بنا لیا ہے، بیواؤں کے ساتھ ظلم کرتے دیکھا جاتا ہے. آپ کہیں گے کہ ہم نے بیواؤں پر کیوں کر ظلم کیا ہے؟ کھانا دیتے ہیں، رہائش دیتے ہیں، ضروریاتِ زندگی کا انتظام کرتے ہیں، پھر ظلم کیسا؟ جی ہاں، یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی آپ نے ظلم کیا ہے! ایک عورت جو بیس پچیس سال کی عمر میں بیوہ ہو چکی ہے، ایک دو بچوں کی ماں ہے، جوانی اپنے جوبن پر ہے، چاروں طرف سے رنگینیاں ورعنائیاں اس کا استقبال کرنے کو تیار ہیں اور وہ خود نفسیاتی بحران سے باہر آنا چاہتی ہے؛ نیز ہر جانب اٹھنے والی انگلیاں اور کھا جانے والی نگاہیں

---

(۵) أبو داود: الأدب/ فی فضل من عال یتیماً (۵۱۴۹)، مسند أحمد: (۶/ ۲۹)، الأدب المفرد للبخاری، باب: ۷۸، رقم: (۱۴۱). علامہ منذری کہتے ہیں: ''اس کی اسناد میں نہاس بن قہم ابو خطاب بصری قاضی ہے جس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی''۔ اور علامہ ناصر الدین البانی نے لکھا ہے کہ ''یہ حدیث ضعیف ہے''.

ہیں تو کیا آپ نے اس پر ظلم نہیں کیا ہے کہ اتنے سارے احساسات کو آپ نے خود جنم دیا ہے جبکہ کوئی مناسب رشتہ اس بیوہ کو مل جاتا تو پھر اس کی زندگی فطرت کے عین مطابق گزرنے لگتی اور وہ ہر طرف سے محفوظ و مامون ہو جاتی؟!!

وہ عورتیں جو جوانی ہی میں اپنے شریک حیات سے محروم ہو چکی ہیں، یا جو ازدواجی زندگی کی ناچاقیوں کے سبب مطلقہ ہو چکی ہیں، ان کا حال قابل رحم ہوتا ہے. اب وہ جائیں تو کہاں جائیں؟! کوئی مرد تو ہیں نہیں کہ کہیں بھی محنت و مزدوری کر کے دو وقت کی روٹی سے اپنا پیٹ بھر کر رات کسی پلیٹ فارم یا کسی سڑک کے کنارے گزار لیں. بلکہ ایسی صورت میں تو ان کو اپنے سب سے قیمتی اثاثہ یعنی اپنی عفت وعصمت سے ہی ہاتھ دھونا پڑے گا، کیوں کہ اس دنیا میں مطلب پرستوں اور شہوت پرستوں کی کہیں بھی کمی نہیں ہے. ادھر اسلام کے دعویداروں نے عملی طور پر اپنی بیٹیوں کو اس قدر حقیر بنا کر رکھ دیا ہے کہ یہ لڑکیاں بیوہ یا مطلقہ ہونے کے بعد دوسروں کے گھروں میں برتن صاف کر کے بالفاظ دیگر دوسروں کی لونڈیاں بن کر زندگی گزارنا تو گوارہ کر لیتی ہیں مگر اپنے ہی باپ بھائیوں کے گھر میں رہنا گوارہ نہیں کرتیں. کیوں کہ جب وہ اپنے میکے آتی ہیں تو باپ بھی ان کو طعنہ دیتے ہیں، بھائی لوگ بھی بات بات پر انہیں لعن طعن کرتے ہیں جس کے سبب وہ محنت و مزدوری کی ذلت کو میکے میں رہنے پر ترجیح دیتی ہیں؛ بلکہ بسا اوقات تو وہ خودکشی کرنے سے بھی جھجک نہیں کرتیں. حالاں کہ اسلام نے عورتوں کو بہت بلند مقام عطا کیا ہے، وہ شادی سے پہلے بھی باپ اور بھائی کی حفاظت میں ہیں اور شادی کے بعد بیوہ یا مطلقہ ہو جانے کی صورت میں بھی ان کا حق میکے والوں پر بدستور قائم ہے. چنانچہ اگر بیوہ یا مطلقہ عورتیں جوان ہیں تو ان کے اولیاء پر واجب ہے کہ وہ کوئی مناسب رشتہ تلاش کر ان کی شادی بیاہ کر کے ان کے اجڑے چمن کو پھر سے آباد کر دیں، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے متبرک زمانوں میں یہ رواج عام تھا.

پھر اگر کسی بیوہ سے لغزش ہو جاتی ہے تو پورا معاشرہ غیرت کی آگ میں جھلس اٹھتا ہے اور اس کو لعن طعن کرنے لگتا ہے، اس کی مجبوریوں کو کوئی نہیں سنتا. آخر ایک جوان عورت کے بھی تو وہی جذبات ہوتے ہیں جو ایک جوان مرد کے ہوتے ہیں. آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جب کسی کی عورت کا انتقال ہوتا ہے تو کچھ ہی دنوں میں اس کے گھر رشتے آنے لگتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو رشتہ بھیجنے میں اس طرح جلدی کرتے ہیں جیسے انہیں اس جوان کی بیوی کے مرنے کا پہلے سے ہی انتظار تھا!! مگر اسی معاشرہ میں جب کسی جوان عورت کے شوہر کا انتقال ہوتا ہے تو کوئی اس سے شادی کرنے کو تیار نہیں ہوتا!! آخر مسلم معاشرہ اس بیوہ کی مجبوریوں کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتا؟! اور جب شیطان اسے کبھی لغزش کرنے پر مجبور کر دیتا ہے تو پھر اسلامی معاشرہ کیوں چیخ اٹھتا ہے جبکہ یہ جو کچھ ہوا نہیں ہونا چاہئے تھا مگر جو بھی ہوا معاشرے کی کمی وکوتاہی کا نتیجہ ہی تھا؟! سچ کہا ہے کسی نے: ؎

دنیا نے کیا ظلم کیے ہیں اس کا کوئی ذکر نہیں
اور یہ چرچا ڈگر ڈگر ہے کہ بیوہ نے تن بیچ دیا

کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہر ملک ووطن کے مسلمان اپنی مسلمان بیواؤں کے ساتھ ویسا ہی حسن سلوک کرتے جیسا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے کیا ہے تا کہ ایک اجڑے ہوئے چمن میں پھر ہریالی آجاتی اور ہر شاخ پر بلبل کے گانوں سے فضا لطف وخوشگواری کا حسین سنگم ہوتی!!

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل غلاموں کے ساتھ

اسلام کی آمد سے پہلے یا اس کے بعد انسانیت کے کمزور طبقہ غلاموں کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کیا جاتا رہا ہے، تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں. ہر دور میں طاقتور اور فاتح اقوام نے کمزور اور مفتوح اقوام کے افراد کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہے. دنیا کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ خود شاہی کرسی پر براجمان ہو کر عیش کوشی کرنے والے بادشاہوں نے طرح طرح کی لذات سے اپنے اردگرد کو بھر دیا. لیکن پابند سلاسل غلاموں سے کاشتکاری، کان کنی اور محنت و مزدوری کے مشقت والے کام لیے. برٹش گورنمنٹ کے زمانے میں بر فیلی کھیتوں میں کاشت کرنے والے ہمارے بزرگوں کی اولاد کی نشانی اب بھی اِکا دُکا ملتی ہے. زمانہ کچھ دور نہیں گیا، اگر چاہو تو ان سے پوچھ لو اور اگر ملاقات نہ ہو تو ان کی لکھی ہوئی تحریروں کو تلاش کرو. معلوم ہو جائے گا کہ ہندستان کی سرزمین میں مستحکم ہونے کے بعد ان ظالم انگریزوں نے غیر منقسم پورے ہندستان میں کیا تباہی مچا رکھی تھی. آج آزاد کہلانے والے کل غلام کہلاتے تھے اور ہل چلانے میں بیلوں کی جگہ خود انہی کا استعمال کافی سمجھا جاتا تھا. ابھی یہ زخم مندمل بھی نہیں ہونے پائے ہیں اور آج بھی ہمارے بزرگ اپنے باپ دادوں کے ساتھ انگریزوں کے سفاکانہ وظالمانہ رویوں کا تذکرہ سناتے نظر آتے ہیں.

مصر میں قیدی بنو اسرئیل کی کیفیت اس سے کہیں زیادہ سنگین تھی. رومیوں میں غیر رومی اسی غلامی اور محنت و مشقت کے کاموں میں مشغول رکھے جاتے تھے، ہندوؤں میں اچھوت قومیں اسی کی یادگار ہیں اور عربوں میں بھی یہ کمزور طبقہ ہمیشہ ذلت و رسوائی کی روٹی کھاتا رہا. زمانۂ نبوت کے آغاز میں قریشیوں کے ہاتھوں جو لوگ سب سے زیادہ ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے، وہ یہی ناتواں طبقہ تھا. بلال حبشی، خباب بن اَرت، یاسر یمنی، عمار بن یاسر، صہیب رومی، ابو فکیہ

اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم وہ غلام تھے جن پر ان کے آقاؤں نے ظلم وستم کے وہ پہاڑ توڑے کہ ان کے تذکرے سن کر ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں. لونڈیوں کو بھی ان ظالموں نے بہت ستایا. لبینہ، زنیرہ، نہدیہ، ام عبیس اور سمیہ رضی اللہ عنہن پر ڈھائے جانے والے مظالم کی کربناک داستانوں سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے.

موجودہ زمانے میں امن وامان اور تعلیم وتربیت کا پیغام دینے والے مسیحی مذہب کا بھی حال دیگر اقوام سے کچھ اچھا نہیں. غلاموں کے ساتھ ان کا بھی رویہ سفاکانہ رہا ہے. عہد قدیم سے لے کر عہد جدید تک مسیحی تعلیمات میں غلامی کا کوئی حل موجود نہیں ہے. چونکہ غلامی ان کی نگاہ میں ایک نا قابلِ توجہ امر (indiferent circumstance) شروع سے رہا ہے۔ اسی لیے ابتدائی کلیسا کے علماء بھی مسئلۂ غلامی کو زیر بحث نہیں لائے، جیسا کہ تاریخ بتاتی ہے:

The early church never called slavery in question.

''ابتدائی کلیسا غلامی کے سوال کو کبھی زیر بحث ہی نہیں لائی''۔(۱)

اور ایسا کیوں کر ہوتا جب کہ غلامی ان کی نگاہ میں کوئی قابل مذمت شئے ہے ہی نہیں:

There is no explict condemnation of slavery in the teachings of our Lord.

''ہمارے آقا کی تعلیمات میں غلامی کی کوئی واضح مذمت موجود نہیں''۔(۲)

لیکن اسلام چونکہ زیر دستوں کی مدد اور کمزوروں کی حمایت کے لیے آیا تھا، اس لیے اس نے غلاموں کی آزادی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو اپنی تحریک کا لازمی جزو قرار دیا اور غلاموں کی آزادی کو بہت زیادہ ثواب کا ذریعہ بتایا. قرآن کریم کی مکی سورت ''البلد'' میں جن کاموں کو ''گھاٹی'' بتایا گیا ہے ان میں ایک ''فَكُّ رَقَبَةٍ'' (گردن سے غلامی کی رسی کو کھولنا)

(1) J.A. Farrar. Paganism & Christianity, P. 198.

(2) encyclopaedia of Religion & ethics (1920), Vol. 11, P. 602.

بھی ہے۔ مدنی زندگی میں اس تحریک کو مزید فروغ ملا اور گردن کو آزاد کرنا بہت سی فروگذاشتوں کا کفارہ قرار پایا(۳)؛ نیز غلاموں کی آزادی کے لیے بہت سی ترغیبات کا اعلان کیا گیا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں رسولِ اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''مَنْ لَطَمَ مَمْلُوْكَهُ أَوْ ضَرَبَهُ فَكَفَّارَتُهُ أَنْ يُّعْتِقَهُ''(۴).

''جس کسی نے غلام کو طمانچہ مارا، یا اس کی پٹائی کی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس غلام کو آزاد کردے''.

نیز رسول اکرم ﷺ نے غلاموں کے لیے آزادی کا پروانہ جاری کرنے والوں کو بہت بڑی خوشخبری سے نوازا ہے۔ بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا اسْتَنْقَذَهُ اللَّهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ''.

''جو کوئی کسی مسلمان کی گردن آزاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو کے بدلے اسے جہنم کی آگ سے نجات دے گا''(۵).

نبی کریم ﷺ نے غلامی کی زنجیر توڑنے ہی کے لیے معمولی معمولی بات پر بھی آقاؤں کو ابھارا ہے کہ وہ اپنے غلاموں کو آزاد کر دیں؛ بصورت دیگر انہیں سخت سزا کا خوف دلایا ہے۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام کی پٹائی کر رہا تھا، اتنے میں پیچھے سے آواز آئی: ''اے ابو مسعود! تم اپنے اس غلام پر جس قدر قدرت رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ تم پر اس سے کہیں زیادہ قابو رکھتا ہے''. پیچھے مڑ کر جو میں نے دیکھا تو وہ رسول اکرم ﷺ تھے۔ میں نے فوراً کہا: اے اللہ کے رسول! یہ اللہ کے لیے آزاد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''أَمَّا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ أَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ''(۶).

---

(۳) دیکھئے: سورة النساء (۹۲)، المائدة (۸۹)، المجادلة (۳).

(۴) مسلم: الأيمان/ صحبة المماليك... (۱۶۵۷)، أبو داود: كتاب الأدب (۵۱۶۸).

(۵) بخاری: كتاب العتق/ ما جاء في العتق وفضله (۲۵۱۷)، مسلم: كتاب العتق (۱۵۰۹).

(۶) مسلم: الأيمان/ صحبة المماليك (۱۶۵۹)، أبو داود: الأدب/ في حق المملوك (۵۱۵۹).

''اگر تو اسے آزاد نہیں کرتا تو تجھ کو آتشِ جہنم جھلسا دیتی یا تجھے چھو لیتی''.

نبی کریم ﷺ غلاموں کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے تھے، ان کی دلجوئی کرتے اور آپ کی ملکیت میں جو غلام بھی آتے، انہیں آزاد کر دیا کرتے تھے. آپ ﷺ کے پاس بارہ غلام تھے لیکن آپ نے سبھوں کو آزاد کر دیا تھا. چونکہ آپ ﷺ کا غلاموں کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک ہوا کرتا تھا اس لیے وہ بھلے ہی آپ کی زبانِ مبارک سے اپنی آزادی کا پروانہ جاری ہوتے سن لیتے، مگر تا زندگی آپ کے احسان وکرم کی زنجیر سے اپنے آپ کو آزاد نہیں کر پاتے تھے. ماں باپ، رشتہ داری وقرابت داری، سب کو چھوڑ کر آپ ﷺ کی غلامی اختیار کرنے کو ہی باعث فخر وشرف جانتے تھے.

زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی کی ماں سعدی بنت ثعلبہ جو قبیلہ طے کی تھیں، وہ اپنے بچے کو لے کر اپنے خاندان والوں کی زیارت کے لیے نکلیں. راستہ میں بنو قین کے دستہ نے انہیں پکڑ لیا اور زید بن حارثہ کو بازار حباشہ میں بیچ دیا. زید بن حارثہ کی عمر ان دنوں آٹھ سال کی تھی. حکیم ابن حزام بن خویلد نے انہیں شام سے خرید کر خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا. بعد میں خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسولِ اکرم ﷺ کو ہبہ کر دیا اور آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کو آزاد کر دیا. ادھر زید بن حارثہ کے باپ حارثہ بن شراحیل کلبی نے بیٹے کو گم پا کر آنسوؤں کا دریا بہا دیا. اس موقع پر انہوں نے جو درد انگیز اشعار کہے، ان کے دو بند ملاحظہ فرمائیں:

بَكَيتُ عَلَى زَيْدٍ وَلَمْ أَدْرِ مَا فَعَلَ   أَحَيٌّ فَيُرْجَى أَمْ أَتَى دُوْنَهُ الأَجَلُ
فَوَاللَّهِ لاَ أَدْرِى وَإِنِّى لَسَائِلٌ   أَغَالَكَ بَعْدِى السَّهْلُ أَمْ غَالَكَ الجَبَلُ

(میں نے اپنے صاحبزادے زید پر زار وقطار آنسو بہایا، مجھے معلوم نہیں کہ میرا لخت جگر کس حالت میں ہے. آیا وہ زندہ ہے کہ بیم ورجا کا تانتا بندھا رہے یا ہمیشہ ہمیش کے لیے موت کی آغوش میں چلا گیا. اللہ کی قسم! مجھے خبر نہیں، پھر بھی میں پوچھتا ہوں کہ اے میرے لخت جگر! تجھے ہموار زمین نگل گئی یا پہاڑ نے اپنی کھوہ میں چھپا لیا؟).

جب حارثہ کو خبر ملی کہ ان کا بیٹا زید مکہ مکرمہ میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم کے پاس ہے تو وہ اپنے بھائی کے ہمراہ مکہ پہنچے اور ان دونوں نے رسولِ اکرم ﷺ کے گھر پہنچ کر آپ سے زید کو طلب کیا. اس وقت تک رسول اکرم ﷺ کی بعثت نہیں ہوئی تھی، آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا: دیکھو یہ تمہارے والد ہیں اور یہ چچا، اگر تم چاہو تو میرے پاس ہی رہو اور اگر چاہو تو ان کے ساتھ چلے جاؤ. حضرت زید رضی اللہ عنہ نے دزدیدہ نگاہوں سے باپ، چچا اور رسولِ اکرم ﷺ کو بار بار دیکھا اور یہ فیصلہ کن جواب دیا:

''نہیں، میں آپ ﷺ ہی کی خدمت میں رہوں گا اور آپ کو چھوڑ کر کسی کے پاس ہرگز نہیں جاؤں گا!!''.

غور کریں کہ ایک غلام جو کئی سالوں سے اپنے ماں باپ اور خاندان سے بچھڑا ہوا ہے اور بازاروں میں فروخت ہوتے ہوئے کئی مراحل کے بعد رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں کسی کی طرف سے ہبہ کیا گیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے آزادی کا پروانہ بھی مل چکا ہے، جب چاہے وہ اپنی مرضی کے مطابق آقا سے الگ ہوسکتا ہے. لیکن صحراؤں کی خاک چھانتے ہوئے جب باپ اور چچا رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے لختِ جگر کو ساتھ لے جانا چاہتے ہیں تو وہ خود اپنے باپ اور چچا کے ساتھ جانے سے انکار کر دیتا ہے اور تا زندگی رسولِ اکرم ﷺ کی آغوشِ محبت میں پناہ گزیں رہنے ہی کو ترجیح دیتا ہے!! اور آستانۂ رحمت پر باپ کے ظلِ عاطفت کو ترجیح دینے کی سکت نہیں رکھتا ہے!!

اس واقعہ سے رسولِ اکرم ﷺ کی غلاموں کے ساتھ حد درجہ شفقت ومحبت کا اندازہ ہوتا ہے. اسی رحم وشفقت کا اثر تھا کہ کافروں کے غلام بھاگ بھاگ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ ﷺ انہیں آزاد فرما دیا کرتے تھے. مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

''كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْتِقُ الْعَبِيْدَ إِذَا خَرَجُوْا إِلَيْهِ''.

''جب غلام (بھاگ کر) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتے تو آپ انہیں آزاد فرما دیا کرتے تھے''(۷)۔

غلاموں کو اپنے تئیں لفظ **''غلام''** سن کر سبکی محسوس ہوتی تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ کو ان کی یہ تکلیف بھی گوارہ نہ تھی، چنانچہ آپ نے فرمایا: ''تم میں کا کوئی ہرگز میرا غلام اور میری لونڈی نہ کہے، تم سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور غلام ہو اور تمہاری ساری عورتیں اللہ تعالیٰ کی لونڈیاں ہیں، تمہیں اپنے غلام کو میرا بچہ اور میری بچی، یا میرا جوان کہنا چاہیے''(۸)۔ اس طرح اس ذلت ورسوائی کے لفظ کا بھی آپ ﷺ نے خاتمہ کر دیا اور اس بے خانماں افراد کو ان کے آقاؤں کے گھروں کا غلام نہیں، بلکہ ارکان بنا دیا۔ اور چونکہ غلاموں کے پاس اپنا کوئی مالی سرمایہ نہیں ہوتا تھا، اس لیے جو آمدنی ہوتی تھی، آپ اس میں سب سے پہلے انہی کو عنایت فرماتے تھے اور جنگوں میں جو مالِ غنیمت ہاتھ آتا اس میں ان غلاموں کو بھی حصہ دیتے تھے(۹)۔

رسولِ اکرم ﷺ غلاموں کا کس قدر خیال کرتے تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے کہ ایک مرتبہ جلیل القدر صحابی ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ چند صحابہ کرام کے ہمراہ تھے۔ کوئی موضوع نکل پڑا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان کی بات کی تردید کر دی۔ چونکہ بلال رضی اللہ عنہ آزاد غلام تھے، ان کے اعتراض سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور انہوں نے طیش میں آ کر کہہ دیا:

''وَأَنْتَ يَا ابْنَ السَّوْدَاءِ تُخْطِئُنِي؟''۔

''اے کالی لونڈی کے بیٹے! تیری یہ مجال کہ تو میری بات کی تردید کرتا ہے؟''۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہ شکوہ لے کر دربارِ نبوی میں پہنچے، رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں بہت زور سے ڈانٹ ڈپٹ کیا اور فرمایا: یہ غلام کوئی ذلت ورسوائی کی

---

(۷) مسند أحمد، (۱/ ۲۴۳) رقم (۲۱۷۶)۔ شعیب کہتے ہیں کہ یہ حدیث ''حسن لغیرہ'' ہے۔
(۸) مسلم: الألفاظ من الأدب (۲۲۴۹)۔ بخاری: العتق/ کراهية التطاول على... (۲۵۵۲)۔
(۹) [صحيح] أبو داود: كتاب الخراج، باب قسم الفيء (۲۹۵۲)۔

چھاپ لے کر پیدا نہیں ہوئے ہیں کہ تم جو چاہو انہیں کہتے پھرو؛ بلکہ یہ تمہارے ہی بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے، اس لیے انہیں اپنے ہی طرح سمجھو. لیجئے خود ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہی کی زبانی یہ واقعہ سنئے:

سنن ابو داود میں مورد بن سوید کہتے ہیں کہ میں نے مقامِ ربذہ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا، ان کے اوپر ایک موٹی سی چادر تھی اور ان کے غلام کے بدن پر بھی ویسی ہی ایک چادر تھی. ان کی خدمت میں حاضر ہونے والے لوگوں نے کہا: اے ابوذر! اگر آپ اپنے غلام والی چادر لے لیتے اور اسے اپنی چادر کے ساتھ ملا لیتے تو آپ کے لیے ایک جوڑا بن جاتا اور اس کے بدلے غلام کو کوئی دوسرا کپڑا پہنا دیتے. ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ان سے کہنے لگے: ایک مرتبہ میں نے ایک آدمی (رسول اللہ ﷺ کے مؤذن بلال بن رباح رضی اللہ عنہ) سے لڑائی کی، جس کی ماں عجمی تھی. میں نے اسے اس کی ماں کی طرف نسبت کر کے عار دلا دی. اس نے رسول اللہ ﷺ سے میری شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

''يَا أَبَا ذَرٍّ، إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ''.

''اے ابوذر! تم ایسے آدمی ہو جس کے اندر جاہلیت کی بو پائی جاتی ہے''.

پھر فرمایا:

''إِنَّهُمْ إِخْوَانُكُمْ فَضَّلَكُمُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ، فَمَنْ لَمْ يُلَائِمْكُمْ فَبِيعُوهُ وَلَا تُعَذِّبُوا خَلْقَ اللّٰهِ''(١٠).

---

(١٠) [صحيح] أبو داود: العتق/ في حق المملوك (باب ١٢٣، ١٢٤/ رقم ٥١٥٧).

رسول اکرم ﷺ کی طرف سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی سرزنش کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جا کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے راستہ میں زمین پر اپنا سر رکھ کر سو گئے اور کہنے لگے: اے بلال! جب تک آپ میرے چہرے پر اپنا پاؤں رکھ کر کچل نہ دیں گے میں زمین سے اپنا رخسار نہیں اٹھاؤں گا. حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان کی کمال تواضع دیکھ کر کہا: نہیں اور ہرگز نہیں! یہ رخسار پاؤں سے کچلنے کے لیے نہیں بلکہ بوسہ دینے کے لائق ہے.

''یہ بھی تمہارے بھائی ہیں، (یہ اور بات ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر فضیلت بخشی ہے. اگر وہ تمہارے مزاج کے موافق نہ ہوں تو انہیں فروخت کردو اور اللہ کی مخلوق کو (کڑوے کسیلے سنا کر) نہ ستایا کرو''.

سنن ابو داود کی اگلی ہی روایت میں غلاموں کے ساتھ رحمت وشفقت کے تعلق سے رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے:

''إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيْكُمْ فَمَنْ كَانَ أُخُوْهُ تَحْتَ يَدَيْهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيَكْسُهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا يُكَلِّفُهُ مَا يَغْلِبُهُ فَإِنْ كَلَّفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيُعِنْهُ''.

''یہ تمہارے ہی بھائی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے، لہٰذا جس کی ماتحتی میں اس کا بھائی ہو تو اسے وہی کچھ کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور وہی کچھ پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے اور اس کو اتنا ہی کام دے جو وہ کر سکے، اگر اس کی استطاعت سے زیادہ کام دے تو پھر اس کے ساتھ خود بھی تعاون کرے''(۱۱).

رسولِ اکرم ﷺ کو غلاموں پر شفقت اس قدر ملحوظ تھی کہ آپ نے ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ عفو و درگذر کا معاملہ کرنے کا حکم دیا؛ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور پوچھا: ہم غلام سے کتنی دفعہ درگذر کیا کریں؟ یہ سن کر آپ ﷺ خاموش ہو رہے. اس نے پھر پوچھا، آپ اس بار بھی خاموش رہے. جب اس نے تیسری دفعہ پوچھا تو آپ نے فرمایا:

''اعْفُوْا عَنْهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً''.

''اسے دن میں ستر بار درگذر کیا کرو''(۱۲).

---

(۱۱) أیضاً (۵۱۵۸)، یہ دونوں روایتیں الفاظ کی کچھ تبدیلی کے ساتھ بخاری (۳۰، ۲۵۴۵) اور مسلم (۱۶۶۱) میں بھی مروی ہیں.

(۱۲) [صحيح] أبو داود: الأدب/ في حق المملوك (باب ۱۲۳، ۱۲٤/ رقم ٥١٦٤).

حتی کہ مرض الموت میں بھی رسول اکرم ﷺ نے ان کا بھرپور خیال رکھنے کی اپنی امت کو تاکید کی ہے. حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آخری وصیت یہ تھی:

''الصَّلاَةَ الصَّلاَةَ، اتَّقُوْا اللَّهَ فِيْمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ''.

''نماز کا خیال رکھو، نماز کا خیال رکھو، اپنے غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرو''(۱۳).

نبی کریم ﷺ کا غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک اور غلاموں سے متعلق آپ کی دی ہوئی تعلیمات ہی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غلاموں کی خوشحالی کا بے حد خیال رکھا اور جہاں تک ہو سکا ان کے لیے آزادی کا پروانہ جاری کیا؛ چنانچہ کچھ ہی عرصے میں غلاموں کی تاریک دنیا اجالے میں بدل گئی. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صرف ایک قسم کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کیں. حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے، اسلام کے بعد سو غلام آزاد کیے. حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک ہزار اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار غلاموں کے لیے آزادی کا پروانہ جاری کیا. ان کے علاوہ بہت سے صحابہ کرام نے بھی اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا. جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلاموں کی ذلت بھری زندگی آزادی کی چھاؤں میں سانس لینے لگی اور دھیرے دھیرے غلامی کی بندشیں ٹوٹ کر بکھرنے لگیں، حتی کہ اسلام کی آمد کے کچھ ہی دنوں بعد غلاموں کا تصور بھی لوگوں کے ذہن ودماغ سے غائب ہو گیا اور یہ سب رسول اکرم ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات ہی کے پیش نظر ہوا.

آہ! کیسے تھے نبی کریم ﷺ !! جنھوں نے دنیا کی نظر میں خود کو پست سمجھنے والی غلاموں کی قوم کو روشن دنیا عنایت فرمائی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا وہ طرز عمل اپنایا کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے. فِدَاهُ أَبِي وَأُمِّي!!

(١٣) [صحيح] أبو داود: كتاب الأدب/ في حق المملوك (٥١٥٦)، ابن ماجه، كتاب الوضايا/ هل أوصى رسول الله ﷺ (٢٦٩٨).

رسول اکرم ﷺ کا طرزِ عمل خادموں کے ساتھ

ہر چند کہ خادموں کا تذکرہ غلاموں کے باب میں کیا جا سکتا تھا. لیکن چونکہ خادم اور غلام میں فرق ہے اس لیے خادموں کا تذکرہ الگ کرنا زیادہ مناسب سمجھا گیا. آج کے دور میں تو خادم دیکھنے کو ملنا مشکل ہے کیونکہ اب اس دنیا میں وہ اخلاق وحسنِ سلوک کہاں جو دوسروں کے دلوں کو فریفتہ کر دے تا کہ اس اخلاق وحسنِ سلوک کا جذبہ اپنے بچوں میں پیدا کرنے کے لیے لوگ انہیں اس شخصیت کی خدمت کے لیے وقف کر دیں جو اخلاق اور حسن سلوک کا مجسمہ ہو، جس کی بات میں وہ چاشنی ہو جو لوگوں کے دلوں کو موہ لے، جس کا رہن سہن اور وضع قطع اس قدر معتدل اور انسانیت سے قریب تر ہو کہ ہر طبقہ کے لوگ اس شخصیت کی آغوش میں پناہ گزیں ہو کر ایک دائمی خوشی محسوس کریں؛ خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، غریب ہوں یا مالدار، کشکول لے کر گھر گھر کا چکر لگانے والے ہوں. یا مضبوط قلعوں کے اندر عیش وعشرت میں دنیا وما فیہا سے بے فکر شہزادے، ووٹ دے کر اپنے جملہ حقوق کو گنوانے والے مقہور ومظلوم عوام ہوں یا پارلیامنٹ کی کرسیوں پر براجمان سیاستدان، مجموعۃ الامراض افراد ہوں یا طب یونانی کے بڑے بڑے ماہرین، دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ظالموں کے ظلم واستبداد کا نشانہ بننے والے فقراء ومساکین ہوں یا ان کے درد کا مسیحا بننے والے مجاہدین اسلام کی ٹولی.

ایسی شخصیت وہی تھی جس کو دنیا محمد رسول اللہ ﷺ کے نام سے جانتی ہے. آپ ﷺ کا رہن سہن، وضع قطع، بات چیت اور اخلاق اس قدر عمدہ تھا کہ ہر طبقہ کے لوگ خود کو اور اپنی اولاد کو آپ ﷺ ہی کے معیار اخلاق پر تولنا چاہتے تھے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ عرش الٰہی سے یہ آواز دنیا والوں کے کانوں سے ٹکرا چکی تھی:

﴿إِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ ''اور بے شک آپ بڑے عمدہ اخلاق پر ہیں''۔[القلم:۴]

چنانچہ لوگ اپنے بچوں کو آپ ﷺ کی خدمت میں لاتے اور آپ ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دیتے تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ان کی ماں نے لا کر آپ ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری ماں (ام سلیم رضی اللہ عنہا) مجھے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں. انہوں نے اپنی اوڑھنی کے آدھے حصے سے میرا اِزار بند بنا دیا تھا اور آدھے حصے کو میرے اوپر ڈال رکھا تھا. امی جان نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ میرا بچہ انیس (پیار سے تصغیر استعمال کیا) ہے، میں اسے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں تا کہ یہ آپ کی خدمت کرے. آپ ﷺ اس کے حق میں دعا فرما دیں.

آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

"اللَّهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ".

"اے اللہ! اس کے مال واولاد میں برکت عطا کر".

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے تھے: اللہ کی قسم! میرے پاس مال بہت زیادہ ہے اور میری اولاد اور اولاد کی اولاد کی تعداد آج سو سے بھی تجاوز کر چکی ہے(۱).

خادمِ رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کی سفر وحضر میں [ایک روایت کے مطابق دس سالوں تک] خدمت کی. [اور آپ نے کبھی اُف تک نہیں کہا]. اللہ کی قسم! میں نے کوئی بھی کام کیا، اس کے بارے میں آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کام کو تو نے ایسا کیوں کیا، اور کوئی بھی کام جس کو میں نے نہیں کیا، اس کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تو نے اس کو کیوں نہیں کیا(۲).

---

(١) مسلم: فضائل الصحابة/ من فضائل أنس بن مالك (٢٤٨٠)، بخاری: الدعوات (٦٣٣٤).

(٢) بخاری: الوصايا/ استخدام اليتيم... (٢٧٦٨)، مسلم: الفضائل (٢٣٠٩).

نبی کریم ﷺ اپنے خادموں کے ساتھ کس طرح رہتے تھے، اس کا ایک عکس حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں دیکھیے. حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ با اخلاق تھے. ایک دن آپ ﷺ نے مجھے کسی ضرورت کے پیش نظر کہیں بھیجا. میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں جاؤں گا؛ حالانکہ میرے دل میں تھا کہ میں جاؤں گا. پھر میں نکل کر ان بچوں کے پاس سے گزرا جو بازار میں کھیل رہے تھے (اس لیے میں بھی ان کے ساتھ کھیلنے لگا). اتنے میں رسول اللہ ﷺ نے پیچھے کی جانب سے میری کھوپڑی کو پکڑا، میں نے جو پھر کر دیکھا تو آپ ﷺ ہنس رہے تھے. پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اُنیس! میں نے جہاں جانے کا حکم دیا ہے وہاں جائے گا یا نہیں؟'' میں نے کہا: ہاں، اب جاتا ہوں اے اللہ کے رسول![۳]

یقیناً اس واقعہ سے رسولِ اکرم ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کا پتہ چلتا ہے. اگر آپ ﷺ کی جگہ دوسرے لوگ ہوتے تو اپنے حکم کی خلاف ورزی پر نہ جانے خادموں کو کتنی ساری باتیں سنا ڈالتے؛ بلکہ مارتے بھی اور دھمکی بھی دیتے، لیکن آپ ﷺ نے کچھ بھی نہیں کہا.

رسولِ اکرم ﷺ خادموں کا کس قدر خیال رکھتے تھے، اس کا اندازہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے لگائیں. وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا[۴]:

''إِذَا صَنَعَ لِأَحَدِكُمْ خَادِمُهُ طَعَامَهُ ثُمَّ جَاءَهُ بِهِ، وَقَدْ وَلِيَ حَرَّهُ وَدُخَانَهُ فَلْيُقْعِدْهُ مَعَهُ، فَلْيَأْكُلْ، فَإِنْ كَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوهًا قَلِيلاً فَلْيَضَعْ فِي يَدِهِ مِنْهُ أُكْلَةً أَوْ أُكْلَتَيْنِ''.

''جب تم میں سے کسی کے لیے اس کا خادم کھانا بنا کر اس کے سامنے پیش کرے، اور اس نے چولہے کی گرمی اور دھواں کا سامنا کیا ہو، تو اس کو بھی اپنے ساتھ بٹھائے تا کہ وہ بھی کھانا تناول کر لے. اگر کھانا قلیل مقدار میں ہو تو چاہیئے کہ خادم کے ہاتھ میں اس کھانے میں سے

---

(۳) مسلم: الفضائل/ كان رسول الله صلى الله عليه وسلم أحسن الناس خلقاً (۲۳۰۹).

(٤) مسلم: الإيمان/ إطعام المملوك... (١٦٦٣)، بخاري: الأطعمة/ الأكل مع الخادم (٥٤٦٠). 4

ایک دولقمہ رکھ دے''.

اس سے خادموں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی از حد محبت کا پتہ چلتا ہے.

مگر افسوس کہ آج کے دور میں مالداروں اور رئیسوں کے یہاں جو خدام کام کرتے ہیں، ان کی حالت زار دیکھ کر دل کوفت محسوس کرتا ہے. میں اس سلسلہ میں غیر مسلموں کو کچھ نہیں کہوں گا کیوں کہ ان کا مذہب جو کچھ انہیں سکھلاتا ہے اس کے وہ پابند ہیں، مجھے تو ان لوگوں سے شکوہ ہے جن کے نام امت اسلامیہ کے پیروکاروں کی فہرست میں شامل ہیں اور ہری وہری چندر کی بجائے ان کا نام عبداللہ وعبدالرحمٰن ہے.

ابتدائے اسلام کے مسلمان تو بلا شبہ اپنے خادموں کے ساتھ وہی طرز عمل اپناتے تھے جس کی رسول اکرم ﷺ نے تعلیم دی تھی، مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا مسلمان اپنے نبی کے طرز عمل کو اپنانے سے کنارہ کشی اختیار کرتے گئے اور آج ہمیں یہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ وہی خادم جو محمد ﷺ کے گھر میں گھر کا ایک آزاد فرد بن کر رہا کرتا تھا آج مسلمانوں کے گھروں میں ایک ذلیل نوکر کی حیثیت سے زندگی گزارتا ہے.

خلیجی ممالک میں مال ودولت کی بہتات کوئی زمانۂ قدیم سے نہیں ہے، یہاں خوشحالی کی آمد کی تاریخ نصف صدی سے متجاوز نہیں ہوئی ہے مگر بڑے افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ ان ممالک میں بھی خادموں کے ساتھ ناروا سلوک کرتے ہوئے دیکھا سنا جاتا ہے. کیا ہی اچھا ہوتا کہ ان ممالک میں جہاں بہ نسبت دیگر ممالک کے ان گنت محاسن ہیں، ان کے باشندگان کا اپنے خادموں کے ساتھ وہی طرز عمل ہوتا جس کی ان کے نبی محمد ﷺ نے تعلیم دی ہے.

میں نے خصوصیت کے ساتھ خلیجی ممالک کا تذکرہ اس لیے کیا ہے، کیوں کہ اس وقت دنیا میں یہی لوگ بہ نسبت دیگر ممالک کے خوشحال اور عیش وعشرت کی زندگی گزار رہے ہیں، اس لیے یہاں کے گھر گھر میں خادم اور خادمائیں ہیں. مگر اخباری مطالعہ اور خادموں وخادماؤں

کے متعلق جو رپورٹیں مجھے یہاں سعودی عرب کی زندگی میں ملی ہیں، وہ مجھے اس بات پر تشفی دینے سے گریزاں ہیں کہ ان ممالک کے باشندگان اپنے خادموں و خادماؤں کے ساتھ وہی طرز عمل اپناتے ہیں، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنایا تھا. کیا ہی اچھا ہوتا کہ سارے ہی مسلمان خادموں کے سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات پر عمل کر کے ان کے ساتھ حسن سلوک کی ایسی مثال قائم کرتے کہ دنیا کے دیگر مذاہب کے لوگ مسلمانوں کے دیگر اعمال صالحہ کے ساتھ اس کا بھی نام لے کر ہماری ہمت افزائی کرتے!!

خادموں کے ساتھ اچھا طرز عمل اپنانا شریف انسانوں کی خصلت ہے جبکہ ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کا طرز عمل اپنانا فرعونیوں کی صفت.. نیز جو لوگ اپنے خادموں کے ساتھ اچھے ڈھنگ سے پیش نہیں آتے، انہیں ستاتے ہیں، ان کے حقوق پامال کرتے ہیں، تنخواہیں ہڑپ کر جاتے ہیں یا وقت پر نہیں دیتے بلکہ ٹال مٹول کرتے ہیں، ویسے لوگوں سے یہ خدام وقتاً فوقتاً بدلہ لیتے رہتے ہیں اور اگر ان سے بدلا لینا ممکن نہ ہوا تو ان کے بچوں کو ہی ستا کر اپنے دل کو مطمئن کر لیتے ہیں. ڈیڑھ دو سال سے زیادہ کا وقفہ گزر گیا، میں نے جدہ سے نکلنے والے اردو اخبار ''اردو نیوز'' میں ایک خبر پڑھی تھی کہ مکہ مکرمہ میں ایک انڈونیشی خادمہ اپنے کفیل کے بچوں کو کھیلاتے کھیلاتے ان کے سروں میں سوئی سے چبھوتی تھی جس سے وہ بچے روتے چلاتے تھے، جب گھر کی مالکن نے تحقیق کیا تو حقیقت سامنے آئی. خادمہ نے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

> ''چونکہ مالکن مجھے ستاتی تھی اس لیے میں غصہ میں اس کے بچوں کو تکلیف دے کر اپنا غصہ ٹھنڈا کرتی تھی''.

جی ہاں! یہ نتیجہ نکلتا ہے خادموں کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے طرز عمل کو نہ اپنانے کا!!

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل بیماروں کے ساتھ

ایک شخص بہت دنوں سے ہمارے درمیان تھا، اس کی صحت اچھی تھی، اپنے ہاتھ سے سارا کام انجام دیتا تھا، لیکن اب وہ مریض ہو چکا ہے، دوسروں کی خدمت کرنا تو درکنار اب وہ اپنی خبر گیری کرنے سے بھی قاصر ہے. اس لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سے فرائض اس سے ساقط کر دیے ہیں جن کے کرنے سے وہ مجبور ہے، یا جن کے ادا کرنے سے اسے زیادہ تکلیف میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہو، اسے معاف ہی کر دیا ہے، اور قرآن کریم نے اس کے لیے ایک کلی اصول بنایا ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الأَعْمَى حَرَجٌ وَلاَ عَلَى الأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلاَ عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ﴾
''اندھے پر کوئی گناہ نہیں، اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ ہی بیمار پر کوئی گناہ ہے''.
[النور: ٦١، الفتح: ١٧].

اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اور بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر اسے نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے. اسی طرح حج کے احکام میں بھی بیمار کے لیے رعایت دی گئی ہے [البقرة: ٢٤]، اور روزہ توڑنے کی بھی اسے اجازت دی گئی ہے. اس سے اندازہ لگائیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے بیمار سے اپنے فرائض معاف فرما دیے ہیں، یا ان میں کمی کر دی ہیں تو بندوں کو کس حد تک بیمار سے اپنے اخلاقی مطالبات میں کنسیشن کر دینا چاہیے.

بیماروں کا طبقہ دنیا کا وہ کمزور وناتواں گروہ ہے جو ہماری ہمدردی وغمگساری کا زیادہ مستحق ہے اور ان کے ساتھ تعاون ہمارا فرض ہے. رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے(۱):

''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق بنتے ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ

(۱) مسلم: السلام، من حق المسلم للمسلم رد السلام (باب: ۳، رقم: ٢١٦٢).

جب وہ مریض ہو تو دوسرا مسلمان اس کی عیادت کرے‘‘.

امام بخاری نے باب ’’بیمار پرسی واجب ہے‘‘ کے تحت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

’’أَطْعِمُوْا الْجَائِعَ وَعُوْدُوْا الْمَرِيْضَ وَفُكُّوْا الْعَانِيَ‘‘.

’’بھوکے کو کھانا کھلاؤ، مریض کی بیمار پرسی کرو اور قیدی کو آزاد کرو‘‘(۲).

رسول اکرم ﷺ خود بھی مریضوں کی ہمدردی وغمگساری کے لیے ان کی عیادت فرماتے تھے اور مسلمانوں کو بھی اس پر ابھارتے تھے اور یہ تعلیم دیتے تھے:

’’إِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيْضَ أَوِ الْمَيِّتَ فَقُولُوا خَيْرًا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُونَ عَلَى مَا تَقُولُونَ‘‘.

’’جب تم کسی بیمار یا مرنے والے کے پاس حاضر ہو تو صرف اچھی بات کہو، کیونکہ فرشتے تمہاری بات پر آمین کہتے ہیں‘‘(۳).

بعض لوگ مریض یا قریب المرگ کے پاس کلمۂ توحید کی تلقین کو مناسب نہیں سمجھتے. ان کا کہنا ہے کہ اس سے مریض یا قریب المرگ کو چڑچڑاہٹ ہوگی. لیکن یہ رائے درست نہیں ہے، اخلاقی دائرے میں نہایت ہی نرمی وخوش کلامی سے مریض یا قریب المرگ کو کلمۂ توحید کی تلقین کرنا سنت ہے. رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

’’لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ(۴)، مَنْ كَانَ آخِرُ كَلِمَتِهِ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عِنْدَ الْمَوْتِ دَخَلَ الْجَنَّةَ يَوْمًا مِنَ الدَّهْرِ وَإِنْ أَصَابَهُ قَبْلَ ذٰلِكَ مَا أَصَابَهُ‘‘(۵).

’’تم میں جو مر رہا ہو اسے لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو، جس نے مرتے وقت لا الہ الا اللہ کہا وہ

(۲) بخاری: المرضى/ وجوب عيادة المريض (باب: ٤، رقم: ٥٦٤٩).

(۳) مسلم: الجنائز/ ما يقال عند المريض والميت (باب: ٣، رقم: ٩١٩).

(٤) مسلم: الجنائز/ تلقين الموتى لا إله إلا الله (باب: ١، رقم: ٩١٦، ٩١٧).

(٥) الإحسان صحيح ابن حبان: كتاب الجنائز/ فصل في المحتضر (٢٠٠٤).

کسی نہ کسی دن جنت میں داخل ہوگا؛ چاہے اس سے پہلے کتنی ہی سزا اسے بھگتنا پڑے''.

رسول اکرم ﷺ ایک دفعہ ایک انصاری کی عیادت کو تشریف لائے اور فرمایا: ''ماموں جان! لا الہ الا اللہ کہیۓ''.انہوں نے دریافت کیا: (آپ کیا کہہ رہے ہیں) ماموں یا چچا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ میں ماموں کہہ رہا ہوں''.انہوں نے دریافت کیا: کیا لا الہ الا اللہ کہنا میرے حق میں بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''(٦).

مسلمان ہی نہیں بلکہ کافروں کی بھی بیمار پرسی کے لیے رسولِ اکرم ﷺ جایا کرتے تھے اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دیتے تھے.انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک یہودی بچہ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار پڑ گیا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھ کر فرمایا: ''اسلام قبول کرلو''.اس نے پاس میں بیٹھے ہوئے اپنے والد کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا.والد نے کہا: بیٹے! ابوالقاسم ﷺ کی بات مان لو. چنانچہ وہ بچہ مسلمان ہوگیا.آپ ﷺ خوشی خوشی یہ کہتے ہوئے باہر آئے:

''الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِيْ أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ''.

''اللہ کا شکر ہے جس نے اسے آگ سے بچالیا''(٧).

پھر جب وہ مرگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''صَلُّوا عَلَى أَخِيْكُمْ''.

''اپنے بھائی کی نمازِ جنازہ ادا کرو''(٨).

اندازہ لگائیں کہ رسولِ اکرم ﷺ بیماروں کا کس قدر خیال رکھتے تھے کہ خود عیادت کو تشریف لے جاتے اور بیمار پرسی کے ساتھ ساتھ ان کی ہدایت ورہنمائی کا سامان بھی کرتے

(٦) أحمد (٣/ ١٥٤). علامہ البانی نے اس حدیث کو مسلم کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے.

(٧) بخاری: الجنائز/ إذا أسلم الصبي فمات هل يصلى عليه (باب ٨٠/ رقم ١٣٥٦).

(٨) مسند أحمد: (٣/ ٢٦٠). اس کی سند حسن ہے.

تھے. جیسا کہ آپ نے مذکورہ دونوں احادیث میں ملاحظہ فرمایا کہ ایک مسلمان بیمار کو آپ ﷺ نے کلمۂ توحید کی تلقین کی اور دوسرے کافر بچہ کی عیادت کو تشریف لے گئے تو اس پر اسلام پیش کیا. دراصل اسلام کی دعوت وتبلیغ کا دھن آپ ﷺ پر اس قدر سوار تھا کہ آپ حضر وسفر ہر جگہ لوگوں کی ہدایت کے لیے روشن چراغ ہاتھ میں لیے پھرتے اور لوگوں کو اندھیر نگری سے روشنی میں لانے کی فکر ہمیشہ آپ کو دامن گیر ہوتی تھی؛ بلکہ آپ کی اس شدید فکر پر تنبیہ کرتے ہوئے قرآن نے یہاں تک کہا:

﴿لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ أَنْ لَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾

''(اے محمد ﷺ!) لگتا ہے کہ آپ ان لوگوں کے دائرہ اسلام میں داخل نہ ہونے کے سبب خود کو ہلاک کر لیں گے''. [الشعراء:۳]

عموماً بیمار اپنی سخت بیماری سے کبیدہ خاطر ہو جاتے ہیں، مایوسی ان کے چہروں سے ٹپکتی ہے؛ بلکہ بسا اوقات بیماری سے عاجز آ کر وہ بیماری ہی کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں. مگر رسول اکرم ﷺ نے انہیں تسلی دی اور آگاہ فرمایا ہے کہ انہیں پہنچنے والی بیماری یا کوئی بھی تکلیف دراصل ان کے حق میں بہتری کا باعث ہے، اس لیے انہیں ہرگز نہیں گھبرانا چاہیے. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''مَا مِنْ مُصِیْبَةٍ تُصِیْبُ الْمُسْلِمَ إِلَّا کَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا عَنْهُ، حَتَّی الشَّوْکَةِ یُشَاکُهَا''.

''مسلمان کو کوئی بھی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کا گناہ بخشتا ہے، حتی کہ گڑنے والے کانٹے کے عوض بھی''(۹).

ایک طرف آپ ﷺ نے لوگوں کو مریض کی عیادت کی ترغیب دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''مَنْ عَادَ مَرِیْضًا لَمْ یَزَلْ فِیْ خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰی یَرْجِعَ''(۱۰).

---

(۹) بخاری: المرضی/ ما جاء فی کفارة المریض (۵۶۴۰)، مسلم: البر والصلة والآداب (۲۵۷۲).

(۱۰) مسلم: البر والصلة والآداب/ فضل عیادة المریض (باب: ۱۳، رقم: ۲۵۶۸).

''مریض کی عیادت کرنے والا (اپنے گھر) واپسی تک جنت کی کیاری میں ہوتا ہے''.

تو دوسری طرف مریض کے اطمینان کے لیے اسے پہنچنے والی بیماری کے عوض گناہوں کی بخشش کا مژدہ سنایا.

حدیث قدسی میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے عیادت کی فضیلت حسبِ ذیل موثر ودلکش انداز میں بیان فرمائی:

''اللہ عز وجل قیامت کے دن دریافت فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار پڑا تو تو نے میری عیادت نہ کی. بندہ کہے گا: اے میرے رب! میں تیری عیادت کیوں کر کرتا جبکہ تو سارے جہاں کا پروردگار ہے؟! اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

'أما عَلِمْتَ أنَّ عَبْدی فُلانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ، أَمَا عَلِمْتَ أنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِيْ عِنْدَهُ؟''.

''کیا تجھے خبر نہیں ہوئی کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا مگر تو نے اس کی بیمار پرسی نہ کی، اگر کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا؟''(۱۱).

غرض رسول اکرم ﷺ بیماروں کے ساتھ ایسا سلوک چاہتے تھے کہ انہیں اپنی بیماری کا کچھ احساس تک نہ ہو؛ چنانچہ آپ خود (خادم، غلام، غریب اور مالدار سب) بیماروں کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے جاتے اور اپنی امت کو بھی اس عظیم فریضہ کی ادائیگی کی تعلیم دیتے تھے.

بیماروں کے ساتھ رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو جو طرز عمل اپنانے کی تعلیم دی ہے اس سے موجودہ زمانے کے کردار کا موازنہ کریں جن کے پڑوس میں کتنے ہی لوگ بیمار ہیں، مجبور ہیں، بھوکے ہیں مگر ان کی وہ خبر گیری نہیں کرتے اور خود ہی عیش وعشرت کی زندگی میں محو ہیں جیسے وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے اس دنیا میں رہنے والے ہیں!!

---

(۱۱) مسلم: البر والصلة والآداب/ فضل عيادة المريض (۲۵٦۹)، الأدب المفرد (۵۱۷).

رسول اکرم ﷺ کا طرزِ عمل غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ

غریبوں اور مسکینوں کا طبقہ دنیا کا وہ کمزور ترین طبقہ ہے جس کے ساتھ دنیا کے تمام مذاہب نے ہمدردی برتی ہے، اور اس کے اطمینان وتسلی کے لیے زاہدانہ زندگی بسر کرنے پر زور دیتے ہوئے بڑے خوش آیند اور سنہرے الفاظ استعمال کیے ہیں. لیکن اس کی تلخ بھری زندگی میں سدھار کے حالات پیدا کرنے کے لیے ان مذاہب والوں کی شیریں کلامی کا کوئی رول نہیں ہے؛ البتہ رسول اکرم ﷺ کی مبارک زندگی میں اس کمزور طبقہ کے ساتھ عملی ہمدردی وغمگساری کا ایسا ثبوت ملتا ہے جس کی بنا پر ہم بلا تردد کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ہستی ہی وہ پہلی اور آخری مبارک ہستی ہے جس نے اس طبقہ کے ساتھ عملی ہمدردی کا ایسا نمونہ چھوڑا کہ اس پر اگر پوری دنیا کے لوگ عمل پیرا ہو جائیں تو پھر یہ کمزور طبقہ زندگی کے آخری لحات تک خوشحال وخوشگوار زندگی گزار سکتا ہے.

رسول اکرم ﷺ نے خود اپنی زندگی غریبوں اور مسکینوں کی صورت میں گزاری اور ان کی مصیبتوں وتکلیفوں کو ہلکا کرنے کے لیے عملی تدابیر جاری کیں. آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی:

"اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مِسْكِيْنًا وَأَمِتْنِيْ مِسْكِينًا وَاحْشُرْنِی فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ".

''الٰہی! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ، مسکین ہی موت دے اور قیامت کے دن میرا حشر مسکینوں ہی کے زمرے میں کر''(۱).

رسول اکرم ﷺ کے بزم اقدس کے مقرب درباری اور اسلام کے معرکوں کے مخلص جاں نثار

(۱) [صحیح] ترمذی: الزهد/ ما جاء أن الفقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنيائهم (۲۳۵۲).

وجاں باز اصحاب صفہ کی تاریخ کسی سے مخفی نہیں. ان غریبوں ومسکینوں کی پناہ کا سایہ رسول اکرم ﷺ کے گھر کا چبوترہ (صفہ) ہی تھا، جہاں اصحاب صفہ نے آپ ﷺ کی عملی ہمدردی کے بہترین ثبوت کا مشاہدہ کر کے زندگی کے تلخ لمحات کو بھلا دینے کا سبق سیکھا اور ان کا مزاج اس طرح خالص اسلامی بن گیا کہ دنیا کی عیش بھری حیات کی کوئی قدر و قیمت ان کی نگاہ میں نہ رہی، اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ محسن انسانیت ﷺ نے انہیں یہ خوش خبری سنا دی تھی:

"يَدْخُلُ فُقَرَاءُ الْمُسْلِمِيْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ بِنِصْفِ يَوْمٍ وَهُوَ خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ".

"مسلمان فقراء مالداروں سے آدھا دن پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور اس آدھے دن کی مدت پانچ سو سال ہے"[۲].

رسول اکرم ﷺ کی نگاہ میں کسی آدمی کی غربت وتنگ دستی اس کی ذلت ورسوائی کے ہم معنی نہ تھی اور نہ ہی دولت وثروت اس کی عزت ووقار کے مترادف تھی جیسا کہ آج کے دور میں اور آج سے قبل کے زمانوں میں کم ظرف وبلید لوگوں نے غربت وافلاس اور مال وجائداد کو انسانی زندگی کی ذلت ورسوائی اور عزت ووقار کا معیار بنایا ہوا ہے[۳]. اس کے برعکس رسول اکرم ﷺ کی نظر میں کسی آدمی کا اصلی معیار نیکی وپرہیز گاری اور بزرگی وفضیلت تھی. انجیل متی (۵،۳) میں حضرت عیسی علیہ السلام کا یہ فرمان مکتوب ہے:

"قابل مبارک باد ہیں وہ لوگ جن کے دل غریب ہیں، کیوں کہ زمین کی بادشاہت انہی کی ہے".

رسول اکرم ﷺ نے زیادہ ایجاز واختصار کے ساتھ اس مطلب کو ان الفاظ میں ادا فرمایا:

"إِنَّ الْمُكْثِرِيْنَ هُمُ الْمُقِلُّوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"[۴].

---

(۲) [صحیح] ترمذی: الزهد/ ما جاء أن فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنيائهم (۲۳۵۴).

(۳) ملاحظہ فرمائیں سورۃ ہود آیات ۲۹ - ۳۰، وسورۃ الشعراء آیات ۱۱۱ - ۱۱۴.

(٤) بخاری: الرقاق/ المكثرون هم المقلون (٦٤٤٣)، مسلم: الزكاة (۹۹۱ کے بعد والی حدیث).

''قیامت کے دن جو مالدار ہیں وہی غریب ہیں (یا جو غریب ہیں وہی مالدار ہیں)''.

نیز ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

''لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ''(٥).

''تونگری و مالداری بے نیازی (وخودداری) کا نام ہے نہ کہ مال ودولت کی کثرت کا''.

شیخ سعدی نے غالباً اسی حدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنی مایا ناز کتاب ''گلستاں'' میں لکھا ہے:

''تونگری بدل ست نہ بمال وبزرگی بعقل ست نہ بسال''

''مالداری دل سے ہے نہ کہ مال سے اور بزرگی عقل سے ہے نہ کہ زیادتیٔ عمر سے''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے غریبی وفقیری کی فضیلت میں ایک باب ہی باندھا ہے. اس باب میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی کا گزر رسول اکرم ﷺ کے پاس سے ہوا تو آپ ﷺ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا:

''مَا رَأْيُكَ فِي هَذَا؟''.

''اس آدمی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''.

اس نے عرض کیا:

''رَجُلٌ مِنْ أَشْرَافِ النَّاسِ، هَذَا وَاللَّهِ! حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ يُنْكَحَ وَإِنْ شَفَعَ أَنْ يُشَفَّعَ''.

''یہ آدمی مالدار لوگوں میں سے ہے اور اللہ کی قسم! یہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اگر یہ (کسی کی لڑکی کو) پیغام نکاح دے تو اس کی شادی ہو جائے اور کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے''.

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو رہے، اتنے میں وہاں سے ایک غریب آدمی کا بھی گزر ہوا. آپ ﷺ نے پوچھا: ''اس دوسرے آدمی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' (آپ کے

(٥) بخاری: الرقاق/ الغنی غنی النفس (٦٤٤٦)، مسلم: الزكاة/ ليس الغنى عن ... (١٠٥١).

پاس بیٹھے ہوئے) اس آدمی نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! یہ مسلمان فقراء میں سے ہے، یہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اگر یہ (کسی کی بیٹی سے) نکاح کا پیغام دے تو اس کی شادی نہ ہو اور کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ ہو. یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''هَذَا خَيْرٌ مِنْ مِلْءِ الأَرْضِ مِثْلَ هَذَا''.

''یہ دوسرا آدمی اُس پہلے آدمی سے زمین بھر سے زیادہ بہتر ہے''(٦).

عام طور پر غریبوں ومسکینوں کے بارے میں مادہ پرست لوگوں کا تصور یہ ہوتا ہے کہ یہ مفلوک الحال طبقہ کسی خیر کا ذریعہ نہیں، اسی لیے غریب ومسکین اگر کوئی بات کہے تو ایسے لوگ اس کی قدر نہیں کرتے خواہ وہ بات کتنی ہی بھلی کیوں نہ ہو. جب کہ امیر ومالدار اگر کوئی تحریک شروع کرے تو لوگ بہت جلد اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور اس کی باتیں لوگوں کو بھلی معلوم ہوتی ہیں؛ گر چہ وہ بات غیر معیاری ہی کیوں نہ ہو. مگر مذکورہ حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص کو سمجھایا کہ غریب ومسکین کی اہمیت بھلے ہی دنیا والوں کی نگاہ میں کم ہو لیکن اللہ کی نگاہ میں اس کی اہمیت بہت ہے. اس لیے کسی غریب مسکین کو کسی مالدار وصاحب ثروت کو دیکھ کر مرعوب نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی اس کے دل میں اپنی کمتری کا احساس ہونا چاہیے. کیوں کہ اللہ کی نگاہ میں وہی آدمی اہمیت کا حامل اور خوش بخت ہے جو صاحب تقوی اور نیک ہو. سورۂ حجرات آیت ۱۳ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾.

''اللہ کے نزدیک تم میں سب سے با عزت وہی ہے جو سب سے زیادہ تقوی شعار اور پرہیز گار ہے''.

پھر یہ دنیوی نعمت ودولت تو محض ایک آزمائش اور کھیل تماشہ ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں. نبی کریم ﷺ غریبوں کے ساتھ بہت زیادہ ہمدردی برتتے تھے، اس لیے زمانۂ نبوت میں

---

(٦) بخاری: كتاب الرقاق، باب: فضل الفقر (٦٤٤٧).

غریب ومسکین لوگ جب بھی ضرورت پڑتی آپ ﷺ کا دروازہ کھٹکھٹاتے اور آپ ان کی ضرورت پوری فرما دیتے اور اگر آپ کے پاس ان کی ضرورت کا سامان نہیں ہوتا تو دوسروں سے قرض لے کر ان کی حاجت برآری کرتے تھے. ایک مرتبہ آپ سے کسی نے سوال کیا، آپ کے پاس کچھ نہیں تھا، فرمایا:

''میرے پاس ہے نہیں، جاکر بازار سے میرے نام پر قرض لے لو''.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو اس کا مکلّف نہیں بنایا ہے پھر یہ تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت؟! رسول اکرم ﷺ چپ ہو گئے، ایک شخص نے کہا: اللہ کی راہ میں دینا ہی بہتر ہے، اس پر آپ ﷺ بہت خوش ہوئے.

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ میدان عرفات میں کھڑے تھے، اتنے میں ایک دیہاتی آیا اور آپ کی چادر کا کنارہ پکڑ کر مال طلب کیا اور آپ ﷺ نے اسے بخوشی عطا فرمایا(۷).

رسول اکرم ﷺ غریبوں اور مسکینوں سے بے تکلف تھے، ان کی حاجت برآری کے لیے کوشاں رہتے اس لیے وقتاً فوقتاً یہ غریب طبقہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا. بسا اوقات اس طبقہ میں گنوار دیہاتی لوگ گستاخانہ انداز میں بھی سوال کرتے لیکن آپ ﷺ کی پیشانی پر ذرا بھی بل نہیں آتا اور آپ خوشی خوشی ان کی مرادیں پوری کرتے. ایک مرتبہ ایک گنوار نے پیچھے سے آکر اس قدر زور سے آپ ﷺ کی چادر کھینچی کہ گردن مبارک سرخ ہوگئی، آپ ﷺ نے مڑ کر دیکھا تو وہ بولا: میری مدد کرو میں غریب آدمی ہوں.

آپ ﷺ نے خزانچی سے فرمایا:

''ایک اونٹ پر جو اور دوسرے اونٹ پر کھجور دے دو''(۸).

دراصل آپ ﷺ دنیا والوں کو تعلیم دے رہے تھے کہ یہ فقیر ونادار اور مسکین وغریب لوگ

---

(۷) ترمذی: الزکاۃ/ ما جاء من لا تحل له الصدقة (۶۵۳)، شیخ البانی نے ضعیف کہا ہے.
(۸) حوالہ کے لیے دیکھئے: (ص۲۷۳، حاشیہ ۷).

زمین پر بوجھ نہیں بلکہ یہ مالداروں کے لیے نعمت ہیں نعمت. ان ہی لوگوں کی بدولت مالداروں کو روزی ملتی ہے اس لیے مالداروں کو ان کمزوروں کا اچھا سے اچھا خیال رکھنا چاہئے. حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

''اِبْغُونِي الضُّعْفَاءَ فَإِنَّمَا تُرْزَقُونَ وَتُنْصَرُونَ بِضُعَفَائِكُمْ''.

''مجھے کمزوروں (غریبوں و مسکینوں) میں تلاش کرو، کیوں کہ تم لوگ جو رزق دیے جاتے ہو اور تمہیں جو نصرت و مدد پہنچتی ہے یہ تمہارے کمزوروں ہی کی مرہون منت ہے''(۹).

اس لیے کسی امیر کو کسی فقیر کی بے بسی کا مذاق نہیں اڑانا چاہئے اور نہ ہی اپنے سے کمتر سمجھنا چاہئے. کیوں کہ ممکن ہے کہ ان غریبوں ہی کے سبب مالدار خوشحالی کے ایام میں قدم رنجہ ہوں.

مصعب بن سعد کا بیان ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خیال تھا کہ انہیں (مالداری و بہادری کے سبب) دوسرے بہت سے صحابہ پر فضیلت حاصل ہے. جب نبی کریم ﷺ کو اس سلسلہ میں معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ؟''(۱۰).

''کیا تم اپنے کمزور و معذور لوگوں (کی دعا) کے بغیر نصرت و رزق سے نوازے جاتے ہو؟''.

رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت نے غریبوں اور مسکینوں کا بہت خیال رکھا ہے. قرآن کریم میں زکاۃ کے جو آٹھ مصارف بیان کیے گئے ہیں ان میں غریب و مسکین بھی شامل ہیں، ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالغَارِمِينَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللَّهِ، وَاللَّهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾

''صدقے صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان کے لیے جن کے دل پرچائے جاتے ہوں اور گردن چھڑانے میں اور

(۹) [صحیح] أبو داود: کتاب: الجهاد (٢٥٩٤)، ترمذی: کتاب الجهاد (١٧٠٢).

(١٠) بخاری: کتاب الجهاد، باب: من استعان بالضعفاء والصالحین بالحرب (٢٨٩٦).

قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور راہرو مسافروں کے لیے فرض ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ علم وحکمت والا ہے''. [التوبہ:٦٠]

فقراء ومساکین میں سے جو لوگ بے حیائی کے ساتھ در بدر مانگتے پھرتے ہیں، ان پر اُن فقراء ومساکین کو ترجیح دی گئی ہے جو فقر وفاقہ کے ایام میں پہنچنے والی ہر قسم کی تکلیف کو گوارا کرتے ہیں لیکن اپنی خود داری کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور اِدھر اُدھر ہاتھ نہیں پھیلاتے ہیں. قرآن کریم نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لاَ يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾

''صدقات کے مستحق صرف وہ غریب لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیے گئے، جو ملک میں (تلاش رزق کے لیے) چل پھر نہیں سکتے، ناواقف لوگ ان کی بے سوالی کی وجہ سے انہیں مالدار خیال کرتے ہیں، آپ ان کے چہرے دیکھ کر قیافہ سے انہیں پہچان لیں گے، وہ لوگوں سے چمٹ کر (الحاح واصرار کے ساتھ) سوال نہیں کرتے''. [البقرۃ:٢٧٣]

رسول اکرم ﷺ نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے:

''لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِىْ تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلَا اللُّقْمَةُ وَلَا اللُّقْمَتَانِ، إِنَّمَا الْمِسْكِيْنُ الَّذِى يَتَعَفَّفُ''.

''مسکین وہ نہیں ہے جس کو ایک دو کھجور یا ایک دو لقمہ در بدر پھرایا کرتے ہیں بلکہ مسکین وہ ہے جس کو ضرورت ہے لیکن وہ کسی سے مانگتا نہیں'' (١١).

غرض رسول اکرم ﷺ نے غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ جس طرح زندگی گزاری ہے، اگر اہل دنیا اسی طرح سے غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ برتاؤ کرنے لگیں تو پھر اس دنیا کا منظر ہی

---

(١١) بخاری: کتاب: التفسیر (٤٥٣٩) مسلم، کتاب: الزکاۃ (١٠٣٩).

کچھ اور ہو. لیکن آج کے دور میں اور پہلے بھی - جیسا کہ اس عنوان کی ابتدا میں لکھا گیا ہے- بہت سے مالداروں کے اندر دیکھا گیا ہے کہ وہ دولت وثروت کے نشہ میں غریبوں اور مسکینوں کو انسان نہیں حیوان بلکہ حیوان سے بھی بدتر سمجھتے ہیں. دراصل ان کی یہی مبنی بر حماقت سمجھ انہیں بسا اوقات بہت ذلیل ورسوا کرتی ہے. غریب ومسکین لوگ جب امیروں کے نا روا سلوک سے عاجز آ جاتے ہیں تو پھر ان کے اندر بھی انتقام کا جذبہ انگڑائی لینے لگتا ہے اور کسی طرح یہ غریب طبقہ بھی اپنی پارٹی بنا کر مالداروں کی نیندیں حرام کر دیتا ہے. آج دنیا میں بہت سی ایسی تنظیمیں ہیں جو مالداروں اور رئیسوں کے ظلم وستم سے عاجز آ کر وجود میں آئی ہیں. تاریخ کے صفحات کی ورق گردانی کرنے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس روئے زمین پر جہاں بھی مالداروں نے اپنے بڑ پن کا اظہار کیا اور غریبوں کو کیڑوں مکوڑوں کی طرح سمجھنے لگے تو پھر یہیں سے معاشرہ برائیوں کی زد میں پھنس گیا اور پھر ایک دن ایسا آیا کہ ان غریبوں نے مجبور ہو کر ان مالداروں کے خلاف قدم اٹھا لیا. شاعر نے کس قدر حقانیت کا نقشہ کھینچا ہے: ؎

إِذَا يَئِسَ الإِنْسَانُ طَالَ لِسَانُهُ   كَسِنَّوْرٍ مَغْلُوْبٍ يَصُوْلُ عَلَى الْكَلْبِ

(انسان جب عاجز آ جاتا ہے تو اس کی زبان لمبی ہو جاتی ہے، عاجز ومغلوب بلی کی طرح جو کتے پر حملہ کر دیتی ہے).

آج کے دور میں تقریباً ہر جگہ اس کی مثال مل سکتی ہے، وضاحت کی ضرورت نہیں. لیکن ہزار معذرت کے ساتھ عاجز غریبوں کے جرأت مندانہ اقدام کی ایک مثال یہاں مولانا عبدالسلام رحمانی (سابق ناظم جمعیت اہل حدیث ہند) کی کتاب (سفرنامہ) ''دیارِ غیر میں'' کے حوالے سے نقل کرتا ہوں جسے انہوں نے پنڈت اجودھیا پرساد شرما کی دو جلدوں پر مشتمل کتاب ''کسان سنگھ کا اتیہاس'' کے حوالے سے لکھا ہے.

اس مثال کا پس منظر یہ ہے کہ برٹش گورنمنٹ زیادہ سے زیادہ مزدوری کا لالچ دے کر

ہندستان کے غریب مردوں اور عورتوں کو فیجی لے گئی، لیکن وہاں ان غریبوں کے ساتھ وہ نا روا سلوک کیا جسے سن کر ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں. جانوروں کو کام لینے کے بعد ان کا مالک کم از کم روکھا سوکھا پیٹ بھر خوراک تو دیتا ہے، لیکن ان غریب ہندستانیوں کو پیٹ بھرنے کے لیے خوراک بھی مکمل نہیں مل پاتی تھی؛ چہ جائیکہ انہیں مناسب مزدوری ملے!!

مولانا عبدالسلام رحمانی لکھتے ہیں:

''مصنف (پنڈت اجودھیا پرساد شرما) نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی ان مظالم کے خلاف بعض حوصلہ مند کسانوں نے آواز اٹھائی مگر ان میں نہ کوئی تنظیم تھی نہ اجتماعیت، اس لیے ان کی آواز صدا بصحرا ہو کر رہ گئی. ایک دفعہ چند عورتوں نے کولمبر صاحب کے رویے سے بہت زیادہ دکھی اور پریشان ہو کر ایک کولمبر کو بری طرح پیٹا اور اس کے منہ میں پیشاب کر دیا. وقتاً فوقتاً بعض اور جگہ بھی کسانوں نے انتہائی عاجز آ کر بعض کولمبروں کی پٹائی کر دی، لیکن مظالم کی چکی علی حالہ چلتی رہی اور اسی طرح دن گزرتے رہے، یہاں تک کہ بعض کسانوں نے ۱۹۳۷ء میں در پردہ ایک تنظیم ''کسان سنگھ'' کی بنیاد ڈال لی''(۱۲)

مذکورہ اقتباس کے نقل کرنے کا مطلب - نعوذ باللہ - ہرگز یہ نہیں ہے کہ جہاں کہیں بھی غریب و مسکین طبقہ مالداروں کے ظلم واستبداد کا نشانہ بنے، غلط قدم اٹھا لے؛ بلکہ ہم نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے اور جیسا کہ قارئین پر بھی مخفی نہیں کہ مالداروں نے غریبوں اور مسکینوں کی جب بھی تحقیر وتذلیل کی اور انہیں ان کے حقوق سے دور رکھا تو پھر ان کے خلاف میں کوئی نہ کوئی تنظیم قائم ہو گئی. اگر مالداروں کو احساس ہوتا کہ وہ ان کمزور غریبوں اور مسکینوں کے سبب روزی اور طاقت وقوت سے نوازے جاتے ہیں تو پھر ان غریبوں کا ضرور خیال رکھتے اور جب غریب مالداروں کو اپنے ساتھ حسن معاملہ دیکھتے تو پھر دونوں طرف محبت واخلاص کی داغ بیل پڑتی اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوشگوار زندگی گزارتے، کاش ایسا ہوتا؟!

5 (۱۲) دیکھیں سفر نامہ ''دیار غیر میں'' ص ۸۸، مولانا عبدالسلام رحمانی، طبع ستمبر ۱۹۹۹ء.

رسول اکرم ﷺ کا طرزِ عمل مظلومین کے ساتھ

مظلومین کی دردانگیز داستانوں سے قوموں کی تاریخ بھری پڑی ہے. انسانوں کا یہ مظلوم طبقہ ہر دور میں ظالم بادشاہوں اوران کی رعایا کے ہاتھوں طرح طرح کے مظالم کا شکار ہوتا رہا ہے. حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کوتو فرعونیوں اور قبطیوں نے حیوانوں کا بھی درجہ نہیں دیا تھا. ہر نئی صبح وشام ان کی طرف سے بنی اسرائیلیوں کے لیے سخت سے سخت ایک نیا عذاب مرتب ہوتا. بنی اسرائیلیوں پر فرعونیوں کے ظلم واستبداد کی کوئی انتہا نہ تھی اور اس سے بھی زیادہ ذلت ورسوائی کی بات یہ تھی کہ بنی اسرائیل کا یہ مظلوم طبقہ آنکھیں پھاڑے ان مظالم کو دیکھتا تھا لیکن اپنے تحفظ میں بالکل ناکام تھا. ان کی آنکھوں کے سامنے ان کی لڑکیاں اورعورتیں لونڈیاں بنائی جاتیں اور فرعونیوں کی خدمت کے علاوہ ان کے ظلم وستم کا نشانہ بھی بنتی تھیں؛ لیکن یہ مظلوم گروہ اپنی عفت وعصمت کو ان سخت دل ظالموں سے بچا نہیں پاتا تھا. بچانا تو درکنار ان کی طرف سر اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت بنی اسرائیلیوں میں نہیں تھی.

چوں کہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ مظلوموں کا کوئی نہ کوئی مسیحا اور ظالم فرعونیوں کی سرکوبی کے لیے کسی نہ کسی موسیٰ کو بھیجتا رہا ہے؛ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور انہوں نے بڑی ہی مشقت وپریشانی سے اس مظلوم طبقہ کو ظالم فرعونیوں کے ظلم واستبداد سے نجات دلایا. لیکن ظالموں سے مقابلہ آرائی اور ان کے ظلم واستبداد کے پنجوں سے انسانیت کے مظلوم طبقہ کو نجات دلانے میں جو شاندار کردار نبی کریم ﷺ نے پیش کیا ہے، شاید اس کی نظیر پوری تاریخ انسانیت پیش کرنے سے قاصر ہے. اور چونکہ شریعت کی تکمیل اگلی امتوں پر نہیں بلکہ رسولِ اکرم ﷺ پر ہوئی، اس لیے مظلوموں کی روحوں کو سرمدی خوشیاں فراہم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو ظالم سے مقابلہ آرائی اور مظلوم کی امداد ونصرت کے لیے ابھارا اور انسانوں

کے اس مظلوم طبقہ کو ظالموں کی سرکوبی کے لیے تیار کیا اور انہیں ہمت و جرأت سے نوازا؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مظلوم فرقہ کے متعلق فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ، وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ، وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُوْلٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ، إِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُوْلٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾.

''اور جب اُن پر زیادتی ہوتی ہے تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں، اور برائی کا بدلہ اسی کے برابر ہونا چاہئے، پس جو معاف کردے اور اصلاح کر لے تو اُس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، وہ بے شک ظالموں کو پسند نہیں کرتا ہے، اور جو مظلوم ظلم کیے جانے کے بعد اپنا بدلہ لے لیں، اُن پر کوئی الزام نہیں. الزام اُن لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے اور زمین میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں، انہی کے لیے دردناک عذاب ہے''. [الشوریٰ: ۳۹-۴۲]

دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے ظالموں سے دھمکی آمیز لہجہ میں فرمایا کہ تم لوگوں کو ستانے میں حد سے تجاوز نہ کرو اور ظلم وطغیانی کا بازار گرم کرکے اللہ کے مظلوم بندوں کی نیندیں حرام نہ کرو؛ ورنہ تمہارا وہ برا انجام ہوگا کہ تم اپنے وجود کو بھی گناہ سمجھو گے اور پھر اللہ کے مظلوم بندوں کی طرف نگاہ بھی اٹھانے کی جرأت نہ کرسکو گے. چنانچہ فرمایا:

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللَّهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُّقَتَّلُوْا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيْهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلاَفٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾.

''جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں، ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں، یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے. یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت وخواری اور

آخرت میں ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے''(۱). [المائدۃ:۳۳]

رسولِ اکرم ﷺ مکی زندگی میں گر چہ مظلومین کی ہی فہرست میں تھے اور آپ ﷺ پر بھی آئے دن قریشِ مکہ کے ظلم وستم کی آفت نازل ہوتی تھی، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ دیگر مظلومین کی ہمدردی وغمخواری میں بھر پور حصہ لیتے تھے. اسلام کی آمد کے بعد قریشِ مکہ کے دل جب انتہائی سخت، بے رحم، درندہ صفت اور سفاکیت کا مہیب قالب اختیار کر لیے اور اسلام کی بیخ کنی کے لیے انہوں نے رات دن تگ ودو اور سازشیں شروع کر دیں تو کچھ مدت کے بعد اکابر صحابہ کو ان کے قبیلہ نے اپنے تحفظ میں لے لیا. یہ دیکھ کر ظالم قریشیوں کا طیش وغضب ہر سمت سے سمٹ کر غریبوں کے ان مظلومین پر ٹوٹا جن کا کوئی یار ومددگار نہیں تھا. قریشیوں نے ان مظلومین کو اس طرح بے دردی سے ستانا شروع کیا کہ علامہ شبلی نعمانی کی زبان میں:

''جور وستم کی تاریخ میں اس کی مثال پیدا کرنا قریش کی یکتائی کی تحقیر ہے''(۲).

رسولِ اکرم ﷺ جب گھر سے نکلتے اور ریتیلی زمین پر چلچلاتی ہوئی دھوپ میں غریب ونادار مسلمانوں کے اس مظلوم گروہ کو ظالم قریشیوں کے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنتے دیکھتے تو آپ

---

(۱) اس آیت کا پس منظر اور سببِ نزول یہ ہے کہ قبیلہ عکل اور عرینہ کے کچھ لوگ مسلمان ہو کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ آئے. انہیں مدینہ کی آب وہوا راس نہ آئی، جس کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ نے انہیں مدینہ سے باہر اس جگہ بھیج دیا جہاں صدقہ کے اونٹ تھے اور حکم دیا کہ ان کا دودھ اور پیشاب پیو. انہوں نے آپ کے حکم کی پاسداری کی. جب صحت یاب ہو گئے تو اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہنکا لے گئے. جب اس کی خبر رسول اکرم ﷺ کو ملی تو آپ نے ان کے پیچھے چند لوگوں کو دوڑائے جو انہیں اونٹوں سمیت پکڑ لائے. پھر رسول اکرم ﷺ نے مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالنے کا حکم دیا اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروائیں (کیوں کہ انہوں نے بھی چرواہوں کے ساتھ یہی رویہ اختیار کیا تھا)، اور دھوپ میں ڈلوا دیا. انہوں نے پیاس کی شدت سے پانی مانگا، لیکن پانی نہیں دیا گیا اور وہ یوں ہی تڑپ تڑپ کر مر گئے.

[بخاری: کتاب التفسیر (باب ۵، رقم ۴۶۱۰)، مسلم: کتاب القسامۃ (باب ۲، رقم ۱۶۷۱)].

(۲) سیرۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم (۱/ ۱٤٦) از علامہ شبلی نعمانی.

ﷺ تڑپ اٹھتے تھے. لیکن کر بھی کیا سکتے تھے، آپ بھی تو خود مظلوم ومقہور تھے، صرف ان مظلومین کو جنت کی بشارت دے کر ان کی دلجوئی وغمخواری میں شریک ہوتے. لیکن جب اسلام مکہ مکرمہ سے نکل کر مدینہ منورہ کی سرحد میں داخل ہو گیا اور کمزور مسلمانوں کی طاقت وقوت میں اضافہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم نازل فرما کر ان مظلومین کو ظالموں سے بدلہ لینے کا سامان کر دیا اور یوں ان مظلوم مسلمانوں نے غزوۂ بدر میں مکہ کے ظالموں اور سرغنوں کی کھوپڑیوں سے فٹ بال کھیل کر اپنے من کی بھڑاس نکالی!!

رسولِ اکرم ﷺ مظلومین کی امداد وتعاون میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے تھے. مکی دور ہو یا مدنی، ہر وقت آپ نے ظالموں سے مظلومین کے حقوق دلانے کی کوششیں کیں. اسی لیے مظلومین خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر، آپ ﷺ کے دروازہ پر دستک دے کر ظالموں سے اپنے حقوق واپس دلانے کی بات کرتے اور آپ ﷺ ظالموں سے ان کے حقوق دلاتے. چنانچہ مکہ کی سرزمین میں بھی اگر کوئی اجنبی اور غریب الوطن آتا اور ظالم کے مقابلہ میں لوگوں سے تعاون طلب کرتا تو آپ ﷺ ہی اس کا ساتھ دیتے.

سیرت ابن ہشام میں ابن اسحاق سے مروی ہے کہ قبیلۂ اِراش کا ایک شخص اپنے اونٹ کے ساتھ مکہ مکرمہ آیا. ابوجہل نے اس سے اونٹ خرید لی اور اس کی قیمت دینے میں ٹال مٹول کرنے لگا. چنانچہ اراشی قریش کی مجلس میں آیا - اس وقت رسولِ اکرم ﷺ مسجد حرام کے ایک کنارے میں بیٹھے ہوئے تھے - اور کہا: اے قریش کی جماعت! کوئی ہے جو ابو الحکم بن ہشام سے میرا حق دلا دے، کیوں کہ میں اجنبی ومسافر ہوں اور اس نے میرا حق مار لیا ہے؟ اہلِ مجلس نے رسول اکرم ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: تم اس بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھ رہے ہو، اسی کے پاس جاؤ وہ ابوجہل سے تمہارا حق دلا دیں گے.

اس سے ان کا مقصد رسول اکرم ﷺ کا مذاق تھا. کیوں کہ وہ ابوجہل اور آپ ﷺ کے مابین عداوت کو جانتے تھے. یہ سن کر اِراشی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ

کے بندے! ابو جہل نے میرا حق مار لیا ہے اور میں اجنبی و مسافر ہوں، میں نے ان اہلِ مجلس سے کسی آدمی کے بارے میں دریافت کیا جو ابو جہل سے میرا حق دلا سکے تو انہوں نے آپ کی طرف اشارہ کیا ہے، آپ ابو جہل سے میرا حق لے دیں، اللہ آپ پر رحم کرے گا. آپ ﷺ نے فرمایا: ''چلو اس کے پاس''. یہ کہہ کر آپ ﷺ اس کے ساتھ چل پڑے. جب اہلِ مجلس نے دیکھا کہ آپ ﷺ اِراشی کے ساتھ جا رہے ہیں تو انہوں نے اپنی جماعت کے ایک آدمی کو یہ کہہ کر بھیجا کہ جا کر دیکھو محمد کیا کرتے ہیں؟!

رسول اکرم ﷺ نے ابو جہل کے دروازہ پر پہنچ کر دستک دی. گھر کے اندر سے آواز آئی: کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''محمد ہوں، چلو باہر نکلو''. ابو جہل نکلا تو شدتِ خوف سے اس کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا. آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس اجنبی کا حق دو''. اس نے کہا: اچھا! یونہی رہیں ابھی اس کا حق لا دیتا ہوں. پھر ابو جہل اندر گیا اور اِراشی کا حق لا کر اسے دے دیا. اس کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس ہو گئے اور اِراشی سے فرمایا: ''جہاں جانا چاہتے ہو جاؤ''. وہ اراشی قریش کی مجلس کے پاس آیا اور کہنے لگا: اللہ تعالیٰ ان (محمد ﷺ) کو بہتر بدلہ عطا فرمائے، اللہ کی قسم! انہوں نے مجھے میرا حق دلا دیا. پھر وہ آدمی جسے اہلِ مجلس نے آپ ﷺ کے پیچھے بھیجا تھا، یہ منظر دیکھ کر آیا تو اہل مجلس نے اس سے پوچھا: تیری خرابی ہو! تو نے کیا کچھ مشاہدہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں نے ایک عجیب سا منظر دیکھا ہے، اللہ کی قسم! محمد نے ابو جہل کے دروازہ پر پہنچ کر جونہی دستک دی، وہ ہواس باختہ ہو کر نکلا. محمد نے کہا: ''اس اجنبی کا حق دو''. ابو جہل نے کہا: اچھا، یونہی رہیں ابھی اس کا حق لا دیتا ہوں، پھر وہ اندر گیا اور اس اجنبی کا حق لا کر دے دیا.

ادھر تھوڑی ہی دیر بعد ابو جہل بھی وہاں آ پہنچا. اہلِ مجلس اس سے کہنے لگے: تیری خرابی ہو! تجھے کیا ہو گیا، اللہ کی قسم! ہم نے تجھے محمد کے ساتھ ایسا نرم رویہ اختیار کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا؟! ابو جہل نے کہا: تمہاری بربادی ہو، اللہ قسم! محمد نے جو میرے دروازہ پر دستک دی اور

میں نے جونہی اس کی آواز سنی، میرے اندر خوف ودہشت طاری ہوگئی. پھر جب میں نکلا تو محمد کے سر پر ایسا خوفناک اونٹ دیکھا، کہ اس کی طرح خوفناک اونٹ اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا. اللہ قسم! اگر میں اس اِراشی کا حق دینے سے انکار کرتا تو وہ اونٹ مجھے کھا ڈالتا(۳).

صرف اسی ایک واقعہ سے اندازہ لگائیں کہ رسولِ اکرم ﷺ مظلومین کی امداد ونصرت میں کس قدر دلچسپی لیتے تھے. یہی نہیں، بلکہ مظلوم طبقہ کی مدد پر آپ ﷺ نے ہمہ وقت اپنے اصحاب کو بھی ابھارا. حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا:

''اُنْصُرْ أَخَاکَ ظَالِمًا أوْ مَظْلُوْمًا''.

''تم اپنے بھائی کی مدد کرو؛ خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم''.

ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مظلوم کی مدد تو کروں لیکن ظالم کی مدد کیونکر کروں؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

''تَحْجُزُهُ أو تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَإِنَّ ذٰلِکَ نَصْرُه''(۴).

''ظالم کو ظلم سے روک دو، یا اسے ظلم سے منع کر دو، یہی اس کی مدد ہے''.

رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے امتیوں کو تعلیم دی ہے کہ وہ مظلومین کو ہرگز نہ ستائیں اور ان کی ہرممکن مدد کریں. جب آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو سرِ فہرست آپ نے انہیں مظلومین کی بددعاؤں سے بچنے کی بھی نصیحت فرمائی. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے یمن بھیجتے وقت فرمایا:

''اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ، فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ''(۵).

(۳) سيرة ابن هشام (۲/۲۵، ۲۶)، مكتبة المورد.

(٤) بخاری: الإكراه/ يمين الرجل لصاحبه: إنه أخوه إذا خاف عليه القتل أو نحوه (٦٩٥٢).

(٥) بخاری: المظالم/ الاتقاء والحذر من دعوة المظلوم (٢٤٤٨)، مسلم: كتاب الإيمان (١٩).

''مظلوم کی آہ سے بچنا، کیوں کہ اس کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے''.

شیخ سعدی نے کیا خوب کہا ہے:

بہم بر مکن تا توانی دلے   کہ آہِ جہانے بہم برکند

(جہاں تک ہو سکے کسی دل کو نہ ستاؤ، کیوں کہ ایک آہ پوری دنیا کو تہ و بالا کرسکتی ہے).

ظلم خواہ کسی بھی معاملہ میں ہو، اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا ہے؛ چنانچہ حدیث قدسی میں رسولِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

''قَالَ: يَا عِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحرَّمًا فَلاَ تَظَالَمُوا''

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں نے اپنے آپ پر ظلم کو حرام ٹھہرایا ہے اور تمہارے مابین بھی اسے حرام قرار دیا ہے، لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو''(٦).

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے آگاہ کیا ہے کہ ذرہ برابر بھی ظلم کرنے والا مظلوم کا حق دیے بغیر قیامت کے روز جنت وجہنم کے مابین پل صراط سے پار نہیں ہو سکے گا(٧). اسی لیے رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

''الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ''.

''ظلم قیامت کے اندھیروں میں سے ہے''(٨).

حتی کہ اگر کوئی آدمی ظلم کر کے کسی کی تھوڑی سی بھی زمین ہڑپ لے تو اسے قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا، جیسا کہ بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا(٩):

---

(٦) مسلم: البر والصلة والآداب/ تحريم الظلم (باب: ١٥، رقم: ٢٥٧٧).

(٧) بخاري: المظالم/ قصاص المظالم (٢٤٤٠).

(٨) بخاري: المظالم/ الظلم ظلمات (٢٤٤٧)، مسلم: البر والصلة/ تحريم الظلم (٢٥٧٩).

(٩) بخاري: كتاب المظالم (٢٤٥٣)، مسلم: المساقاة/ تحريم الظلم ... (١٦١٢).

''مَنْ ظَلَمَ قِيْدَ شِبْرٍ مِنَ الْأَرْضِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِيْنَ''.

اور بخاری میں سالم اپنے والد (ابن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ أَخَذَ شَيْئًا مِنَ الْأَرْضِ بِغَيْرِ حَقِّهِ، خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى سَبْعِ أَرَضِيْنَ''.

''جو کوئی کسی کی زمین کا کچھ بھی حصہ بغیرِ حق کے لے گا، اسے قیامت کے روز سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا''.(۱۰)

احادیث اور سیرت کی کتابوں میں مظلومین کی مدد کے متعلق نبی کریم ﷺ کے بہت سے فرامین ہیں اور ان کی امداد ونصرت کے متعلق بہت سارے آپ ﷺ کے واقعات ہیں جنہیں چند صفحات میں بیان کرنا مشکل ہے. مختصر یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ بذاتِ خود مظلومین کی ہمہ وقت امداد ونصرت فرمائے ہیں اور اپنے امتیوں کو بھی اس کی تعلیم دی ہے. لیکن افسوس کہ آج کے دور میں اس معاملہ میں مسلمانوں کے اندر اس قدر سستی ولاپرواہی آ گئی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں ہی پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں. مسلم معاشروں کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے جس قدر زیادہ ظلم سے بچنے کی تلقین کی تھی اسی قدر زیادہ ظلم کا بول بالا ہے. اور واضح ہے کہ جب خود مسلم معاشرہ ہی ظلم وطغیانی میں پھنس کر اپنے مسلم بھائیوں کو نگلنے کی کوشش کرے گا تو دنیا کے عرض وطول میں پھیلے ہوئے کفار ومشرکین کے ظلم واستبداد کے شکار مظلوم مسلمانوں کے تعاون کی امید ایسے افراد سے کیوں کر کی جا سکتی ہے؟!

مسلمانوں کی موجودہ ذلت ورسوائی کے جہاں دیگر کئی اسباب ہیں؛ ان میں ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ مسلم معاشرے میں انصاف، مظلومین کی مدد اور ظالموں کے بائیکاٹ کا فقدان ہے. اور جس معاشرہ میں ظلم کو شہ دینے والوں، مظلومین کی آواز پر لبیک نہ کہنے والوں اور

---

(۱۰) بخاری: بدء الخلق/ ما جاء في سبع أرضين (باب ۲/ رقم ۳۱۹۶).

ظالموں کے ہاں میں ہاں ملانے والوں کی کثرت ہوگی، اس کے افراد کے لیے ہمیشہ ہمیش ذلت ورسوائی مقدر ہوگی اور اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب مسلط کر دے گا؛ تا آں کہ وہ ظلم، ظالم اور مظلوم کے متعلق رسولِ اکرم ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات کو گلے نہ لگا لیں. کیوں کہ رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوْا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوْا عَلَى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَنْ يَّعُمَّهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ''.

''لوگ جب ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب مسلط کر دے''(۱۱).

اس حدیث شریف کے مطابق ظلم کے خلاف آواز نہ اٹھانا بھی ظالم کی طرفداری ہے. اس لیے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے نبی کی سنت پر عمل کرتے ہوئے مظلومین کی امداد ونصرت میں اپنی ممکنہ طاقت صرف کر دیں اور ظلم کا ارتکاب خواہ کوئی بھی کرے، ہمیشہ مظلوم کا ہی ساتھ دیں.

اسی طرح ظالموں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے ظلم سے باز آ جائیں اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے درس عبرت لیں جس میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتَّى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ''.

''درحقیقت اللہ تعالیٰ ظالم کو (دنیا میں چند روز) مہلت دیتا رہتا ہے مگر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں''(۱۲)۔

---

(۱۱) [صحيح] أبو داود: الملاحم/ الأمر والنهي (٤٣٣٨).

(۱۲) بخاري: كتاب التفسير (٤٦٨٦)، مسلم (٢٥٨٣).

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل قیدیوں کے ساتھ

وہ قوم جس کو قیدیوں کی کم یا زیادہ تعداد ہاتھ لگے اور وہ اس کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرے تو بلا شبہ دنیا میں اس قوم کے حسن سلوک اور عملی اخلاق کا چرچا ہوگا اور اہل دنیا خواہ وہ کسی بھی مذہب یا فرقہ کے ہوں، اس قوم کی تعریف کریں گے. کیوں کہ اصل تعریف کی مستحق قوم تو وہی ہوتی ہے جو تسلط کے باوجود اپنے زیر دستوں کا اچھا اور مثبت خیال رکھے.

لیکن قوموں کی تاریخ کے اوراق میں دور دور تک ہمیں دیکھنے کو نہیں ملتا ہے کہ کسی قوم نے اپنے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا وہ طرز عمل اپنایا ہو جس کی مثال تاریخ اسلام کے صفحات میں ملتی ہے اور جس کے گواہ اسلام کے مخالفین اور بہت سارے غیر مسلم دانشوران بھی ہیں. اسلام سے قبل دنیا میں جتنی بھی قومیں اور سلطنتیں تھیں، وہ اسیران جنگ کے ساتھ ایسے وحشیانہ سلوک کرتی تھیں جسے سن کر ہی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں. اسلام کے بعد بھی دوسری قوموں کا یہی کچھ رویہ رہا ہے.

خود کو مہذب کہلانے والی قوموں کا ان کے قیدیوں کے ساتھ کیا طرز عمل رہا ہے؟ اس سلسلہ میں ذرا ایک جھلک ذیل کی سطور میں دیکھیں:

ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنی کتاب ''یورپ پر اسلام کے احسان'' میں لکھتے ہیں:

''قیصر روم باسل (۹۶۳ء تا ۱۰۲۵ء) نے بلغاریہ پر فتح حاصل کی تو پندرہ ہزار اسیرانِ جنگ کی آنکھیں نکلوا دیں. ہر سو (۱۰۰) قیدی کے بعد ایک قیدی کی آنکھ باقی رہنے دی تا کہ وہ ان اندھوں کو گھروں تک پہنچا سکیں''(۱).

۱۷۹۹ء میں مہذب یورپ کے سب سے بڑے جنرل نپولین بونا پارٹ نے یافا کے چار

(۱) یورپ پر اسلام کے احسان (ص ۸۲).

ہزار ترک اسیرانِ جنگ کو محض اس عذر کی بنیاد پر قتل کرا دیا کہ وہ انہیں کھلانے کے لیے خوراک مہیا نہیں کر سکتا اور نہ مصر بھیجنے کا انتظام کر سکتا ہے۔"(۲)

۱۸۵۷ء میں جب انگریزوں نے دہلی کو فتح کیا تو مسلمان قیدیوں سے ان کا کیسا درد انگیز سلوک تھا، اس کا ایک منظر شورش کاشمیری کے ایک اقتباس میں دیکھیں جسے سر ہنری کاٹن کی یادداشتوں سے نقل کیا گیا ہے:

"میں نے اپنے سکھ اردلی کی خواہش پر ان بد بخت مسلمانوں کو عالم نزاع میں دیکھا جن کی مشکیں کس کے زمین پر برہنہ ڈال دیا گیا تھا، ان کے جسم پر تانبے کی سلاخیں داغ دی گئی تھیں، میں نے انہیں پستول سے ختم کر دینا ہی مناسب سمجھا، ان بدنصیب قیدیوں کے سڑتے ہوئے گوشت سے مکروہ بدبو نکل کر آس پاس کی فضا کو مسموم کر رہی تھی۔"(۳)

جنگ عظیم دوم (۱۹۳۹ء - ۱۹۴۵ء) میں فلپائن کے ایک محاذ پر امریکہ اور فلپائن کی مشترکہ فوج کے ۷۵/ ہزار فوجیوں نے جاپانی فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیے. فاتح فوج نے ۷۵/ ہزار اسیران جنگ کو شدید گرمی، بھوک اور پیاس کی حالت میں ۶۵/ میل پیدل چل کر نظر بندی کیمپوں تک پہنچنے کا حکم دیا. بیشتر اسیران جنگ طویل سفر کی نا قابل برداشت صعوبتوں کی وجہ سے راستے میں ہی ہلاک ہو گئے. تاریخ میں اس سنگدلانہ اور بے رحمانہ سفر کو (DeATH MARCH) کا نام دیا گیا ہے(۴).

غرض اقوام عالم کی تاریخ پر نگاہ رکھنے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ ہر قوم نے اسیران جنگ کے ساتھ وحشتناک طرز عمل اختیار کیا ہے اور آج بھی خونخوار قومیں قیدیوں کے ساتھ بربریت کا سلوک کرنا گو اپنا اعلیٰ کردار تصور کرتی ہیں. اسی لیے ان دنوں جب بھی کوئی آدمی

(۲) الجهاد فی الإسلام (ص ٥٢٤).
(۳) سوانح سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ، از شورش کاشمیری (ص ۱۳۶).
(٤) ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور، جولائی ۱۹۹۵ء.

ٹی وی کا بٹن آن کرتا ہے یا انٹرنیٹ پر خبروں کا دراسہ کرتا ہے تو اسے قیدیوں کے ساتھ قوموں کی وحشت ناکی دیکھنے کو ملتی ہے. مقبوضہ فلسطین کے مسلمانوں کو اسرائیلی افواج نے جو ظلماً قیدی بنایا ہوا ہے، ان کے ساتھ ان افواج کا ناروا سلوک دنیا کا ہر فرد ٹی وی یا انٹرنیٹ پر مشاہدہ کر سکتا ہے، کہ قیدیوں کے ہاتھوں کو پیچھے کی جانب سے باندھ کر انتہائی ذلت کے ساتھ ان کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جایا جاتا ہے. پیچھے سے کوڑوں کی مار پڑتی ہے، لات جوتوں کا استعمال بھی بڑا فخریہ انداز میں ہوتا ہے اور جب بھی کوئی قیدی تھکاوٹ سے چور ہو کر بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے، اوپر سے اس کی پٹائی شروع ہو جاتی ہے. گو وہ قیدی ان ظالم فوجیوں کے وحشت بھرے سلوک سے مر جانا گوارہ کرتے ہیں لیکن انہیں موت بھی نہیں آتی!!

قیدی ایک لاچار فرد کا نام ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں بندوق کی جگہ ہتھکڑی ہوتی ہے، کہ وہ حاجات وضروریات کو بھی آسانی کے ساتھ انجام دینے میں ناکام ہوتا ہے. اب اگر کوئی اس حالت میں انہیں لات جوتا سے پٹائی کرتا ہے اور پیٹ بھر خوراک سے محروم رہنے والے قیدیوں کو چلچلاتی دھوپ کی شدید گرمی اور کڑاکے کی سردی کے زمانے میں رات دن ستاتا ہے تو اس سے بڑھ کر بزدل اور انسانیت کا دشمن اس زمین پر کون ہوسکتا ہے؟!

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کو جب امریکہ کی دو بڑی عمارتوں (ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پنٹا گان) پر حملہ ہوا تو ٹھیک اس کے ایک سال بعد امریکہ نے مسلمان ممالک کی بے غیرتی اور بزدلی کا مطالعہ کر کے افغانستان پر حملہ کرنے میں کامیاب ہوگیا. افغانی باشندگان پر اس نے B52 اور دیگر تباہ کن اسلحہ جات سے حملہ کر کے ان کا خون پانی کی طرح بہایا اور پھر جب افغانیوں کے خون سے پیاس نہیں بجھی تو صدام حسین کی گرفتاری کا بہانہ بنا کر امریکہ نے اپنے فوجیوں کو عراق کی سر زمین میں بھیج دیا. ان فوجیوں نے عراقی باشندگان پر آنکھیں بند کر کے میزائلیں داغیں، اتنا ہی نہیں کہ صرف ہتھیار کا استعمال کر کے بہت سارے مظلوم مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالا؛

بلکہ جو مسلمان قیدی بنائے گئے ان کے ساتھ نہایت ہی گھٹیا، گھناؤنا اور ناروا سلوک کیا گیا.

امریکی اور برطانوی فوج کی ذلت ورسوائی اور ان کی احساس کمتری کی اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ ان کی ایک فوجی خاتون (ایسی عورت کو خاتون کہنا بھی اس لفظ کی شان میں گستاخی ہے) نے ایک مسلمان قیدی کے منہ پر اپنا انڈر ویئر ڈال دیا تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ تکلیف محسوس کرے!! امریکی وبرطانوی افواج کا عراقی قیدیوں کے ساتھ ظلم وستم دیکھنا ہے تو انٹرنیٹ پر ان کی خونخواری اور انسانیت سوز حرکات دیکھی جاسکتی ہیں. میڈیا نے جو تصاویر منظر عام پر لانے کی جرأت کی ہے ان میں ایک تصویر میں دکھایا گیا ہے کہ کئی امریکی وبرطانوی سپاہی عراقی قیدیوں کو اپنا عضو تناسل چاٹنے پر مجبور کر رہے ہیں، ایک تصویر میں مسلمان قیدیوں کو ایک دوسرے سے بدفعلی کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے، اسی طرح درجنوں تصاویر میں اس قسم کے درد انگیز اور اخلاق سے گری ہوئی حرکتیں دکھائی گئی ہیں (۵)!! کیا دنیا کی تاریخ مسلمان حکمرانوں اور مسلم فوجوں کو بھی ان کے قیدیوں کے ساتھ اس قسم کی بدتمیزی وبداخلاقی کے کام کی کوئی ایک مثال بھی پیش کرسکتی ہے؟؟؟؟ نہیں اور ہرگز نہیں!!!

قارئین کرام! آپ نے اقوام کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہوگا اور آج مہذب یورپ کی تاریخ بھی آپ کی نظروں کے سامنے ہے؛ بلکہ آئے دن اخبارات وجرائد، ٹی وی، ریڈیو، ڈش اور انٹرنیٹ پر آپ اسیرانِ جنگ کے ساتھ فاتح قوموں کا طرز عمل دیکھتے ہیں؛ ذرا انصاف کے ساتھ بتائیں کہ کیا محمد ﷺ نے بھی قیدیوں کے ساتھ ایسا ہی طرز عمل اختیار کیا تھا جن کو متعصبین اور دشمنان اسلام بدنام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے تلوار کے زور سے

---

(۵) اب ذرا انصاف پسند لوگ بتائیں کہ کیا امریکی وبرطانوی فوجوں کے اس قسم کے اخلاق سوز حرکات سے کوئی بھی آدمی محبت کا دم بھر سکتا ہے جس کو انسانیت سے تھوڑا بھی لگاؤ ہے؟! ان کی اسی بربریت کا نتیجہ ہے کہ دنیا کا ہر انصاف پسند ان پر لعنت کر رہا ہے جس کی سزا انہیں دنیا کے کونے کونے میں نفرت وحقارت اور خودکش حملوں کے ذریعہ مل رہی ہے اور کسی ملک میں بھی ان کی جانیں محفوظ نہیں!!

لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا تھا؟! جیسا کہ ہندستان کے صوبہ اتر پردیس کے گورنر سر ولیم میور نے پیغمبر اسلام محمد ﷺ کے خلاف ایک کتاب قلم بند کی ہے جس کے اندر یہ لکھا ہے:

''انسانیت کے دو سب سے بڑے دشمن ہیں: محمد کی تلوار اور محمد کا قرآن''(٦).

آفتاب پر تھوکنے ولا بیوقوف اور احمق کہلاتا ہے، کیوں کہ وہ آفتاب پر نہیں بلکہ خود اپنے چہرے پر تھوکتا ہے، اور رسول اکرم ﷺ کی زندگی آفتاب کی طرح روشن ہے جس کی ضوفشانیوں سے پورا عالم روشن ہے تو بھلا اس شخصیت پر اس طرح الزام تراشی کرنا کس قدر حماقت ہے؟! جب کہ دنیا کے تمام انصاف پسند دانشوران اور مفکرین اسے رحمۃ للعالمین تسلیم کر چکے ہیں اور آج تک کوئی شخص اس پندرہ سو سالہ مدت ہی میں نہیں بلکہ کروڑوں سالوں کی تاریخ میں کسی ایسی شخصیت کو پیش نہیں کر سکا جو محمد عربی ﷺ سے بڑھ کر رحمت ورافت کا پیغام لایا ہو اور خود اس کے نفاذ کا عملی پیکر بھی ہو!!

اسیرانِ جنگ ہوں یا دوسرے کمزور لوگ، رسول اکرم ﷺ نے ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک کا ایسا طرز عمل اپنایا ہے کہ دنیا کی تاریخ اس کی مثال ازل سے ابد تک پیش کرنے سے قاصر ہے.

اب ذرا ذیل کی سطروں میں مطالعہ کریں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے قیدیوں کے ساتھ کس طرح کا سلوک اور طرزِ عمل اپنایا؟

قیدیوں کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کا طریق عمل دو ہی طرح کا تھا:

① فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کر دینا. ② بلا کسی فدیہ کے آزاد کر دینا(٧).

[الف] سب سے پہلے مسلمانوں کو جنگ بدر میں قیدی ہاتھ آئے. مکہ مکرمہ میں

---

(٦) موج کوثر از شیخ محمد اکرام (ص ١٦٣).

(٧) حدیث کی کتابوں میں قیدیوں سے قیدیوں کے تبادلہ کا بھی ثبوت ملتا ہے.

مسلمانوں کو اہل مکہ نے بہت ستایا تھا، ان سے بڑھ کر مسلمانوں کا دشمن کوئی نہ تھا.۲ھ میں جنگ بدر ہوئی جس میں مکہ کے بڑے بڑے رؤساء مسلمانوں کی تلواروں سے قتل ہوئے اور ۷۰ آدمی گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے. رسول اکرم ﷺ نے تمام قیدیوں کو صحابہ کرام میں تقسیم کر کے انہیں آرام سے رکھنے کا حکم دیا اور تاکید کر دی کہ ان کو کسی بھی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے پائے. اس حکم پر صحابہ کرام نے اس قدر شدت سے عمل کیا کہ خود تو کھجوریں کھا کر بسر کرتے تھے مگر قیدیوں کو شکم سیر ہو کر کھانا کھلاتے تھے.

نبی کریم ﷺ نے فدیہ لے کر ان قیدیوں کو آزاد کر دیا اور جو قیدی فدیہ نہیں دے سکے ان کے لیے یہ سزا تجویز فرمائی کہ وہ انصار کے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھلا دیں، اور بعض قیدیوں کو بلا فدیہ بطور احسان رہا کیا گیا. صرف دو قیدی (عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث) قتل کیے گئے. یہ سزا ان کے سابقہ جرائم کا نتیجہ تھی جن کے سبب وہ واجب القتل ٹھہرے.

ایک قیدی سہیل بن عمرو جو بہت بڑا شعلہ بیان خطیب تھا اور رسول اکرم ﷺ کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کیا کرتا تھا، اس کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی کہ اس کے اگلے دو دانت تڑوا دیجیے تا کہ اس کی زبان لپٹ جایا کرے گی اور آیندہ یہ آپ کے خلاف شعلہ بار تقریریں نہ کر سکے گا لیکن رحمت عالم ﷺ نے یہ تجویز مسترد فرما دی کیوں کہ یہ مثلہ کے ضمن میں آتا ہے جس پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ کا خطرہ تھا.

[ب] جنگ بدر کے بعد ۵ یا ۶ھ میں غزوۂ بنو المصطلق پیش آیا جس میں ایک سو سے زیادہ عورتیں اور مرد گرفتار ہو کر آئے تھے. اس غزوہ میں حارث بن ابی ضرار سید قوم کی بیٹی گرفتار ہوئی تھیں جن کو ثابت بن قیس بن شماس نے گرفتار کیا اور پھر مکاتب کر دیا تھا. یہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں زرِ کتابت مانگنے کے لیے حاضر ہوئیں تو آپ نے ان کا زرِ کتابت بھی ادا کیا اور ان سے شادی بھی کر لی. صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب معلوم ہوا کہ رسول اکرم

ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں لے لیا ہے تو بنو المصطلق کے سارے قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دیا اور کہنے لگے: یہ رسول اللہ ﷺ کے سسرال کے لوگ ہیں (۸).

اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں:

''فَمَا رَأَيْنَا امْرَأَةً كَانَتْ أَعْظَمَ بَرَكَةً عَلَى قَوْمِهَا مِنْهَا''.

'ہمیں کسی عورت کے بارے میں جانکاری نہیں جو اپنی قوم کے لیے جویریہ سے زیادہ بڑھ کر برکت والی ہو''(۹).

[ج] حدیبیہ کے میدان میں کوہ تنعیم کے پاس (۸۰) حملہ آور قید ہوئے تھے. ان کو بھی رسول اکرم ﷺ نے کسی شرط یا جرمانہ کے بغیر آزاد فرما دیا تھا، جب کہ یہ قیدی رسول اکرم ﷺ کو جان سے مار دینا چاہتے تھے. لیکن ان کی خوش قسمتی کہ وہ ایک ایسی شخصیت کے دربار میں بحیثیت مجرم گرفتار ہو کر آئے تھے جو انسان تو انسان حیوانات کے لیے بھی رحمت وشفقت کا پیکر تھی. چنانچہ رحمۃ للعالمین کے دربار سے ان کے لیے آزادی کا پروانہ جاری ہوا.

[د] فتح مکہ کے سال ۸ھ میں غزوۂ حنین پیش آیا، اس گھمسان کی جنگ میں مسلمانوں کو چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی (یعنی ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم جس کی مقدار چھ کوئنٹل سے چند ہی کیلو کم ہوتی ہے) ہاتھ لگے. رسول رحمت ﷺ نے اس موقع پر فرمایا:

''میں اپنے اور بنو عبدالمطلب کے قیدیوں کو بلا کسی معاوضہ کے رہا کر رہا ہوں''.

یہ سن کر انصار ومہاجرین نے کہا: ہم بھی اپنے اپنے قیدیوں کو بلا کسی معاوضہ کے آزاد کرتے ہیں. بنی سلیم اور بنی فزارہ کے نزدیک یہ بات عجیب تھی، کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ حملہ آور دشمن

---

(۸) زاد المعاد (۲/ ۱۱۲) ابن هشام (۲/ ۲۸۹ - ۲۹۵).

(۹) [حسن] أبو داود: كتاب العتق (۳۹۳۱).

خوش قسمتی سے زیر ہو گیا ہے اس لیے ان پر کیوں کر ایسا رحم وکرم کیا جائے؛ چنانچہ انہوں نے اپنے حصہ کے قیدیوں کو آزاد نہیں کیا. رسول رحمت ﷺ نے انہیں بلایا، ہر ایک قیدی کی قیمت چھ اونٹ قرار پائے. یہ قیمت آپ ﷺ نے ادا کر دی اور اس طرح باقی قیدیوں کو بھی آزادی دلائی. یہی نہیں بلکہ آپ نے رہائی کے وقت تمام قیدیوں کو ایک ایک قبطی چادر بطور ہدیہ عنایت فرمائی.

ان قیدیوں میں دائی حلیمہ کی بیٹی شیماء بنت حارث سعدیہ بھی تھی جو رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن تھی. اسے آپ ﷺ کے پاس لایا گیا تو اس نے آپ ﷺ سے اپنا تعارف کرایا، آپ ﷺ نے اس کو ایک علامت کے ذریعہ پہچان لیا، پھر آپ ﷺ نے اس کی بڑی قدر وعزت فرمائی، اس کی نشست کے لیے اپنی چادر بچھا دی اور فرمایا:

''اگر تم میرے پاس ٹھہرو تو بہتر ہے اور اگر اپنی قوم میں واپس جانا چاہتی ہو تو اختیار ہے''.

اس نے واپس جانا چاہا؛ چنانچہ آپ ﷺ کے حکم سے اسے عزت واکرم کے ساتھ اس کی قوم میں بھیج دیا گیا.

یہ تو تھا اجتماعی قیدیوں کا تذکرہ، ساتھ ساتھ ایک انفرادی قیدی کا تذکرہ بھی پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ رسول اکرم ﷺ قیدیوں کے ساتھ کس قدر حسن سلوک کرتے تھے.

عرب کا ایک ایک قبیلہ اطاعت کر کے اسلام کے پرچم تلے جمع ہو رہا تھا، لیکن اگر کسی نے آخر تک سرتابی کی تو وہ یمامہ کے بنو حنیفہ کا قبیلہ تھا جس میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعوی کیا تھا. یمامہ کا حاکم ثمامہ بن اثال وہ شخص تھا جس نے رسول اکرم ﷺ کو قتل کرنے کی کئی بار کوشش کی تھی؛ بلکہ کئی صحابہ کرام کو قتل بھی کر چکا تھا. جب وہ گرفتار ہو کر آیا تو رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم دیا اور خود گھر جاتے ہی فرمایا: ''گھر میں جو کچھ کھانا موجود ہے وہ ثمامہ کو بھجوا دیا جائے''. نیز فرمایا: ''روزانہ میری اونٹنی کا

دودھ صبح وشام اس کے لیے بھیج دیا جائے''. پھر آپ ﷺ نے اس کو بلا فدیہ احسان فرما کر چھوڑ دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ ثمامہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا. آیئے بخاری ومسلم میں اس واقعہ کو پڑھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نجد کی طرف ایک فوج روانہ کیا، اس نے ایک آدمی کو گرفتار کر کے حاضر کیا جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا. صحابہ کرام نے اس کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا. پھر نبی کریم ﷺ اس کے پاس آئے اور دریافت کیا:

''مَا عِنْدَکَ يَا ثُمَامَةُ؟''.

''اے ثمامہ! تمہارے پاس کہنے کو کیا ہے؟''.

اس نے عرض کیا: اے محمد! میرے پاس خیر (ہی کہنا) ہے، اگر تم قتل کرو گے تو ایک خونی کو قتل کرو گے، اگر احسان کرو گے تو ایک شکر گزار پر احسان ہوگا اور اگر زرِ فدیہ چاہتے ہو تو خواہش کے مطابق مانگو (میں دینے کو تیار ہوں). یہ سن کر نبی کریم ﷺ خاموش ہو رہے، دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی سوال وجواب ہوا. پھر آپ ﷺ نے حکم فرمایا:

''أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ''.

''ثمامہ کو آزاد کر دو (اور اس کی رسی کھول دو)''.

اس اخلاق اور لطف وعنایت کا اثر یہ ہوا کہ ثمامہ آزاد ہوتے ہی مسجد کے قریب ایک درخت کی آڑ میں گیا اور غسل کر کے مسجد میں واپس آیا اور کلمہ ''أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ'' پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور عرض کیا:

''يَا مُحَمَّدُ! وَاللَّهِ مَا كَانَ عَلَى الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِکَ فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُکَ أَحَبَّ الْوُجُوهِ إِلَيَّ''.

''اے محمد! اللہ کی قسم! اس سرزمین پر مجھے کسی کا چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض

ونا پسندیدہ نہ تھا لیکن اب آپ کے چہرے سے زیادہ مجھے کوئی محبوب نہیں''.

''وَاللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ دِيْنٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِيْنِكَ فَأَصْبَحَ دِيْنُكَ أَحَبَّ الدِّيْنِ إِلَيَّ''.

''اللہ کی قسم! میری نظر میں آپ کے مذہب سے زیادہ برا مذہب کوئی نہ تھا مگر اب وہی سب سے زیادہ پیارا ہے''.

''وَاللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ إِلَيَّ''.

''اللہ کی قسم! آپ کے شہر سے زیادہ ناپسندیدہ شہر میری نگاہ میں کوئی نہ تھا لیکن اب آپ کا شہر دنیا کے تمام شہروں سے زیادہ پسندیدہ ہے''.

یہ ثمامہ جو کچھ دنوں قبل رسول اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے خون کا پیاسا تھا. جب رسول اکرم ﷺ کے قید خانے سے نکل کر اسلام کا لبادہ زیب تن کیا اور مکہ مکرمہ پہنچ کر اسلامی تعلیمات کے مطابق عمرہ کی ادائیگی کرنے لگا تو کسی نے اسے دیکھ کر کہا: ''صَبَوْتَ؟'' ''تو بے دین ہوگیا؟''. یہ سن کر ثمامہ بن اثال نے جس کو رسول اکرم ﷺ کی چند روزہ صحبت نے اس قدر پختہ مومن بنا دیا تھا، برملا یہ اعلان کر دیا:

''لَا، وَلَكِنْ أَسْلَمْتُ مَعَ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا وَاللّٰهِ لَا يَأْتِيْكُمْ مِنَ الْيَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتّٰى يَأْذَنَ فِيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ''.

''نہیں میں بے دین نہیں ہوا، بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا ہوں، اور اللہ کی قسم! سن لو، اب یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی تمہارے پاس نبی کریم ﷺ کی اجازت کے بغیر نہیں آسکے گا''.(۱۰)

یہ تھے رسول اکرم ﷺ کے قید خانے کے قیدی اور یہ تھا ان کے ساتھ آپ ﷺ کا حسن سلوک، کہ قیدی کفرستان سے محمد ﷺ سے بغض وعداوت کی نفرت دل میں لے کے آئے تا کہ

---

(۱۰) بخاری: المغازی/ وفد بنی حنیفة و.. (٤٣٧٢)، مسلم: الجهاد/ ربط الأسير(١٧٦٤).

محمد ﷺ ہی کا جڑ سے خاتمہ کر دیں کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری، لیکن جب انہوں نے قریب سے آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق اور حسن سلوک کا مشاہدہ کیا تو بلا وقت ضائع کیے پہلی فرصت میں آپ ﷺ کی اخلاقی دعوت میں ضم ہو کر رہ گئے!!

اب ذرا جواب دیں وہ دشمنانِ اسلام جنہوں نے اپنے قیدیوں کے ساتھ ناروا سلوک کو اپنایا یا آج اپنائے ہوئے ہیں، کیا اسلام کے پیغمبر نے بھی اپنے قیدیوں کے ساتھ وہی سلوک کیا تھا جو کہ مسلمان قیدیوں کے ساتھ آج کیا جارہا ہے یا پہلے کیا جا تا رہا ہے؟ نہیں !! کیوں کہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کافر قیدیوں کو مسلمانوں نے تعلیماتِ نبویہ کی ہدایات کے مطابق ہر طرح کی سہولیات فراہم کیں اور ان کی ضروریات کو اپنے اور اپنے بال بچوں کی ضروریات پر ترجیح دیں. اس کے برعکس تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ''ایک جنگ میں جب رومی عیسائیوں نے مسلمانوں کو شکست دی تو تمام مسلم اسیرانِ جنگ کو سمندر کے کنارے لٹا کر ان کے پیٹ میں لوہے کی بڑی بڑی کیل ٹھونک دیے تا کہ بچے کھچے مسلمان جب جہازوں پر واپس جائیں تو اس منظر کو دیکھ سکیں''(۱۱).

یقیناً رسول اکرم ﷺ نے قیدیوں کے ساتھ وہ مثالی کردار پیش کیا ہے کہ اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں ناپید ہے. بھلا ایسا کیوں نہ ہو جبکہ دوسرے لوگ اپنی اور اپنی قوم وملک کی ناک اونچی کرنے کے لیے لڑتے مرتے یا ایک دوسرے کے ساتھ غلط برتاؤ کرتے ہیں. مگر رحمت عالم ﷺ اللہ کے لیے سب کچھ کرتے تھے اور اس تحریک پر مسلمانوں کو عمل بھی کرایا. یہی وجہ ہے کہ مجرم قیدی بھی آپ ﷺ کے دربار میں بلا جھجک وبلا خوف اپنے ما فی الضمیر کا اظہار کرتے تھے. اسود بن سریع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک قیدی لایا گیا. اس نے کہا:

(۱۱) دیکھیں کتاب: یورپ پر اسلام کے احسان (ص ۸۳).

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَتُوبُ إِلَيْكَ وَلاَ أَتُوبُ إِلَى مُحَمَّدٍ".

"اے اللہ! میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں، محمد کی طرف رجوع نہیں کرتا".

یہ وہ فقرہ ہے جس پر سلاطین کی عدالت گاہوں سے پھانسی کی سزا تک دی جا سکتی تھی کہ اس سے ان کے نزدیک ذات شاہانہ کی توہین متصور ہوتی ہے، لیکن قربان جایئے صبر وتحمل کے پہاڑ اور حق بات کے آگے سرنگوں کرنے والے دونوں جہاں کے سردار پر!! جنہوں نے اس قیدی کی بات سن کر فرمایا:

"عَرَفَ الحَقَّ لِأَهْلِهِ".

"اس کو معلوم ہو گیا کہ یہ حق کس کا تھا"(۱۲).

کیا قیدیوں کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے اس قدر حسن سلوک اور اچھے طرز عمل کا مطالعہ کر کے بھی اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں ان لوگوں کی ذہنیت نہیں بدلے گی جو رات دن اسلام اور پیغمبر اسلام پر بہتان تراشی کرتے ہیں؟! مجھے خوب معلوم ہے کہ دشمنان اسلام کے میڈیا کے آگے میری آواز بہت کمزور ہے مگر میں نے اپنی کمزور آواز ہی سے ان لوگوں کو مذکورہ حقائق سنانے کی کوشش کی ہے جو کسی بھی بات کو تعصب کا چشمہ لگا کر نہیں بلکہ حقیقت کے آئینہ سے دیکھتے ہیں اور وہی اس دنیا کے اچھے لوگ بھی ہیں!!

(۱۲) مسند أحمد (۳/ ۴۳۵). وأورده الهيثمي في مجمع الزوائد (۱۰/۱۹۹) وقال: رواه أحمد والطبراني (في الكبير: ۸۳۹) وفيه محمد بن مصعب وثّقه أحمد وضعّفه غيره، وبقية رجاله رجال الصحيح. امام حاکم (۴/۲۵۵) نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل

بھیک مانگنے والوں کے ساتھ

اسلام نے زکاۃ ہر مستطیع پر فرض قرار دیا ہے اور فقراء ومساکین کا بھی حصہ زکاۃ وصدقات میں متعین کیا ہے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں آپ نے مطالعہ کیا۔ یقیناً زکاۃ کی یہ فرضیت اور اسے مستحقین تک پہنچانا، اسلام کا ایسا بہترین نظام ہے جس سے بڑھ کر ضرورتمندوں کے حق میں کوئی نظام ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن اگر اسی فرضیت پر اکتفا کیا جاتا اور غریبوں ومسکینوں کے ساتھ ہمدردی وغمگساری کے فضائل کی وضاحت کے ساتھ ہاتھ پھیلانے اور در در گھوم کر بے حیائی سے بھیک مانگنے والوں کی مذمت بیان نہ کی جاتی تو ممکن تھا کہ غیرت مند وخوددار فقراء ومساکین بھی لولے لنگڑے بن کر اپاہجوں کی طرح بھیک مانگنا اپنا شیوہ بنا لیتے۔ کیوں کہ ان کے پاس ویسی صورت میں یہ دلیل مل جاتی کہ اسلام نے فقر ومحتاجی کے ایام میں بلا تحدید مانگنے کی اجازت دی ہے، اس لیے ہمیں شرعی نقطۂ نگاہ سے کسی پابندی کی ضرورت نہیں۔

مگر رسولِ اکرم ﷺ نے جہاں فقراء ومساکین کی تنگی کو خوشحالی میں تبدیل کرنے کا فارمولہ بتایا ہے اور انہیں بے نیاز کرنے کے لیے مالداروں کو ابھارا ہے، وہیں یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا اور در در بے شرمی کے ساتھ بھیک مانگنا اسلام میں کوئی مستحسن امر نہیں؛ بلکہ ہاتھ پھیلانے کی اجازت حالتِ مجبوری میں دی گئی ہے اور گداگری کا طریقہ جو سخت مجبوری کی حالت کے علاوہ ہو، اسے دنیا وآخرت میں آدمی کی ذلت ورسوائی کا سبب بتایا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ''.

''آدمی برابر مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس

کے چہرے پر گوشت کا کوئی ٹکڑا نہیں ہوگا''(۱).

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ سَأَلَ وَلَهُ مَا يُغْنِيْهِ جَاءَ تْ مَسْأَلَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خُدُوْشاً أَوْ خُمُوْشاً أَوْ كُدُوْحاً فِيْ وَجْهِهِ''.

''جس کسی نے مانگا اور اس کے پاس اسے بے نیاز کرنے کے لیے (مال) ہے تو قیامت کے دن اس کا یہ سوال اس کے چہرے میں خراش بن کر آئے گا''(۲).

اس کی یہ سزا اس لیے ہوگی کیوں کہ دنیا میں اس نے بھیک مانگ کر اپنے چہرے کی رونق دھو دی تھی.

سنن نسائی میں عائذ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ کے آگے ہاتھ پھیلایا. آپ ﷺ نے اسے عطا کیا، جب اس نے واپسی کے لیے اپنا قدم دروازہ کی دہلیز پر رکھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِيْ الْمَسْأَلَةِ مَا مَشَى أَحَدٌ يَسْأَلُهُ شَيْئًا''.

''اگر تم لوگ جان لو کہ مانگنے میں کیا (ذلت و رسوائی اور برا انجام) ہے تو کوئی بھی کسی سے کوئی چیز مانگنے نہ جائے''(۳).

گو بھیک مانگنا دنیا میں جس قدر باعثِ ننگ و عار ہے ویسے ہی آخرت میں بھی بھکاری کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا اور وہ اپنے چہرے کے ذریعہ وہاں بھی پہچانا جائے گا. اسی لیے رسولِ اکرم ﷺ اپنی حد تک لوگوں کو مانگنے سے دور رہنے کی تاکید کرتے تھے اور جو لوگ محنت و مزدوری کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے تھے انہیں

(۱) بخاری: الزکاة/ من سأل الناس تکثرًا (۱٤۷٤)، مسلم: الزکاة/ کراهة المسألة.. (۱۰٤۰).
(۲) [صحیح] ابن ماجه: کتاب الزکاة (۱۸٤۰)، نیز دیکھئے: ابوداود، ترمذی، نسائی اور دارمی.
(۳) [حسن] نسائی: الزکاة/ المسألة (باب: ۸۳، رقم: ۲٥۸٦).

بلا استحقاق کسی سے کوئی چیز مانگنے سے منع فرماتے تھے. حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، آپ ﷺ نے انہیں عطا کیا. انہوں نے دوبارہ مانگا اور آپ نے پھر عطا کیا، انہوں نے سہ بارہ مانگا اور آپ نے پھر عطا کیا. یہاں تک کہ جب آپ کے پاس کا مال ختم ہو گیا تو فرمایا:

''مَا يَكُونُ عِنْدِيْ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ، وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللَّهُ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللَّهُ، وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللَّهُ وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ''.

''میرے پاس کچھ بھی مال ہوتا تو میں تمہیں نہ دے کر اپنے پاس اکٹھا نہیں رکھتا، اور (یہ بھی جانتے چلو کہ) جو سوال سے بچنا چاہتا ہے اللہ اسے بچاتا ہے اور جو کوئی (دوسرے کے مال سے) بے نیازی چاہتا ہے اللہ اسے (لوگوں سے) بے نیاز کر دیتا ہے، اور جو کوئی (اپنے نفس پر) زور دے کر صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صبر دیتا ہے اور صبر سے زیادہ بہتر اور کشادہ تر نعمت کسی کو بھی نہیں ملی''۔(۴)

نبی کریم ﷺ اپنی امت کو خود داری اور لوگوں کی دولت وثروت سے استغنا و بے نیازی کا سبق دیتے تھے. کیونکہ خود داری وہ گراں مایہ نعمت ہے کہ اگر کسی کے اندر اس کا فقدان ہو تو پھر وہ کوئی بھی غیر معیاری اور اوچھی حرکت کرنے پر راضی ہو جاتا ہے، پھر تملق وچاپلوسی اور مفاد پرستی جیسی بری صفات اس کے اندر راسخ ہو جاتی ہیں، جس کے نتیجہ میں ماحول اس قدر مکدر ہو جاتا ہے کہ خود دار و بے نیاز لوگوں کی اہمیت بھی اس ماحول میں اسی وقت تسلیم کی جاتی ہے جبکہ وہ بھی خودداری و بے نیازی کو نیلام کر کے مفاد پرستی وچاپلوسی کا حربہ استعمال کرنے لگیں. اسی لیے نبی کریم ﷺ نے یہ تعلیم دی ہے کہ اپنے بل بوتے پر کھڑا ہونے کی کوشش کی جائے تا کہ کسی کے آگے اپنی خودداری کا سودا کرنے کی نوبت نہ آئے. چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان

(٤) بخاري: الزكاة/ الاستعفاف عن المسألة (١٤٦٩)، مسلم: الزكاة/ فضل التعفف (١٠٥٣).

کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''وَالَّذِیْ نَفْسِی بِیَدِهِ لَأَنْ یَأْخُذَ أَحَدُکُمْ حَبْلَهُ، فَیَحْتَطِبَ عَلَی ظَهْرِهِ خَیْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ یَأْتِیَ رَجُلاً فَیَسْأَلَهُ، أَعْطَاهُ أَوْ مَنَعَهُ''(۵).

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی رسی لے کر (جنگل کی طرف جائے اور) اپنی پیٹھ پر لکڑی (کا گٹھر) لاد کر لائے (اور اس سے اپنا گزر بسر کرے) تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ وہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے جو دے یا نہ دے''.

عبیداللہ بن عدی بن خیار کہتے ہیں کہ مجھے ان دو آدمیوں نے بتایا جو حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس وقت آئے جب آپ ﷺ صدقہ کے مال تقسیم کر رہے تھے. ان دونوں نے بھی صدقہ کے مال میں سے طلب کیا. (وہ بیان کرتے ہیں کہ) نبی کریم ﷺ نے ہماری طرف نگاہ اٹھائی، پھر نگاہ پست کیا اور ہمیں طاقتور اور ہٹا کٹا دیکھ کر فرمایا:

''إِنْ شِئْتُمَا أَعْطَیْتُکُمَا وَلَا حَظَّ فِیْهَا لِغَنِیٍّ وَلَا لِقَوِیٍّ مُکْتَسِبٍ''.

''اگر تم چاہو تو میں تمہیں دوں گا لیکن اس صدقہ کے مال میں کسی غنی اور کمانے کی طاقت رکھنے والے کے لیے کوئی حق نہیں ہے''(۶).

بھیک یا سوال اسی وقت درست ہے جبکہ ہر طرف سے معاش کے دروازے بند ہو جائیں اور مجبوری اس قدر لاحق ہو جائے کہ اس کی دلدل سے نکلنا محال ہو. رسولِ اکرم ﷺ نے تین صورتوں میں مانگنے کی اجازت دی ہے، اس کے علاوہ صورت میں مانگنا درست نہیں. حضرت قبیصہ بن مخارق الہلالی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بہت زیادہ مقروض ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدد کے لیے آیا. آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۵) بخاری: الزکاة الاستعفاف عن المسألة (۱٤۷۰)، مسلم: الزکاة/ کراهة المسألة (۱۰٤۲).

(٦) [صحیح] أبو داود: الزکاة/ من یعطی.. (۱٦۳۳)، نسائی: الزکاة/ مسألة القوی (۲۵۹۸).

''جاؤ، یہاں تک کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آئے، پھر ہم تمہارے لیے دینے کا حکم کریں''.

پھر فرمایا:

''اے قبیصہ! تین قسم کے لوگوں کے علاوہ کسی اور کے لیے مانگنا جائز نہیں: ایک وہ آدمی جس پر زیادہ تاوان ہو گیا، اسے مانگنے کی اجازت ہے تا آں کہ اپنے تاوان کو پورا کر دے، پھر مانگنا چھوڑ دے. دوسرا وہ آدمی جس کے مال کو کوئی آفت آ پہنچی تو اسے بھی گزران بھر مانگنے کی اجازت ہے اور تیسرا آدمی وہ ہے جسے فقر وفاقہ لاحق ہو اور اس کی خستہ حالی کی شہادت اس کی قوم کے تین عقلمند آدمی دے دیں تو اس کے لیے بھی مانگنا جائز ہے تا آنکہ اسے گزران بھر مال مل جائے. اے قبیصہ! ان تین صورتوں کے علاوہ مانگنا حرام ہے، اس طرح جو مانگ کر کھاتا ہے وہ حرام کھاتا ہے''(۷).

بہت سے بھکاریوں وگداگروں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ کام کاج کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہتے ہیں اور اس گداگری کو ایک پیشہ سمجھ کر دولت اکٹھا کرنے کی دھن میں رہتے ہیں؛ حالانکہ ضرورت سے زائد اور مال بڑھانے کے لیے مانگنے والا جہنم کی آگ کا شعلہ مانگ کر اکٹھا کرتا ہے. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا، فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ''.

''جو لوگوں سے اپنے مال میں اضافہ کی خاطر مانگتا ہے تو بلا شبہ (جہنم کی آگ کا) شعلہ مانگتا ہے، اب چاہے تو وہ (اس شعلہ کو) کم کرے یا چاہے تو زیادہ کرے''(۸).

رسول اللہ ﷺ سے جب کوئی مانگنے آتا تو آپ اسے اس ذلیل پیشہ کو ترک کرنے اور محنت ومزدوری کر کے کھانے کی نصیحت فرماتے اور اس کے اکتساب کے لیے کوئی کام بھی تجویز

(۷) مسلم: الزكاة/ من تحل له المسألة (١٠٤٤).

(۸) مسلم: الزكاة/ كراهة المسألة.. (١٠٤١)، ابن ماجه: الزكاة/ من سأل عن ظهر غنىً (١٨٣٨).

فرماتے تھے؛ تاکہ بھیک کے بہانے آپ ﷺ کی امت کی خودداری میں زنگ نہ لگ جائے.
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ انصار کا ایک شخص نبی کریم ﷺ کے آگے دست سوال پھیلایا تو آپ ﷺ نے دریافت کیا:

''کیا تمہارے گھر میں کوئی چیز ہے؟''

اس نے عرض کیا: ہاں! ایک چادر ہے جس کا بعض حصہ پہنتا ہوں اور بعض حصہ بچھاتا ہوں، اور ایک پیالہ ہے جس سے پانی پیتا ہوں. آپ ﷺ نے فرمایا:

''ان دونوں کو میرے پاس لے کر آؤ''.

اس نے لاکر رسول اللہ ﷺ کو دی تو آپ نے انہیں اپنے ہاتھ میں لے کر آواز دی:

''ان دونوں چیزوں کو کون خریدے گا؟''

ایک آدمی نے کہا: میں انہیں ایک درہم میں خریدوں گا. آپ ﷺ نے پھر آواز لگائی:

''اسے کون ایک درہم سے زیادہ میں خریدے گا؟''

یہ بات آپ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ فرمائی. ایک دوسرے آدمی نے کہا: میں انہیں دو درہم میں خریدوں گا. آپ ﷺ نے ان دونوں چیزوں کو اس آدمی سے دو درہم کے عوض فروخت کر دیا اور وہ رقم انصاری کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا:

''اشْتَرِ بِأَحَدِهِما طَعَاماً فَانْبِذْهُ إِلى أَهْلِكَ وَاشْتَرِ بالآخِرِ قُدُوماً فَأْتِنِي بِهِ''.

''ایک درہم سے غلہ خرید کر اہلِ خانہ کو دے دو اور بقیہ ایک درہم سے کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ''.

جب وہ کلہاڑی خرید کر لایا تو رسول اکرم ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے اسے لکڑی میں باندھا اور فرمایا:

''جا کر لکڑیاں توڑ کر بیچو، میں تجھے پندرہ روز تک نہ دیکھنے پاؤں''. انصاری چلا گیا اور

لکڑیاں کاٹ کر بیچنے لگا. پھر وہ پندرہ روز کے بعد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا. اس دوران اس نے پندرہ درہم کما کر اس سے کپڑے اور غلہ خرید لیے تھے. رسول اکرم ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا:

''یہ تیرے حق میں اس سے بہتر ہے کہ تو قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے کہ تیرے چہرے میں دھبہ ہو (جو اس بات کی نشانی ہو کہ تو دنیا میں بھیک مانگا کرتا تھا)''(۹).

دیکھا آپ نے نبی کریم ﷺ کی یہ کامیاب تدبیر!! ... رسول اکرم ﷺ چوں کہ آخری رسول ہیں اور آپ کی امت ساری امتوں سے افضل ہے، اس لیے آپ اپنی امت کو اپاہج کی صورت میں ہرگز نہیں دیکھنا چاہتے تھے؛ بلکہ آپ کی خواہش تھی کہ لوگ لینے کی بجائے دینے والے بنیں. چنانچہ آپ ﷺ نے اعلان فرما دیا تھا:

''اليَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى''.

''دینے والا ہاتھ لینے والے سے بہتر ہے''.

سعید بن مسیّب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

''يَا حَكِيمُ! إِنَّ هَذَا المَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُورِكَ لَهُ فِيهِ وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ، كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلاَ يَشْبَعُ، اليَدُ العُلْيَا خَيرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى''.

''اے حکیم! یہ مال بظاہر نہایت شیریں اور خوش رنگ ہے لیکن جو اسے شرافت کے ساتھ

(۹) أبو داود: الزكاة/ ما تجوز فيه المسألة (۱٦٤۱)، ابن ماجه: التجارات/ بيع المزابنة (۲۱۹۸).
امام منذری کہتے ہیں کہ امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے، ہم اسے صرف اخضر بن عجلان کی حدیث سے جانتے ہیں اور اخضر بن عجلان کے بارے میں یحیٰ بن معین کہتے ہیں کہ وہ صالح ہیں اور ابوحاتم کہتے ہیں کہ ان کی حدیث لکھی جائے گی. لیکن علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے.

لے گا، اس کو اس میں برکت دی جائے گی اور جو حرص وطمع کے ساتھ لے گا اس کو برکت نہ ملے گی اور اس کا حال ویسا ہی ہوگا کہ کوئی کھاتا چلا جائے لیکن کبھی آسودہ نہ ہو، اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے''(۱۰)۔

مانگنے والوں کے متعلق رسولِ اکرم ﷺ کی اسی خودداری وبے نیازی کی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انتہائی ضرورت کے وقت بھی ہاتھ پھیلانے سے جھجکتے تھے، بلکہ دینے والوں کو شدت سے انکار کر دیتے تھے۔ یہی حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے جب نبی کریم ﷺ کا مذکورہ ارشاد سنا تو کہنے لگے: آج کے بعد میں کبھی کسی سے کوئی چیز نہ مانگوں گا، اور یقیناً اس کے بعد وہ ایسے ہو گئے کہ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں خلفاء ان کو وظیفہ دینے کے لیے بلاتے تھے، لیکن وہ لینے سے انکار کر دیتے تھے اور آخر عمر تک اس انکار پر قائم رہے، یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ کہنا پڑا:

''اے مسلمانوں کی جماعت! میں تمہیں اس بات پر گواہ ٹھہراتا ہوں کہ میں حکیم بن حزام کو مالِ فئے سے ان کا حق پیش کرتا ہوں لیکن وہ لینے سے انکار کرتے ہیں''(۱۱)۔

روایات میں آتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے بعض اصحاب سے اس بات پر بیعت بھی لی تھی کہ وہ کسی سے کچھ نہیں مانگیں گے؛ چنانچہ ان صحابہ کرام نے اس بیعت کی اس قدر شدت سے پابندی کی کہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اگر ان میں سے کسی کا کوڑا گر جاتا تو اسے بھی کسی کو اٹھانے کے لیے نہیں کہتے تھے، بلکہ خود ہی اٹھاتے تھے(۱۲)۔

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''کون شخص مجھے اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ لوگوں سے کوئی چیز نہیں مانگے گا اور میں

(۱۰) بخاری: الزکاۃ/ الاستعفاف عن المسألة (۱٤۷۲)، مسلم: کتاب الزکاۃ (۱۰۳۵).

(۱۱) بخاری: الزکاۃ/ الاستعفاف عن المسألة (باب: ۵۰، رقم: ۱٤۷۲).

(۱۲) مسلم: الزکاۃ/ کراهة المسألة (۱۰٤۳)، أبو داود: الزکاۃ/ کراهیة المسألة (۱٦٤۲).

اس کے لیے اس کے عوض جنت کی ضمانت دیتا ہوں؟"۔

آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں؛ چنانچہ اس کے بعد وہ کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے (۱۳)۔

ایک غور طلب بات!

ہمارے ملک برصغیر ہند و پاک میں بھکاریوں وگداگروں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ جسمانی قوت وساخت کے اعتبار سے مضبوط ہونے کے باوجود بھیس بنا کر لوگوں کے آگے دستِ سوال دراز کرتے ہیں اور لوگ یہ سمجھ کر دیتے ہیں کہ چلو بھکاری وگداگر ہے، دینے میں کوئی حرج نہیں. بعض مقامات پر تو دیکھا گیا ہے کہ چلتی ہوئی ٹرینوں میں جوان لڑکیاں اور عورتیں گانا گا کر بھیک مانگتی ہیں اور ایک اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن تک ان کا یہی چکر لگا رہتا ہے اور لوگ انہیں بھی مجبور و بھکاری سمجھ کر دیتے ہیں. نیز اکثر بڑے شہروں میں جوان مردوں کو فقر وفاقہ اور کام نہ ملنے کا بہانہ بنا کر مانگتے ہوئے دیکھا جاتا ہے، انہیں بھی بھیک کے نام پر اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی ہے. یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایسے ایسے بھکاری لیٹے ہوئے "اللہ دے گا، اللہ دے گا" کا آوازہ بلند کرتے ہیں جن کے بہت سے ضروری اعضاء کٹے ہوئے ہوتے ہیں اور لوگ ان کو لاچار سمجھ کر خوب خوب پیسہ دیتے ہیں، جیسا کہ دہلی کی جامع مسجد کے سامنے اپاہج بھکاریوں کو دیکھا جاتا ہے.

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا ایسے لوگ بھکاریوں وگداگروں کی صف میں آتے ہیں کہ ان کی دل کھول کر مدد کی جائے؟ یقیناً یہ غور طلب بات ہے. ہمارے بہت سے بھائی یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

"اگر مانگنے والا سواری پر آئے، تب بھی اسے واپس نہ کرو بلکہ دے دو"۔

(۱۳) [صحيح] أبو داود: الزكاة/ كراهية المسألة (۱٦٤٣).

لیکن ذرا بتلائیں کہ کوئی بے حیائی و بے شرمی سے جسمانی طاقت وقوت کے باوجود مانگتا پھرے اور لوگوں کا مال اینٹھ کر بینک بیلنس کرے اسے دینا درست ہے؟ چلتی ہوئی ٹرینوں میں بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھیک مانگنے والی جوان عورتوں کو بھیک دے کر ان کی ہمت افزائی کرنا کہاں تک درست ہے؟ ذرا غور کریں کہ کہیں آپ کا یہ تعاون، **تعاون علی الإثم والعدوان** تو نہیں ہو رہا ہے؟!

جہاں تک اپاہج کی صورت میں بغیر ہاتھ پاؤں کے دھوپ کی شدت میں لیٹے ہوئے بھکاریوں کی بات ہے تو انہیں اس قدر زیادہ بھیک کی کیا ضرورت ہے کہ جتنا اچھا خاصا سروس والا ڈگری ہولڈر بھی نہ کماتا ہو؟! انہیں تو صرف دو وقت کی روٹی چاہئے اور بس. دراصل ایسے اپاہجوں کے پیچھے وہ داستان کار فرما ہے جس کی تاریخ بھی بڑی درد انگیز ہے. بعض بھیڑیا صفت خونخوار انسانوں نے انسانوں ہی کے جسموں کو مسخ کر کے ناجائز تجارت شروع کر رکھی ہے۔ جو معذوروں کو دن بھر سخت گرمی میں پکا کر اور موسم سرما میں کڑاکے کی سردی میں لٹا کر ان کے ذریعہ بھیک کے نام پر لوگوں کا مال اینٹھتے ہیں اور شام ہوتے ہی ان کے ارد گرد بوریا پر موجود بھیک کی رقم اٹھا لے جاتے ہیں (۱۴). اور چوں کہ ہماری گورنمنٹ بھی یا تو انہی

(۱۴) اخباروں میں تو اس قسم کی خبریں بھی پڑھنے کو ملتی ہیں کہ یہ مجرم گروہ دنیا کے مالدار ممالک میں غریب بچوں اور مردوں کو کسی طرح ویزہ حاصل کر کے بھیجتے ہیں اور ان سے بھیک منگوا کر ان سے اپنا ٹیکس وصول کرتے ہیں. جیسا کہ ہر سال درجنوں بچوں اور مردوں کو مکہ اور اس کے مضافات سے گرفتار کیا جاتا ہے جو جعلی کاغذات کے ذریعہ صرف بھیک مانگنے کے لیے عمرہ وزیارت کے ویزہ پر بھیجے گئے ہوتے ہیں. میں نے مکہ مکرمہ میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ افریقی یا دیگر ممالک کے بھکاری (جن میں بوڑھے، بچے، جوان ہر قسم کے اپاہج ہوتے ہیں) شدت کی گرمی میں لیٹے ہوئے بھیک مانگتے ہیں. حتی کہ غار حرا کی بلند سیڑھیوں پر بھی میں نے اپاہج بھکاریوں کو دیکھا ہے. آخر ان معذوروں کو مکہ کی مبارک سرزمین پر کون لاتا ہے؟ غار حرا کی بلندی پر انہیں کون چڑھاتا ہے؟ دراصل اس کے پیچھے انہی بھیڑیا صفت گروہوں کا ہاتھ ہوتا ہے جو عالمی پیمانے پر انسانوں کو اپاہج بنا کر انسانیت کا خون کرتے ہیں اور اسی ناجائز خون کی کمائی سے اپنے پیٹ کی جہنم بھرتے ہیں!!

اپاہجوں کی طرح لاچار ہے یا ان کے ذریعہ آمدنی کا کاروبار کرنے والے ان بھیڑیوں کی طرح ہے جو اس قسم کی حرام کمائی کر کے کتنے چمنستان کو خشک کر دیتے ہیں، اس لیے اس سلسلہ میں کسی قسم کی پیش رفت نہیں کرتی.

اس تحریر کا مقصود-نعوذ باللہ- ہرگز یہ نہیں ہے کہ بھکاریوں وگداگروں کی ضروریات پوری نہ کی جائیں یا سبھوں کو شک کی بنیاد پر بھوکے رکھ دیا جائے. بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری حکومتیں مفلوک الحال لوگوں کے معاش کے لیے بھی کوئی لائحہ عمل تیار کرے؛ تا کہ ان کی زندگی بھی معمول کے مطابق گزرے اور حکومتوں کی جانب سے یہ اقدام ہو کہ جو ان لوگوں کو ہرگز بھیک کی اجازت نہ دی جائے، کیوں کہ اس سے ان کی عادت بگڑ جائے گی اور وہ محنت ومزدوری سے جی چرانے لگیں گے.

لیکن یہ واضح رہے کہ اس مشکل سے نمٹنا اسی صورت میں سہل ہوگا جب کہ اسلامی اصولوں کی بنیاد پر قوانین مرتب کیے جائیں گے اور رسول اللہ ﷺ نے بھکاریوں اور گداگروں کے لیے جو تعلیمات چھوڑی ہیں ان کے تقاضا کو پورا کیا جائے گا. یہ کام ہے بھلے ہی دشوار-لیکن ہے کرنے کا!!

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل
ملازمین اور ان کے مالکان کے ساتھ

یہ عنوان دیکھ کر شاید قارئین کو حیرت ہوگی کہ رسولِ اکرم ﷺ تو کسی چھوٹی بڑی فیکٹری یا کمپنی کے مالک (Proprietor) تھے نہیں، جو سروس کرنے والے لوگ آپ ﷺ کے آفس میں کام کر رہے ہوں اور ملازمین سے ڈیوٹی یا غیر ڈیوٹی کے اوقات میں آپ ﷺ کا سامنا ہوتا ہو!!

آپ کی یہ حیرت واقعی بجا ہے. رسولِ اکرم ﷺ یقیناً کسی فیکٹری یا کمپنی کے مالک نہیں تھے. لیکن مدنی زندگی کے آخری ایام میں جب اسلام کی ضیا پاش کرنیں مختلف علاقوں میں اپنی شعاعیں بکھیرنے لگیں اور رسولِ اکرم ﷺ کے کارندے علمِ اسلام اٹھائے ہوئے ان علاقوں میں جزیہ یا صدقات وزکاۃ کی وصولی کے لیے پہنچنے لگے، پھر ان سے متعلق جو بھی باتیں آپ ﷺ کی عدالتِ عظمیٰ میں پیش ہوئیں، ان سب کا تعلق کسی نہ کسی گوشے سے ملازمین اور مالکان کی حیثیت سے جا ملتا ہے. مگر ان نکات کو یہاں قلمبند کرنا خارج از بحث ہوگا.

اس لیے ان باتوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے یہاں یہ بتا دینا مناسب ہے کہ بھلے ہی رسولِ اکرم ﷺ آج کی طرح کسی چھوٹی بڑی فیکٹری یا کمپنی کے مالک نہیں تھے. لیکن آپ ﷺ نے مالکان اور ان کے ملازمین کے متعلق چند بنیادی تعلیمات بتائی ہیں، جن پر عمل پیرا ہونے سے مالکان اور ان کے ملازمین کے مابین حسین وخوشگوار ماحول پیدا ہوسکتا ہے اور ہر دو طرف یکساں تعلقات کی بنا پر مالک وملازم خوش وخرم ترقی کی راہیں طے کر سکتے ہیں؛ بشرطیکہ ہر ایک دوسرے کا اخلاقی دائرے میں لحاظ رکھے. اسی لیے میں نے یہ عنوان قائم کیا ہے،

تا کہ ان مسکین حضرات کی آنکھوں سے دبیز موٹی پٹی کھل جائے جو کسی ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں جن کی ماتحتی میں کم یا زیادہ ملازمین کام کرتے ہیں.

ملازمت ومزدوری یہ ایسا پیشہ ہے جس کی تاریخ بہت ہی قدیم ہے. حضرت موسی علیہ السلام نے اپنا پیٹ بھرنے اور عفت کے تحفظ کے لیے اپنے سسرال میں آٹھ یا دس سالوں تک ملازمت کی تھی (۱). دنیا کی اکثر آبادی ملازموں اور مزدوروں سے بنی ہوئی ہے. یہ فلک بوس عمارتیں، یہ لمبے لمبے پل، یہ بڑے بڑے کارخانے، یہ عمدہ عمدہ شاہراہیں، یہ خوبصورت سے شاہی قلعے، یہ حسین وجمیل ٹاورس اور تاریخی یادگاریں دراصل ملازموں اور مزدوروں ہی کی مرہونِ منت ہیں اور انہی کی محنت ومزدوری اور کرشمہ سازیوں کی بدولت یہ ساری چیزیں معرضِ وجود میں آئی ہیں. اس لیے ملازمت ومزدوری کی بہت اہمیت ہے. چنانچہ ضروری تھا کہ ملازمین اور ان کے مالکان کے لیے چند اصول وضوابط مرتب ہو جائیں جن کو اپنا کر ہر دو گروہ کامیاب وکامران اور خوشحال زندگی گزار سکے.

ایک ملازم ومزدور کے سامنے سب سے پہلا سوال تنخواہ اور اجرت کا ہوتا ہے. تنخواہ اور اجرت اگر کم ہے تو اس کی وجہ سے ملازم ومزدور ہی کی زندگی کا معیار پست نہیں ہوگا؛ بلکہ اس کا اثر اس کے خاندان اور مجموعی طور پر پوری قوم پر پڑے گا، کیونکہ ملازمت ومزدوری اختیار کرنے والا طبقہ عام طور سے غریب ونادار ہی ہوتا ہے. اسے تن ڈھانکنے کے لیے کپڑا اور پیٹ بھرنے کے لیے روٹی کی ضرورت ہوتی ہے. اس لیے وہ لا محالہ اپنی اس مجبوری کے سبب کم پیسے کی

(۱) ابن ماجہ اور مسند احمد میں یہ حدیث وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طسٓ کی تلاوت کی اور جب موسیٰ علیہ السلام کے قصہ پر پہنچے تو فرمایا:
"إِنَّ مُوسَى آجَرَ نَفْسَهُ ثَمَانِيَ سِنِينَ أَوْ عَشْرًا عَلَى عِفَّةِ فَرْجِهِ وَطَعَامِ بَطْنِهِ".
"موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت اور پیٹ بھرنے کی خاطر آٹھ یا دس سالوں تک مزدوری کی".
[ابن ماجه: الرهون/ إجارة الأجير على طعام بطنه (٢٤٤٤)، شیخ البانی نے سخت ضعیف کہا ہے].

ملازمت ومزدوری گوارا کر لیتا ہے اور اس طرح غربت وناداری کا سلسلہ قوم میں چل پڑتا ہے.

ادھر جب سرمایہ دار اس کی مجبوریوں کو دیکھتا ہے تو اس سے کم سے کم اجرت وتنخواہ پر معاملہ طے کرتا ہے. کیونکہ اسے معلوم ہے کہ غریب ہے، نادار ہے، روٹی کپڑے کا شدید محتاج ہے، پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے تو کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہے اس لیے اچھی طرح اس کا استحصال کیا جا سکتا ہے؛ چنانچہ اب وہ اس مزدور وملازم کا استحصال کرنا شروع کر دیتا ہے(۲). ظاہر ہے مزدور وملازم اپنی اضطراری حالت کی بنا پر اسے منظور کر لیتا ہے. اگر نہیں کرتا تو کنبہ کی پرورش کیسے ہو؟ گھر میں بوڑھے ماں باپ ہیں، اگر شادی شدہ ہے تو بیوی بال بچے ہیں، ان کا بھی خیال رکھنا ہے. حالانکہ سرمایہ دار اس اسلامی نقطہ سے ناواقف ہوتا ہے یا چشم پوشی اختیار کیے ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں مفلسی وناداری کی رضا مندی اسلام کی نظر میں حقیقی رضا مندی نہیں ہے اور نہ ہی اس قسم کے معاملات کو حلال وپاک ذرائع آمدنی کہا جا سکتا ہے؛ بھلے ہی مزدور وملازم اس کے استحصال کا شکار ہو جائیں اور مالک کے خود ساختہ اصول وضوابط پر اپنی رضامندی کے دستخط کا قلم پھیر دیں.

سرمایہ دار یہاں یہ بھی بڑے فخریہ انداز میں کہہ اٹھتا ہے کہ میں نے تو کسی مزدور وملازم کو جبراً اپنے یہاں نہیں رکھا ہے. اس کی مرضی، ملازمت کرنا ہے کرے، نہ کرنا ہے چلا جائے، اسے کون روکتا ہے؟! یہ بات اس کی زبان سے اس لیے تڑاتڑ نکلتی ہے، کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ پوری دنیا کی آبادی غریبوں اور ناداروں ہی کی اکثریت پر مشتمل ہے. ایک ڈھونڈو ہزار ملیں گے. لیکن وہ اس نقطہ کو شاید بھول جاتا ہے کہ خوشحالی کی حالت میں کوئی بھی ملازم ومزدور اس کو زیادہ سے زیادہ اور عمدہ سے عمدہ کام کرکے دے گا. پھر تجربہ کار عامل کا مقابلہ ناتجربہ کار

(۲) علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار   انتہائی سادگی سے کھا گیا مزدور مات

[بانگ درا]

عامل نہیں کر سکتا. اس لیے اپنے تجربہ کار ملازمین کو خوش رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے نہ کہ ان کا استحصال کر کے دنیا و آخرت میں رسوائی کا سامان کرنا چاہیے.

مزدور و ملازمین کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کرنے والے مالکان سے حدیثِ قدسی میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِيْ ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيْرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ".

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تین شخصوں کی قیامت کے دن میں خود ہی وکالت کروں گا؛ ایک وہ جس نے میرے ساتھ عہد و قرار کر کے غداری اور بے وفائی کی، دوسرے وہ جس نے آزاد کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور تیسرے وہ جس نے کسی کو ملازمت و مزدوری پر رکھا، اس سے پورا کام لیا اور اسے (کامل) مزدوری نہیں دی''(۳).

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مالکان تنخواہ یا مزدوری کی رقم اپنے ہی پاس رکھے رہتے ہیں اور اس رقم کو کسی کام میں پھنسا کر اپنے ملازمین کی تنخواہ و مزدوری میں ٹال مٹول کرتے ہیں اور بعض مالکان تو ایسے بھی ہیں جن سے اگر تنخواہ و مزدوری طلب کر دی جائے تو وہ ملازمین پر برس پڑتے ہیں اور اَناپ شناپ بکنے لگتے ہیں. جب کہ ملازم و مزدور کو اس کا حساب کام اور وقت مکمل ہونے کے بعد فوراً پورا کر دینا فرض ہے، بلا سبب اس میں ٹال مٹول کرنا درست نہیں ہے. عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسولِ اکرم ﷺ کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں:

''أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ''(۴).

''مزدور و ملازم کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے پہلے اس کی مزدوری دے دیا کرو''.

(۳) بخاری: الإجارة/ إثم من منع أجر الأجير (۲۲۷۰)، والبيوع/ إثم من باع حراً (۲۲۲۷).

(٤) [صحيح] ابن ماجه، الرهون/ أجر الأجير (باب: ٤، رقم: ۲٤٤۳).

جہاں ملازمین کے مالکان کو ہدایات دی گئی ہیں وہیں ملازمین کو بھی اپنی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دینے کی ہدایت وترغیب دی گئی ہے. ایک کامیاب اور اچھے ملازم ومزدور کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نیک اور امانت دار ہو، قول وقرار کا پاسدار ہو. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَوْفُوْا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً﴾ [الاسراء:۳۴]

''اپنے عہد وپیان کو پورا کرو، بے شک قیامت کے روز عہد وپیمان کی باز پرس ہوگی''.

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَأَوْفُوْا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلاَ تَنْقُضُوْا الأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلاً﴾ [النحل:۹۱]

''اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم آپس میں قول وقرار کرو اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو؛ حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو. تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو بخوبی جان رہا ہے''.

ملازمت ومزدوری بھی دراصل ایک قسم کا معاہدہ ہے. اس لیے ملازم ومزدور کو کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ اپنے معاہدے پر ثابت قدم رہے اور امانت داری وراست بازی کو مضبوطی سے پکڑے رہے، کیوں کہ یہی خوبی ایک مزدور وملازم کو تعمیری راہ پر گامزن کرتی ہے. امانت داری ایک ملازم کی ایسی خوبی ہے جس کی تلاش ہر مالک کو رہتی ہے. قرآن کریم میں کہا گیا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوْا الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا﴾ [النساء:۵۸]

''اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے مالکوں کے حوالے کر دیا کرو''۔

اس لیے ملازم ومزدور کو اپنے اوپر لادی گئی امانت کا خاص خیال رکھنا چاہیئے. مالک دیکھے نہ دیکھے، وہ ہمہ وقت امانت داری سے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کرے اور اپنے مالک کے اعتماد وبھروسہ کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائے. نیز جس کام کو مالک نے سپرد کیا ہے ملازم اس کی ادائیگی پوری دلجمعی سے کرے، اسے عمدہ سے عمدہ طریقے پر انجام دینے کی کوشش کرے. کیونکہ

اس سے دیگر فوائد کے علاوہ نیک نامی وشہرت بھی ہوتی ہے اور مالک کے دل میں ملازم ومزدور کی اہمیت اور قدر ومنزلت دوبالا ہو جاتی ہے، اور ہوسکتا ہے کہ مالک خوش ہو کر اسے تنخواہ ومزدوری سے بڑھ کر اپنی خصوصی عطیات سے بھی نوازے اور اس کا خاص خیال رکھے. رسول اکرم ﷺ نے ملازم ومزدور کو یہ ہدایت دی ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو بحسن وخوبی نبھائے.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ إِذَا عَمِلَ أَحَدُكُمْ عَمَلاً أَنْ يُتْقِنَهُ''.

''اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی کام (مزدوری یا ملازمت وغیرہ) کرے تو اس کی مضبوطی واچھائی کا خیال رکھے''(۵).

مزدور وملازمین اور ان کے مالکان کی کامیابی اسی میں ہے کہ ان کے باہمی تعلقات ہمیشہ بہتر رہیں اور ان کے درمیان خوشگوار تعلقات اسی بنیاد پر قائم ہو سکتے ہیں جبکہ مزدور وملازم کے لیے ان کے مالکان اخوت وبھائی چارگی کی بنیاد پر اصول وضوابط مرتب کریں. بھائی چارے کے اصول کو ہی بنیاد بنا کر مالکان دن دونی رات چوگنی ترقی کر سکتے ہیں. جہاں ان کے ذہن میں جاگیرداری کا غرور پیدا ہوا اور برتری کا احساس ہونے لگا وہیں ان کی ترقی کو گھن لگنا شروع ہو جائے گا، پھر ان کا ذہن مختل ہوتے ہوتے اس قدر پست ہو جائے گا کہ وہ اپنے ملازمین پر بے جا تسلط کرنے پر فخر کریں گے. اپنے لیے کچھ اور ملازمین کے لیے کچھ اور پسند کریں گے، کیفیت کے بجائے کمیت کے عادی ہوں گے، اپنے کرتوتوں کو نہیں دیکھیں گے بلکہ ہمیشہ ملازمین کو قصوروار ٹھہرائیں گے. پھر آہستہ آہستہ فرعون وہامان اور قارون کے اخلاق وعادات ان کے اندر سرایت کر جائیں گی اور کبر ونخوت ان کے اندر اس قدر جگہ لے لے گی کہ وہ صحیح غلط کو پرکھنے میں کامیاب بھی نہ ہوسکیں گے. چاپلوسی اور تملق کو خیرخواہی کا نام

(۵) [صحیح] سلسلة الأحاديث الصحيحة (۱۱۱۳)، ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹۸/۴) میں کہا ہے کہ اسے ابویعلی نے اپنی مسند (رقم: ۴۳۶۹) میں روایت کیا ہے.

دیں گے، اچھے اور کامیاب ملازم کو اس کا اصل مقام نہیں دیں گے؛ جبکہ ناکام اور چاپلوس لوگ ان کی گردنوں کا طوق بن جائیں گے. پھر صحیح غلط کی تمیز اٹھتے ہی ان کا عروج روبہ زوال ہوگا، لیکن وہ اپنی جھوٹی اَنا اور تکبر کی وجہ سے صحیح راہ کی تلاش میں نکلنا بھی نہیں چاہیں گے. کیونکہ حق وناحق کو شرح صدر کے ساتھ قبول کرنے کی صلاحیت اسی مالک کو ہوتی ہے جو اپنی اَنا کو کچلنا جانتا ہو، جس کو اپنی اَنا کو حق کے سامنے دیوار سے دے مارنا نہیں آتا وہ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی بن سلول کے کارندوں کے ساتھ مل کر اپنے خالق سے بغاوت چھیڑ تو سکتا ہے، مگر ایک کامیاب ذمہ دار کبھی نہیں بن سکتا.

اس لیے ضروری ہے کہ مالکان اپنے مزدور وملازمین کے لیے جو بھی اصول مرتب کریں، اس پر عمل درآمد کرنے سے قبل ذرا پوری سنجیدگی سے تصور ہی میں سہی، کچھ لمحہ کے لیے ملازم ومزدور کے دائرے میں خود کو رکھیں اور اس کے بعد اصول کا اعلان کریں. پھر ضرورت محسوس ہو تو اپنے ملازمین سے بھی رائے مشورہ لیں. کیوں کہ اصول کہہ دینے سے اصول نہیں بن جاتا؛ بلکہ اس کے لیے عقلِ سلیم درکار ہوتی ہے اور یہ کام وہی انجام دے سکتا ہے جو اپنی ماتحتی میں کام کرنے والے ملازمین ومزدوروں کو بحیثیت انسان اپنے برابر سمجھے، ان کے ساتھ اس کا طرزِ عمل مساویانہ ہو اور اس حدیث کو پیش نظر رکھے:

''هُمْ إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللَّهُ أَخَاهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ...''.

''یہ تمہارے ہی بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے، لہٰذا جس کی ماتحتی میں اس کا بھائی ہو تو اسے وہی کچھ کھلائے جو خود کھاتا ہے...''(٦).

یہاں ملازمین اور ان کے مالکان سے متعلق ایک اہم بات کی طرف نشاندہی کر دینا ضروری ہے جو غالباً دنیا کی ہر چھوٹی بڑی فیکٹری یا کمپنی میں پیش آتی رہتی ہے. وہ یہ کہ شکایات

(٦) أبو داود: العتق/ فی حق المملوك (٥١٥٧)، بخاری (٢٥٤٥)، مسلم (١٦٦١).

کے طوفان میں اچھے سے اچھا ملازم بھی مجروح ہو جاتا ہے؛ جبکہ نالائق ملازم اپنی چاپلوسی اور مالک کے سامنے دوسروں کے بارے میں طرح طرح کی شکایات کے ذریعہ سرخرو بن جاتا ہے.

یہ ایک ایسی متعدی بیماری ہے جس میں شاید دنیا کا سارا ادارہ ملوث ہے، کوئی بھی ادارہ اس کی لپیٹ میں آنے سے محفوظ نہیں. دینی ادارے بھی اس کوڑھ میں مبتلا ہیں؛ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ دینی اداروں میں یہ بیماری دیگر اداروں کے بہ نسبت زیادہ ہے تو بے جا نہیں ہوگا. اگر آپ کو میری باتوں پر یقین نہ ہو تو ذرا اپنے قرب وجوار کے دینی اداروں کا ایک سرسری سروے کر کے دیکھیں، آپ ضرور میری تصدیق کریں گے. اس سلسلہ میں اگر حقیقت لکھی جانے لگے تو شاید ہی کوئی ایسا ادارہ جہاں دین کے نام پر کام ہوتا ہے اور بڑے زور شور سے جس کا ڈھنڈورا بھی پیٹا جاتا ہے، اس کوڑھ نما مرض سے مستثنیٰ قرار پائے گا. لیکن ہم اس حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہوئے کچھ لکھے بغیر ہی عافیت سمجھتے ہیں. البتہ یہاں ہمیں ملازمین اور ان کے مالکان کے درمیان بے جا شکایات کے سبب پیش آنے والے نتائج کے متعلق کچھ کہنا ہے.

ہوتا یہ ہے کہ نالائق اور مفاد پرست ملازم کسی طرح مالک (Honour) کی خصیہ برداری کر کے اس سے قربت حاصل کر لیتا ہے اور اپنے ساتھ کام کرنے والے دیگر ملازمین کے خلاف مالک کا کان بھرتا رہتا ہے. مثلاً فلاں ملازم کام میں دلچسپی نہیں لیتا، فلاں ملازم آپ کے کام میں مخلص نہیں ہے، فلاں ملازم کام دھیرے دھیرے کرتا ہے، فلاں ملازم کی آنکھیں چار ہو گئی ہیں، وہ موقع ملتے ہی آپ کا ساتھ چھوڑ دے گا، اس لیے اسے ترقی نہ دینا آپ کی کمپنی یا فیکٹری کے حق میں مفید ہوگا. اور اگر یہ حاسد کچھ مالک سے زیادہ گھلا ملا ہوتا ہے تو دوسرے ملازمین کی تنخواہیں بھی نہیں بڑھنے دیتا بلکہ مالک کو انتظار کا مشورہ دے کر ان کے حق میں خود خیانت کرتا ہے اور مالک کو بھی خیانت کے مرض میں مبتلا کر دیتا ہے، وغیرہ وغیرہ.

کمپنی یا فیکٹری کا مالک سمجھتا ہے کہ یہ آدمی (جو چاپلوسی کر کے مالک کو خوش کرنے کی

کوشش میں لگا ہوتا ہے) ہمارے حق میں مخلص اور دوسروں کے بہ نسبت ہمارے زیادہ کام کا ہے. چنانچہ وہ اس چاپلوس کی باتوں کا شکار ہو کر بلا سوچے سمجھے فیصلے کرتا ہے، جس کی وجہ سے ملازمین اور مالک کے درمیان تنازعہ شروع ہو جاتا ہے.اور جب یہ چاپلوس شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر یہیں سے مالک کے کاروبار میں زوال شروع ہو جاتا ہے. وہ اس طرح کے اس کے یہاں کام کرنے والے ورکرس پہلے کی طرح دلچسپی نہیں لیتے اور چوں کہ مالک کی طرف سے دو رنگ کا فیصلہ اور دورخا پن دیکھتے ہیں اس لیے بادلِ نخواستہ کام کرتے ہیں، لیکن مالک ورکرس کی بیماری کی شناخت نہیں کر پاتا.آخر شناخت بھی کیسے کرے جبکہ وہ اپنی عقل سے کام کرنے کے بجائے اس چاپلوس کی باتوں کے مطابق کام کی نوعیت دیکھتا ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی عقل سے نوازا ہے، اچھے برے کی تمیز کر سکتا ہے، اپنے ورکرس کے کاموں کو حقیقت کی آنکھ سے پڑھ سکتا ہے. مگر خوشامدی اور چاپلوس کے فریب کا شکار ہونے کے باعث اس کی عقل محدود دائرے میں سوچنے کی عادی ہو جاتی ہے.

ایسی بات بھی نہیں ہے کہ سارے مالکان اس جال میں پھنس جاتے ہیں بلکہ بہت سے مالکان ایسے ہیں جو اس قسم کی شکایات کو لا یعنی اور اپنے کام میں رکاوٹ سمجھتے ہیں اور کسی چاپلوس کے چاپلوسی کی دال ان کے ہاں نہیں گلتی. اس لیے دیکھا جاتا ہے کہ ایسے مالکان کے یہاں کام کرنے والے ملازمین خوش وخرم ہوتے ہیں اور ان کی توقع سے کہیں زیادہ کام کر کے دیتے ہیں. چنانچہ وہ مالکان بھی اپنے ملازمین کو حتی الامکان اچھی تنخواہ دینے کی کوشش کرتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کا کام بہت ترقی پکڑتا ہے.

میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ دہلی میں ایک مزدور جو عمر دراز تھا، اپنے ساتھ کام کرنے والے ایک ورکر کے خلاف اپنے مالک (Honour) کو ورغلاتا رہتا تھا. بلکہ ایک مرتبہ تو اس نے یہاں تک شکایت کر ڈالی کہ اس ملازم نے دکان میں سے قرآن شریف بیچ کر

خود پیسے اپنی جیب میں رکھ لیے ہیں. لیکن کمال ذہانت کا وہ مالک تھا کہ یہ سن کر بالکل خاموش ہو رہا اور اس ملازم کے خلاف کوئی لب کشائی نہیں کی؛ بلکہ اس سنگین معاملہ کو بہت اچھے انداز میں حل کیا. دیگر مالکان کی طرح واویلا کر کے بغیر جانچ پڑتال کیے کسی بھی قسم کا جارحانہ لفظ استعمال نہیں کیا. درحقیقت اصل اور کامیاب تاجر کی یہی پہچان ہے!!

ایسے موقع پر انتہائی سنجیدگی اور متانت کی ضرورت ہوتی ہے. اس موقع سے بہت سے مالکان حقیقت حال کے بارے میں غور وخوض کیے بغیر اناپ شناپ بکنا شروع کر دیتے ہیں اور ایسے لوگ اکثر ظالم ہوتے ہیں.

اس لیے اگر کسی مالک کو اپنے کسی ملازم کے بارے میں کوئی نازیبا حرکت یا کسی غیر مناسب بات کی رپورٹ ملے تو اسے پوری سنجیدگی سے حکمت ودانائی کے ساتھ حل کرنا چاہیے نہ کہ بلاتحقیق ڈھنڈورا پیٹنا چاہیے. یہ اچھے اور کامیاب مالکان کی صفت نہیں بلکہ یہ ان مالکان کی صفت ہے جن کی رگ رگ میں چھچھورا پن سرایت کیا ہوتا ہے. ایسے لوگ قدم قدم پر دھوکہ کھاتے ہیں اور ان کا کوئی بھی کام بحسن وخوبی انجام نہیں پاتا.

رسولِ اکرم ﷺ نے بھی ایسے موقع پر یہ تعلیم دی ہے کہ جہاں شکوہ شکایت کا بازار گرم ہو، چاپلوسی اپنا سر اٹھائے، مفاد پرست ملازمین اپنی خودداری کا سودا کر کے دیگر کامیاب ملازمین کے خلاف مالکان کا کان بھر کر اپنا الو سیدھا کریں، تو مالکان کو چاہیے کہ وہ بغیر سوچے سمجھے کوئی اقدام نہ کریں؛ بلکہ حکمت ودانائی کے ساتھ معاملے کو حل کریں تا کہ ہر ایک دینی ودنیوی خسارے سے بچ سکے.

غرض مالکان اور ان کے ملازمین کو رسول اکرم ﷺ کی بتائی ہوئی تعلیمات کے مطابق ایک دوسرے کا تعاون کرنا چاہیے تا کہ ہر دو گروہ مزے مزے ترقی کی منازل طے کر سکے، اسی میں ان دونوں گروہوں کی بھلائی ہے. حال ہی میں اخبار اردو نیوز نے اپنے "دلچسپ

ڈائجسٹ'' کے کالم میں ایک دلچسپ نفسیاتی خاکہ پیش کیا ہے جسے انسانی فطرت ونفسیات کے تحت بہت محتاط انداز سے ترتیب دیا گیا ہے اور ڈاکٹر فلپ نے اسے امریکہ کے مشہور پروگرام اوپیرا شو میں بھی پیش کیا ہے.اخبار کے مطابق امریکہ کے اہم اداروں میں ہیومن ریلیشنز ڈپارٹمنٹ کی طرف سے اس قسم کے نفسیاتی خاکے فراہم کیے جاتے ہیں تاکہ اداروں کو اپنے اسٹاف اور امیدواروں کے بارے میں کچھ آگاہی اور پہچان ہو سکے.

اخبار لکھتا ہے:

''ان کا ماننا ہے کہ جو ادارے اپنے ملازمین کے اطوار ومزاج پر گہری نظر رکھتے ہیں، وہی کامیابی سے آگے بڑھنے کی استعداد رکھتے ہیں، کیوں کہ کسی بھی ادارے کی کامیابی کے لیے اس کا اسٹاف ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے''(۷).

اب مالکان کو اپنے ملازمین کا مزاج سمجھنے کی ضرورت ہے!!

بات ختم کرنے سے پہلے مالکان کو چند باتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہوں گا، جن کے سبب ان کے اداروں میں افراتفری کا ماحول ہوتا ہے، اگر مالکان پوری سنجیدگی سے ان پر غور کریں تو ان کی کامیابی یقینی ہے، ان شاء اللہ.

۱- عدل وانصاف کا فقدان:

یہ بیماری اکثر وبیشتر اداروں میں عام ہے، جتنے ملازم اتنے قانون کا نظام ہوتا ہے جس کے سبب ان ملازمین کی دل شکنی ہوتی ہے جنہیں بہ نسبت دیگر ملازمین کے انصاف کم ملتا ہے یا بالکل ہی نہیں ملتا.رسول اکرم ﷺ کی تعلیم کے مطابق ہر ذمہ دار ومالک پر واجب ہے کہ وہ اپنے ملازمین میں عدل وانصاف برقرار رکھے. ملازمین کے مابین عدل وانصاف قائم رکھنا کامیاب مالکان کا اصول ہے جبکہ اس کا لحاظ نہ کرنا احمق اور ناکام ذمہ دار کا!!

---

(۷) اردو نیوز، ۱۳/ ستمبر ۲۰۰۳ء، جدہ، سعودی عرب.

۲- تنخواہ کا معیار:

کمپنی چھوٹی ہو یا بڑی، مالک کو چاہیۓ کہ وہ ہر ڈیپارٹ کے اسٹاف کی قابلیت کی بنیاد پر تنخواہ کا معیار مقرر کرے؛ نیز ہر سال اس تنخواہ میں اضافہ کی گنجائش رکھے تاکہ ملازمین کی ہمت افزائی ہو اور لگن کے ساتھ کام کریں، ساتھ ہی ایک ہی ڈیپارٹ میں یکساں کام کرنے والوں کی تنخواہ میں ایک حد تک یکسانیت ہونی چاہیے تاکہ شکوہ شکایت کا ماحول پیدا نہ ہو.

۳- یکساں اصول:

ہر ذمہ دار کو چاہیۓ کہ وہ جو بھی اصول مرتب کرے، ہر ملازم کے لیے کرے، ایسا نہ ہو کہ ایک ملازم کے لیے آسان اصول ہو اور دوسرے کے لیے مشکل. اس سے ذمہ دار کے کام میں زبردست نقصان ہوتا ہے خواہ وہ اس نقصان کو محسوس کرے یا نہ کرے، نیز ملازمین کے مابین اس دورخے پن کی وجہ سے ناچاقیاں بھی پیدا ہوتی ہیں.

۴- چاپلوسوں سے ہوشیار:

اس مرض سے ہر ایک ذمہ دار کو احتیاط برتنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ جو ذمہ دار بھی چاپلوسی کے نرغے میں آئے گا وہ ترقی کی منازل طے نہیں کر سکے گا. وقتی طور پر اگر اسے کچھ ترقی مل بھی جائے تو اس کی مثال سطح سمندر پر جھاگ کی ہے!!

۵- وعدہ کی پاسداری:

اکثر وبیشتر مالکان کو دیکھا گیا ہے کہ جب ورکرس سے کام لینے ہوتے ہیں تو وہ ورکرس کو خوش رکھنے کے لیے ان سے طرح طرح کے خوش کن وعدے کرتے ہیں، اوران کے لیے قسم قسم کی سہولیات فراہم کرنے کی باتیں کرتے ہیں مگر جب ورکرس وقت پر ان کے وعدوں کی یاد دہانی کراتے ہیں تو پھر جیسے ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک جاتی ہے. رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ایسے مالکان جھوٹوں اور وعدہ خلافی کرنے والوں کی فہرست میں آئیں گے،

اور ظاہر سی بات ہے، ایسی صفات کے حاملین کا انجام برا ہی ہے جو سب کو معلوم ہے.

نیز وعدہ خلافی کرنے والے مالکان کی اہمیت ان کے ملازمین کی نظر میں کم ہو جاتی ہے اور وہ خود اپنے ملازمین کے مابین ذلیل وحقیر اور دغا باز ووعدہ خلاف کی حیثیت سے زندگی گزارتے ہیں جن کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں، ایسے ہی مالکان ناکام ہوتے ہیں چاہے وقتی طور پر انہیں کامیابی کیوں نہ ملے. اسی لیے چاہئے کہ مالکان اور ان کے ملازمین باہمی تفاہم کی بنیاد پر مثبت اقدام کریں اور ایک دوسرے کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے کشاں کشاں ترقی کی راہیں طے کرتے جائیں.

اسی کے ساتھ ذیل میں چند باتیں ملازمین سے بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں:

مزدور وملازمین کے لیے اختصار کے ساتھ چند باتیں:

جیسا کہ میں نے عنوان کے شروع میں بتایا ہے کہ اس دنیا میں اکثریت مزدور وملازمین کی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ زیادہ مسائل انہی کے ہوتے ہیں. میں کھلے الفاظ کے ساتھ اپنے ملازمین بھائیوں سے گذارش کرتا ہوں کہ میری بات پڑھیں اور دیکھیں کہ میری بات میں کس قدر حقانیت ہے:

اگر کوئی حقیقت سے انکار نہیں کرتا تو وہ ضرور اس بات کی تصدیق کرے گا کہ آج کل مزدوری وملازمت دراصل پرانی غلامی کی جدید شکل ہے. خواہ کوئی بھی ادارہ ہو، وہاں ملازمین کے ساتھ انصاف کا دعوی تو کیا جاتا ہے مگر انصاف کا خون کرنے میں وہاں بالکل وقت نہیں لگتا. ہاں خال خال ایسے ادارے ملتے ہیں جن کے بارے میں سنا، یا دیکھا جاتا ہے کہ ان کے ملازمین کے جملہ حقوق انصاف کے ساتھ مل جاتے ہیں مگر یہ اتنے کم ہیں کہ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں. اکثریت ان ہی اداروں کی ہے جہاں عدل وانصاف اور حقوق کی ادائیگی کا ڈھنڈورا ضرور پیٹا جاتا ہے مگر عملی اعتبار سے وہ بالکل کھوٹے ہوتے ہیں. خاص کر دین کے نام پر تجارت

کرنے والے اداروں کے بارے میں عوام الناس کی خوش فہمی ہوتی ہے کہ وہاں ملازمین کے ساتھ عدل وانصاف اور مساوات کی اعلیٰ مثال قائم ہوتی ہوگی مگر ان اداروں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں اندرونی حالات کچھ اور ہوتے ہیں اور باہری دنیا میں کسی اور بات کا راگ الاپا جاتا ہے. اصول وضوابط، عدل وانصاف، مساوات اور وعدہ وپاسداری کا یہاں وہ حشر ہوتا ہے کہ الامان والحفیظ. ہاں بعض دینی اداروں کو ضرور اس معاملہ میں استثنائیت حاصل ہے جو کہ معدودے چند ہیں.

اس لیے میں ملازمین بھائیوں سے کہوں گا کہ آپ کسی دنیا دار کے ادارے میں ملازمت کرتے ہوں یا دین کے نام پر کھولے ہوئے ادارے میں، بہر حال آپ کو اپنا ہدف خود متعین کرنا ہوگا. ان اداروں کے غیر معیاری اصولوں پر بلا شبہ اس وقت تک عمل پیرا رہیں جب تک کہ وہ اسلامی اصول واقدار کی پامالی کا سبب نہ بنیں؛ البتہ جب ان کے خود ساختہ قوانین کے نبھانے سے آپ کے دین وایمان کا سودا ہو تو بلا جھجک آپ ان اداروں کو خیر باد کہہ دیں. کیونکہ اپنی ذات کی حد تک تو ایک ملازم کو کمپنی یا ادارے کے غیر معیاری اصول سے سمجھوتہ کر لینا تھوڑی دیر کے لیے برداشت ہوسکتا ہے مگر اسلامی عقیدہ وایمان کی پامالی پر سمجھوتہ اسلام کو کسی بھی حالت میں گوارہ نہیں!! جہاں تک نوکری یا مزدوری کی بات ہے تو اللہ نے جب منہ کا دروازہ کھولا ہے تو رزق ضرور دے گا اور ایسی جگہ سے دے گا جہاں سے بندہ کو گمان بھی نہیں ہوسکتا ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهِ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجاً وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لاَ يَحْتَسِبْ﴾

”جو اللہ تعالیٰ کا تقوی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے رزق کا راستہ نکال دیتے ہیں اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتے ہیں جہاں سے وہ گمان بھی نہیں کر سکتا“۔ [الطلاق:۲،۳]

اور یہ بھی واضح رہے کہ مالکان کی طرف سے ملازمین کی حق تلفی رسول اکرم ﷺ کی

پیشینگوئی کے عین مطابق ہے. رسول اکرم ﷺ نے بتایا ہے کہ قیامت سے قبل ذمہ داران عوام الناس کی حق تلفی کریں گے، اب اگر کوئی مالک حق تلفی کرتا ہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے اور ملازم کو چاہیے کہ وہ اپنے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کے بغیر خدمت انجام دے اور رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث پڑھ کر اطمینان کی سانس لے جسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّهَا سَتَكُونُ بَعْدِي أَثَرَةٌ وَأُمُورٌ تُنكِرُونَهَا".

"میرے بعد تمہاری حق تلفی (انانیت ومفاد پرستی) ہوگی اور ایسی باتیں ہوں گی جن کو تم برا سمجھو گے".

صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایسے وقت میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"تُؤَدُّونَ الحَقَّ الَّذِي عَلَيْكُمْ وتَسْأَلُونَ اللَّهَ الَّذِيْ لَكُمْ".

"دوسروں کا جو حق تم پر ہے وہ تو ادا کر دو، اور اپنا حق اللہ سے مانگو"(۸).

(۸) مسلم: كتاب الإمارة (۱۸٤۳)، بخاری: المناقب، علامات النبوة فی الإسلام (۳٦۰۳).

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل لڑکی والوں کے ساتھ

یہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اپنی تمام مخلوقات پر برتری عطا کر کے اس کو عقل ودانش کے مطابق ہر اچھے برے کام کے انتخاب میں اپنا فیصلہ نافذ کرنے کی صلاحیت بخشی ہے، کبھی کبھی اس سے ایسے نازیبا افعال سرزد ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کیا واقعی یہ افعال انسانیت کا دعوی کرنے والے حضرت انسان سے وجود میں آئے ہیں؟ اور کیا واقعی یہ انسان اللہ تعالیٰ کی جمیع مخلوقات میں افضل وارفع ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ، ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ﴾ [التین:۴-۵] سے قدرے اطمینان ہوتا ہے کہ جو انسان بہترین ساخت پر پیدا کیا گیا ہے، وہ فطرت سے بغاوت کے نتیجہ میں اس پست درجہ کو بھی پہنچ سکتا ہے جہاں کسی درندے کی بھی رسائی ممکن نہیں. جہاں ایک آدمی اپنی صحیح عقل وفکر کے مطابق صالح اعمال اور اعلیٰ اخلاق کی بلندی پر گامزن ہوتا ہے وہیں ایک دوسرا آدمی اپنی خباثت ورذالت کی بنیاد پر اخلاقی پستی کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے.

حرص وطمع، خودغرضی ومفاد پرستی، شہوت پرستی ونشہ بازی، غیظ وغضب وکمینہ پنی اور ایسی ہی دوسری خصلتیں انسان کو اس قدر درندگی اور بے حیائی کی راہ پر ڈال دیتی ہیں کہ اس کے سامنے خونخوار درندوں کی درندگیوں اور بے حیا لوگوں کی بے حیائیوں کی بھی مات ہو جاتی ہے.کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ یہ انسان اپنی ہی جنس کی ہلاکت وبربادی کے لیے بندوق، توپ، میزائل، بم، ایٹم بم، ہائیڈروجن گیس اور دیگر خطرناک اسلحوں کو ایجاد کر کے قوموں کی قوموں تک کو ہلاک کر دیتا ہے اور اس کے اندر بے حیائی وبے شرمی اس قدر انتہا کو پہنچ جاتی ہے کہ وہ مفتوحہ علاقوں میں عورتوں کی عفت وعصمت کو تار تار کر کے اس قدر خونخواری مچاتا ہے 8

کہ خسیس سے خسیس آدمی بھی اس بے حیائی سے شرم کرنے لگے. آخر مغربی ممالک میں وہ لوگ ''أسفل السافلین'' کی سچی تعبیر ہی تو ہیں جنھوں نے مادر زاد ننگے ہو کر جلوس نکالنے کا رواج بنا لیا ہے.

اشرف المخلوقات کے دائرے سے نکلنے والے ہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گھروں میں لڑکیوں کی پیدائش کو وبالِ جان سمجھ لیا ہے. زمانۂ جاہلیت ہی سے یہ بیماری عام ہے کہ لڑکیوں کی ولادت پر پورا خاندان ماتم کناں ہوتا ہے جب کہ بیٹے کی پیدائش پر محلّہ کے گھر گھر میں مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے. کسی نے سچ کہا ہے: ؎

لڑکے کو جنم لیتے ہی کہتے ہیں فخر سے کئی لاکھ کا ٹکٹ ہے یہ بچہ جہیز کا

ابو قتادہ کہتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں ایک آدمی کتے کو پرورش کے لیے رکھ چھوڑتا تھا لیکن اپنی بیٹی کی پیدائش کو گوارہ نہیں کرتا تھا؛ بلکہ اس معصوم کو موت کے گھاٹ اتار دیتا تھا. اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت میں یہ دھمکی دی:

﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾ [التکویر: ۸-۹].

''جب زندہ درگور کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ آخر کس جرم کی پاداش میں اسے قتل کیا گیا''(۱).

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

''كَانَتِ الْمَرْأَةُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا حَمَلَتْ حُفِرَتْ حُفْرَةٌ وَتَمَخَّضَتْ عَلَى رَأْسِهَا فَإِنْ وَلَدَتْ جَارِيَةً رَمَتْ بِهَا فِي الْحُفْرَةِ وَرَدَّتِ التُّرَابَ عَلَيْهَا وَإِنْ وَلَدَتْ غُلَاماً حَبَسَتْهُ''.

''زمانۂ جاہلیت میں عورت جب حاملہ ہوتی تو ایک گڑھا کھود دیا جاتا، جب اس کو دردِ زہ

(۱) تفسیر قرطبی: (۱۹/ ۲۳۳).

شروع ہوتا تو زچگی کے وقت گڑھے کے دہانے پر بیٹھتی. اگر لڑکی پیدا ہوتی تو اس گڑھے میں سے پھینک کر اس کے اوپر سے مٹی بھر دیتی، اور اگر لڑکا پیدا ہوتا تو اس کو پرورش و پرداخت کے لیے روک لیتی،،(۲).

لڑکیوں کی پیدائش کو وہ اس قدر ننگ و عار سمجھتے تھے کہ بلا خوف وخطر اپنی ہی لڑکیوں کو خود اپنے ہی ہاتھوں زندہ درگور کر ڈالتے تھے اور یہ سفاکانہ رواج اس قدر عام ہو چکا تھا کہ ان کی آنکھیں پتھر بن چکی تھیں جہاں نمی کا اثر ڈھونڈنا بنجر زمین سے غلہ کی اپج کی امید کے مترادف تھا.سنن دارمی کی روایت ہے: ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے اپنے عہد جاہلیت کا ایک واقعہ بیان کیا کہ میری ایک بیٹی تھی جو مجھ سے بہت مانوس تھی. جب میں اس کو پکارتا وہ دوڑی دوڑی میرے پاس آتی تھی. ایک روز میں نے اس کو بلایا اور اپنے ساتھ لے کر چل پڑا. راستہ میں ایک کنواں آیا، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کنویں میں دھکا دے دیا. آخری آواز جو اس کی میرے کانوں میں آئی وہ تھی: ہائے ابا! ہائے ابا! یہ سن کر رسول اللہ ﷺ رو دیے اور زار وقطار آپ کے آنسو بہنے لگے. حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: اے شخص! تم نے نبی کریم ﷺ کو غمگین کر دیا.

آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے مت روکو، جس چیز کا اسے شدت سے احساس ہے اس کے بارے میں اسے سوال کرنے دو''. پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''اپنا قصہ بیان کرو''. اس نے دوبارہ بیان کیا اور آپ سن کر اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے آپ کی داڑھی تر ہو گئی. اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''جاہلیت میں جو کچھ ہو گیا اللہ نے اسے معاف کر دیا، اب نئے سرے سے زندگی کا آغاز کر،،(۳).

---

(۲) تفسیر قرطبی: (۱۹/ ۲۳۳). (۳) سنن دارمی: (۱/ ٤۱) حدیث رقم (۲).

قرآن کریم نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

﴿وإِذا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدّاً وَهُوَ كَظِيْمٌ يَتَوَارىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ، أَيُمْسِكُهُ عَلٰى هُوْنٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ﴾.

''جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر کلونس چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے، سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا مٹی میں دبا دے؟''۔ [النحل: ۵۸-۵۹]

اور سورۃ الزخرف میں فرمایا:

﴿أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلاً ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيْمٌ﴾.

''کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں انتخاب کیں اور تمہیں بیٹوں سے نوازا؟ اور حال یہ ہے کہ جس اولاد کو یہ لوگ رحمان کی طرف منسوب کرتے ہیں اس کی ولادت کا مژدہ جب خود ان میں سے کسی کو دیا جاتا ہے تو اس کے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ غم سے بھر جاتا ہے''۔ [الزخرف: ۱۶-۱۷]

لیکن اسلام نے آتے ہی ان عربوں کے اس مجرمانہ فعل پر نکیر کیا اور انہیں آگاہ کیا کہ تم جو اپنی نحوست میں آکر اپنے ہی ہاتھوں اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر رہے ہو، اس کا انجام بہت برا ہوگا. قیامت کے دن یہ زندہ درگور کی ہوئی لڑکی پوچھی جائے گی کہ آخر کس جرم کی پاداش میں تمہارے باپ نے تمہیں زندہ دفن کر دیا تھا؟ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا دردناک عذاب تمہارا استقبال کرے گا. نیز رسول اکرم ﷺ نے انہیں بتایا کہ یہ لڑکیاں درحقیقت تمہارے لیے جنت تک رسائی کی وسیلہ ہیں. اس لیے اگر کسی کے ہاں صرف لڑکیاں ہی جنم لیں تو اسے واویلا نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان کی اچھی طرح پرورش وپرداخت کر کے ان کی مناسب جگہ شادی بیاہ کر

دینی چاہیے. کیوں کہ لڑکا یا لڑکی آدمی کی اپنی مرضی سے نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے صرف لڑکی دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے صرف لڑکا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکا لڑکی دونوں ہی دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکا لڑکی دونوں سے محروم کر دیتا ہے. اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنایا ہے:

﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَاناً وإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيْمًا﴾

''آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے، یا انہیں جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی، اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے''۔[الشوریٰ:۴۹-۵۰]

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّهُ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ کس کو اولاد دینی چاہیے اور کس کو نہیں دینی چاہیے، یا کس کو لڑکے اور لڑکیاں ملا کر دینی چاہیے اور کس کو صرف لڑکے یا صرف لڑکیاں ہی دینی چاہیے اور کتنی تعداد میں دینی چاہیے. اس کی مصلحت کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس لیے بندوں کو صرف لڑکیوں کی پیدائش پر اپنی بدقسمتی تصور نہیں کرنا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو بخوشی قبول کر لینا چاہیے. اور یہ یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا ہے، اس کا ہر فیصلہ ہمیشہ مبنی بر انصاف ہوتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لاَ يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ [النساء: ۴۰]

''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا''۔

﴿وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعِبَادِ﴾ [غافر:۳۱]

''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا''۔

عموماً دیکھا یہ جاتا ہے کہ جس کے گھر لگاتار چند لڑکیاں پیدا ہو جاتی ہیں وہ لڑکے کے لیے

ترستا ہے اور اسے اپنے گھر لڑکیوں کی پیدائش پر شرم آتی ہے. حالانکہ اسلام کی نظر میں لڑکے ہوں یا لڑکیاں سب ہی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہیں. ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ جس کو صرف لڑکے ہوں وہ دینی و دنیوی اعتبار سے مستقبل میں کامیابی و کامرانی کی منازل طے کر لے گا اور جس کو صرف لڑکیاں ہیں وہ کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکے گا اور ننگ و عار اس کا مقدر ہوگی؛ بلکہ رسول اکرم ﷺ کے قول کے مطابق وہ لوگ جن کے گھر صرف لڑکیاں ہی جنم لیں تو وہی لڑکیاں ان کو دائمی خوشی فراہم کرنے کا ذریعہ ہیں. اس لیے جن کے پاس صرف لڑکیاں ہی ہوں انہیں اپنی لڑکیوں کی اچھی تربیت کر کے ابدی خوشی حاصل کر لینا چاہیے کیوں کہ یہ لڑکیاں اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت کے حصول کا ذریعہ ہیں جو ان لوگوں کو حاصل نہیں جن کو صرف لڑکے ہی ہیں. یہ اللہ تعالیٰ کا لڑکی والوں کے ساتھ بڑا احسان و کرم ہے.

عروہ بن زبیر کہتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میرے پاس ایک عورت مانگنے آئی جس کے ساتھ دو لڑکیاں بھی تھیں. میرے پاس اسے دینے کے لیے ایک کھجور کے سوا کچھ نہیں تھا، میں نے وہ کھجور اٹھا کر اس عورت کو دے دیا. اس نے کھجور کے دو ٹکڑے کر کے اپنی دونوں بیٹیوں میں تقسیم کر دیا اور خود نہیں کھائی، پھر اپنی بیٹیوں کو لے کر چلی گئی. جب نبی کریم ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ کو اس بات سے آگاہ کیا. آپ ﷺ نے فرمایا:

''مَنِ ابتُلِيَ مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ''.

''جو شخص ان لڑکیوں کی پیدائش سے آزمائش میں ڈالا جائے اور وہ ان سے حسن سلوک کرے تو یہ لڑکیاں اس کے لیے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بنیں گی''(۴).

صحیح مسلم میں عمر بن عبدالعزیز کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت بھی مروی

---

(٤) بخاري: كتاب الأدب (٥٩٩٥)، مسلم: البر والصلة / فضل الإحسان إلى... (٢٦٢٩).

ہے کہ میرے پاس ایک مسکین عورت اپنی دو بچیوں کو لیے ہوئے آئی. میں نے اسے تین کھجوریں دیں، اس نے دونوں بچیوں کو ایک ایک کھجور دے دیا، اور ایک کھجور کو اپنے منہ میں ڈالنے ہی والی تھی کہ دونوں بچیوں نے اس کے لیے ہاتھ بڑھا دیا. عورت نے اس کھجور کو تقسیم کیا جسے کھانا چاہتی تھی اور اسے بچیوں کے درمیان تقسیم کر دیا. مجھے اس کے فعل سے بہت تعجب ہوا. میں نے اس بات کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا:

''إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَوْجَبَ لَهَا بِهَا الْجَنَّةَ أَوْ أَعْتَقَهَا بِهَا مِنَ النَّارِ''.

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے لیے اس کے اس فعل کے سبب جنت کو واجب کر دیا یا جہنم کی آگ سے اسے آزاد کر دیا''(٥).

امام بخاری اپنی کتاب ''الأدب المفرد'' میں اور امام ابن ماجہ اپنی سنن میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

''مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ وَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ وَكَسَاهُنَّ مِنْ جِدَتِهِ كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ''(٦).

''جس شخص کے پاس تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے اور اپنی وسعت کے مطابق ان کو اچھے کپڑے پہنائے تو وہ لڑکیاں اس کے لیے جہنم کی آگ سے رکاوٹ کا ذریعہ بنیں گی''.

صحیح مسلم میں انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ وَضَمَّ أَصَابِعَهُ''.

''جس نے دو لڑکیوں کی سن بلوغت تک پرورش کی تو قیامت کے دن وہ میرے ساتھ اس طرح آئے گا، اور آپ نے اپنی انگلیوں کو جوڑ کر بتایا''(٧).

---

(٥) مسلم: البر والصلة والآداب/ فضل الإحسان إلى البنات (٢٦٣٠).

(٦) [صحيح] الأدب المفرد (٧٦)، ابن ماجه: الأدب/ بر الوالد ... إلى البنات (٣٦٦٩).

(٧) مسلم: البر والصلة والآداب/ فضل الإحسان إلى البنات (٢٦٣٠)

امام بغوی نے "شرح السنة" میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:
"جس شخص نے تین بیٹیوں یا بہنوں کی پرورش کی، ان کو بہتر ادب سکھایا اور ان سے مشفقانہ برتاؤ کیا یہاں تک کہ وہ اس کی محتاج نہ رہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت واجب کر دے گا"۔

ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر دو لڑکیاں ہوں تب؟ آپ ﷺ نے فرمایا:
"اور دو ہوں تب بھی"۔

حدیث کے راوی ابن عباس کہتے ہیں کہ اگر لوگ اس وقت ایک کے متعلق پوچھتے تو آپ ﷺ اس کے بارے میں بھی یہی فرماتے۔

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں معلوم ہوا کہ لڑکیوں کی پیدائش دنیا وآخرت کی سب سے زیادہ محبوب اور عظیم خیرو برکت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اس لیے رسول اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق لڑکیوں کی پیدائش پر زیادہ سے زیادہ خوشی ہونی چاہیے نہ کہ غم واندوہ میں ڈوب جانا چاہیے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں ہوتا تھا۔

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے لڑکے اور لڑکیاں دونوں سے نوازا ہوتا ہے لیکن وہ لڑکیوں پر لڑکوں کو فوقیت دیتے ہیں اور لڑکیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اخبارات میں اس قسم کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں کہ لڑکی نے زہر کا پیالہ صرف اس لیے نوش کر لیا کہ اس کا باپ اپنے بیٹے کے آگے اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا اور بیٹے کو فوقیت دے کر لڑکی کو نظر انداز کر دیتا تھا، لڑکی سے یہ تفریق برداشت نہ ہوئی؛ چنانچہ اس نے باپ کی اس تفریق سے غصہ میں آکر زہر پی لیا۔

یقیناً یہ بیماری ہمارے معاشرے میں عام ہے کہ بیٹی کو تو نظر انداز کیا جاتا ہے جب کہ بیٹوں پر خاص نظر کرم کی جاتی ہے۔ نیز بیٹی کی پیدائش پر باپ کے ماتھے پر شکن آجاتا ہے،

پیشانی پسینے سے شرابور ہو جاتی ہے، وہ کسی کو اولاد کی پیدائش کی خوش خبری دینے سے بھی شرماتا ہے اور اگر کوئی پوچھتا ہے تو ایسے بیزاری بھرے انداز میں جواب دیتا ہے جیسے کوئی مردار چوہا اس کے گھر میں پایا گیا ہو. اس کے برعکس اگر بچے کی ولادت ہوتی ہے تو خوشی سے اس کا منہ بند نہیں ہوتا، بغیر پوچھے خوش خبری سناتے پھرتا ہے اور سینہ پھلا کر چار بالشت کا کر لیتا ہے. بہت سے لوگ تو مونچھوں پر تاؤ پھیرنے میں اس قدر زیادتی کرتے ہیں کہ مونچھوں کی حجامت بن جاتی ہے. کچھ عرصہ قبل مجھے ایک عقیقہ میں شرکت کا موقع ملا، دعوت ایسی تھی جیسے بارات کھلائی جاتی ہے. خوشی میں رائفل سے فائرنگ پہ فائرنگ کی جا رہی تھی. معلوم ہوا کہ صاحب کو کئی لڑکیوں کے بعد یہ لڑکا پیدا ہوا ہے اس لیے اتنا سارا اہتمام کیا گیا ہے.

ہائے افسوس! کس قدر بے صبرا اور ناشکرا ہے یہ انسان، کہ اس قدر فضول خرچی سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی خرید لیتا ہے جب کہ خوشیوں کی بھی ایک انتہا ہوتی ہے. رائفل کی ایک ایک گولی سو روپے سے زیادہ میں ملتی ہے، اگر اس سو روپیہ کو کسی محتاج وغریب کو دے دیا جائے تو اس کی کئی مشکلات حل ہو جائیں. لیکن انسان ہے کہ جب کوئی خوشی ملتی ہے تو فوراً اللہ تعالیٰ کے حکم کو پامال کرنے لگتا ہے اور جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو فوراً واویلا کرنے لگتا ہے، سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿إِنَّ الإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعاً إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعاً وإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعاً﴾

”انسان بڑے کچے دل والا بنایا گیا ہے، جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو ہڑ بڑا اٹھتا ہے اور جب راحت ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے“۔ [المعارج: ۱۹-۲۱]

لڑکی کی ولادت پر یہ مایوسی اور لڑکے کی پیدائش پر اس قدر خوشی!! نیز لڑکے اور لڑکی کے درمیان یہ تفریق آخر کیوں؟ جب کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

''مَنْ كَانَتْ لَهُ أُنْثَى فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ''.

''جس کے پاس لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے، نہ اسے ذلیل کر کے رکھے، نہ لڑکے کو اس پر فوقیت دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا''(۸).

لڑکا ہو یا لڑکی، دونوں کے ساتھ مساویانہ طرز عمل اپنانے کی رسول اکرم ﷺ نے تعلیم دی ہے. حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک آدمی رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں اس کا بیٹا آ گیا. اس نے بیٹے کو بوسہ دیا اور اسے اپنی ران پر بیٹھا لیا. اسی دوران اس کی بیٹی بھی آ گئی، اس نے اپنی لڑکی کو آگے بیٹھایا. یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''أَلاَ سَوَّيْتَ بَيْنَهُمْ؟''(۹).

''بیٹا بیٹی دونوں کے ساتھ یکساں طرز عمل کیوں نہیں اپنایا؟''.

لڑکیوں کی پرورش و پرداخت اور انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھنے سے متعلق اتنی ساری خوش خبری سنانے والی احادیث کے باوجود کیا ایک مسلمان کو زیب دیتا ہے کہ وہ بچیوں کی پیدائش پر ناک بھوں چڑھائے اور شرم و عار کرے؟ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے ماحول میں ہندوانہ رسوم و رواج اور فاسد عقائد کی کمزوری نے لڑکیوں کی پیدائش کو عار کا سبب بنا دیا ہے جب کہ شریعت کی نگاہ میں لڑکی کی ولادت کو عار سمجھنے والا انتہائی کم ظرف اور ذلیل انسان ہے!!

مسلم معاشرے میں اس کے علاوہ ایک اور بیماری عام ہے جس کو سن کر انسانیت شرما جاتی ہے. وہ یہ کہ اگر کسی عورت کو لگا تار کئی لڑکیاں پیدا ہو جائیں تو اس کا شوہر اسے کوستا ہے کہ یہ کیسی عورت ہے کہ لگا تار بچی ہی جنم دے رہی ہے؛ بلکہ یہاں تک دیکھا جاتا ہے کہ شوہر اپنی

(۸) أبو داود، الأدب/ في فضل من عال يتيمًا (٥١٤٦)، شیخ البانی نے ضعیف بتایا هے.

(۹) كشف الأستار (١٨٩٣)، مجمع الزوائد (١٥٦/٨).

بیوی سے صرف اس لیے نالاں رہتا ہے کہ اس کی بیوی سے صرف بچیاں ہی جنم لیتی ہیں اور بات بات پر اسے بچیوں کی پیدائش پر عار بھی دلاتا ہے. اس خوف سے بسا اوقات بعض عورتیں الٹرا ساؤنڈ کراتی ہیں اور جب انکشاف ہوتا ہے کہ جنم لینے والا بچہ لڑکی ہے تو حمل ہی کو ساقط کروا دیتی ہیں تاکہ شوہر اور دیگر رشتہ داروں کی تلخ باتوں سے بچی رہیں. اس سلسلہ میں ہمیں یہاں اخباری رپورٹ درج کرنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ ہر شخص اپنے معاشرے میں اس کا مشاہدہ کرسکتا ہے اور کر بھی رہا ہے.

دراصل اس قسم کی باتیں رونما ہونے کا سبب یہ ہے کہ آج کے مسلمانوں کا عقیدہ صحیح سالم نہ رہا، بلکہ ان کے عقیدہ میں کھوٹ ہے. کیوں کہ اللہ پر جس کا کامل ایمان ہو وہ اس قسم کی باتیں ہرگز نہیں کرسکتا. صحیح العقیدۃ شخص کو یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہے کہ جو ہوتا ہے اللہ کی منظوری سے ہوتا ہے، اس کے حکم کے بغیر درخت کا کوئی پتہ بھی نہیں گرتا:

﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا﴾ [الانعام:۵۹]

اس لیے یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ اللہ کے علم اور حکم کے بغیر ولادت و پیدائش کا عمل وجود میں آئے؟ اور یہ بات جب حق ہے تو پھر بچیوں کی پیدائش بھی اللہ کی طرف سے ہے، بھلا اس میں کسی عورت کا کیا قصور کہ شوہر بچی کی پیدائش پر بیوی کو عار اور شرم دلائے یا اس سے نالاں ہو؟!

لڑکا اور لڑکی کی پیدائش سے متعلق ایک یہودی عالم کے جواب میں رسول اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے جو رسول اکرم ﷺ کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''مَاءُ الرَّجُلِ أَبْيَضُ وَمَاءُ الْمَرْأَةِ أَصْفَرُ، فَإِذَا اجْتَمَعَا، فَعَلَا مَنِيُّ الرَّجُلِ مَنِيَّ الْمَرْأَةِ أَذْكَرَا بِإِذْنِ اللّٰهِ، وَإِذَا عَلَا مَنِيُّ الْمَرْأَةِ مَنِيَّ الرَّجُلِ آنَثَا بِإِذْنِ اللّٰهِ''(۱۰).

''مرد کی منی سفید (اور گاڑھی) ہوتی ہے اور عورت کی منی پیلی (اور پتلی) ہوتی ہے، پھر

---

(۱۰) مسلم: الحیض/ بیان صفة منی الرجل والمرأة وأن الولد مخلوق من مائهما (۳۱۵).

جب ہم بستری کے بعد دونوں کی منی کا آپس میں اختلاط ہوتا ہے، اس وقت اگر مرد کی منی عورت کی منی پر غالب آ جاتی ہے تو اللہ کے اذن سے بچہ پیدا ہوتا ہے، اور جب عورت کی منی مرد کی منی پر غالب آ جاتی ہے تو اللہ کے اذن سے بچی کی ولادت عمل میں آتی ہے"۔

معلوم ہوا کہ بچہ یا بچی کی ولادت میاں بیوی کے مشترکہ ملاپ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی عمل میں آتی ہے، لہذا بچی کی پیدائش پر شوہر یا دیگر لوگوں کا عورت کو کوسنا اور اسے عار دلانا اللہ تعالیٰ کے نظام ولادت کا مذاق بلکہ اس کے خلاف بغاوت ہے. ولادت میں نہ تو بیوی کا کوئی عمل دخل ہے اور نہ شوہر کا؛ بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق ہی یہ سارا عمل انجام پاتا ہے. اس لیے بدعقیدہ لوگوں کو اپنا ذہن صاف کر لینا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر پر کامل بھروسہ رکھنا چاہیے.

پھر یہ کیا ضروری ہے کہ بچہ کی پیدائش سے کسی کا مستقبل تابناک ہو جائے گا جیسا کہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بچہ جوان ہو کر باپ کا ہاتھ بٹائے گا، کمائے گا، نام روشن کرے گا وغیرہ وغیرہ (۱۱)؛ جب کہ بچی کو پالنا پوسنا، شادی بیاہ کرنا کسی عظیم مصیبت سے کم نہیں. یہ تصور بھی غلط ہے، کیوں کہ ایسے بہت سارے واقعات دیکھنے میں آئے ہیں کہ جس کے پاس صرف بیٹے ہی

(۱۱) جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ لڑکوں سے آمدنی ہے اور لڑکیوں میں خرچ، یہ خیال جہالت اور اللہ سے ناامیدی کی دلیل ہے. اللہ تعالیٰ تو ماں کے پیٹ میں ہی بچہ یا بچی کے رزق کے بارے میں اور اس کی آمدنی کے بارے میں لکھ دیتا ہے. اس لیے کسی کا یہ سوچنا کہ بچیوں کی روزی روٹی کا مسئلہ ماں باپ کے سر رہتا ہے، جب کہ بچے جوان ہو کر کماتے کھاتے ہیں غلط ہے. بلکہ بچیوں کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کھلاتا ہے جیسے بچوں کو. اسی لیے جب ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس اپنی بیٹیوں کی موت کی خواہش کی تو وہ غضبناک ہو گئے اور فرمایا:

"أَنْتَ تَرْزُقُهُنَّ؟". "کیا تم ان لڑکیوں کو رزق دیتے ہو؟".

[الأدب المفرد: باب: من کره أن یتمنی موت البنات (٨٣ / ٤٤٠)، شیخ البانی نے ضعیف الاسناد بتایا ہے].

ہوتے ہیں اسے اپنے بیٹوں سے کسی قسم کا سکھ نہیں ملتا جب کہ بیٹیوں والے شخص کو بہت سکھ ملتا ہے. بیٹیاں جب تک اپنے گھر رہتی ہیں تو اپنے والدین کی خدمت کرتی ہیں اور اگر انہیں کوئی مناسب رشتہ مل گیا تو دامادی رشتہ کے سبب بھی ان کے والدین کو بسا اوقات بہت سی سہولیات مل جاتی ہیں جن کا وہ گمان بھی نہیں کر سکتے تھے.

فطری طور پر بھی بچیاں اپنے والدین سے لڑکوں کے بہ نسبت زیادہ محبت کرتی ہیں؛ خواہ ان کے نئے گھر آباد ہونے سے قبل ہو یا بعد. حضرت لوط علیہ السلام کو جب ان کی قوم نے رجم کرنے کی دھمکی دی اور اپنی بستی سے نکلنے پر مجبور کر دیا تو انہوں نے اللہ کے لیے اپنی بستی کو خیر باد کہہ کر ہجرت کیا، ان کو اطمینان دلانے والا یا ان کی دعوت پر لبیک کہنے والا اگر کوئی تھا تو وہ صرف ان کی دو لڑکیاں ہی تھیں جنہوں نے اپنے باپ کا ہجرت میں ساتھ دیا. اسی طرح رسول اکرم ﷺ کی صرف بیٹیاں ہی زندہ رہیں اور ان ہی کی نسل آج تک دنیا میں باقی ہے، جب کہ لڑکوں کو اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی میں اٹھا لیا تھا. بھلا کوئی بتائے کہ رسول اکرم ﷺ کی شان میں کون سی کمی آ گئی جو آپ ﷺ کا کوئی بیٹا دنیا میں نہ رہا؟! سیرت وتاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی بچیوں کی پرورش وپرداخت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک میں کسی بھی قسم کی کوئی کمی نہیں کی اور نہ ہی آپ ﷺ کی چاروں لڑکیوں نے آپ ﷺ سے محبت میں کوئی کمی آنے دیا.

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ رسول اکرم ﷺ نے صرف لڑکیوں والے لوگوں کو جو تعلیمات وہدایات دی ہیں، ان کے مطابق عمل کیا جاتا اور لڑکیوں کی اچھی طرح پرورش کر کے اللہ تعالیٰ کی جنت کا مستحق بننے کی کوشش کی جاتی. لیکن ایمان وعقیدہ کی کمزوری نے مسلمانوں کو اس ڈگر پہ لا کھڑا کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو قبول کرنے کے لیے بھی اپنی خوشی وناخوشی کو ہی معیار بنا رکھے ہیں کہ جب انہیں بیٹے کی خوش خبری دی جاتی ہے تو خوشی سے غیر شرعی کام

کرنے میں ذرا برابر بھی جھجک نہیں کرتے اور اسراف وتبذیر (ڈھول تاشہ، پٹاخے اور حیثیت سے زیادہ دعوت بازی وغیرہ) کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت خوب زور شور سے کرتے ہیں، اور جب لڑکی کی ولادت کی خبر دی جاتی ہے تو ان کا چہرہ کالا ہو جاتا ہے، دم گھٹنے لگتا ہے، حتی کہ کسی کو بتانے میں بھی شرم وعار محسوس کرتے ہیں. قرآن نے انہی جیسے غیر معیاری لوگوں کا نقشہ سورۃ النحل آیات (۵۸-۵۹) اور سورۃ الزخرف آیت (۱۱۶) میں کھینچا ہے جن کا مطالعہ آپ پچھلے صفحات میں کر آئے ہیں.

لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے متعلق رسول اکرم ﷺ کی مذکورہ تعلیمات کے باوجود بھی کیا پتھر نما دل رکھنے والے سلیم شیخ (۱۲) کو اپنی پانچ بیٹیوں کو دریا برد کرتے وقت کچھ ترس نہیں آیا؟! گجرات کی سر زمین پر صرف اپنے ایک دس سالہ بیٹے کو چھوڑ کر بقیہ 5 لڑکیوں کو دریا برد کر دینا اللہ کی ذات سے نا امیدی نہیں تو اور کیا ہے؟! سلیم شیخ تم کو بھروچ پولیس نے تو گرفتار کیا ہے اور دیر یا سویر تم رہائی بھی پا لوگے، مگر اس دن تم کیا جواب دوگے جب تمہاری ان پانچوں بیٹیوں سے پوچھا جائے گا جن کو تم نے دریا برد کر دیا ہے کہ آخر کس جرم کے بدلے میں تمہارے اس ظالم باپ نے تمہیں دریا برد کر دیا؟ سلیم شیخ! تم اور تمہاری ذہنیت کے دیگر کم ظرف لوگ اللہ کے سامنے جواب دینے کے لیے تیار ہو جاؤ!!

(۱۲) سلیم شیخ کی خونخواری کی رپورٹ کے لیے ملاحظہ فرمائیں اخبار اردو نیوز جدہ (۱۰/ فروری ۲۰۰۴ء) کی سرخی: ''5 بیٹیوں کو دریا برد کرنے والا سلیم شیخ گرفتار''.

رسول اکرم ﷺ کا طرزِ عمل حیوانوں کے ساتھ

منطق کی اصطلاح میں انسان کو بھی حیوان کہا جاتا ہے. لیکن جانور اور انسان کے درمیان تفریق کرنے کے لیے حیوان کی دو قسمیں کی جاتی ہیں؛ ایک حیوان ناطق یعنی انسان، دوسرے حیوان غیر ناطق یعنی جانور. چونکہ رسول اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا مکلف حیوان ناطق یعنی حضرت انسان ہی ہے. اس لیے قرآن وحدیث میں تمام احکام انہی کے لیے مختص ہیں؛ البتہ جنات وشیاطین بھی شریعت محمدیہ کے مکلّف ہیں، کیوں کہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت جن وانس ہر دو گروہ کی طرف ہوئی تھی. مگر جہاں رسول اکرم ﷺ نے انسانوں کو اپنے مابین ہمدردانہ سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، وہیں یہ حکم بھی صادر فرمایا ہے کہ حیوانوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آیا جائے اور انہیں کسی بھی قسم کی تکلیف نہ دی جائے.

رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل عربوں میں یہ تصور ناپید تھا کہ حیوانات بھی حسن سلوک کے مستحق ہیں جیسے انسان کے ساتھ حسن سلوک کیا جانا چاہیے. اس لیے وہ اپنی قساوت ووحشت کا مظاہرہ جانوروں پر ظلم کر کے کرتے اور اس قساوت ووحشت کو اپنی فیاضی سمجھتے تھے. ہوتا یہ کہ وہ لوگ جانوروں کو اندھا دھند مار گراتے اور لوگوں سے کہتے کہ تم ان جانوروں کو کھا جاؤ. ان کے زعم خویش کے مطابق یہ بھی فیاضی ہی سمجھی جاتی تھی کہ دو آدمی شرط باندھ لیتے اور ہر ایک باری باری اپنا ایک ایک اونٹ ذبح کرتا چلا جاتا، جو رک جاتا گویا وہ اپنی ہار تسلیم کر لیتا. پھر یہ جانور دوست واحباب کی دعوت کی نذر ہو جاتے. عربوں میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ جانور کو کسی جگہ باندھ دیا جاتا اور لوگ اس پر اپنا اپنا نشانہ لگاتے. ایک طریقہ یہ بھی ان کے ہاں عام تھا کہ جو کوئی مر جاتا اس کی سواری کے جانور کو اس کی قبر پر باندھ دیا جاتا، پھر اسے دانہ پانی اور گھاس پھونس سے محروم رکھا جاتا یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں بھوک سے سوکھ کر مر

جاتا، ایسے جانور کو وہ "بلیّہ" کہتے تھے. لیکن اسلام کی آمد نے عربوں کے ان ظالمانہ کرتوتوں پر سخت پابندی لگائی اور اس سنگدلی کو ختم کر دیا.

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یحیٰ بن سعید کے پاس گئے تو دیکھا کہ بنو یحیٰ کا ایک لڑکا ایک مرغی کو باندھ کر اسے تیر کا نشانہ بنا رہا ہے. حضرت ابن عمر نے جا کر مرغی کو کھول دیا، پھر مرغی اور لڑکے کو لے کر اس کے خاندان کے پاس آئے اور کہا: تم لوگ اپنے بچوں کو منع کر دو کہ اس طرح باندھ کر مرغی کو قتل نہ کریں. کیوں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اس طریقہ سے کسی بھی جانور کو باندھ کر قتل کرنے سے منع کرتے ہوئے سنا ہے(۱).

بلکہ نبی کریم ﷺ نے اس طرح سے قتل کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے. سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا، ان کا گزر جوانوں کے ایک گروہ کے پاس سے ہوا جو ایک مرغی کو باندھ کر تیر کا نشانہ بنا رہے تھے. جب انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو مرغی کو چھوڑ کر منتشر ہو گئے. ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا: یہ کس نے باندھا ہے؟ اس طرح سے باندھ کر قتل کرنے والے پر نبی کریم ﷺ نے لعنت بھیجی ہے(۲).

نبی کریم ﷺ جب مدینہ ہجرت کر کے پہنچے تو یہ دردناک و بے رحمانہ منظر دیکھا کہ لوگ اونٹ کے کوہان اور دنبہ کے دم کی چکی کاٹ کر کھاتے ہیں. یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

"مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيْمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهِيَ مَيْتَةٌ".

"اس طرح زندہ جانور کا جو گوشت کاٹ کر کھایا جاتا ہے وہ مردار ہے"(۳).

نیز رسول اکرم ﷺ نے زندہ جانوروں کے جسم کے کسی عضو کے کاٹنے (مثلہ کرنے) کی ممانعت فرمائی اور اس کے مرتکب پر لعنت بھیجی ہے، جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

(۱) بخاری: الذبائح والصید/ ما یکرہ من المثلة والمصبورة والمجثّمة (۵۵۱۴).

(۲) بخاری: (۵۵۱۵)، مسلم: الصید والذبائح/ النهی عن... (۱۹۵۸).

(۳) [صحیح] ترمذی: الصید/ ما قطع من الحی فهو میت (۱۴۸۰).

"لَعَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَثَّلَ بِالْحَيْوَانِ"(۴).

چوں کہ جانور کو ذبح کرتے وقت اگر کند چاقو وغیرہ کا استعمال ہوتو اس سے جانور کو سخت تکلیف پہنچے گی، اس تکلیف سے بچاؤ کے لیے بطور احسان نبی کریم ﷺ نے تیز چاقو استعمال کرنے کا حکم دیا ہے. حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں:

"إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوْا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شُفْرَتَهُ فَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهُ".

"اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان لکھا ہے؛ لہٰذا جب تم جانور کو مارو تو اچھے طریقے سے مارو، ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو. تم میں سے ہر شخص اپنی چھری تیز کر لے اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے"(۵).

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا گزر ایک آدمی کے پاس سے ہوا جو اپنا پاؤں ایک بکری کی گردن پر رکھ کر چھری تیز کر رہا تھا اور بکری اس کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی. آپ ﷺ نے فرمایا:

"أَفَلاَ قَبْلَ هٰذَا؟ أَتُرِيْدُ أَنْ تُمِيْتَهَا مَوْتَتَيْنِ؟!"(٦).

"ذبح کرنے سے پہلے ہی چھری کیوں نہ تیز کر لی؟ کیا تم اس بکری کو دو مرتبہ مارنا چاہتے ہو؟!"

نبی کریم ﷺ کے دل میں حیوانات کی خاطر کس قدر ہمدردی تھی اور آپ نے اپنی امت کو حیوانات سے متعلق کیسا طرزِ عمل اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے، اس کا ایک عکس آپ نے اوپر ملاحظہ فرما لیا، مزید چند احادیث پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ رسول اکرم ﷺ انسانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ حیوانوں کے لیے بھی رحمت تھے!!

(٤) بخاری تعليقاً: الذبائح والصيد/ ما يكره من المثلة والمصبورة والمجثمة (٥٥١٥).

(٥) مسلم: الصيد والذبائح/ الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحديد الشفرة (١٩٥٥).

(٦) [صحيح] الطبرانی (٣/ ١٤٠/ ١)، البيهقی (٩/ ٢٩٠)، حاكم (٤/ ٢٣١)، الصحيحة: (٢٤).

① امام احمد حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے سوار کیا. پھر آپ ﷺ نے میرے کان میں ایک ایسی بات کہی جس کی خبر میں کسی کو نہیں دوں گا. رسول اللہ ﷺ کو قضائے حاجت کے وقت چھپنے کے لیے ٹیلہ یا کھجور کا باغ زیادہ پسند تھا، ایک دن آپ ﷺ انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے تو ایک اونٹ آپ کے پاس آ کر بلبلانے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے. جب اونٹ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو وہ باریک آواز سے رونے لگا اور اس کی آنکھیں بھر آئیں. رسول اللہ ﷺ اس کی پیٹھ اور کان کی پچھلی ہڈی پر ہاتھ پھیرنے لگے تو وہ خاموش ہو گیا. آپ ﷺ نے پوچھا:

"أَمَا تَتَّقِيْ اللّٰهَ فِي هَذِهِ الْبَهِيْمَةِ الَّتِي مَلَّكَكَهَا اللّٰهُ؟ إِنَّهُ شَكَا إِلَيَّ أَنَّكَ تُجِيْعُهُ وَتُدْئِبُهُ".

"کیا تم اس جانور کے ساتھ سلوک کرنے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے قابو میں کیا ہے؟ اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور کام زیادہ لے کر اسے تھکا دیتے ہو"[(۷)].

② عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے. آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے. اتنے میں ہم نے ایک چڑیا کو دیکھا جس کے ساتھ دو چوزے بھی تھے. ہم لوگوں نے چوزوں کو پکڑ لیا. وہ چڑیا اڑتی ہوئی آئی اور اپنا پر پھڑ پھڑانے لگی. رسول اکرم ﷺ واپس آئے تو یہ دیکھ کر فرمایا:

"مَنْ فَجَعَ هَذِهِ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوْا وَلَدَهَا إِلَيْهَا".

"اس چڑیا کے چوزوں کو لا کر کس نے اسے تکلیف میں ڈال رکھا ہے؟ اس کے چوزوں کو واپس لوٹا دو[(۸)] ـ (اس پر رحم کھاؤ)"[(۹)]ـ

(۷) [صحيح] مسند أحمد: (۱/ ۲۰٤)، أبو داود: (۲۵٤۹)، الدارمي: (٦٦۳).

(۸) [صحيح] أبو داود: كتاب الأدب (۵۲٦۸). (۹) دلائل النبوة للبيهقي (٦/ ۳۲).

③ ابونعیم اصبہانی زید بن ارقم سے بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ کے ایک محلّہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا. ہمارا گزر ایک اعرابی کے خیمہ کے پاس سے ہوا، وہاں خیمہ میں ایک ہرنی بندھی ہوئی تھی. اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس اعرابی نے کچھ دیر پہلے میرا شکار کیا ہے اور میرے نو زائیدہ بچے صحرا میں ہیں، اور میرے تھن میں یہ دودھ جم گیا ہے. یہ آدمی نہ تو مجھے ذبح کر رہا ہے تا کہ میں آرام پا جاؤں اور نہ ہی مجھے چھوڑ رہا ہے تا کہ میں صحرا میں اپنے نو زائیدہ بچوں کے پاس چلی جاؤں. یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ہرنی سے کہا:

"إِنْ تَرَكْتُكِ تَرْجِعِينَ؟".

'اگر میں تجھے چھوڑ دوں تو واپس آ جاؤ گی؟''.

اس نے کہا: ہاں، ورنہ اللہ تعالیٰ مجھے سخت عذاب دے گا. رسول اللہ ﷺ نے اسے کھول دیا، وہ تھوڑی دیر کے بعد اپنی زبان چاٹتے ہوئے واپس آ گئی. رسول اللہ ﷺ نے اسے خیمہ میں باندھ دیا. اتنے میں وہ اعرابی آیا جس کے ساتھ ایک مشکیزہ بھی تھا. رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''کیا تم اس ہرنی کو مجھ سے بیچو گے؟''.

اعرابی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ تو آپ ہی کے لیے ہے. چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس ہرنی کو چھوڑ دیا. زید بن ارقم کہتے ہیں: اللہ کی قسم! میں نے اس ہرنی کو زمین میں جاتے ہوئے دیکھا، اور وہ یہ کہہ رہی تھی:

"أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللَّهِ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ –".

''میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ حقیقی نہیں اور بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں''.(۱۰)

کتا ایک ایسا حیوان ہے جس کا شمار جانوروں میں بھی نچلے طبقہ میں ہوتا ہے اور اس کی ذلت کی واضح علامت یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں اکثر لوگ کسی کو کتا کہہ دیتے ہیں جس سے

(۱۰) دلائل النبوة لأبی نعیم الأصبهانی، فصل: ۲۲، ص: ۳۲۰.

مقصود مقابل کو ذلیل کرنا ہوتا ہے. لیکن رسول اکرم ﷺ کی شفقت ورحمت کا سایہ کتوں تک کو بھی پڑا ہے. چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایک آدمی کہیں جا رہا تھا اسے سخت پیاس لگی تو اس نے کسی کنویں میں اتر کر اپنی پیاس بجھائی اور جب کنویں سے نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک کتا زبان نکال رہا ہے اور شدت پیاس سے کیچڑ چاٹ رہا ہے. اس نے اپنے دل ہی میں سوچا: اس کتے کو شدت پیاس سے وہی تکلیف پہنچی ہے جو مجھے پہنچی تھی، اس نے فوراً اپنا موزہ پانی سے بھرا اور اپنے منہ سے پکڑ کر کنویں سے نکلا اور کتے کو پانی پلایا. اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل کو قبول فرمایا اور اس کی بخشش فرما دی''.

صحابہ کرام نے یہ حدیث سن کر پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا ہمیں جانوروں کے ساتھ سلوک کرنے پر بھی اجر وثواب ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''فِيْ كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ''.

''ہر ذی روح کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر اجر وثواب ہے''(۱۱).

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بتایا ہے کہ ایک بدکار عورت کتے کو پانی پلانے کی بدولت جنت کی مستحق ہو گئی. بخاری ومسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ایک بدکار عورت کی بخشش ہو گئی جس کا گزر ایک کتے کے پاس سے ہوا جو کنویں کے پاس شدتِ پیاس سے زبان نکال رہا تھا. (کتے کی یہ حالت زار دیکھ کر عورت کو ترس آ گیا اور) اس نے اپنا موزہ نکال کر اسے دوپٹہ سے باندھا اور پانی نکال کر کتے کو پلایا؛ چنانچہ وہ عورت اس کے عوض بخش دی گئی''(۱۲).

اس کے برعکس ایک عورت صرف اس لیے جہنم رسید ہو گئی کیوں کہ وہ ایک بلی کی موت کا سبب بنی تھی. بخاری ومسلم میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

(۱۱) بخاري: بدء الخلق/ إذا وقع الذباب في (۳۳۲۱)، مسلم: السلام/.. سقي البهائم (۲۲۴۵).

(۱۲) بخاري: المساقاة/ فضل سقي الماء (۲۳۶۳)، مسلم: السلام/.. سقي البهائم (۲۲۴۴).

"دَخَلَتِ امْرَأَةٌ النَّارَ فِيْ هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلْ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ".

"ایک عورت ایک بلی کی وجہ سے جہنم رسید ہوئی جس نے اسے باندھ رکھا تھا، نہ تو اسے خوراک دیتی تھی اور نہ ہی اس کو چھوڑتی تھی تاکہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھاتی"(۱۳).

ایک حدیث میں مروی ہے کہ "اگر کسی نے کنجشک یا اس سے بھی کسی چھوٹے جانور کو اس کے حق کے بغیر ذبح کیا تو اللہ اس کے متعلق باز پرس کریں گے"۔ صحابہ کرام نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا:

"اس کو ذبح کرے اور اس کو کھائے، یہ نہیں کہ اس کا سر کاٹ کر پھینک دے"(۱۴).

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن جانوروں سے کسی کو نقصان کا خدشہ نہ ہو، اور وہ درند بھی نہیں تو ان کا مارنا بھی جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے خاص طور پر چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور صرد کے مارنے کی ممانعت فرمائی ہے(۱۵).

بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"ایک نبی نے کسی درخت کے نیچے پڑاؤ ڈالا تو ان کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا، انہوں نے وہاں سے اپنا سامان ہٹوایا اور چیونٹیوں کے گھر کو جلانے کا حکم دے دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعہ متنبہ کیا کہ صرف ایک ہی چیونٹی کو کیوں نہیں جلایا (جس نے کاٹا تھا) یعنی تمام چیونٹیوں کا قصور کیا تھا، بطور قصاص مستحق تو صرف وہی چیونٹی تھی جس نے کاٹا تھا"(۱۶).

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ کسی سفر کے پڑاؤ میں تھے۔ آپ حاجت سے کہیں تشریف لے گئے۔ واپس آئے تو دیکھا کہ ایک صاحب نے اپنا چولہا ایسی جگہ جلا رکھا ہے جہاں زمین پر یا

(۱۳) بخاري: بدء الخلق/ خمس عن الدواب فواسق (۳۳۱۸)، مسلم: السلام/ تحريم قتل الهرّة (۲۲۴۳).

(۱۴) مشكاة: كتاب الصيد والذبائح (ص ۳۵۰).

(۱۵) مشكاة: كتاب الصيد والذبائح (ص ۳۶۶).

(۱۶) بخاري: بدء الخلق/ خمس من الدواب يقتلن في الحرم (۳۳۱۹)، مسلم (۲۲۴۱).

درخت پر چیونٹیوں کا سوراخ تھا. یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ کس نے کیا ہے؟''. ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے جلایا ہے. آپ ﷺ نے فرمایا:

''أَطْفِهَا أَطْفِهَا''. ''بجھاؤ بجھاؤ''(۱۷).

مقصد یہ تھا کہ ان چیونٹیوں کو تکلیف نہ ہو یا جل نہ جائیں.

رسول اکرم ﷺ نے صرف جانوروں ہی تک نہیں بلکہ نباتات تک کی خدمت اور پرندوں کو بھی موجب اجر بتایا ہے اور فرمایا ہے:

''جو مسلمان درخت لگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے، جس میں سے چڑیا یا انسان یا جانور کھاتے ہیں تو اس کے عوض اس کو صدقہ (ثواب) ملتا ہے''(۱۸).

رسول اکرم ﷺ نے جانوروں کے آرام وآسائش کا اتنا خیال رکھا کہ ایک مرتبہ فرمایا:

''جب تم لوگ سرسبزی وشادابی کے ایام میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین کی سرسبزی سے فائدہ پہنچاؤ اور جب قحط کے ایام میں سفر کرو تو ان کو تیزی کے ساتھ چلاؤ''(۱۹).

یہ ارشاد فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ قحط کے ایام میں راستہ میں چارے یا گھاس کی پریشانی ہوتی ہے اس سے وہ جلد نجات پا جائیں گے. ایک مرتبہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک اونٹ کا پیٹ بھوک کی وجہ سے سکڑ گیا ہے، فرمایا:

''ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان پر سوار ہو تو اچھی حالت میں رکھ کر سواری کرو، اور ان کو کھاؤ تو اچھی حالت میں رکھ کر کھاؤ''(۲۰).

غرض رسول اکرم ﷺ نے جانوروں کے ساتھ انتہائی درجہ نرم سلوک کرنے کا حکم دیا ہے

(۱۷) [حسن لغیرہ] مسند أحمد (۱/ ۲۹٦)، عن عبداللّٰہ بن مسعود، مجمع الزوائد (٤/ ٤١).

(۱۸) بخاری: المزارعة/ فضل الزرع والغرس إذا أكل منه (۲۳۲۰)، مسلم (۱۵۵۳).

(۱۹) مسلم: الإمارة/ مراعاة مصلحة الدواب... (۱۹۲٦).

(۲۰) [صحيح] أبو داود: كتاب الجهاد، باب: ما يؤمر به من القيام... (۲۵٤۸).

اور اس کا یہاں تک خیال رکھا ہے کہ دو جانوروں کو باہم لڑانے سے بھی منع فرمادیا ہے تا کہ اس سے وہ بے فائدہ زخمی اور گھائل ہو کر تکلیف میں مبتلا نہ ہو جائیں (۲۱).

اسی طرح جانوروں کے منہ پر مارنے یا اس پر داغ دینے کی بھی ممانعت آئی ہے اور ایسا کرنے والے کو ملعون قرار دیا گیا ہے (۲۲).

لیکن بہت افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ جس امت کے نبی نے حیوانات کے ساتھ اس قدر حسن سلوک کرنے کی تعلیم دی ہے اس کے بہت سے افراد کو جانوروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے دیکھا جاتا ہے. اور سچ پوچھئے تو اس موضوع کے تحت قلم کو جنبش دینے میں جو بات محرک بنی ہے وہ ایک ایسا دردناک واقعہ ہے جو ایک جانور کے ساتھ پیش آیا تھا. واقعہ یہ ہے کہ ایک گاؤں میں ایک غریب کے پاس ایک گائے تھی جو اس کے اصل سرمایہ کے قائم مقام تھی. اتفاق سے ایک روز وہ ایک خبیث مالدار کے کھیت میں جا کر چرنے لگی. گائے کو کھیت میں چرتے دیکھ کر اور گائے کے مالک کو کمزور پا کر اس ظالم مالدار نے اپنی چار پہیے کی گاڑی (ٹریکٹر) میں گائے کو باندھا اور اسے گھسیٹتے ہوئے انتہائی بے دردی کے ساتھ اپنے دروازہ پر لے گیا. گائے کی چمڑی گھسٹنے کی وجہ سے چھل چکی تھی اور اس کا جسم خون سے لت پت ہو چکا تھا. بالآخر اس ظالم کے دردناک عذاب کی تاب نہ لا کر گائے چلا چلا کر مر گئی لیکن اس ظالم کو بے منہ کے اس جانور پر ذرا سا بھی ترس نہ آیا!!

کیا ہی اچھا ہوتا کہ امت مسلمہ کے لوگ رسول اکرم ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے حیوانات کے ساتھ ویسا ہی طرز عمل اختیار کرتے جیسا کہ آپ ﷺ نے تعلیم دی ہے تا کہ اس طرز عمل پر جانوروں کی دعائیں بھی اس امت کے شامل حال ہو جاتیں!!

---

(۲۱) أبو داود: الجهاد/ في التحريش بين البهائم (۲۵۶۲). شیخ البانی نے ضعیف کہا ہے.

(۲۲) [صحيح] أبو داود: الجهاد (۲۵٦٤)، مسلم (۲۱۱٦).

رسول اکرم ﷺ کا طرزِ عمل مہمانوں کے ساتھ

اس دنیا میں ہر آدمی کسی نہ کسی کا کسی وقت مہمان ضرور بنتا ہے، اس لیے مہمان نوازی کو سوسائٹی کے نظام میں مبادلۂ اخلاق کا نام دینا زیادہ موزوں ہے. آج اگر ہم اپنے مہمان کے ساتھ حسنِ سلوک کریں گے تو کل وہ بھی ہمارے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا. مہمان نوازی کا تذکرہ گزشتہ آسمانی مذاہب کے اخلاق میں بھی ملتا ہے. سورۃ الذاریات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا تذکرہ آیا ہے. ارشاد باری ہے:

﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ إِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلامًا قَوْمٌ مُنْكَرُوْنَ فَرَاغَ إِلَى أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلاَ تَأْكُلُونَ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لاَ تَخَفْ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلاَمٍ عَلِيْمٍ﴾.

''اے میرے نبی! کیا آپ ﷺ کو ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے. جب وہ (مہمان) ان (ابراہیم علیہ السلام) کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کیا. ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا اور دل میں کہا کہ یہ اجنبی لوگ ہیں، پھر چپ چاپ جلدی جلدی اپنے گھر والوں کے پاس گئے اور ایک بھنا ہوا موٹا بچھڑا لے کر آئے، پھر اسے مہمانوں کو پیش کیا. ابراہیم علیہ السلام نے کہا: آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں ہیں؟ (جب دیکھا کہ وہ نہیں کھائیں گے) پھر تو دل ہی دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے. انہوں نے کہا: آپ خوف نہ کیجئے، اور انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو ایک ذی علم لڑکے کی بشارت دی''۔ [الذاریات: ۲۴، ۲۸]

اسلام نے مہمان نوازی کے اس فرض کو مزید اہمیت دیا؛ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ''.

''جسے اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت وتکریم

کرے"۔

اور چونکہ جب کوئی مہمان بنتا ہے تو بسا اوقات میزبان اپنے ضروری کام تک کو بھی چھوڑ کر مہمان نوازی کی خدمت انجام دیتا ہے؛ نیز اسے اپنے بہت سے ضروری کاموں میں بھی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں. پھر کسی کے ہاں بے وجہ مفت کھانا انسانی واسلامی غیرت کے منافی ہے. اس لیے ضرورت تھی کہ جہاں میزبان کو مہمان کی تعظیم وتکریم اور خاطر داری وتواضع کی ہدایت کی گئی ہے، وہاں مہمان کو بھی آگاہ کر دیا جائے کہ وہ بلا وجہ کسی دوسرے کے دسترخوان سے حد سے زیادہ فائدہ نہ اٹھائے. چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ نے حدیثِ مذکور کے اگلے حصہ میں یہ ارشاد فرمایا:

"مہمان کا جائزہ ایک دن رات ہے اور مہمانی تین دن کی ہے، اس سے زیادہ مہمان پر صدقہ ہے اور مہمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ میزبان کے یہاں اتنی مدت ٹھہر جائے کہ اس کو حرج (مشکلات وپریشانی) میں ڈال دے"(۱).

سنن ابن ماجہ میں حضرت مقداد سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لَيْلَةُ الضَّيْفِ وَاجِبَةٌ فَإِنْ أَصْبَحَ بِفِنَائِهِ فَهُوَ دَيْنٌ عَلَيْهِ فَإِنْ شَاءَ اقْتَضَى وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ".

"ایک شب کی مہمانی تو واجب ہے، پھر اگر مہمان کسی کے یہاں (ایک دن سے زیادہ) رک جائے تو مہمانی اس پر قرض ہے، چاہے تو وہ لے لے، چاہے تو چھوڑ دے"(۲).

رسولِ اکرم ﷺ بہت بڑے مہمان نواز تھے. آپ کی بارگاہ میں عرب کے مختلف اطراف اور صوبوں سے لوگ جوق در جوق آتے اور آپ خود بہ نفس نفیس ان مہمانوں کی خاطر داری وتواضع

(۱) بخاری: الأدب، إکرام الضيف (٦١٣٥)، مسلم: اللقطة، الضيافة ونحوها (باب:٣).

(۲) [صحيح] ابن ماجه: كتاب الأدب/ باب: حق الضيف (٣٦٧٧).

فرماتے تھے. جو لوگ بھی حاضر ہوتے آپ کے پاس بغیر کچھ کھائے پیئے واپس نہ جاتے تھے (۳).

بسا اوقات ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور آپ ﷺ کے گھر میں جو کچھ ہوتا وہ ان کی نذر ہو جاتا اور تمام اہلِ خانہ فاقہ کرتے. حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب میں نے ہجرت کی تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور میں اس وقت دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوا تھا. آپ ﷺ نے میرے لیے ایک بکری کا دودھ دوہا جسے اپنے اہلِ خانہ کی خاطر دوہا کرتے تھے. میں نے اس کا دودھ پیا، صبح ہوئی تو میں نے اسلام قبول کر لیا. صبح نبی کریم ﷺ کے اہلخانہ نے کہا:

"نَبِيتُ اللَّيْلَةَ كَمَا بِتْنَا البَارِحَةَ جِيَاعاً".

''ہم نے رات ویسے ہی بھوک کے عالم میں گزاری، جیسے کہ گزشتہ رات بھوک سے گزاری تھی''(۴).

نبی کریم ﷺ کے مہمان خانے میں کافر و مسلمان کا امتیاز نہیں تھا. مسلم و کافر سب ہی آپ ﷺ کا مہمان ہوتے اور آپ یکساں ان کی خاطر داری اور مہمان نوازی فرماتے. صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک کافر رسول اکرم ﷺ کا مہمان ہوا. رسولِ اکرم ﷺ کے حکم سے اس کے لیے ایک بکری دوہی گئی. مہمان نے اس کا دودھ پیا، پھر دوسری بکری دوہی گئی اس کا دودھ بھی اس نے پی لیا، پھر تیسری بکری دوہی گئی اور اس کا دودھ بھی وہ پی گیا. اسی طرح وہ ایک ایک کر کے سات بکریوں کا دودھ پی گیا. صبح ہوئی تو اس نے اسلام قبول کر لیا. رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے ایک بکری کا دودھ دوہنے کا حکم دیا، اس نے اس بکری کا دودھ نوش کیا، پھر آپ ﷺ کے حکم سے دوسری بکری دوہی گئی لیکن وہ اس دوسری بکری کا دودھ پورا

(۳) دیکھیے: شمائل ترمذی.

(٤) [صحيح لغيره] مسند أحمد: (٦/ ٣٩٧) رقم: (٢٧٧٦٩).

نہیں پی سکا. رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''الْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِي مِعًى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَشْرَبُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ''.

''مومن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں پیتا ہے''(۵).

جب اہل حبشہ کا وفد آیا تو آپ ﷺ نے خود اپنے ہاں ان کو مہمان اتارا اور خود بہ نفس نفیس ان کی خدمت کی(۶).

رسول اکرم ﷺ کی مہمان نوازی بالکل عام تھی اور آپ ہر حالت میں اپنے مہمان کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے تھے. حدیث کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی بھوک سے نڈھال ہو جاتا وہ آپ ﷺ کے ہاں مہمان بن جاتا اور آپ بھر پور ان کی خاطر تواضع فرماتے. حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اور میرے دو ساتھی اس قدر تنگ دست تھے کہ شدتِ بھوک سے ہماری سماعت اور بینائی جاتی رہی. ہم لوگوں نے خود کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر پیش کیا تاکہ وہ ہمیں کھانا کھلا دیں اور پیٹ کی آگ بجھا دیں، لیکن کسی نے ہماری طرف توجہ نہیں کی. چنانچہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے. آپ ﷺ ہمیں لے کر اپنے اہلِ خانہ کے پاس پہنچے اور وہاں تین بکریوں کو دکھا کر فرمایا کہ ان بکریوں کا دودھ پیا کرو. چنانچہ اس کے بعد ہم میں سے ہر شخص دودھ دوہ کر اپنا حصہ پی لیا کرتا تھا(۷).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے فقر و فاقہ کی درد انگیز داستان یوں بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن شدتِ بھوک سے نڈھال ہو کر شاہراہِ عام پر بیٹھ گیا. وہاں سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو میں نے ان سے قرآن کی ایک آیت کے متعلق دریافت کیا اور میرے پوچھنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں اور کھانا کھلا دیں. لیکن وہ گزر گئے اور

(۵) مسلم: الأشربة، المؤمن يأكل... (۲۰۶۳)، وبخاري: الأطعمة (۵۳۹۷) بلفظ: "يأكل".

(۶) الشفا بتعريف أحوال المصطفىٰ، قاضی عیاض.

(۷) خلاصہ از صحیح مسلم: الأشربة: إكرام الضيف وفضل إيثاره (۲۰۵۵).

میری حالت کی طرف کوئی توجہ نہیں کی. پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی وہاں سے گزر ہوا، لیکن ان کے ساتھ بھی کچھ ویسا ہی نتیجہ نکلا جو ابو بکر کے ساتھ پیش آیا تھا. اتنے میں نبی کریم ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا، آپ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور حقیقت حال کو بھانپ کر فرمایا: ''میرے ساتھ آؤ''. گھر پہنچے تو ایک دودھ کا پیالہ نظر آیا جو بطورِ ہدیہ کہیں سے آیا تھا، آپ نے دیگر اصحاب صفہ کو بھی بلوایا اور ہم سب کو دودھ پلایا(۸).

بسا اوقات ایسا ہوتا کہ کوئی آدمی رسول اکرم ﷺ کا مہمان بنتا لیکن آپ ﷺ کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا جو اسے کھلاتے. باری باری ازواجِ مطہرات کے پاس بھیجتے لیکن پانی کے سوا کچھ نہیں ملتا. پھر کسی صحابی کو مکلّف کرتے کہ وہ اس مہمان کی خبر گیری کرے، اور صحابہ کرام بھی اسی انتظار میں رہتے کہ آپ ﷺ کی کوئی خدمت کا موقع مل جائے، اس لیے وہ خود کھانے کے شدید احتیاج کے باوجود آپ ﷺ کے اعلانِ عام کو قبول کرنے میں پہل کرنے کی کوشش کرتے تھے. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا. آپ ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات کے پاس مہمان کے کھانے کا بندوبست کرنے کے لیے ایک آدمی کو بھیجا لیکن سبھوں کے پاس سے یہ جواب آیا کہ ہمارے پاس پانی کے سوا کچھ بھی کھانے کو نہیں ہے.

پھر رسولِ اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا:

''اس آدمی کی ضیافت کون کرے گا؟''.

ایک انصاری صحابی(۹) نے عرض کیا: میں اس کی مہمان نوازی کروں گا. چنانچہ وہ صحابی اس

---

(۸) دیکھئے بخاری: کتاب الرقاق (٦٤٥٢)، ترمذی: کتاب صفة القيامة (٢٤٧٧).

(۹) علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ ''الأدب المفرد'' کی تعلیق میں لکھتے ہیں: ''وہ صحابی ابو طلحہ ہیں جیسا کہ صحیح مسلم (٦/ ١٢٨) میں ہے اور یہی بات حافظ ابن حجر نے فتح الباری (٧/ ١٢٠) میں خطیب بغدادی کی اتباع کرتے ہوئے بالجزم کہا ہے. وہ کہتے ہیں: ''میرا گمان ہے کہ یہ ابوطلحہ وہ نہیں ہیں جو=

مہمان کو لے گئے اور بیوی سے کہا: رسول اللہ ﷺ کے مہمان کی خاطر تواضع کرو. بیگم نے کہا: ہمارے پاس صرف بچوں کے لیے کچھ کھانا ہے. صحابی نے کہا: کھانا تیار کر کے چراغ جلا دو اور بچے جب رات کا کھانا طلب کریں تو انہیں سلا دو. چنانچہ عورت نے کھانا تیار کیا، چراغ جلایا اور اپنے بچوں کو سلا دیا. جب مہمان کے لیے دستر خوان لگ گیا تو وہ چراغ درست کرنے کے بہانے کھڑی ہوئی اور اس وقفہ میں اس نے چراغ بجھا دیا، میاں بیوی نے مہمان کو یوں محسوس کرایا کہ وہ دونوں بھی اس کے ساتھ کھا رہے ہیں، حالانکہ دونوں نے بھوک ہی کی حالت میں رات گزاری. صبح ہوئی تو وہ صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے. آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم دونوں کے کام سے (یعنی مہمان کے کھلانے کے لیے تم میاں بیوی نے جو طرزِ عمل اختیار کیا اس سے) اللہ تعالیٰ نے تعجب کیا''.

اس موقع سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾.

''اور وہ خود اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں؛ گو خود کتنی ہی سخت حاجت ہو، بات یہ ہے کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہی کامیاب اور بامراد ہے'' [الحشر:۹] (۱۰).

غرض رسولِ اکرم ﷺ اپنے مہمانوں کا بہت ہی زیادہ خیال رکھتے تھے اور جو کچھ بھی ہوتا اس سے ان کی تواضع فرماتے تھے. آپ صرف کھانے پینے کی حد تک ہی اپنے مہانوں کا خیال نہیں رکھتے تھے، بلکہ ان کے دوسرے معاملات کا بھی خیال رکھتے تھے حتی کہ جب مہمان سو جاتے تو آپ ﷺ راتوں کو اٹھ اٹھ کر ان کی خبر گیری کرتے تھے (۱۱).

= زید بن سہل کے نام سے مشہور ہیں''. پھر حافظ ابن حجر نے آگے اپنے گمان کا سبب بیان کیا ہے.

(۱۰) بخاری: مناقب الأنصار (۳۷۹۸)، مسلم: الأشربة/ إكرام الضيف وفضل إيثاره (۲۰۵٤).

(۱۱) أبو داود: كتاب الأدب. اس سے آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کا پتہ چلتا ہے.

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل

مالداروں اور رئیسوں کے ساتھ

اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کے انسان پیدا کیے ہیں. ان میں کوئی خوبصورت ہے تو کوئی بدصورت، کوئی طویل القامت ہے تو کوئی پست قد، کوئی مالدار ہے تو کوئی غریب، کسی کے چہرے سے رعب ودبدبہ جھلکتا ہے تو کسی کے چہرے سے مسکنت ٹپکتی ہے. کوئی گفتگو میں اچھا ہوتا ہے لیکن اخلاقی اعتبار سے انتہائی پست ہوتا ہے، اس کے برعکس کسی کی گفتگو میں فطری مٹھاس نہیں ہوتی لیکن اخلاقاً وہ اپنے ماحول کا سب سے اچھا ہوتا ہے. غرض اس کائنات میں جتنے لوگ ملیں گے ان کی قسمیں بھی اتنی ہی ہوں گی. اس لیے ہم کسی کو فی نفسہ برا نہیں کہہ سکتے جب تک کہ اس کے اخلاق وعادات سے اس کی برائی کا پتہ نہ چل جائے، اور نہ ہی عزت ووقار کو کسی ایک گروہ کے ساتھ خاص کیا جا سکتا ہے. کیوں کہ اللہ کی نگاہ میں سب سے اچھا وہی ہے جو تقویٰ وپرہیز گاری میں سب سے بڑھ کر ہو. لہٰذا افضل ومفضول اور اچھے برے کی تمیز کا اگر کوئی معیار اسلام میں ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ سے متفرع ہے.

اسی لیے میں قارئین کرام سے گذارش کروں گا کہ گزشتہ صفحات میں آپ نے رسولِ اکرم ﷺ کے متعلق جو یہ پڑھا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے تئیں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی: ''الٰہی! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ، مسکین ہی موت دے اور قیامت کے دن مسکینوں ہی کے زمرے میں کر''[1] تو اس سلسلہ میں آپ کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ مالداروں کی اسلام میں کوئی اہمیت وحیثیت نہیں ہے؛ بلکہ اگر کوئی کروڑ پتی ہے اور اپنی مالداری کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس

(۱) تخریج کے لیے دیکھئے اسی کتاب کا صفحہ (۵۷)، حاشیہ (۱).

کا احسان سمجھتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں اپنی دولت لٹا رہا ہے؛ نیز تقویٰ شعاری و پرہیزگاری اختیار کیے ہوئے ہے تو پھر یہ کروڑ پتی مسلمان غریب وفقیر سے کہیں زیادہ اپنے نامہ اعمال میں نیکیاں اکٹھا کر رہا ہے. اس لیے رسول اکرم ﷺ نے جہاں فقراء ومحتاجین کی دلجوئی فرمائی ہے، وہیں مالداروں اور رئیسوں پر اللہ تعالیٰ کے احسان وکرم کو اچھی نگاہ سے دیکھا ہے، بشرطیکہ وہ اسلامی تعلیمات میں فقراء ومحتاجین سے کم تر نہ ہوں.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ فقرائے مہاجرین رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ مالدار اور اہلِ ثروت بہت ساری نیکیاں لے گئے (اور ہم سے نیکیوں میں سبقت کر گئے). آپ ﷺ نے پوچھا: ''بات کیا ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: وہ لوگ ہماری ہی طرح نماز وروزہ کے فرائض انجام دیتے ہیں، لیکن (مالدار ہونے کے سبب) وہ لوگ صدقہ وخیرات کرتے ہیں، جب کہ ہم نہیں کر پاتے اور وہ لوگ غلاموں کو آزاد کرتے ہیں جب کہ ہم نہیں کر پاتے (ہم خود ہی محتاج ہیں ایسا کیوں کر کر سکتے ؟).

یہ سن کر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''أَفَلاَ أُعَلِّمُكُمْ شَيْئًا تُدْرِكُونَ بِهِ مَنْ سَبَقَكُمْ وَتَسْبِقُوْنَ بِهِ مَنْ بَعْدَكُمْ وَلاَ يَكُوْنُ أَحَدٌ أَفْضَلَ مِنْكُمْ إِلاَّ مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ''.

''کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں کہ اس کے ذریعہ تم سبقت کرنے والوں کو پا لو اور اپنے بعد والوں سے آگے بڑھ جاؤ؟ اور تم سے افضل کوئی نہ ہو سکے، سوائے اس شخص کے جو تمہاری ہی طرح عمل کرے؟''.

ان لوگوں نے عرض کیا: ہاں، اے اللہ کے رسول! بتایئے. آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس (۳۳) بار تسبیح وتحمید اور تکبیر پڑھو''.

(یہ فرمان سن کر وہ لوگ خوشی خوشی اپنے گھروں کو لوٹ گئے). پھر یہ فقرائے مہاجرین (کچھ دنوں کے بعد) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہمارے مالدار

بھائیوں نے جب ہمیں ایسا پڑھتے سنا تو وہ لوگ بھی ایسا ہی پڑھنے لگے (یوں وہ لوگ تو ثواب میں ہم سے آگے ہی رہے؟)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ''.

''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے''(۲).

رسول اکرم ﷺ کی آمد سے قبل دولت مندی اور تمول کا مسئلہ ہمیشہ دنیا کے مذاہب میں ایک معرکۃ الآراء بحث کی حیثیت سے چلا آرہا تھا۔ یہودیوں کے مذہب میں نہ تو غربت وافلاس کو سراہا گیا اور نہ ہی دولتمندی کو حقارت کی نظر سے دیکھا گیا۔ یہودیت کے علاوہ بعض دوسرے مذاہب میں بھی یہی اصول رہا، مگر عیسائیت اور بدھ مذہب میں دولتمندی و مالداری کی پوری طرح سے تحقیر کی گئی۔ عیسائیوں کے مذہب میں دولت وثروت کو راہِ نجات کا کانٹا سمجھا جاتا تھا؛ بلکہ کوئی انسان نجات پا ہی نہیں سکتا تھا، جب تک کہ وہ اپنے پاس موجود سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا نہ دے۔ انجیل متی میں ہے کہ ایک نیکو کار مالدار آدمی نے حضرت مسیح علیہ السلام سے دریافت کیا کہ نجات کا راستہ کیا ہے؟ تو مسیح علیہ السلام نے جواب دیا:

''اگر تو کامیاب ہونا چاہتا ہے تو جا اور تیرے پاس جو کچھ ہے اسے بیچ کر غریبوں اور محتاجوں کو دے دے تاکہ آسمان میں تجھے خزانہ نصیب ہو، پھر آ کے میرے ساتھ ہو جا''۔

وہ مالدار یہ فرمان سن کر غمزدہ ہو گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پھر فرمایا:

''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ مالدار کا اللہ کی بادشاہت میں داخل ہونا بہت مشکل ہے؛ بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ دولت مند و مالدار کے بادشاہت میں داخل ہونے کے بہ نسبت اونٹ کا سوئی کے ناکہ سے گزر جانا آسان ہے''(۳).

بدھ مذہب نے ترکِ دنیا کی تلقین میں اس قدر شدت اختیار کیا کہ اس کے نزدیک آدمی کا

---

(۲) مسلم: المساجد/ استحباب الذکر .. (۵۹۵)، بخاری: الأذان(۸۴۳) قدرے اختلاف کے ساتھ۔
(۳) إنجیل متی ۱۶-۲۴.

ساری دولت لٹا دینا اور ہر قسم کی دولت سے پاک ہو جانا ہی پاکیزگی کی علامت ہے؛ گو اس مذہب نے کاسہ گدائی اور کشکول لے کر در در گھومنے کی تعلیم دی ہے. لیکن قربان جائیں نبی امی محمد ﷺ پر، جنھوں نے ان دونوں تعلیمات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا، اور اپنی امت کو تعلیم دی کہ حلال طریقہ سے آمدنی کے ذرائع پیدا کرنا اسلام میں محبوب و پسندیدہ عمل ہے. پھر تجارت میں بہ نفس نفیس شریک ہو کر آپ ﷺ نے اکتساب بھی کیا اور آپ کی لائی ہوئی شریعت چوں کہ ہر ایک کے لیے رحمت تھی اس لیے اس نے کسی کو اقتصادی زحمت میں نہیں ڈالا. آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک آدمی اپنی دولت و ثروت کو دوسروں کی طرف منتقل کر کے خود کنگال بن کر اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا حقدار بن جائے اور دوسروں کو اس سے دور کر دے؟ کیوں کہ اگر دولت ایسی ہی بری چیز ہے تو اس کو دوسروں کی طرف منتقل کرنا خیر خواہی نہ ہوئی، بلکہ یہ تو دھوکا ہوا. اور اگر غربت کوئی برائی ہے تو اپنا سب کچھ دوسروں کو دے کر خود اسی زمرے میں آ جانا کہاں کی دانشمندی ہوئی؟!

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق جس طرح غربت ومحتاجی کوئی عیب نہیں ہے، اسی طرح مالداری بھی کوئی عیب نہیں ہے!! نہ نفس غربت شیطان کو فرشتہ بناتی ہے اور نہ نفس دولت فرشتہ کو شیطان بناتی ہے!! جس طرح غربت اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات قبول کر کے نیکیاں اکٹھا کرتی ہے اسی طرح دولت مندی بھی اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کا جھنڈا لہرانے میں بڑی مددگار ثابت ہوتی ہے!! جس طرح دولت مندی دنیا میں سیکڑوں سیہ کاریوں کو جنم دیتی ہے اسی طرح غربت بھی ہزاروں جرائم کا محرک ہے!! جس طرح دولت کے نشہ میں سیکڑوں میل کا فاصلہ طے کر کے ہزاروں فٹ کی بلندی سے امریکی خونخوار بھیڑیے B52 کے ذریعہ افغ[illegible] عراق کے مظلوم عوام کا خون پانی کی طرح بہاتے ہیں اسی طرح غربت وافلاس سے تنگ آ کر بنگلا دیش، سوڈان اور افریقہ جیسے غریب ممالک کے بہت سارے لوگ گانجا، چرس، افیون کے کاروبار اختیار کر کے دن 10

رات اللہ اور رسول کی تعلیمات کی خلاف ورزی کرتے ہیں!! جس طرح دولت مندی نے رشوت وسود خوری کا بازار گرم کیا ہوا ہے اسی طرح غربت وافلاس کے سبب لوگ حرمین شریفین جیسے مقدس مقامات پر حجاج ومعتمرین جیسے اللہ کے مہمانوں کی جیبیں کاٹنے میں مصروف ہیں!! جس طرح دولت مندی نے انسانیت کا جنازہ نکال کر انسانوں کے گردوں کی عالمی تجارت کو فروغ دیا ہے اسی طرح غربت وافلاس نے غریبوں ومسکینوں کو جسم کے دو گردوں میں سے ایک گردہ بیچ دینے پر آمادہ کیا ہے!! اور جس طرح دولت مندی نے بے خودی کی راہیں ہموار کی ہے اسی طرح غربت وافلاس نے بھی خود داری کا جنازہ نکال کر 'كاد الفقر أن يكون كفراً' کی عملی تعبیر بننے میں اہم کردار ادا کیا ہے!!.. اسی لیے کسی کے معیار زندگی کا اندازہ اس کے کردار وافعال سے لگایا جائے گا نہ کہ اس کی امیری وغریبی سے.

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعدد مقامات پر دولت کو خیر اور فضل سے تعبیر کیا ہے اور جس طرح جانوں سے جہاد کا حکم دیا ہے اسی طرح مالوں سے بھی جہاد پر ابھارا ہے؛ بلکہ کہیں تو مال کو جان پر مقدم کر کے بیان کیا ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللَّهِ وَرَسُوْلِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيْلِ اللَّهِ أُوْلٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ﴾.

''بے شک مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر شک میں مبتلا نہیں ہوئے اور اپنے مال ودولت اور اپنی جانوں کے ذریعہ اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی لوگ سچے ہیں''۔ [الحجرات: ۱۵]

مالداروں اور رئیسوں کے لیے اسلام میں نیکیاں لوٹنے کا آسان راستہ مہیا کیا گیا ہے، اور اسی لیے رسولِ اکرم ﷺ نے صرف دو ہی چیزوں میں حسد (رشک) کرنے کی اجازت دی ہے؛ جب کہ حسد اسلام میں حرام ہے. چنانچہ صحیح بخاری ومسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لاَ حَسَدَ إِلَّا فِيْ اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالاً فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا''(۴).

''حسد (رشک، غبطہ) صرف دو ہی چیزوں میں درست ہے: ایک وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے مال سے نوازا ہے جو حق کی راہ میں اسے لٹاتا ہے اور دوسرے وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت (علم) سے نوازا ہے، جو اسی کے مطابق فیصلہ کرتا اور اس کی تعلیم دیتا ہے''.

عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ امراء ورؤساء اپنے مالکِ حقیقی کا حق فراموش کر دینے کے سبب اپنے تیئں سب کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں جس کی وجہ سے تکبر، گھمنڈ، حسد، ظلم اور ان ہی جیسی دیگر غیر اسلامی صفات کا مجموعہ بن جاتے ہیں. جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ زمین میں فتنہ وفساد اور ظلم وطغیانی کی بالا دستی میں ان کا برابر کا حصہ ہوتا ہے، اور پھر آخر کار ان کی دولت وثروت ان کی تباہی وبربادی کا سبب بنتی ہے. جب مالدار اس ذہنیت کا حامل ہو جائے تبھی اس سے غیر اسلامی افعال رونما ہوتے ہیں؛ ورنہ جو مالدار اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق بجا لائیں اور شرعی تعلیمات کے فروغ میں اپنی دولت وثروت لگا دیں تو ایسے مالداروں کی تعریف آئی ہے اور ان کی طرح بننے کی بھی اجازت ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے.

یہ دولت بندے پر اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے. اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے مالا مال ہو جاتا ہے تو پھر اسے فخر وغرور کے شکنجے میں گرفتار ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ تواضع وانکساری اختیار کرنے کی ضرورت ہے. قارون بھی اس دنیا میں وقت کا سب سے بڑا مالدار گزرا ہے جس کے بارے میں آتا ہے کہ اس کے خزانوں کی کنجیاں کئی کئی جماعت ڈھوتی تھی. ایک مرتبہ جب وہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ نکلا تو لوگ اس کی عیش بھری زندگی دیکھ کر عش عش کرنے لگے، لیکن جب اس نے اللہ کی دی ہوئی دولت وثروت کو اپنی محنت وذہانت کی پونجی بتا کر فخر وتکبر کا رویہ اختیار کیا تو اس کو اللہ تعالیٰ نے ایسی سزا دی کہ قیامت تک وہ زمین کے اندر

(٤) بخاری: العلم/ الاغتباط فی العلم.. (٧٣)، مسلم: الصلاۃ/ فضل من یقوم بالقرآن (٨١٦).

دھنستا ہی جائے گا. اس کی یہ سزا دیکھ کر وہی لوگ جو کچھ مدت پہلے اس کی زندگی پر عش عش کر رہے تھے، اپنی رائے سے مکر کر تواضع وخاکساری کی زندگی کی مدح سرائی کرنے لگے (۵).

اب ذرا آج کے لوگ اپنی دولت وثروت کا مقابلہ قارون کے خزانوں سے کریں. یقیناً اس کے آگے اِس زمانے کی مالداری کی مثال طاقت میں ہاتھی اور چیونٹی کی طرح ہوگی. جب قارون اللہ کی پکڑ کا مقابلہ نہیں کر سکا تو بھلا آج کے مالداروں کی کیا حیثیت؟! اس لیے مالداروں کو رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی ہے کہ وہ اس نعمت کے ذریعہ فقراء ومساکین اور اَیتام وبیوگان وغیرہم کی خدمت کریں اور اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی دولت کی بازی لگا دیں. خود رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

''لَوْ كَانَ لِيْ مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِيْ أَنْ لاَ تَمُرَّ عَلَيَّ ثَلاَثُ لَيَالٍ وَعِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ، إِلَّا شَيْئًا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ''.

''اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہوتا تو مجھے اس بات سے خوشی ہوتی کہ تین راتوں سے پہلے پہلے ہی اسے (اللہ کی راہ اور اس کے بندوں کی امداد میں) خرچ کر دوں، صرف اس میں سے اتنا ہی باقی رکھوں، جس سے قرض ادا ہو سکے''(٦).

مدنی زندگی میں جب اسلام نے زور پکڑا اور مشرق ومغرب میں علاقے پر علاقے فتح ہوتے گئے تو مدینہ طیبہ میں رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں دولت وثروت کا انبار لگ گیا. آپ ﷺ نے دل کھول کر ان سارے اموال کو اللہ کی راہ میں لٹا دیا اور مانگنے والوں کو کبھی ''نا'' نہیں کہا. ایک ایک آدمی کو سیکڑوں سیکڑوں اونٹ سے آپ نے نوازا، کسی کو اتنی اَراضی عطیہ کر دی جتنی دور تک وہ اپنا گھوڑا دوڑا سکا.

دولت وثروت کو اللہ کی راہ میں لٹانے کے متعلق آپ ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات ہی کا

(٥) اس قصہ کی تفصیل سورۂ قصص آیات (٧٨-٨٢) میں مذکور ہے.

(٦) بخاري: الرقاق/ قول النبي ﷺ ما يسرني.. (٦٤٤٥)، مسلم: الزكاة/ إرضاء السُّعاة (٩٩١).

نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام نے دل کھول کر اپنے مالوں کے ذریعہ اسلام کی سر بلندی میں حصہ لیا. کسی نے رومہ نامی کنویں کو منہ مانگی رقم سے خرید کر مسلمانوں کے لیے عام کر دیا تو کسی نے ایک آواز نبوی پر سونے کی تھیلی آپ ﷺ کے قدموں میں لا کر رکھ دی. کسی نے غلاموں کی آزادی میں اپنی ساری دولت خرچ کر دی تو کسی نے کمزور مسلمانوں کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لیے اپنی محنت کی ساری کمائی کو داؤ پر لگا دیا. تاریخ دسیر کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ سارے صحیح واقعات مخفی نہیں ہیں.

کیا آج کے اہلِ ثروت مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کی قربانی سے اتنی چڑ ہوگئی ہے کہ وہ اپنی دولت کو سودی لین دین کرنے والے بینکوں میں رکھ کر اپنی پونجی میں روز افزوں اضافہ کی فکر میں لگے ہوئے ہیں؟ جب کہ اِس وقت اہل ثروت مسلمانوں کے لیے از حد ضرورت ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں آگے آئیں اور اپنی دولت کا کچھ ہی نہیں بلکہ بھاری حصہ اللہ کے راستے میں خرچ کریں، جس طرح کہ عیسائیوں نے اپنی آمدنی کا کچھ حصہ اپنے دین کی تبلیغ واشاعت کے لیے مخصوص کر رکھا ہے. آج اسلام کے روشن چراغوں نے دنیا کے چپے چپے میں روشنیاں پھیلا دیے ہیں، جگہ جگہ اسلامی مدارس وجامعات اور چھوٹے بڑے مکاتب کھل رہے ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کو کافی فائدے ہو رہے ہیں اور دوسرے لوگ بھی اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں. ایسی صورت میں مسلم امراء ورؤساء کو جلد سے جلد میدان میں آکر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں حصہ لینے کی ضرورت ہے تاکہ وہ رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ایک مخلص رئیس ومالدار بن کر خادم الاسلام والمسلمین کے لقب سے ملقب ہوسکیں اور جنت میں اپنا محل تعمیر کرسکیں.

رسول اکرم ﷺ نے ان رئیسوں ومالداروں کے متعلق ہمیشہ خیر خواہانہ الفاظ استعمال کیے ہیں جنھوں نے اپنی دولت وثروت کو فی سبیل اللہ خرچ کرنا اپنا شیوہ بنایا ہوا تھا. رسول اکرم ﷺ

کے سب سے بڑے ہمدرد وغمگسار بلکہ اس دنیا میں آپ کے سب سے زیادہ محبوب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک بہت بڑے تاجر تھے، لیکن جب انہوں نے مکتب اسلام میں اپنا داخلہ لیا تو اپنی ساری دولت وثروت کو اللہ کی راہ میں آنکھیں بند کر کے لٹا دیں. اس رئیس و مالدار شخص کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر میں دنیا میں کسی کو خلیل بناتا تو وہ حضرت ابوبکر ہیں لیکن اللہ میرا خلیل ہے. ایسے ہی حضرت عمر، حضرت عثمان، سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ اور عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ اصحابِ رسول بھی اپنی دولت میں ہمیشہ اسلام کا حصہ مقدم رکھتے تھے، جو کہ رسول اکرم ﷺ کے محبوب ترین صحابہ تھے. اس کے برعکس وہ رؤساء جنھوں نے دائرہ اسلام میں پناہ نہیں لی، انہیں رسول اکرم ﷺ کبھی بھی خاطر میں نہیں لائے اور نہ ہی کبھی ان سے مرعوب ہوئے. کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ ﷺ نے فقراء ومحتاجین پر رؤساء واغنیاء کو مقدم کیا ہو؛ بلکہ جو طرزِ عمل آپ بڑوں اور مالداروں کے ساتھ اختیار کرتے تھے بعینہ وہی طرزِ عمل آپ ایک معمولی اور غریب انسان کے ساتھ بھی اپناتے تھے. بڑے بڑے اصحاب کی موجودگی میں لشکر اسامہ کی روانگی کا حکم دینا اور ایک معمولی غلام کے صاحبزادے کو امیر لشکر متعین کرنا ہمارے قول کی مضبوط دلیل ہے. آج ہمارے معاشرے میں مالداروں اور رئیسوں کے لیے جو اسپیشل خصوصیات وامتیازات ہیں، دورِ نبوی میں ان کا کوئی وجود تو درکنار، تصور تک بھی نہ تھا، اس لیے حق وناحق کا فیصلہ کرنا اس وقت آسان تھا بہ نسبت آج کے.

فتح مکہ کے موقع پر مالدار خاندان کی ایک شریف زادی نے جب چوری کا ارتکاب کیا تو رسول اکرم ﷺ نے اس کا بھی ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ صادر فرمایا اور اس معاملہ کو رفع دفع کرنے کی غرض سے چند لوگوں کے کہنے پر جب رسول اکرم ﷺ کے چہیتے حضرت اسامہ بن زید نے آپ کی خدمت میں سفارش کی تو انہیں ڈانٹ پلائی اور فرمایا:

"أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدودِ اللَّهِ؟".

"کیا تم اللہ کے حدود میں سفارشی بن کر آئے ہو؟".

چنانچہ آپ ﷺ نے چوری کرنے والی اس عورت کی خاندانی شرافت کی کوئی پرواہ نہیں کی اور اس کا ہاتھ آپ کے حکم سے برسرِ عام کاٹ دیا گیا(۷).

معلوم ہوا کہ ناجائز کاموں کا مرتکب خواہ کتنا ہی بڑا رئیس و مالدار کیوں نہ ہو، رسول اکرم ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات کے مطابق وہ مجرم ہے مجرم!! اور اسے کیفر کردار تک پہنچانا حکمراں پر فرض ہے.

اس موضوع کے اختتام سے پہلے مالداروں اور رئیسوں کی توجہ ایک اہم بات کی طرف مبذول کرانا چاہوں گا کہ عموماً دیکھا یہ جاتا ہے کہ یہ مالدار لوگ اپنی دولت کے نشے میں اپنے شباب کے ایام میں تو اللہ اور اس کے رسول کے حقوق کو بالکل ہی فراموش کیے بیٹھے ہوتے ہیں مگر جونہی ان کی جوانی ڈھلتے ڈھلتے بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہوتی ہے، وہ صدقات وخیرات کی طرف متوجہ ہونے لگتے ہیں. حالاں کہ گرچہ اس وقت کے صدقات وخیرات پر نیکیاں مرتب ہوتی ہیں مگر ان میں وہ مزہ کہاں، جو جوانی کے ایام میں کیے جائیں؟! کیوں کہ رسول اکرم ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات کے مطابق وہ اعمال وافعال عند اللہ زیادہ مقبول وقابل ستائش ہیں جو جوانی اور صحت کے ایام میں انجام دیے جائیں اور شاید اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے طاقتور مومن کو کمزور مومن پر ترجیح دی ہے اور فرمایا ہے:

"الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ".

''طاقتور مومن اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے، اور ان دونوں ہی میں خیر وبھلائی ہے''(۸).

اسی لیے مالداروں کو چاہیے کہ وہ جوانی اور صحت کے ایام میں جس قدر زیادہ ہو سکے، اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں کیوں کہ آدمی کی اصل دولت تو وہی ہے جو اس نے اپنی

(۷) تخریج کے لیے دیکھئے: صفحہ (۳۳۵)، حاشیہ (۵).

(۸) مسلم: كتاب القدر (باب: ۸، رقم: ۲٦٦٤)

زندگی میں اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا، اس کی دولت کا جو بھی حصہ باقی رہے گا وہ تو اس کے ورثہ کا ہے، اس کا تو اس میں کوئی حق وحصہ نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''يَقُوْلُ الْعَبْدُ: مَالِي مَالِي، إِنَّمَا لَهُ مِنْ مَالِهِ ثَلَاثٌ: مَا أَكَلَ فَأَفْنَى، أَوْ لَبِسَ فَأَبْلَى، أَوْ أَعْطَى فَاقْتَنَى، وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ''.

''بندہ میرا مال میرا مال کہتا ہے، اس کے مال میں سے اس کا تو تین ہی حصہ ہے: ① جو کھا کر ختم کر دیا ② یا جو پہن کر بوسیدہ کر دیا ③ یا جو صدقہ کر کے ذخیرہ اندوز کر لیا۔ اس کے علاوہ کو تو وہ دوسرے (ورثہ) کے لیے چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہونے والا ہے''۔(۹)

حضرت مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ ﷺ یہ آیت پڑھ رہے تھے: ﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ ''لوگو! کثرت کی چاہت نے تمہیں اللہ کی یاد سے غافل کر دیا ہے''۔ [التکاثر:۱]

پھر فرمانے لگے:

''يَقُولُ ابنُ آدمَ! مَالِي مَالِي، وهَلْ لَكَ يَا ابْنَ آدمَ مِنْ مَالِكَ إِلَّا مَا أَكَلْتَ فأفْنَيْتَ، أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ، أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ؟''.

''ابن آدم کہتا ہے: میرا مال، میرا مال، اے ابن آدم! کیا تیرا اپنا مال اس کے سوا بھی کچھ ہے جو تو نے کھا کر ختم کر دیا، یا جو پہن کر بوسیدہ کر دیا، یا جو صدقہ کر گزرا؟''(۱۰)

اسی لیے آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنی خوشحال زندگی کے دور میں ہی اپنی دولت وثروت سے غریبوں ومسکینوں اور ضرورت مندوں کی خدمت کر کے اللہ کے نزدیک اپنی جنت کا ریزرویشن کرا لے، ورنہ:

آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

(۹) مسلم: کتاب الزھد والرقائق (۲۹۵۹)۔ (۱۰) مسلم: کتاب الزھد والرقائق (۲۹۵۸)۔

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل
دینی ذمہ داران کے ساتھ

ویسے تو ہر شخص مسئول وذمہ دار ہے. جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث ہے:

''كُلُّكُمْ رَاعٍ فَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالأَمِيْرُ الَّذِى عَلَى النَاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهَوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ، وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ، وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُ، أَلاَ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُم مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ''(۱).

''تم میں سے ہر کوئی مسئول وذمہ دار اور نگراں ہے. اس سے اس کی رعیت (ماتحتی میں رہنے والوں) کے متعلق (قیامت کے دن) پوچھ گچھ ہوگی. لوگوں کا امیر (حکمراں) جو لوگوں کا ذمہ دار ونگراں ہے، اس سے عوام الناس کے متعلق پوچھا جائے گا (کہ ان کے حقوق کا کس قدر تم نے خیال رکھا). آدمی اپنے اہل خانہ کا ذمہ دار ونگراں ہے، اس سے اس کے اہل خانہ کے متعلق پوچھا جائے گا. عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی ذمہ دار ونگراں ہے، اس سے ان کے متعلق دریافت ہوگا اور غلام اپنے آقا کے مال وجائداد کا ذمہ دار ونگراں ہے، اس سے اس (جائداد) کے متعلق دریافت ہوگا (کہ آیا اس نے اپنے دیے گئے حق کے مطابق ہی اپنی خدمت انجام دی، یا اس میں ناجائز تصرف سے کام لیا). آگاہ ہو جاؤ! تم میں سے ہر کوئی ذمہ دار ونگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت (نگرانی میں رہنے والوں) کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی''.

لیکن یہاں مسئولین وذمہ داران سے صرف وہی لوگ مراد ہیں جنہیں دنیا ''دینی ذمہ داران''

(۱) بخاری: العتق/ کراهية التطاول.. (۲٥٤٤)، مسلم: الإمارة/ فضيلة الإمام العادل.. (۱۸۲۹).

کے نام سے جانتی ہے. خصوصیت کے ساتھ اس عنوان کا انتخاب اس لیے کیا گیا ہے، کیونکہ موجودہ دور میں دینی خدمات انجام دینے والے امت کے چند خیر خواہوں اور دینی ذمہ داران کے اندر ایسی کوتاہیاں آ گئی ہیں جنہیں وہ اپنے تئیں دین کی خدمت کے لیے روا شمار کرنے لگے ہیں. حالاں کہ وہ ان کے حق میں بھی اور ان کی ماتحتی میں رہنے والے افراد کے حق میں بھی- جو یہ سب دیکھ کر خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں- زہر ہلاہل ہے.

بخاری و مسلم میں حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن لتبیہ نامی ایک شخص کو قبیلۂ بنی سلیم کے صدقات کی وصولی کا ذمہ دار بنایا. جب وہ شخص صدقات کی وصولی کے بعد آیا تو آپ ﷺ نے اس کا حساب لیا. اس نے حساب پیش کرتے وقت کہا: یہ آپ لوگوں کا مال ہے اور یہ ہدیہ ہے جو مجھے ملا ہے.

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''فَهَلَّا جَلَسْتَ فِي بَيْتِ أَبِيكَ وَأُمِّكَ حَتَّى تَأْتِيَكَ هَدِيَّتُكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا''.

''اگر تم سچے ہو تو پھر اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھ کر کیوں نہیں دیکھتے کہ کیا تمہارے پاس ہدیہ آتا ہے؟''.

پھر آپ ﷺ نے مجمع عام کو خطاب کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا:

''اما بعد! اللہ تعالیٰ نے مجھے جس کام کے لیے مکلّف کیا ہے میں اس کام کے لیے تم میں سے کسی کو ذمہ دار بنا کر بھیجتا ہوں، پھر وہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مال تمہارا ہے اور یہ مال مجھے ہدیہ دیا گیا ہے. آخر وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھتا، پھر دیکھتا کہ کہاں سے اس کو ہدیہ آ جاتا ہے؟ اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی بھی بلاحق کچھ (معمولی چیز) بھی لے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس چیز کو اٹھائے ہوئے ملے گا. میں تم میں سے ضرور اس شخص کو پہچان لوں گا جو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ ایک اونٹ لیے ہوگا جو آواز کر رہا ہوگا، یا گائے لیے ہوگا جو ڈکار رہی ہوگی یا بکری لیے ہوگا جو چلا رہی ہوگی''.

پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو اس قدر اونچا اٹھایا کہ بغل کی سفیدی دکھائی دینے لگی اور فرمایا:

"اللَّهُمَ هَلْ بلَّغْتُ".

"اے اللہ! میں نے پیغام پہنچا دیا"(۲).

صدقہ وزکاۃ کی وصولی کرتے وقت ایک شخص کو اگر ہدیہ مل جائے اور اسے وہ بیت المال میں جمع کرنے کے بجائے اپنے تصرف میں رکھ لے تو اس کے لیے رسولِ اکرم ﷺ کی اتنی سخت گرفت ہوئی ہے اور اس پر عذاب کی وعید بھی آپ نے سنائی ہے. تو پھر اس شخص کا کیا حشر ہونا چاہئے جس کو امت کے غیور لوگ دینی خادم اور امت کا خیر خواہ سمجھ کر اپنے خون پسینہ سے کمائے ہوئے مال وجائداد کے ذریعہ تعاون پیش کرتے ہیں تاکہ اسے مستحقین کے کاموں میں خرچ کیا جائے، لیکن وہ دینی ذمہ دار اس میں سے کچھ اپنے مصرف میں استعمال کر بیٹھتا ہے؟ اور اس سے بڑھ کر بڑا مجرم تو وہ ہے جو کسی مدرسہ یا اسلامک انسٹی ٹیوٹ کے نام پر چندہ وصول کرکے اسے حرام اور غیر شرعی تجارت میں استعمال کرے، یا اپنے اور اپنی اولاد کے لیے بینک بیلنس کرے اور اپنی رہائش کے لیے بلڈنگ تعمیر کرائے وغیرہ وغیرہ. اگر کوئی ایسا کرتا ہے (اور ایسے مجرمین ہیں جو پکڑے بھی گئے ہیں اور بعض حیلہ سازی سے اپنا الو سیدھا کر کے سیدھے سادے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں) تو پھر اسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہئے اور اللہ تعالے کے سامنے جواب دہی کے لیے تیار رہنا چاہئے، اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے اس واقعہ سے عبرت پکڑنی چاہیے کہ ایک روز جب وہ بیت المال کی زیارت کو تشریف لے گئے تو ان کی ناک میں خوشبو پہنچی؛ چنانچہ انہوں نے ناک بند کر لی، لوگوں نے پوچھا: امیر المومنین! آپ نے ناک کیوں بند کر لی؟ آپ نے فرمایا:

"أَخْشَى أَنْ يَسْأَلَنِيَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِمَ شَمَمْتَهُ طِيْبَ الْمُسْلِمِيْنَ فِي بَيْتِ الْمَالِ؟".

---

(۲) بخاری:الحیل،احتیال العامل لیُهدی..(۶۹۷۹)، مسلم:الإمارة/ تحریم هدایا..(۱۸۳۲).

''مجھے خدشہ ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مجھ سے پوچھ نہ بیٹھے کہ تم نے بیت المال کے اندر مسلمانوں کی خوشبو کیوں سونگھی؟''.

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس میدان میں اچھے اور امانت دار لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے بلکہ اکثر لوگ امانت دار ہیں (۳). اگر ان سے بھی بعض کوتاہیاں انجانے میں سرزد ہو جاتی ہیں تو وہ اس کے لیے مسئول وذمہ دار نہیں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ''استطاعت بھر اللہ سے ڈرو''۔ [التغابن:١٦]

انجام بد تو ان کے لیے ہے جو جان بوجھ کر اس غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں.

بعض لوگوں کی زبانی یہ بھی سنا جاتا ہے کہ چلو کیا حرج ہے اگر کوئی چندہ وصول کر کے امت کے طلبہ کو تیار کر رہا ہے یا امت کے نادار لوگوں کی خدمت کر رہا ہے، تو کچھ اپنا بھی بنا لے؟ کم سے کم امت کی خدمت تو ہو رہی ہے، امت سے دینی افراد تو تیار ہو رہے ہیں؟! حالاں کہ یہ نظریہ صحیح اسلامی تعلیمات کے بالکل منافی ہے. بھلا جو شریعت زکاۃ وصدقات کی وصولی کے دوران ملنے والے ہدیہ کو بھی بیت المال کا جزو قرار دیتی ہو اور اس کے استعمال کرنے والے کو وعید سناتی ہو، اس کے اندر اس بات کی گنجائش کیوں کر ہو سکتی ہے کہ کوئی دین کے نام پر امت کے مالی تعاون کا غلط استعمال کرے؟ جہاں تک دین اور امت اسلامیہ کی خدمت کا تعلق ہے تو یہ دین اللہ تعالیٰ کا ہے، اس کی حفاظت وصیانت کی ذمہ داری خود اس کے اوپر ہے نہ کہ کسی دین کے نام پر غیر شرعی کارگزاری کرنے والے فرد پر!! عبدالمطلب نے ابرہہ کے لشکر سے

(۳) بھلا اس شخص کی قربانی کون بھلا سکتا ہے جس نے ایک معتبر اور کامیاب مدرسہ کا ذمہ دار ہوتے ہوئے اور اس کے مال وجائداد کے بہت سے حصوں کو اپنی جیب میں رکھ کر خرچ کرنے کے باوجود بھی اپنی تنخواہ میں اضافہ کرنے والے ان اراکین مدرسہ کی تجویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، جنھوں نے اس مجاہد ذمہ دار کے گھریلو حالات کا جائزہ لے کر اس کی تنخواہ میں اضافہ کی بات رکھی تھی. اللہ کی قسم! ایسے دینی ذمہ داروں کی کمی نہیں ہے جو رات دن محنت ومشقت برداشت کر کے امت اسلامیہ کی خدمت انجام دے رہے ہیں. بھلے ہی لوگ ان کے بارے میں اناپ شناپ بکیں اور جھوٹا الزام لگائیں.

صرف اپنا مال (اونٹ وغیرہ) ہی طلب کیا تھا اور جب خانہ کعبہ کے تحفظ کی بات آئی تو صاف طور پر یہ کہہ دیا کہ یہ جانور ہمارے ہیں، اس لیے انہیں ہمارے حوالے کر دو، رہی بات خانہ کعبہ کی تو وہ اللہ تعالیٰ کا ہے؛ چاہے تو اس کی حفاظت کرے چاہے تو مسمار ہونے دے، اور بالآخر خانہ کعبہ کی اللہ تعالیٰ نے تحفظ فرمائی جس کا واقعہ قرآن کریم کی سورۃ الفیل میں موجود ہے.

اس لیے ان لوگوں کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں، جن کے ذہن ودماغ میں اس قسم کا حیلہ بہانہ ہے کہ چلو دین کی خدمت تو ہو رہی ہے، بھلے ہی گھوٹالہ اسکینڈل کی فہرست میں نام آجائے. کہیں ایسا نہ ہو کہ اس نظریہ کے حاملین رسولِ اکرم ﷺ کی اس حدیث کے زمرے میں شامل ہو جائیں اور انہیں احساس تک نہ ہو، جس میں میدانِ جہاد کے اندر کفار کی گردنوں کو کاٹ کر انبار لگا دینے والے شخص کے متعلق صحابہ کرام کی زبانی تعریفی کلمات سننے کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

''أَنَّهُ لا يَدْخُلُ الجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ، وَأَنَّ اللَّهَ يُؤَيِّدُ هَذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الفَاجِرِ''.

''مسلمان کے علاوہ کوئی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا، اور اللہ تعالیٰ تو فاجر شخص کے ذریعہ بھی اس دین کو استحکام بخشے گا''(۴).

دین اور امت اسلامیہ کی خدمت اگر اخلاص وللّٰہیت، تقوی وپرہیز گاری اور رسولِ اکرم ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو تو بلا شبہ یہ قابلِ مبارکباد اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں محبوب کام ہے. لیکن جہاں شیطان کے بہکاوے میں الٹی سیدھی تاویل کے ذریعہ دین کے نام پر وصول کیے گئے مال میں من مانی کرنے اور اسے اپنے فائدے میں تصرف کرنے کی حیلہ سازی کی گئی، وہاں یہ دین کی خدمت نہیں؛ بلکہ خود دینی ذمہ داران کے حق میں یہ وبالِ جان ہے. آخرت میں قدم قدم پہ انہیں جواب دینا پڑے گا اور اس کا بڑا دردناک خمیازہ بھگتنا پڑے گا.

فَاعتَبِرُوا يَا أُولِي الأَلْبَابِ.

(٤) مسلم: الإيمان، غلظ تحريم قتل الإنسان (١١١)، بخاري: المغازي، غزوة خيبر (٤٢٠٣).

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل
بندر کے گلے میں موتیوں کا مالا پہنانے والوں کے ساتھ

لگتا ہے کہ مذکورہ بالا عنوان کو انسانی زندگی سے اس قدر انسیت ہے کہ تقریباً ہر دور میں رعایا کے امور کی نگرانی ونگہبانی کرنے والوں میں اس کا عنصر خاطر خواہ طور پر پایا گیا ہے؛ البتہ رسول اکرم ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین کے عہد میں یہ مرض نہیں پنپ سکا، لیکن بعد کے زمانوں میں ایمان کی کمزوری کے سبب حرص وطمع کی فضا پیدا ہوگئی اور اس کے بعد بندر کے گلے میں موتیوں کا مالا پہنانے والوں کا اٹوٹ سلسلہ چل پڑا. کافروں اور بے دینوں سے بحث نہیں یہاں تو اپنوں ہی کے اخلاق وکردار اس قدر شریعت سے دور ہو گئے کہ کافر بھی دیکھ شرم کریں. خودغرضی واپنائیت، حرص وطمع اور بے خودی وبے ایمانی نے مسلم ذمہ داروں کو اس قدر پست ذہنیت کا مالک بنا دیا کہ ان کی فکر غیر اسلامی بلکہ اسلامی تعلیمات سے زبردست متصادم ہوگئی اور انہوں نے مسلم رعایا کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھوں میں تھمانا شروع کیا جن کو نہ تو اسلام کی تعلیمات کا کوئی پاس ولحاظ تھا اور نہ ہی امت مسلمہ کے مستقبل کی کوئی فکر!!

حقیر اور ذلیل لوگوں کو عزت دی گئی، رذیلوں کو شریفوں کی پوشاک پہنا کر انہیں شرافت کا علمبردار بتایا گیا، نالائقوں کے ہاتھ میں امت اسلامیہ کی باگ ڈور دے کر ان کی بے جا تعریفیں کی گئیں، جو لوگ مسجدوں کی بجائے صبح وشام میخانوں کا چکر لگاتے تھے انہیں امت کا خیرخواہ باور کرانے کی کوشش کی گئی، جنہوں نے رقص وسرود کی محفلیں گرم کیں انہیں رسول اکرم ﷺ کے محبین کے لقب سے نوازا گیا اور جنہیں اسلامی تعلیمات سے کچھ سروکار نہیں انہیں حکیم الامت اور مفتیِ زماں کی کرسی پر لا بٹھایا گیا!!

چنانچہ نالائق حکمرانوں نے حکومت کی گدی سنھالتے ہی عیش ونشاط، ظلم وستم اور بدنظمی

وبدکرداری کو عروج پر پہنچا دیا. مغل حکمرانوں کی داستانیں بھری پڑی ہیں، ان کی اکثریت نے اسلام اور اسلامی تعلیمات کو چھوٹے بچوں کے بے کار کھلونوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیا؛ بلکہ انہوں نے شراب وشباب ہی کے نشہ میں چور رہنا اپنا دین دھرم قرار دیا. بطور نمونہ صرف ایک مغل حکمراں جہاندار شاہ کی مثال کافی ہے جس کی تخت نشینی مغلوں کے زوال وانحطاط کا نقطۂ آغاز تھی اور اس کے ایک سالہ دورِ حکومت میں بندر کے گلے میں موتیوں کا مالا پہنانے کا ایسا زبردست سلسلہ چل پڑا کہ اس کی حکومت انتہائی بدنظمی کا شکار ہوگئی. اس کی سلطنت میں (اور اس کے علاوہ دیگر مغل بادشاہوں کے دورِ حکومت میں بھی) ذہین وفطین اور عالم وفاضل لوگوں کو معزول کر کے ان کی جگہ بھانڈوں، مسخروں، مغنیوں، میراثیوں اور طوائفوں کو دے دی گئی. اس زمانے میں نا اہلوں کو اس طرح عروج حاصل ہوا کہ ''باز کے آشیانے میں چغد آباد ہو گئے اور بلبل کی جگہ زاغ وزغن نے لے لی''(۱).

نتیجتاً امت اسلامیہ کے ہر میدان میں نالائقوں کی حکمرانی ونگرانی ہوگئی، اچھے لوگوں کو چھپ چھپ کر آوازِ حق بلند کرنی پڑی اور حق کی صدا بلند کرنے کی خاطر انہیں مصائب ومشکلات میں ڈالا جانے لگا. ان بندروں نے ادرک کی قیمت کو بے قیمت جانا اور وقتی منصب وعہدہ کو خاندانی وموروثی جاگیر سمجھ لیا، پھر کیا تھا؟ وہ اپنی کمزوری کو طاقت بخشنے کی بجائے غیر شرعی کاموں میں مشغول ہو گئے اور یہ بھول ہی گئے کہ جو کچھ انہیں ملا ہے مسلم امت کی امانت ہے اور وقتی ہے جو کبھی بھی چھینی جا سکتی ہے، سچ ہے:

''بندر کو ملی ہلدی کی گرہ پنساری بن بیٹھا''۔

رسول اکرم ﷺ نے ایسے ہی موقع کے لیے یہ فرمایا تھا:

---

(۱) William Irvine, Latter mughals, vol. 1, pp. 195 - 196. بحوالہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ اور ان کی علمی خدمات. از ڈاکٹر ثریا ڈار (ص۲۴).

''إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ''.

''جب امانت ضائع کر دی جائے تو پھر قیامت ہی کا انتظار کرو''.

پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! امانت کو ضائع کرنا کیا ہے؟ فرمایا:

''إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ''.

''جب ذمہ داری نا اہلوں کے سپرد کر دی جائے تو پھر قیامت ہی کا انتظار کرو''.(۲)

امانت ضائع کرنے کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کے امور سے متعلق جو ذمہ داری مستحقین کو ملنی چاہیے، وہ مستحقین کی موجودگی میں غیر مستحقین کے حوالے کر دی جائے؛ خواہ حکومت وسلطنت کی باگ ڈور ہو یا جزیہ وخراج کی وصولی کرنے والے، مسلمانوں کے مذہبی معاملات کو سلجھانے والے ہوں یا قضا وفتوی کے ذریعہ ان کے مسائل حل کرنے والے، مسلم ویلفیئر سوسائٹی کے ذمہ داران ہوں یا امت اسلامیہ کے بیت المال کے نگراں. غرض ہر ایک اپنی اپنی جگہ ذمہ دار ونگراں ہے اس لیے ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنے تئیں بہتر کارکردگی میں حصہ لے اور حتی الامکان امانت کو اس کے مستحق تک پہنچانے کی کوشش کرے.

اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ ذمہ داران امانت کی تقسیم میں بری طرح شرعی خلاف ورزی کا شکار ہوتے ہیں اور ذاتی دشمنی یا خاندانی کشمکش کی وجہ سے کسی لائق شخص پر نالائق آدمی کو ترجیح دے کر امانت کو ضائع کر بیٹھتے ہیں. اس پر طرہ تو یہ کہ کسی حق گو کی حق گوئی انہیں بالکل نہیں بھاتی؛ بلکہ یہ لوگ اس کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں، خاص کر جب وہ حق گو ایسے لوگوں کے زیر سایہ خدمت انجام دیتا ہو تو اس پر اپنا سارا تاؤ دکھا دیتے ہیں، اور اس سلسلہ میں اللہ ورسول کی تعلیمات کو یکسر فراموش کر بیٹھتے ہیں. نیز امانت کو سونپنے کے لیے کسی ایسے فرد کو تلاش کرتے ہیں جو ان کے ہاں میں ہاں ملانے کا عادی ہو اور ان کے ہر خیر وشر کو بلا چون وچرا قبول کرنے کو تیار!! اس معیار کے مطابق جب کوئی فرد امانت کو قبول کرے گا تو بلا شبہ وہ بندر ہی ہوگا جس

(۲) بخاري: العلم/ من سئل علماً (۲)، (۵۹)، (٤٦٩٦) عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه.

کے گلے میں موتیوں کا مالا پہنایا گیا ہے!!

اس سلسلہ میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحریر کا مفہوم بیان کر دینا فائدے سے خالی نہ ہوگا، وہ لکھتے ہیں:

''اگر ولیِ امر امانت کو مستحق وقابل شخص سے پھیر کر۔خواہ بغض وعداوت کی بنیاد پر ہو یا اور کسی سبب سے۔کسی ایسے آدمی کے سپرد کر دے جس سے کوئی تعلق ہو یا قرابت ورشتہ داری، یا وطن پرستی، رشوت خوری اور مفاد پرستی کے سبب، یا ایسے ہی دیگر اسباب کی بنا پر امانت اس کے حوالے کر دے تو یقیناً اس نے اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کی خیانت کیا اور اللہ تعالیٰ کی اس ممانعت میں وہ شامل ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تَخُوْنُوْا اللَّهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُم تَعْلَمُوْنَ﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول کے حقوق میں خیانت مت کرو، اور اپنی قابلِ حفاظت چیزوں میں خیانت مت کرو، اور تم جانتے ہو''۔ [الانفال: ۲۷]

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

﴿وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلاَدُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾

''اور تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے، اور اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر ہے'' [الانفال: ۲۸] (۳)

لیکن آج جا بجا یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ مسلمانوں کے امور کے نگراں ایسے لوگوں کو ہی ذمہ داری سونپتے ہیں جو یا تو ان کے نا اہل رشتہ دار ہوتے ہیں، یا ان کی باتوں کی تائید کرنے والے ہوتے ہیں؛ چاہے ان کی باتیں شرعی تعلیمات کی صریح مخالف کیوں نہ ہوں. ذمہ داریوں کو سپرد کرتے وقت ان کا معیار وہ نہیں ہوتا جو شریعت نے قائم کیا ہے بلکہ وہ من مانی کر کے امانتِ امت کو جہاں چاہتے ہیں ٹھکانے لگا دیتے ہیں، جس کے سبب وہ خود خیانت کا مرتکب

(۳) السياسة الشرعية لابن تيمية (ص ۸).

ہوتے ہیں اور آنے والے نالائق و نا اہل ذمہ داروں کو بھی اس کی تعلیم دے جاتے ہیں.

مسلمانوں کے امور کے نگرانوں کے اندر یہ بیماری سرایت کر گئی ہے اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں، صحیح کر رہے ہیں. میں نے خود ایک دینی ذمہ دار سے ایک موقع پر یہ کہتے ہوئے سنا:

''جب میں نے متبرعین کی امداد سے عربی مدرسہ کی بنیاد ڈالی تو مجھے افراد کی تلاش میں زیادہ کوشش نہیں کرنی پڑی؛ بلکہ میرے رشتہ داروں میں ہی ایسے لوگ مل گئے جو میرے کام کو انجام دیتے ہیں، اور اس طرح ان کی روزی روٹی کا بھی اللہ تعالیٰ نے بندوبست کر دیا ہے''.

مجھے نہیں معلوم کہ موصوف نے کس نیت سے ذمہ داریوں کی تقسیم کی ہے، اور اس معاملہ میں وہ کہاں تک ہدایت پر ہیں. لیکن اتنا ضرور ہے کہ اکثر لوگ اس معاملہ میں بھٹکے ہوتے ہیں؛ خواہ شیطان انہیں کیسی کیسی بے جا دلیلیں دے کر ان کے دلوں کو مطمئن کیوں نہ کر دے.

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱ - ۷۲۸ھ) سے کسی نے سوال کیا کہ آپ عوام الناس اور متولیوں کے متعلق جو کچھ شرعی احکام ہیں لکھیں؟ امام صاحب نے فتاوی (۲۸/۲۴۴) میں ایک ہی رات میں ایک مفصل تعلیق لکھی جو ''السياسة الشرعية'' کے نام سے علیحدہ کتابی شکل میں ''وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والإرشاد'' ریاض سعودی عرب سے شائع ہو چکی ہے. اس کتاب کے (ص:۷) پر وہ لکھتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے جب مکہ فتح کیا اور بنو شیبہ سے خانہ کعبہ کی کنجی لے لی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے کنجی طلب کی تا کہ حاجیوں کے پانی پلانے کے ساتھ بیت اللہ کی نگرانی کا بھی شرف انہیں حاصل ہو جائے. اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾

''اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ، اور جب

لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کرر ہا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے دیکھتا ہے''۔ [النساء:٥٨]

لہٰذا ولی امر (مسلمانوں کے امور کے ذمہ دار وحاکم) پر واجب ہے کہ وہ مسلمانوں کے کسی بھی کام کا ذمہ دار ونگراں اسے بنائے جو اس کام کا زیادہ مستحق ولائق ہو. نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ شَيْئاً، فَوَلَّى رَجُلاً وَهُوَ يَجِدُ مَنْ هُوَ أَصْلَحُ لِلْمُسْلِمِيْنَ مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللَّهَ وَرَسُوْلَهُ''.

''جو کوئی مسلمانوں کے امور کا نگراں (امیر) ہو، پھر وہ کسی ایسے آدمی کو ذمہ داری سونپ دے جس سے بڑھ کر مسلمانوں کے حق میں بہتر کوئی دوسرا آدمی موجود ہو تو اس نے یقیناً اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی''

ایک دوسری روایت میں ہے:

''مَنْ وَلَّى رَجُلاً عَلَى عِصَابَةٍ، وَهُوَ يَجِدُ فِي تِلْكَ الْعِصَابَةِ مَنْ هُوَ أَرْضَى لِلَّهِ مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَخَانَ الْمُؤْمِنِينَ''.

''جس نے مسلمانوں کی کسی جماعت پر کسی ایسے شخص کو ذمہ دار ونگراں مقرر کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس جماعت میں ایسا آدمی بھی ہے جو اس شخص سے زیادہ اللہ کو پسندیدہ ہے (جس کو اس نے ذمہ دار بنایا ہے) تو بلا شبہ اس نے اللہ ورسول اور مومنوں کے ساتھ خیانت کی''.

اسے امام حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے(۴).

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ جملہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا.

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ شَيْئاً فَوَلَّى رَجُلاً لِمَوَدَّةٍ أَوْ قَرَابَةٍ بَيْنَهُمَا، فَقَدْ خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُسْلِمِيْنَ''.

(٤) حاكم (٤/٩٣)، وقال: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه.

''جو کوئی مسلمانوں کے کسی بھی معاملے کا ذمہ دار ہو پھر اس نے محبت ومودت یا قرابت ورشتہ داری کے سبب کسی آدمی کو (مسلمانوں کے کسی بھی کام کا) نگراں مقرر کر دیا تو اس نے یقیناً اللہ ورسول اور مسلمانوں کی خیانت کی''(۵).

مذکورہ کلام میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مسلمانوں کے امور سے متعلق کسی بھی نوعیت کے ذمہ داروں کو رسول اکرم ﷺ کی سنت کی روشنی میں انتہائی مدلل انداز میں آگاہ کر دیا ہے کہ وہ امانت امت کی سپردگی میں حد درجہ احتیاط سے کام لیں اور امانت کو اس شخص کو سونپیں جو واقعی اس کا اہل ہو. رشوت، مفاد پرستی، وطن پرستی، قرابتداری ورشتہ داری یا کسی بھی ہمدردی کی بنیاد پر نالائق کو مسلمانوں کے امور کا نگراں بنانا اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت ہے، جو گناہِ عظیم ہے.

اس سلسلہ میں مزید مثالوں کے ساتھ کھل کر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے. ہر آدمی کو اللہ تعالیٰ نے عقل ودانش سے نوازا ہے، ہر ذمہ دار اپنا محاسبہ خود کرسکتا ہے کہ وہ کس رخ پر جا رہا ہے اور اس کا فیصلہ کہاں تک رسول اکرم ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات سے ہم آہنگ ہے. کہیں ایسا تو نہیں کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر رات دن وہ اللہ، اس کے رسول اور مومنین کے ساتھ خیانت کر رہا ہے اور شیطان طرح طرح کی باتیں اس کے دل میں ڈال کر اطمینان دلا رہا ہے کہ چلو جو کچھ ہو رہا ہے، درست ہو رہا ہے جب کہ جہنم کی ڈگر پر وہ رواں دواں ہے!؟

مذکورہ تحریر کے ساتھ میں مدارس اور دینی مکاتب کے ذمہ داران کو خاص طور پر متوجہ کروں گا کہ وہ مدارس یا مکاتب میں ذمہ داریوں کو سونپتے وقت وہی اصول اختیار کریں جس کی رسول اکرم ﷺ نے تعلیم دی ہے. امت کی جیب سے نکلنے والے اموال کے بل بوتے پر اپنی ناک اونچی کرنے کی ضد میں ناجائز تصرف سے کام نہ لیں؛ بلکہ امانت کی سپردگی میں قرابت داری ورشتہ داری کی بجائے حقیقت پسندانہ ذہنیت کو جگہ دیں!!

(۵) السیاسة الشرعیة (ص ۷) بحواله مجموع الفتاوی (۲۸/ ۲٤٤).

رسول اکرم ﷺ کا طرزِ عمل مشورہ لینے دینے والوں کے ساتھ

مشورہ لینا دینا ایک ایسی خوبی ہے کہ اگر مشورہ کے تقاضے کو مشورہ لینے والا یا دینے والا بخوبی پورا کریں تو اگلے اقدام میں بہت سی سہولتیں فراہم ہو جاتی ہیں. لیکن اگر مشورہ لینے والا یا مشورہ دینے والا مشورہ کے تقاضے کو پورا نہ کریں اور مشورہ لینے والا یونہی ہر کس نا کس سے مشورہ طلب کرتا پھرے، یا مشورہ دینے والا خواہ مخواہ لوگوں کو مشورہ دیتا رہے تو پھر اگلے اقدام میں آسانیوں اور سہولیات کے حصول کی بجائے مشکلات ومصائب کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے. اس لیے ضروری ہے کہ مشورہ لینے والا اگلے کو سمجھنے کی کوشش کرے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ مشورہ دینے والا اپنے مفاد کے پیش نظر مشورہ دیے جا رہا ہے جس کے سبب آگے کی راہیں ہموار ہونے کی بجائے تنگ اور کٹھن ہو جائیں.

عموماً یہی ہوتا بھی ہے کہ اکثر لوگ مشورہ دینے میں خیانت کا مرتکب ہوتے ہیں؛ چنانچہ مشورہ طلب کرنے والے بسا اوقات بڑی مشکلات میں پھنس جاتے ہیں، کہ نہ تو ان کا قدم آگے بڑھ پاتا ہے اور نہ ہی وہ پیچھے مڑ سکتے ہیں **"نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن"**. اس لیے رسول اکرم ﷺ نے تعلیم دی ہے کہ مشورہ امانت ہے، لہٰذا اگر کوئی مشورہ طلب کرے تو اس کو امانت داری کا ثبوت دیتے ہوئے مشورہ دینا چاہیے.

مشورہ لینا آدمی کی خوبی کی علامت ہے جب کہ مشورہ کے بغیر کام کو انجام دینا حماقت کی دلیل ہے. اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر وہ کام جو پائیدار ہوتا ہے یا ہر وہ اصول جو مستحکم اور مضبوط ہوتا ہے، اس کے پس پردہ ان مشوروں کا ہاتھ ہوتا ہے جو کئی ذہنوں کا حاصل بن کر

زبان کے راستے سے انتہائی سوجھ بوجھ کے ساتھ نکلے ہوتے ہیں. کئی دماغوں کے نچوڑ ہی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی کوئی اصول مرتب کرتا ہے اور کچھ دنوں کے بعد وہ اس دنیا سے رحلت کر جاتا ہے لیکن صدیوں تک اس کا مرتب شدہ اصول آنے والی نسلوں کی توجہ کا مرکز بنا رہتا ہے. اس کے برعکس جو آدمی مشورہ لیے بغیر کوئی قابل قدر کام انجام دینے کی تگ ودو کرتا ہے، اپنے تئیں جو کچھ بن پاتا ہے کر گزرتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنے تیار کردہ اصول (Rules) کی خوبیاں بتانے کی کوشش کرتا ہے اور دوسروں سے نہ مشورہ طلب کرتا ہے نہ ہی مشورہ دینے والوں کی صحیح باتوں کو قبول کرتا ہے تو پھر ایسے شخص کا اصول یا کام پائیدار ہوتا ہے اور نہ ہی مجبوروں کے سوا کوئی اسے قبول کرنے کو تیار. ایسا شخص دراصل عقل کا دشمن اور خیالی پلاؤ (Rundom Guess) کا مجموعہ ہوتا ہے جس کے ستون فضا میں گاڑے جاتے ہیں.

ہر دور میں مشورہ کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے. بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو جن باتوں کی وصیت کی تھی، ان میں سے یہ بھی تھی:

''جب تم کوئی کام کرنا چاہو تو اچھے لوگوں سے مشورہ ضرور کر لیا کرو، کیوں کہ میں نے اگر فرشتوں سے مشورہ طلب کیا ہوتا تو وہ مجھے شجر ممنوعہ کھانے کا مشورہ ہرگز نہ دیتے''(۱).

اللہ کے دوست تو ﴿وَأَمْرُهُمْ شُوْرَى بَيْنَهُمْ﴾ کے تحت ہر کام باہم مشورہ سے کرتے ہی ہیں، اللہ کے دشمن بھی مشورہ کے بغیر کوئی کام انجام دینا اپنی ناکامی سمجھتے رہے ہیں. تاریخ اٹھا کر دیکھیں، فرعون اللہ کا باغی تھا، اس کے ہر حکم پر لوگ سر تسلیم خم کر دینے کو تیار رہا کرتے تھے، ہر بڑا چھوٹا اس کے اشارے پر ناچ سکتا تھا، کیوں کہ وہ ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الأَعْلَى﴾ کا دعوی کر کے اپنی رعایا کا مالک ورب بنا ہوا تھا، لیکن اللہ کا یہ دشمن بھی جب کچھ کرنا چاہتا تو مشورہ لے کر ہی کرتا تھا. بنی اسرائیل میں بچوں کے قتل کرانے کا حکم اس نے مشورہ کے بعد ہی دیا تھا، تاکہ

(۱) شرح الأربعين النووية (ص ۱۵۷).

اس کے تخت وتاج کا کوئی دعویدار نہ پیدا ہو جائے. نیز جب اسے حضرت موسی علیہ السلام نے اسلام کی دعوت دی اور صرف اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی بات کہی تو آخر میں مناظرہ ومقابلہ کے لیے اس نے اپنے ملک کے ذی شعور واصحابِ عقل ودانش سے مشورہ کے بعد ہی میدان مختص کیا تھا؛ تاکہ موسیٰ شکست سے دو چار ہوں اور فرعون کے رعب ودبدبہ کا سکہ لوگوں پر مزید مستحکم ہو جائے. ملکہ سبأ (بلقیس) کو جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعوت توحید پیش کی اور اس کے پاس خط روانہ کیا تھا تو اس نے بھی اپنے ملک کے اربابِ خرد سے مشورہ طلب کیا تھا کہ سلیمان علیہ السلام کی باتوں کے جواب میں تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ چنانچہ اس نے خط کا مدعا پڑھ کر سنانے کے بعد اپنے وزراء سے مشورہ کے لیے ان کی تجویز سننا چاہا. قرآن نے اس بات کو یوں نقل کیا ہے:

﴿قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُوْنِيْ فِيْ أَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْراً حَتَّى تَشْهَدُوْنِ﴾.

''اس نے کہا: اے میرے سردارو! تم میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو. میں کسی امر کا قطعی فیصلہ جب تک تمہاری موجودگی اور رائے نہ ہو، نہیں کیا کرتی''.

اس کے جواب میں اس کے وزراء نے کہا تھا:

﴿قَالُوْا نَحْنُ أُوْلُوْا بَأْسٍ شَدِيْدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَأْمُرِيْنَ﴾.

''ان سب نے جواب دیا کہ ہم طاقت اور قوت والے سخت لڑنے بھڑنے والے ہیں، آگے آپ کو اختیار ہے خود ہی سوچ لیجئے کہ ہمیں آپ کیا کچھ حکم فرماتی ہیں''۔ [النمل: ۳۱-۳۲]

غرض ہر دور میں مشورہ کو یکساں اہمیت حاصل رہی ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہے ہیں.

لیکن رسول اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں مشورہ کو کچھ زیادہ ہی اہمیت حاصل ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مدنی سورۃ آل عمران (۱۵۹) میں اپنے رسول ﷺ کو صحابہ کرام سے مشورہ لینے کا باضابطہ حکم دیا ہے: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ جب کہ دنیا کا ہر ذی ہوش اس

بات کو مانتا ہے کہ محمد ﷺ سے بڑھ کر عقل وہوش کا مالک کوئی نہیں اور نہ ہی آج تک کوئی آپ ﷺ سے بڑھ کر اصلاح وتجدید کا کارنامہ انجام دے سکا. منبر ومحراب سے پند ونصائح کے موتی بکھیرنے کے اعتبار سے ہو یا عبادت وریاضت کے میدان میں کمالات پیدا کرنے کے اعتبار سے، اللہ کے حضور ہر گھڑی دستک دینے کے اعتبار سے ہو یا جنگی محاذ پر تلواروں کی جھنکار میں مرد مجاہد کی اذان سنانے کے اعتبار سے؛ غرض ہر جگہ بلکہ ہر قدم پر آپ کی زندگی اس انداز سے گزری ہے جس کی مثال دنیا میں آج تک کسی بھی مصلح (Refarmer) حتی کہ نبی وپیغمبر کی زندگی میں بھی نہیں ملتی. پھر ایسی باکمال شخصیت کو مشورہ کا حکم دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مشورہ میں فلاح وبہبودی کا عظیم راز مضمر ہے. اس لیے دور نبوی میں جب کوئی اہم کام درپیش ہوتا تو رسول اکرم ﷺ صحابہ کرام سے مشورہ طلب کرتے اور اگر مشورہ مفید ہوتا تو قبول کرتے بلکہ کئی دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی رائے پر صحابہ کرام کے مشوروں کو ترجیح دی ہے؛ حالاں کہ آپ کی رائے ہی صحابہ کرام کے مشورے کی بہ نسبت اچھی تھی.

رسول اکرم ﷺ نے متعدد موقعوں پر صحابہ کرام سے مشورے طلب فرمائے ہیں جیسے:

① غزوۂ بدر جو اسلام کی پہلی جنگ ہے، اس جنگ کی کارروائی کا اگلا قدم اس وقت تک سر نہیں ہوا جب تک کہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ نہ طلب کرلیا. قریش مکہ کے قافلے کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے دریافت کرلینا ضروری سمجھا؛ تاکہ مشورہ کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچا جا سکے اور آپ کو معلوم ہو جائے کہ اگر بالفرض کافروں سے مڈبھیڑ ہو جاتی ہے تو کیا ہمارے صحابہ ہمارے ساتھ ہیں یا ان کی اس سلسلہ میں کوئی دوسری رائے ہے. چنانچہ صحابہ کرام کی طرف سے انتہائی خوش کن جواب ملا اور نبی کریم ﷺ کا یہ مشورہ قبل از جنگ ہمت افزا اور دلی خوشی کا سامان ثابت ہوا. حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشَاوِرُ أَصْحَابَهُ فِي الْأَمْرِ إِذَا حَدَثَ،

تَطْيِيْباً لِقُلُوْبِهِمْ لِيَكُوْنُوْا فِيْمَا يَفْعَلُوْنَهُ أَنْشَطَ لَهُمْ، كَمَا شَاوَرَهُمْ يَوْمَ بَدْرٍ فِي الذِّهَابِ إِلَى الْعِيْرِ فَقَالُوْا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لَوِ اسْتَعْرَضْتَ بِنَا عُرْضَ الْبَحْرِ لَقَطَعْنَاهُ مَعَکَ وَلَوْ سِرْتَ بِنَا إِلَى بَرْکِ الْغِمَادِ لَسِرْنَا مَعَکَ، وَلَا نَقُوْلُ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسَى لِمُوْسَى:﴿إِذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلاَ إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُوْنَ﴾[المائدۃ: ۲۴]، وَلَكِنْ: اِذْهَبْ، فَنَحْنُ مَعَکَ وَبَيْنَ يَدَيْکَ وَعَنْ يَمِيْنِکَ وَشِمَالِکَ".

''جب کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام کے دلوں کی خاطر داری کے لیے ان سے مشورہ طلب کرتے (کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ کے نبی اکیلے ہی فیصلہ کر دیتے ہیں، ہم لوگوں کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھتے) تا کہ وہ اس کام کو انتہائی نشاط ودلجمعی کے ساتھ انجام دیں جس کو وہ کرنے جا رہے ہیں (یعنی ان کے مشورہ کے بعد جو نتیجہ سامنے آئے گا اس پر عمل پیرا ہونے میں انہیں نشاط ملے گا کیوں کہ آخر نتیجہ تو ان کے اپنے مشورے ہی سے تو برآمد ہوا ہے)، جیسا کہ آپ ﷺ نے بدر کے دن کفارِ قریش کے قافلہ کی طرف نکلنے کے سلسلہ میں مشورہ کیا تھا. چنانچہ صحابہ کرام نے اس موقع پر کہا تھا: اے اللہ کے رسول! اگر آپ ہمیں سمندر میں کود پڑنے کو کہیں گے تو ہم آپ کے اشارے پر سمندر کو بھی طے کر لیں گے اور اگر آپ ہمیں لے کر برک الغماد (ملک یمن میں ایک جگہ کا نام) تک دوڑائیں تو ہم آپ کے ساتھ دوڑنے کو تیار ہیں، اور ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا تھا کہ (تم اور تمہارے پروردگار جاؤ اور جنگ کرو، ہم یہاں بیٹھے رہتے ہیں) بلکہ ہم کہتے ہیں: آگے بڑھیں، ہم دائیں بائیں، آگے پیچھے ہر چہار جانب سے آپ کے ساتھ ہیں''(۲).

④ غزوۂ بدر ہی میں جب لشکر کے پڑاؤ ڈالنے کی بات آئی کہ کس مقام پر لشکر کا پڑاؤ

(۲) تفسير ابن كثير: (۷۹٦/۲) دار ابن حزم، سيرة ابن هشام: (۱۷۱/۲ - ۱۷۲) مكتبة المورد.
یہ واقعہ بخاری (۲۳۰/۷) میں بھی مذکور ہے.

ڈالنا مناسب رہے گا تو رسول اللہ اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو مشرکین سے پہلے بدر کے چشمے پر پہنچنے کا حکم دیا تا کہ مشرکین اس چشمہ پر مسلط نہ ہونے پائیں؛ چنانچہ عشاء کے وقت آپ ﷺ نے بدر کے قریب ترین چشمہ پر نزول فرمایا. اس موقع پر حضرت حُباب بن منذر بن جموح نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ اللہ کے حکم سے اس منزل پر اترے ہیں کہ ہمارے لیے اس منزل سے آگے پیچھے ہٹنے کی گنجائش نہیں یا آپ نے اسے محض جنگی حکمت عملی کے طور پر اختیار کیا ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''بَلْ هُوَ الرَّأْيُ وَالْحَرْبُ وَالْمَكِيْدَةُ''.

''نہیں، بلکہ یہ میری رائے ہے اور اسے جنگی حکمت عملی کے طور پر منتخب فرمایا ہے''.

حباب بن منذر نے کہا: یا رسول اللہ! یہ جگہ مناسب نہیں ہے، آپ آگے کو تشریف لے چلیں اور قریش کے سب سے قریب جو چشمہ ہے اس جگہ پڑاؤ ڈالیں، پھر ہم بقیہ چشمے پاٹ دیں گے اور اپنے چشمے پر حوض بنا کر پانی بھر لیں گے. اس طرح ہم حسب خواہش پانی پیتے رہیں گے اور انہیں پانی میسر نہ ہوگا.

اس مشورہ کو سن کر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''لَقَدْ أَشَرْتَ بِالرَّأْيِ''.

''تم نے بہت ٹھیک مشورہ دیا''.

چنانچہ آپ ﷺ نے اس مشورہ کے مطابق آدھی رات کو دشمن کے قریب ترین چشمہ کے پاس پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا(۳).

③ اسی جنگِ بدر میں جب قیدی ہاتھ آئے تو رسول اکرم ﷺ نے ان قیدیوں کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا تھا. حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ان قیدیوں کو

(۳) سيرة ابن هشام: (۱۷۵/۲) مكتبة المورد.

فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز تھی کہ جتنے بھی قیدی ہاتھ آئے ہیں انہیں ان کے قریبی مسلمان کے حوالے کر دیا جائے اور وہ مسلمان اپنے قریبی قیدی کو خود اپنے ہاتھوں سے ذبح کرے تا کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کے لیے کسی بھی قسم کا نرم گوشہ نہیں ہے. رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر کے مشورہ کو قبول کیا اور تمام قیدیوں کو فدیہ لے کر (اور بعض پر احسان کر کے بغیر فدیہ کے) چھوڑ دیا.

④ غزوۂ بنی نضیر (ربیع الاول ۴ھ، اگست ۶۲۵ء) میں رسول اکرم ﷺ نے یہودیوں کی خباثتوں، دسیسہ کاریوں، غدر وخیانت اور مکر وسازش کا بدلہ یہ دیا کہ انہیں خیبر کی طرف جلا وطن کر دیا. لیکن یہودیوں کو اس ذلت ورسوائی سے بھی ہوش نہیں آیا؛ بلکہ بنونضیر کے بیس سردار مکہ مکرمہ میں قریش کے پاس گئے اور رسول اکرم ﷺ کے خلاف آمادۂ جنگ کرتے ہوئے اپنی مدد پیش کرنے کا یقین دلایا، اس کے بعد یہود کا یہ وفد بنوغطفان کے پاس گیا اور قریش ہی کی طرح انہیں بھی آمادۂ جنگ کیا، پھر اس وفد نے عرب کے بقیہ قبائل میں گھوم گھوم کر لوگوں کو رسول اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے خلاف جنگ کی دعوت وترغیب دی. اس طرح یہودی سیاست کاروں نے کفر کے تمام بڑے بڑے گروہوں اور جتھوں کو ملا کر مسلمانوں سے جنگ کی تیاری مکمل کر لی اور مسلمانوں کا محاصرہ کرنے کی ٹھان لی. اس بات کی اطلاع جب رسول اکرم ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ نے ہائی کمان کی مجلس شوریٰ منعقد کی اور دفاعی منصوبے پر صلاح مشورہ کیا. اہل شوریٰ نے غور وخوض کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مشورہ متفقہ طور پر منظور کر لیا. حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! فارس میں جب ہمارا محاصرہ کیا جاتا تھا تو ہم اپنے گرد خندق کھود لیتے تھے. یہ بڑی باحکمت دفاعی تجویز تھی جس سے اہل عرب ناواقف تھے؛ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اس مشورہ کے مطابق خندق کھودنے کا حکم دیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست فاش سے دوچار کیا. یہ غزوہ صحیح قول کے مطابق شوال/ ۵ھ میں

پیش آیا تھا اور کافروں نے تقریباً ایک ماہ تک مسلمانوں کا محاصرہ جاری رکھا تھا۔

عرب کے سارے قبائل نے ایک مقررہ وقت اور مقررہ پروگرام کے مطابق مدینے کا رخ کیا تھا اور چند دن کے اندر اندر مدینے کے پاس دس ہزار سپاہ کا ایک زبردست لشکر جمع ہو کر اس کا محاصرہ کر لیا تھا۔ غالباً مدینے کی پوری آبادی بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور مردوں کو ملا کر بھی اس کے برابر نہ تھی۔ اگر حملہ آوروں کا یہ ٹھاٹھیں مارتا سمندر مدینے کی چہار دیواری تک اچانک پہنچ جاتا تو مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک ثابت ہوتا بلکہ کچھ عجب نہ تھا کہ ان کی جڑ ہی کٹ جاتی۔ اس موقع پر جب مسلمان سخت آزمائش میں پڑ گئے تو اس گمبھیر موقع پر بھی رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا تھا اور یہ تجویز پیش کی تھی کہ بنو غطفان سے اس بات پر مصالحت کر لی جائے کہ ہم مدینہ کے ثلث پھل سالانہ انہیں دیا کریں گے تا کہ وہ عرب کے دیگر قبیلوں کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف میدان میں نہ آ سکیں اور اس صلح کا ورقہ لکھا بھی جا چکا تھا، صرف دستخط اور صلح کی آخری کارروائی باقی تھی۔ لیکن جب اس سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے دریافت کیا:

”يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَمْراً تُحِبُّهُ فَنَصْنَعُهُ أَمْ شَيْئاً أَمَرَكَ اللّٰهُ بِهِ لاَ بُدَّ لَنَا مِنَ الْعَمَلِ بِهِ، أَمْ شَيْئاً تَصْنَعُهُ لَنَا؟“۔

”اے اللہ کے رسول! کیا یہ آپ کا حکم ہے کہ ہم اس حکم کی تعمیل کریں یا اللہ تعالیٰ نے اس کا آپ کو حکم دیا ہے جسے ماننا ہمارا فرض ہے، یا ہماری خیر خواہی میں آپ کی یہ ایک رائے ہے؟“۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

”بَلْ شَيْءٌ أَصْنَعُهُ لَكُمْ، وَاللّٰهِ! مَا أَصْنَعُ ذٰلِكَ إِلاَّ لِأَنَّنِي رَأَيْتُ الْعَرَبَ قَدْ رَمَتْكُمْ عَنْ قَوْسٍ وَاحِدَةٍ وَكَالَبُوكُمْ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ فَأَرَدْتُ أَنْ أَكْسِرَ عَنْكُمْ مِنْ

شَوْكَتِهِمْ إِلَى أَمْرٍ مَّا".

"نہیں بلکہ یہ میری ایک تجویز ہے جو تم لوگوں کے فائدے کے لیے کرنا چاہتا ہوں، اللہ کی قسم! میں یہ قدم صرف اس لیے اٹھا رہا ہوں کیوں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ سارا عرب متحد ہو کر تمھیں یک لخت ختم کر دینے کے در پے ہے، جس کے اتحادی کمان کی زد میں تم آ چکے ہو، اور ہر چہار سو سے یہ تمھارے اوپر غالب آ چکے ہیں۔ اسی لیے میں نے مناسب سمجھا کہ جب تک ہمارے لیے حالات سازگار نہیں ہو جاتے، میں صلح کا ہتھیار ڈال کر ان کی شان وشوکت اور رعب ودبدبہ کو تمھارے اوپر سے ٹال دوں"۔

یہ سن کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَدْ كُنَّا نَحْنُ وَهَؤُلاَءِ الْقَومَ عَلَى الشِّرْكِ بِاللَّهِ وعبَادَةِ الْأَوْثَانِ، لاَ نَعْبُدُ اللَّهَ وَلاَ نَعْرِفُهُ، وَهُمْ لاَ يَطْمَعُونَ أَنْ يَأْكُلُوْا مِنْهَا تَمْرَةً إِلَّا قِرىً أَوْ بَيْعاً، أَفَحِيْنَ أَكْرَمَنَا اللَّهُ بِالإِسْلاَمِ وَهَدَانَا لَهُ وَأَعَزَّنَا بِكَ وَبِهِ نُعْطِيْهِمْ أَمْوَالَنَا؟! وَاللَّهِ! مَالَنَا بِهَذَا مِنْ حَاجَةٍ، وَاللَّهِ! لاَ نُعْطِيْهِمْ إِلَّا السَّيْفَ حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ".

"اے اللہ کے رسول! ہم لوگ اور یہ قبیلۂ بنو غطفان کے لوگ جب شرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے، اللہ اور اس کی معرفت سے یکسر نابلد تھے تو اس وقت یہ لوگ مدینہ کی ایک کھجور بھی ناحق کھانے کا لالچ نہیں کر سکتے تھے؛ ہاں! مدینہ کی کھجور چکھنے کے لیے ان کے پاس دو ہی صورت تھی؛ یا تو وہ کسی کے مہمان بنیں یا خود خرید کر کھائیں!! اور آج جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی ہدایت سے نواز کر اس پر گامزن کر دیا ہے، آپ کے اور اسلام کے ذریعہ ہمیں عزت واکرام بخشا ہے، تو کیا ہم ان (بنو غطفان) سے مدینہ کی ایک ثلث کھجوروں پر مصالحت کر لیں؟! اللہ کی قسم! ہمیں اس صلح کی کوئی ضرورت نہیں، قسم باللہ! ہم انہیں مدینہ کی کھجوروں کی ایک گٹھلی بھی نہیں دیں گے بلکہ ان کے لیے

ہماری تلوار ہے تا آں کہ ہمارے اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ فیصلہ نہ کر دے''.

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر ہی عمل کیا اور پھر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے صلح نامہ کو لے کر خود اپنے ہاتھوں سے مٹا ڈالا (۴).

⑤ غزوۂ بنی المصطلق یا غزوۂ مریسیع (۵ھ یا ۶ھ) سے واپسی میں واقعہ اِفک پیش آیا جس کی تفصیل یہاں دہرانے کی گنجائش نہیں. ہر مسلمان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی و پاکدامنی کی شہادت دیتا ہے. کیوں کہ قرآن کریم میں عرش پر مستوی اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود ان کی پاکدامنی کی شہادت دی ہے. لیکن حضرت صفوان بن معطل کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاکیزہ دامن کو داغدار ثابت کرنے کے لیے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول اور دوسرے منافقین نے کوششیں کیں اور قریب وبعید کے علاقوں میں انہوں نے اس بہتان کو خوب زور شور سے ہوا بھی دیا. ایسے پرآشوب و پرخطر موقع پر کسی بھی غیرت مند مرد کے لیے کنٹرول میں رہنا مشکل ہے. لیکن رسول اللہ اکرم ﷺ نے اس موقع پر بھی مشورہ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا؛ بلکہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کر کے فرمایا:

''أَشِيْرُوْا عَلَيَّ مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ فِي قَوْمٍ أَبَنُوْا أَهْلِيْ وَرَمَوْهُمْ، وَأَيْمُ اللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي مِنْ سُوْءٍ، وَأَبَنُوْهُمْ بِمَنْ – وَاللّٰهِ – مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ إِلَّا خَيْرًا''(۵).

''اے مسلمانوں کی جماعت! مجھے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ دو جنھوں نے میرے اہل خانہ پر بہتان تراشی کی ہے اور اس کے دامن کو داغدار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے. اللہ کی قسم! میں نے اپنے اہل خانہ میں کوئی برائی نہیں دیکھی اور ان لوگوں نے ایسے شخص کے ساتھ اس بہتان کو جوڑا ہے جس کے بارے میں اللہ کی قسم! میں خیر و بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا''.

(٤) سیرت ابن ہشام (۳/۱۳۵ - ۱۳۶) میں اس واقعہ کی تفصیل مذکور ہے.

(٥) تفسير ابن كثير: (٧٩٦/٢)، فتح الباری: تفسیر سورة النور (٤٨٧/٨)، مسلم: كتاب التوبة (٢٧٧٠).

نیز اس واقعہ افک کے دوران رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جدائی سے متعلق مشورہ طلب کیا تھا.

غرض رسول اکرم ﷺ جنگوں اور دیگر معاملات کے بارے میں بھی صحابہ کرام سے مشورہ طلب کرتے اور خود بھی مشورہ دیا کرتے تھے. اگر مشورہ مناسب ہوتا تو قبول کرتے خواہ اپنے مشورہ پر مقدم کیوں نہ کرنا پڑے. اس لیے صحابہ میں سے اگر کسی کو کوئی مشورہ اچھا لگتا تو وہ رسول اکرم ﷺ کو بلا جھجک مشورہ دیتے جسے آپ ﷺ قبول فرماتے اور جمہور کے مشورہ کا خیال رکھتے؛ بلکہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے یہاں تک فرما دیا تھا:

''لَوْ اجْتَمَعْتُمَا فِي مَشُوْرَةٍ مَا خَالَفْتُكُمَا''.

''اگر تم دونوں کسی مشورہ پر متفق ہو جاؤ تو میں تمہاری مخالفت نہیں کر سکتا''(٦).

ایسا دیکھا جاتا ہے کہ اکثر لوگ مشورہ دینے میں خیانت کا مرتکب ہوتے ہیں. اگر کوئی ان سے کسی معاملہ میں مشورہ طلب کرے اور وہ اس سے بخوبی واقف ہوں تب بھی مشورہ دینے میں اس قدر خیانت کرتے ہیں کہ مشورہ لینے والے کو خسارے کا سامنا کرنا پڑتا ہے. یہ بری صفت ہمارے معاشرے میں اس قدر رائج ہے کہ مشورہ طلب کرنے والا فرق نہیں کر پاتا کہ کون اس کے حق میں مخلص ہے اور کون خائن. نتیجتاً مشورہ دینے والا مشورہ لینے والے کو کسی ایسی ڈگر پر چلا دیتا ہے کہ وہ صحیح راہ سے بھٹک جاتا ہے. اس لیے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ''اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ''.(٧) یعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے گویا اس کے پاس مشورہ طلب کرنے والا کوئی امانت رکھا ہے، اس لیے مشورہ دینے والے کو چاہیے کہ مشورہ پوری امانت داری کے ساتھ دے. مشورہ طلب کرنے والے کے

(٦) مسند أحمد: (٤/٢٢٧)، نیز دیکھئے: المعجم الكبير للطبراني (١٢٢٤٤).

(٧) [صحيح] ابن ماجه: (٣٧٤٦)، أبو داود: (٥١٢٨)، الترمذي: (٢٨٢٢).

معاملہ میں اگر کچھ جانکاری ہو تب ہی مشورہ دے؛ خواہ مخواہ لاعلمی میں مشورہ نہ دے تاکہ مشورہ طلب کرنے والا کہیں دھوکہ نہ کھا جائے.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''إِذَا اسْتَشَارَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُشِرْ عَلَيْهِ''(۸).

''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے مشورہ طلب کرے تو اسے چاہئے کہ وہ بھلا مشورہ دے''.

قرآن واحادیث اور رسول اکرم ﷺ کی عملی تعلیمات میں مشورہ کو وہ اہمیت ومقام حاصل ہے جس کو آج کے دور کے مسلمانوں نے نہیں بلکہ کافروں نے سمجھا. آپ اقوام عالم پر نگاہ ڈالیں، کوئی بھی کمپنی یا مرکز وادارہ جو کافروں کے ماتحت ہے، نہایت ہی مستحکم اور پائیدار ہے. کیوں کہ ان کے اداروں یا مراکز میں کوئی بھی کام ہوتا ہے تو مرتب شدہ اصول وقوانین کے مطابق ہوتا ہے جن کو کئی ذی ہوش لوگوں نے مل کر مشورہ کے بعد مرتب کیا ہوتا ہے.

مشاورتی کمیٹی کی اہمیت کو یہودیوں نے جس قدر اہمیت کی نگاہ سے دیکھا ہے، مسلم دانشوران اور دینی رہنما اس معاملہ میں بہت پیچھے ہیں. چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں کا کوئی بھی کام خواہ چھوٹا ہو یا بڑا بغیر مشورہ کے منظر عام پر نہیں آتا، وہ اس معاملہ میں اس قدر آگے ہیں کہ کئی کئی سالوں بلکہ سیکڑوں سال کی منصوبہ بندی کر ڈالتے ہیں اور یہ ساری منصوبہ بندیاں مشورے کے بعد ہی بنتی ہیں. صرف ایک مثال سے یہودیوں کی مشاورتی کمیٹی کا اندازہ لگائیے:

''۱۸۹۷ء میں سلطان عبدالحمید کے زمانہ اقتدار میں سوئزرلینڈ کے شہر پال کے اندر ہرتزل یہودی کی سربراہی میں صیہونی کانفرنس (جو پال کانفرنس کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے) میں فلسطین کے اندر یہودی حکومت قائم کرنے کی منصوبہ بندی ہوئی تھی، موجودہ اسرائیل اس رائے مشورہ اور منصوبہ بندی کا شاخسانہ ہے''.

---

(۸) ابن ماجہ: کتاب الأدب (۳۷٤۷)، شیخ البانی نے ضعیف کہا ہے.

اس کے برعکس مسلمانوں کے اکثر ادارے- خاص کر جن کا تعلق دین سے ہو- بلا مشورے کے چلتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آپ کو جتنے بھی مسلم ادارے ملیں گے اتنے ہی مختلف اصول وقوانین ان میں ملیں گے. مسلمانوں کے یہ ادارے یا مراکز اپنی خاص کوئی مشاورتی کمیٹی نہیں رکھتے جو انہیں باہم جوڑ سکے اور ان کے کام پائیدار ثابت ہوسکیں. جب کہ غیر مسلموں کے ادارے ایک دوسرے سے جڑ کر کام کرتے ہیں اور خاص کر عالمی تنظیموں کا نیٹ ورک (NET WORK) اس قدر بہتر بچھا ہوا ہے کہ موجودہ دور کے مسلمان رہنماؤں کے تصور میں بھی شاید یہ خیال نہ آتا ہو.

ہندستان و پاکستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے اداروں کا لائحہ عمل منگا کر پڑھ ڈالیں اور دیکھیں کہ ان کی مشاورتی کمیٹی کس قدر کمزور ہے؛ بلکہ اکثر مسلم اداروں میں مشاورتی کمیٹی ہے ہی نہیں، ان اداروں میں من مانی فیصلہ ہے اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا فارمولہ!! اگر کسی ادارے میں مشاورتی کمیٹی ہے بھی تو اس کے ممبران کی زبانیں وہی کچھ اصول مرتب کرنے پر زور دیتی ہیں جس کا فیصلہ ان کے آقاؤں بالفاظ دیگران کے پیٹ پالنے والے ذمہ داروں نے پہلے ہی کر دیا ہوتا ہے، جیسا کہ موجودہ اقوام متحدہ کا حال ہے کہ پوری دنیا میں امن واماں کا راگ الاپے گا لیکن اس نعرہ کے پس پردہ وہی دہشت گردی حسین لباس میں لپیٹ کر لوگوں کی آنکھوں کے سامنے پیش کرے گا جس کی تعلیم اس کا باپ امریکہ اور دادا اسرائیل دیں گے!!

مشورہ کے فقدان ہی کے سبب مسلمانوں کے تعلیمی ادارے آج تک یکساں نصاب تعلیم مرتب کرنے سے محروم ہیں، جب کہ کسی بھی قوم کے بچوں کی ذہن سازی میں اس کے نصاب تعلیم کا سب سے زیادہ کردار ہے. اس کی صرف ایک مثال یہ ہے کہ متحدہ ہندستان جب انگریزوں کے زیر نگیں تھا تو نرسری سے لے کر کالج اور یونیورسٹیوں کی سطح تک نصاب تعلیم کا

موجد لارڈ میکالے تھا جس نے نصاب مکمل کر کے ۱۸۳۴ء میں کہا تھا:

''اس نظام تعلیم سے ایسا طبقہ پیدا ہوگا جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندستانی مگر خیالات اور تمدن میں انگریز ہوگا''(۹).

چوں کہ یہی نصاب تعلیم جاری ہے اس لیے خیالات اور تمدن میں انگریز بننے کا سلسلہ ہمارے طلبا وطالبات میں جاری ہے جو قارئین سے مخفی نہیں.

مسلمانوں کے دینی مدارس جہاں سے علماء وفقہاء کا گروہ نکلتا ہے، آج تک نصاب تعلیم کے بحران سے دو چار ہیں. بڑے بڑے سیکڑوں مدارس صرف برصغیر میں ہیں جہاں سے عالمیت وفضیلت کی ڈگریاں دی جاتی ہیں لیکن ذرا ان کے نصاب تعلیم دیکھیں، کہ ہر ایک دوسرے کے نصاب تعلیم سے کس قدر مختلف ومتفاوت ہے؟ اس کا سبب صرف یہی ہے کہ ان کے پاس کوئی مستحکم مشاورتی کمیٹی نہیں جہاں سے غور وخوض اور مشورہ کے بعد کوئی لائحہ عمل تیار ہوتا ہو. اور اگر کہیں ٹوٹی پھوٹی کوئی مشاورتی کمیٹی نظر آ بھی جائے تو ان کے ممبران کے اوپر ان کے آقاؤں (یعنی جن سے ان کی روزی روٹی کا مسئلہ جڑا ہوتا ہے) کا بھوت اس قدر سوار ہتا ہے کہ ان کی زبانیں وہی کچھ بولتی ہیں جو ان کے آقاؤں کی رائے ہوتی ہے. اور اگر کبھی غلطی سے صحیح مشورہ ان کی زبان پر آ بھی جائے تو زبان اس کے اظہار سے لڑکھڑاتے لڑکھڑاتے رک جاتی ہے. بسا اوقات کوئی بدقسمت ایسا بھی نکل جاتا ہے جس کا بجا مشورہ اس کے حق میں سم قاتل ثابت ہوتا ہے. اچھے مشورہ ہی کا فقدان ہے کہ مسلم اداروں کے ذمہ داران الٹا سیدھا خود ساختہ اصول وقوانین نافذ کرتے رہتے ہیں جو سراسر ظلم وبے انصافی پر مبنی ہوتا ہے؛ جب چاہا اصول کہہ کر قانون نافذ کر دیا اور جب چاہا اس کی دھجیاں اڑا دی. پھر بڑھ چڑھ کر یہ جھوٹا دعوی کہ ہم خدمت کر رہے ہیں اسلام کی !! (أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُمْ)

(۹) دیکھئے ناچیز کی کتاب: غیرت کا فقدان اور اس کا علاج، قرآن وسنت کی روشنی میں (ص ۱۲۵)، دوسرا ایڈیشن.

مسلم رہنماؤں اور مسلم اداروں کے لیے یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ مشاورتی کمیٹی کو وہ اسلامی پاور حاصل نہیں جو کھل کر کہیں بحث کرے اور خاطر خواہ کسی نتیجہ پر پہنچ سکے؛ حالانکہ رسول اکرم ﷺ - جیسا کہ آپ نے پیچھے ملاحظہ کیا - مشاورتی کمیٹی کے ممبران کے مناسب مشوروں کو نہ یہ کہ قبول فرماتے؛ بلکہ ان کی ہمت افزائی بھی کرتے تھے. رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا یہی نتیجہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں ایک مجلس شوریٰ (کونسل) کی بنیاد رکھی تھی. حضرت عمر کی کارکردگیوں کے متعلق علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''ان میں سب کا اصل الاصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا، یعنی جب کوئی معاملہ پیش آتا تھا تو ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آسکتا تھا. مجلس کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ ''الصلاۃ جامعۃ''، یعنی سب لوگ نماز کے لیے جمع ہو جائیں. جب لوگ جمع ہو جاتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں جاکر دو رکعت نماز پڑھتے تھے، نماز کے بعد منبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا تھا''(١٠).

''مجلس شوریٰ کا انعقاد اور اہل الرائے کی مشاورت، استحسان وتبرع کے طور پر نہ تھی، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرما دیا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز نہیں. ان کے خاص الفاظ یہ ہیں:

''لَا خِلَافَةَ إِلَّا عَنْ مَشُوْرَةٍ''(١١).

موجودہ دور کے مسلمانوں کو چاہئے کہ کوئی بھی لائحہ عمل اور دستور بغیر مشورہ کے منظر عام پر نہ آنے دیں اور مشورہ لینے والوں اور مشورہ دینے والوں ہر دو گروہ کو چاہئے کہ وہ اس معاملہ

(١٠) الفاروق: (ص ١٨٤)، بحواله تاريخ طبرى (ص ٢٥٧٤)، مكتبة رحمانية لاهور.

(١١) الفاروق: (ص ١٨٥)، كنز العمال بحواله مصنف ابن أبى شيبة: (١٣٩/٣).

میں خیرخواہ اور مخلص ہوں جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات ہیں. اسی میں ہمارے مضبوط و مستحکم اصول و منصوبہ بندی کا راز مضمر ہے.

مشورہ سے متعلق قلم بند کرنے سے قبل یہ بات لکھ دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ چوں کہ مشورہ ایک اہم امانت ہے جیسا کہ پیچھے آپ نے رسول اکرم ﷺ کا فرمان پڑھ لیا ہے، اس لیے کسی بھی مسلمان کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ اپنے دیگر مسلم بھائیوں کو الٹا سیدھا اور نقصاندہ مشورہ دے. ابھی کچھ دنوں قبل سعودی عرب سے نکلنے والے ایک اردو روز نامہ میں ایک پاکستانی بھائی کا مشورہ پڑھنے کو ملا جنہوں نے پاکستانی فلم انڈسٹری کی زبوں حالی پر حکومت کو مشورہ دیتے ہوئے مذکورہ روز نامہ میں خط لکھا ہے جس کو پڑھ کر ایک غیرت مند مومن کا سر شرم سے جھک جاتا ہے کہ وہی پاکستان جو اسلام کے نام پر آزاد ہوا تھا، وہاں اب طوائفوں کا کردار نمایاں کرنے کا مشورہ دیا جا رہا ہے؛ نیز اس فحش اور غیر اسلامی کام میں رکاوٹ بننے والوں کو خاموش رہنے کا بھی مشورہ شامل ہے. میں اس سلسلہ میں اپنی جانب سے کچھ نہ لکھ کر وہ خط ہی نقل کر دیتا ہوں. حکومت پاکستان کو مشورہ دیتے ہوئے ہمارے ایک مسلمان بھائی جناب... تارڑ لکھتے ہیں:

''پاکستانی فلم انڈسٹری ی زبوں حالی کسی سے چھپی ڈھکی بات نہیں ہے، اس کی بنیادی وجہ سہولتوں کا فقدان ہے. حکمران طبقہ نے کبھی بھی اس انڈسٹری کی طرف دلچسپی نہیں لی، اگر کوئی سیمینار ہوتا بھی ہے تو اسے مکمل سپورٹ حاصل نہیں ہوتی، کئی اداکار کئی فلم ساز وہاں حاضر نہیں ہوتے، کیوں کہ انہیں معلوم ہے کہ صرف وقت کا ضیاع ہوتا ہے. حکومتیں بدلتی ہیں تو سب نظام بدل جاتا ہے اور فلموں کے مسائل پھر وہیں کے وہیں رہتے ہیں، حکومت اگر فلم انڈسٹری کو ترقی دینا چاہے تو کوئی وجہ نہیں کہ فلمیں اچھی نہ بنیں، لیکن نام اسٹوری گانے ڈبنگ لوکیشن ہر چیز کی فقدان زدہ فلموں سے عوام کو بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے. فلم سازوں کو فلم بناتے وقت ایک تو

ملکی تہذیب کو مد نظر رکھ کر فلم بنانی چاہئے، دوسرے نام کا خیال رکھیں. اب فلم کا نام رانو پھڈے باز ہوگا تو فلم دیکھنے کون آئے گا؟ ماضی کی فلموں کے نام جن میں زبیدہ، نیک پروین، زرق وغیرہ ایسے بہت سے خوبصورت نام تھے؛ فلمیں بھی کامیاب ہوتی تھیں لیکن آج کل فلم بناتے وقت فلم ساز فلم کی طرف کم ہیروئن کی طرف توجہ زیادہ دیتے ہیں جس کی وجہ سے ہیروئن بھی اپنے کام سے انصاف نہیں کر پاتی اور آئی گئی ہو جاتی ہے. فلم بناتے وقت اگر ٹیم ورک کا خیال رکھا جائے تو اداکار بھی اچھا کام کریں گے، اداکاروں کو بھی پابند کر دیا جائے کہ وہ سال میں تین چار فلموں سے زیادہ کام نہ کریں، اس سے اداکاری میں نکھار آئے گا اور ایوارڈ دیتے وقت خیال رکھا جائے گا کہ اس کا حقدار کون ہے. چند ایسے ہدایت کار ہیں جو اچھی فلمیں بنا رہے ہیں ان میں جاوید شیخ، سید نور، شمیم آرا، سنگیتا، ثمینہ پیرزادہ وغیرہ ہیں لیکن انہیں کوئی سپورٹ نہیں ہے، انہیں اصل سپورٹ چاہیے، روزانہ ٹی وی اپنے دو گھنٹے ہی دیدے جس پر فلموں کی پبلسٹی ہو جائے تو ان کے مسائل حل ہو سکتے ہیں. پاکستان میں جو طبقہ فلمیں پسند نہیں کرتا وہ ان کے راستوں پر کانٹے نہ بچھائے، اگر انہیں پسند نہیں تو وہ نہ دیکھیں، اگر فلمیں کامیاب ہوں گی تو لوگوں کو روزگار بھی ملے گا، اس طرح بھی غریبی دور ہوسکتی ہے. باقی فلم ساز ماحول، پاکستانی طرز پر دکھائیں نہ کہ ہندستانی یا امریکی، یورپی اپنے پاکستانی وقار کو مدنظر رکھ کر فلمیں بنائیں تو کامیاب بھی ہوں گے۔''(۱۲)

افسوس! مسلمانوں کے مشورے کا معیار اس قدر پست ہو گیا!!

رسول اکرم ﷺ کے فرمان ''الدَّالُّ عَلَى الخَيْرِ كَفَاعِلِهِ'' کے مطابق خیر وبھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والا (ثواب میں) اسے انجام دینے والے کے مانند ہے تو پھر خباثتوں اور برائیوں کی طرف رہنمائی کرنے والے کو کس کے مانند ہونا چاہیے؟!!

(۱۲) اردو نیوز، جدہ. سعودی عرب ۱۷/مئی ۲۰۰۳ء.

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل تاجروں کے ساتھ

تجارت ایک ایسا پیشہ ہے جو کسی بھی انسان کو ذہنی توانائی بخش کر اسے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ تک پہنچا سکتا ہے. اس کے برعکس نوکری یا سروس خواہ کتنی ہی معیاری اور اچھی کیوں نہ ہو لیکن بہر حال اس کی مثال چوہے کی خوراک کی طرح ہے جس کی ماہانہ تنخواہ آہستہ آہستہ اسی طرح ختم ہوتی جاتی ہے جس طرح ایک چوہا چند بالیوں کو اکٹھا کر کے ان میں سے یومیہ چباتا رہتا ہے. اگر ایک سروس مین کو اپنی تنخواہ سے زیادہ کوئی پروگرام مرتب کرنا ہو تو لا محالہ اسے دھوکہ دھڑی اور خیانت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، جیسا کہ آج دنیا کے سارے ہی ملکوں میں اس کی مثال دیکھی جا سکتی ہے. ملازمت کرنے والوں کی اکثریت خیانت کر کے اور مالکان کی آنکھ میں دھول جھونک کر اپنی آمدنی میں ناجائز طور سے اضافہ کرتی رہتی ہے. اگر کوئی جج ہے تو اسے مجرمین سے رشوت کی شکل میں اچھی خاصی رقم مل جاتی ہے، وکیل بھی ہر دو فریق سے روپے اینٹھتا ہے، اگر کوئی سرکاری دفتر میں کام کرتا ہے تو وہ اپنے پاس کام کے لیے آنے والوں سے رشوت طلب کرتا ہے، اگر کوئی پاسپورٹ آفس میں کام کرتا ہے تو پاسپورٹ بنوانے والوں سے مال اینٹھتا ہے، اگر کوئی کسی پرائیوٹ کمپنی میں منیجر ہے تو ایکسپورٹ وایمپورٹ میں خوب خوب گھپلا کرتا ہے، اگر کوئی اکاؤنٹنٹ ہے تو حساب کتاب میں گڑبڑی کر کے روپیہ چراتا ہے. غرض جتنی قسم کی سروس ہے اس سے کہیں زیادہ چوری کے راستے ہیں.

اس کے برعکس ایک امانت دار اور محنتی تاجر کی آمدنی کی کوئی مستقل رقم نہیں ہوتی، وہ کافی محنت کرتا ہے اور کافی مال ودولت بھی کماتا ہے اور پھر اپنی من چاہی زندگی بھی گزارتا ہے جسے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں اور نہ ہی اس کے کام میں کوئی رخنہ اندازی کرنے والا ہوتا ہے. وہ انتہائی فکری آزادی کے ساتھ دن دونی رات چوگنی ترقی کے لیے انتھک محنتیں کرتا ہے اور اپنی

آمدنی میں اضافہ کر کے خوشحال زندگی گزارتا ہے. اس لیے رسول اکرم ﷺ نے حلال تجارت کو سب سے پاکیزہ وافضل ذریعۂ آمدنی قرار دیا ہے. ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے افضل کمائی کون سی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"بَيْعٌ مَبْرُوْرٌ وَعَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ"(۱).

"وہ تجارت جو (جھوٹ، دغا بازی، خیانت وغیرہ سے) پاک ہو اور آدمی کی اپنی محنت کی کمائی".

رسول اکرم ﷺ نے در در ہاتھ پھیلانے کی مذمت فرمائی ہے، اس کے برعکس تاجروں کی ہمت افزائی کی ہے کہ وہ جائز طور سے تجارت کریں اور خوب خوب دولت کمائیں، کیوں کہ اقتصادی حالت مضبوط کرنا اسلام میں ایک مستحسن امر ہے اور اقتصاد اس وقت تک مضبوط نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ صفات اپنے اندر پیدا نہ کی جائیں جن کا ذکر اس حدیث میں ہے.

عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"السَّمْتُ الحَسَنُ والتُّؤَدَةُ والاقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَعِشْرِيْنَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّةِ".

"اچھی خصلت، تامل اور آہستگی سے ہر کام کرنا اور ہر کام میں میانہ روی اختیار کرنا نبوت کے چوبیس درجوں میں سے ایک ہے"(۲).

سچے تاجروں کے بارے میں آتا ہے کہ وہ قیامت کے روز انبیاء وصدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوں گے. حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"التَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الأَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ"(۳).

"سچا اور امانت دار تاجر (قیامت کے دن) نبیوں، صدیقین اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا".

---

(۱) [حسن بشواهده] أحمد (۳/ ٤٦٦)، المجمع (٤/ ٦٠)، البيهقى (۱۲۲٦)، حاكم (۲/ ۱۰).

(۲) [حسن] ترمذی: کتاب البر والصلة (۲۰۱۰)، موطأ مالك (۹۵۵)، أبو داود (٤۷۷٦).

(۳) ترمذی: کتاب البیوع/ باب: ٤، رقم: ۱۲۰۹. ترمذی نے حسن کہا ہے.

تجارت کے بے شمار فوائد میں سے ایک اہم فائدہ فکری آزادی ہے جو صرف اور صرف ایک تاجر ہی کو نصیب ہے. ایک آدمی خواہ وہ کسی بھی طرح کا معاش پیدا کرتا ہو لیکن جب اس کی فکر کی کنجی اگلے کسی آدمی کے پاس ہو تو پھر وہ اپنے سارے منصوبوں پر حسب خواہش کارروائی نہیں کرسکتا، اسے لامحالہ اپنا قدم اگلے کے قدم سے ملا کر بڑھانا ہوگا، اب اگلا قدم چاہے تیز چلے یا آہستہ، ہر حالت میں اسی کے ساتھ رہنا ہوگا. لیکن جو آدمی آزاد ہوتا ہے اسے کسی کی رکاوٹ کا خدشہ نہیں ہوتا، وہ اپنے منصوبے کی تکمیل میں تیز رفتاری کے ساتھ سوئے منزل چلتا بنتا ہے اور اس آزادی کا فائدہ اٹھا کر وہ جلدی سے ترقی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے.

درحقیقت انسانی زندگی میں اس آزادی کو بڑی اہمیت حاصل ہے. اگر کسی کا ضمیر آزاد نہ ہو اور طرح طرح کی اس کے اوپر پابندیاں عائد ہوں، وہ کبھی بھی اپنی توانائی کے ذریعہ کامیابی کی راہ سر نہیں کرسکتا، اسی لیے صدیوں سے لوگ آزادی کے متلاشی ہیں. اسی آزادی کے حصول کے لیے دنیا کی بڑی بڑی جنگیں لڑی گئیں اور کمزور طبقہ کے لوگوں کے اندر جب ہوش آیا اور علم وتمدن نے جب ان کے ضمیر کو جھنجھوڑا تو وہ اپنی جان جوکھم میں ڈال کر آزادی کا جھنڈا بلند کرتے ہوئے میدان کارزار میں آ گئے. جب وہ غلامی کی زنجیروں کو توڑنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر انہوں نے آزادی کے سایے میں کم مدت کے اندر ہی کافی ترقی کی، جس کی مثالیں تاریخ عالم میں بے شمار ہیں. لیکن جن لوگوں کو آزادی نہ مل سکی وہ اب تک اپنی آزادی کے لیے جنگیں لڑ رہے ہیں اور ان کی ساری ترقیاں رکی ہوئی ہیں!!

یہی حال ایک تاجر کا ہے، جب اس کو ہر طرف سے کامل آزادی ہوتی ہے تو وہ بلا جھجک اپنا سرمایہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتا ہے اور اپنی تجارت کو زیادہ سے زیادہ فروغ دے کر اپنی دولت میں بڑھوتری کرتا ہے اور خوشحال زندگی گزارتا ہے.

اس کے برعکس ایک سروس والا آدمی اس آزادی سے محروم ہے، خواہ وہ کتنا ہی اعلیٰ نوکری کیوں نہ کرے، اسے اپنے مالک (Honour) کے ہی ماتحت رہنا پڑتا ہے. پھر چاپلوسی اور

جی حضوری کی جو عمومی بیماری سروس کرنے والوں کے اندر ہوتی ہے، اس وبا سے بھی ایک تاجر پاک ومنزہ رہتا ہے. اس لیے رسول اکرم ﷺ نے آزادی کے ساتھ کمانے کو افضل روزی قرار دیا ہے جیسا کہ آپ نے اوپر حدیث کا مطالعہ فرمایا، اور ایک حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے تجارت کو روزی میں بڑھوتری کا ذریعہ بتایا ہے. حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ".

"تجارت کرنے والے اور ایک شہر سے دوسرے شہر تک مال پہنچانے والے کو روزی دی جاتی ہے جبکہ مال روکنے والا اللہ کی رحمتوں سے دور کر دیا جاتا ہے"(۴).

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں تجارت کو بڑے اہتمام سے بیان فرمایا ہے اور متعدد جگہوں پر اس کی تاکید فرمائی ہے. چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوْا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾.

"پھر جب نماز (جمعہ) ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو، اور بکثرت اللہ کا ذکر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔[الجمعۃ:۱۰]

فضل تلاش کرنے سے مراد کاروبار اور تجارت ہے، یعنی نماز جمعہ سے فارغ ہو کر تم پھر اپنے کاروبار اور مشاغل دنیا میں لگ جاؤ، جمعہ کے دن کاروبار بند کرنے کی ضرورت نہیں ہے. معلوم ہوا کہ جو لوگ جمعہ کو چھٹی کرتے ہیں اور اپنے تجارتی کاروبار بند رکھتے ہیں، اس کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ مزید تاکید کرتا ہے کہ تجارت کو زیادہ سے زیادہ فروغ دو، مگر تعلیماتِ نبویہ کو فراموش نہ کرو، اور خوب خوب اللہ کا ذکر بھی کرو تاکہ تمہاری تجارت میں ترقی ہو.

(٤) [ضعيف] ابن ماجه (٢١٥٣)، حاکم (٢/١١)، لیکن اس کی اصل مسلم (١٦٠٥)، ابو داود اور ترمذی وغیرہ میں موجود ہے.

تجارت کی اہمیت کو بتلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيماً﴾.

''اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ، مگر یہ کہ تمہاری آپس کی رضا مندی سے خرید وفروخت ہو، اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے''۔ [النساء:۲۹]

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو ناجائز طریقوں (رشوت خوری وسودخوری وغیرہ) سے روزی روٹی حاصل کرتے ہیں، تجارت کا راستہ بتلایا ہے کہ تجارت کر کے کھاؤ حرام خوری کی عادت مت ڈالو:

﴿أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾.

''اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام''۔ [البقرۃ:۲۷۵]

غرض اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اکرم ﷺ کی سنت کا یہی تقاضا ہے کہ حلال طریقے سے تجارت کو فروغ دیا جائے اور حرام کمائی سے بالکل ہی اجتناب کیا جائے.

ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو فضل سے تعبیر کیا ہے:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلاً مِنْ رَبِّكُمْ﴾.

''تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں''۔ [البقرۃ:۱۹۸]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سفر حج میں بھی تجارت کرنے کی اجازت دی ہے، اس سے تجارت کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کا اندازہ ہوتا ہے.

گو جب تجارت کو فضل وبزرگی سے تعبیر کیا گیا ہے تو تاجر لوگ بھی بزرگ ٹھہرے؛ چنانچہ صحابہ کرام اور بزرگانِ دین نے ہمیشہ اس بزرگی کو طلب کیا ہے اور وہ اسی ذریعۂ آمدنی کو اپنا کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں چھا گئے حتی کہ دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک دعوت اسلام کا

علم لے کر پہنچنے والوں میں سے اکثریت تاجروں کی تھی. حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت بڑے تاجر تھے اور کپڑوں کی تجارت کیا کرتے تھے. ان کا خود بیان ہے:

"لَقَدْ عَلِمَ قَوْمِیْ أَنَّ حِرْفَتِي لَمْ تَكُنْ تَعْجِزُ عَنْ مُؤُوْنَةِ أَهْلِي".(۵)

"میری قوم کو معلوم ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل وعیال کی کفالت سے عاجز نہیں ہے".

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی بہت بڑے تاجر تھے. ان کا تجارتی کاروبار اس قدر پھیلا ہوا تھا کہ دوسرے ممالک کے بازاروں میں اس کی نکاسی ہوتی تھی. ان سے حدیثیں کم مروی ہونے کا سبب بھی یہی تجارتی کاروبار میں ان کی مشغولیت ہے جس کا وہ خود اعتراف کرتے ہیں. فرماتے ہیں:

"خَفِيَ عَلَيَّ هَذَا مِنْ أَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْهَانِي الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ".

"نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث مجھ سے اس لیے پوشیدہ رہ گئی کیوں کہ میں بازاروں میں تجارتی کاروبار میں مشغول رہا کرتا تھا".(٦)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بہت بڑے سوداگر تھے. اسلام لانے سے قبل مکہ مکرمہ میں ان کی تجارت کافی وسیع تھی، اسلام قبول کرنے کے بعد جب مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں بھی انہوں نے تجارتی کاروبار شروع کیا اور کچھ ہی دنوں میں بہت بڑے تاجر بن گئے. حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو رسول اکرم ﷺ نے انہیں اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو باہم بھائی بھائی بنایا. حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ مالدار تھے، انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہا:

"أُقَاسِمُكَ مَالِي نِصْفَيْنِ وَأُزَوِّجُكَ".

"میں اپنا مال دو حصوں میں تقسیم کر کے آدھا آپ کو دے دیتا ہوں اور (میری دو بیویوں

(۵) بخاری: كتاب البيوع (٢٠٧٠).

(٦) بخاری: (٧٣٥٣)، مسلم: (٢١٥٣)، أبو داود: (٥١٨٢)، أحمد: (٤/ ٤٠٠).

میں سے جس کو آپ پسند کریں) آپ کی شادی کر دیتا ہوں"۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِيْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ دُلُّونِي عَلَى السُّوْقِ".

"اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے اہل وعیال میں برکت سے نوازے، آپ لوگ مجھے بازار کا راستہ بتلا دیں"(۷)۔

چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تجارت شروع کی اور کچھ ہی دنوں میں بہت بڑے سوداگر بن گئے حتی کہ انہوں نے مرض الموت میں اپنی ایک بیوی تماضر بنت اَصبغ کلبیہ کو طلاق دے دی اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے دوسری تین بیویوں کے ساتھ ان کی مطلقہ بیوی کو بھی وراثت میں حصہ لگایا۔ ان کی مطلقہ بیوی نے آٹھویں حصہ کی چوتھائی پر مصالحت کر لی جس کی مقدار تیراسی (۸۳) ہزار درہم تھی(۸)۔

غرض بہت سارے صحابہ کرام تجارت کرتے تھے مثلاً حضرت طلحہ بن عبیداللہ تیمی رضی اللہ عنہ کا تجارتی کاروبار اس قدر بڑا تھا کہ انہیں کئی ہزار روپئے روزانہ آمدنی ہوتی تھی(۹) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا ذریعہ مُعاش تجارت تھا(۱۰)۔ حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ بہت بڑے تاجر تھے، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو گرچہ خیبر میں رسول اکرم ﷺ نے کافی جاگیر عطا فرمائی تھی لیکن ان کا اصل کاروبار تجارت ہی تھا(۱۱)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اونٹوں کی تجارت کیا کرتے تھے(۱۲)۔

صحابۂ کرام کو تجارتی کاروبار سے اس قدر دلچسپی تھی کہ وہ کسی کا احسان مند ہو کر روزی روٹی

---

(۷) بخاری: البیوع، باب: ۱، رقم: ۲۰۴۹۔

(۸) علم المیراث أسراره وألغازه، از مصطفیٰ عاشور مصر۔ دیکھئے ناچیز کی ترجمہ کردہ کتاب: معجزات نبوی ﷺ (ص: ۱۶۴)۔ ناشر دار الداعی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، ریاض، سعودی عرب۔

(۹) طبقات ابن سعد(۳/۱٦٥)، أسد الغابة (۳/۸۷)۔

(۱۰) الاستیعاب: (۱/۲۰۰۸)۔ (۱۱) طبقات ابن سعد۔ (۱۲) ابن ماجه۔

کا بند وبست کرنا اپنی شان میں بڑی گستاخی سمجھتے تھے. چنانچہ جب امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کرنا چاہا تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے فوراً ٹوک دیا اور فرمایا:

''أَدِيْوَانٌ مِثْلَ دِيْوَانِ بَنِي الْأَصْفَرِ؟ أَنَّكَ إِنْ فَرَضْتَ لِلنَّاسِ اتَّكَلُوْا عَلَى الدِّيْوَانِ وَتَرَكُوْا التِّجَارَةَ''.(۱۳)

''کیا رومیوں کی طرح ہمارے نام بھی رجسٹر میں درج ہوں گے؟ اگر آپ لوگوں کے لیے وظیفہ مقرر کردیں گے تو وہ اسی پر تکیہ کر کے پیٹ پالنے لگیں گے اور تجارتی کاروبار چھوڑ دیں گے''.

تجارت سے متعلق رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اس پیشہ سے دلچسپی ہی کا نتیجہ تھا کہ بعد میں آنے والے علمائے امت نے بھی اس مبارک کاروبار کو اپنا ذریعہ معاش بنایا اور علمی میدان میں ہزار مشغولیت کے باوجود تجارت کو حرزِ جان بنائے رکھا. تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بہت سارے علمائے امت اور بزرگانِ دین نے تجارت وزراعت اور صنعت وحرفت ہی کو اپنا ذریعہ معاش بنایا تھا. کوئی بزاز تھا تو کوئی موچی، کوئی کسان تھا تو کوئی جولاہا، کوئی بڑھئی تھا تو کوئی لوہار؛ مثلاً امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابن سیرین اور امام بخاری رحمہم اللہ کپڑوں کے تاجر تھے، ابوسفیان ثوری بڑے پیمانے پر تجارت کیا کرتے تھے، وہ اپنا سامانِ تجارت ملک یمن لے جا کر مختلف لوگوں کے پاس چھوڑ آتے جو ان کی طرف سے تجارت کیا کرتے تھے اور ہر سال موسمِ حج میں کوفہ سے مکہ آ کر ان سے ملاقات کرتے اور ان سے اپنا حساب کتاب کر کے جو فائدہ ہوتا لیتے تھے. امام شہاب الدین سہروردی کی تجارت دور دراز ملکوں تک پھیلی ہوئی تھی، مشہور عالم خالد الحذّاء جوتے کی تجارت کرتے تھے، امام قدوری برتنوں کی تجارت کیا کرتے تھے، امام ربیع اور علامہ کرخی کا شمار بھی بڑے تاجروں میں ہوتا تھا.

معلوم ہوا کہ تجارتی کاروبار کو صحابہ کرام نے اپنا ذریعہ آمدنی بنایا اور ان کے بعد کے

(۱۳) فتوح البلدان، أبو الحسن البلاذري (ص ٤٤٠) مكتبة الهلال، بيروت.

ہمارے اسلاف نے بھی اسی آزاد پیشہ کو اپنا کر چہار دانگ عالم میں اسلام کا جھنڈا لہرایا۔ اور خود رسول اللہ ﷺ نے بھی ابتدائی ایام میں تجارت کیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر ملک شام تک گئے۔

چوں کہ تجارت ایک بہت ہی آزادانہ اور اچھا پیشہ ہے اس لیے ضروری ہے کہ تجارت کے کچھ اصول وضوابط شریعت اسلامیہ میں موجود ہوں جنہیں اپنا کر ایک تاجر خوشگوار زندگی گزار سکے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے تاجروں کو چند باتوں کی نصیحت فرمائی ہے کہ اگر ان باتوں کے مطابق تجار اپنے تجارتی کاروبار کو آگے بڑھائیں تو ہمیشہ کامیابی وترقی ان کی قدم بوسی کرے گی اور دنیا وآخرت میں سرخرو ہوں گے۔ ذیل میں چند باتیں رسول اکرم ﷺ کی احادیث کی روشنی میں بیان کی جاتی ہیں:

① جھوٹ سے پرہیز:

تاجروں میں عموماً جو بیماری پائی جاتی ہے، وہ جھوٹ ہے۔ شاید ہی کوئی تاجر ہے جو جھوٹ ودغابازی میں ملوث نہ ہو۔ حالانکہ جھوٹے تاجروں کے بارے میں مشاہدہ یہی بتاتا ہے کہ وہ ہمیشہ ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ وقتی طور پر اگر وہ کامیاب ہو بھی جائیں تو مستقبل میں ان کی تجارت دیر تک کامیابی کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ کیوں کہ جھوٹ کی وجہ سے گراہکوں کا اعتماد جھوٹے تاجروں پر سے اٹھ جاتا ہے، اور جن تاجروں کے بارے میں مارکیٹ کے اندر یہ ہوا اٹھ جائے کہ وہ جھوٹے ہیں تو پھر گراہکوں کا لین دین ان کے ساتھ تا دیر برقرار نہیں رہتا اور جن تاجروں کا معاملہ مارکیٹ کے گراہکوں کے ساتھ اچھا نہیں ہوتا، وہ ہر صورت میں ناکام ہی رہیں گے۔ اسی لیے ایک کامیاب تاجر کی سب سے اعلیٰ پہچان اس کی صداقت وسچائی بتائی گئی ہے؛ جبکہ جھوٹے تاجر کی تجارت جہاں لوگوں کی بد اعتمادی کا شکار ہوتی ہے وہیں اس کی تجارت میں برکت نہیں ہوتی، آہستہ آہستہ اس کی تجارت ٹھپ پڑ جاتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ

نے فرمایا ہے:

"بِرُّ الْوَالِدَيْنِ يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ وَالْكَذِبِ يَنقُصُ الرِّزْقَ وَالدُّعَاءُ يَرُدُّ الْقَضَاءَ".

"والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے عمر میں بڑھوتری ہوتی ہے اور جھوٹ بولنے سے رزق میں کمی آتی ہے اور دعا تقدیر پھیر دیتی ہے"[14]۔

نیز اللہ تعالیٰ جھوٹے تاجروں کو راہ راست نہیں دکھاتا، اور جس کو اللہ تعالیٰ راہ راست نہ دکھلائے بھلا وہ کیوں کر کامیاب ہوسکتا ہے، ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ﴾۔

"بے شک اللہ تعالیٰ احسان فراموش جھوٹے کو راہ نہیں دکھلاتا"۔ [زمر:11]

② ننانوے کا چکر:

ویسے تو یہ بیماری عموماً ہر آدمی میں موجود ہے لیکن عملی طور پر اس کی فکر میں تاجر لوگ بری طرح سے جان جوکھم میں ڈالے رہتے ہیں. حالاں کہ اگر ان کا ایمان مضبوط ہوتا تو وہ تجارتی کاروبار میں محنت ضرور کرتے اور اس کا اگلا انجام اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتے. کیوں کہ ہر آدمی کیا رزق کھائے گا، کہاں کھائے گا اور کیسے کھائے گا، یہ اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ ہی میں لکھ دی ہے، ہر تاجر کو وہی کچھ ملے گا جو مقدر ہوگا. مقدر سے ایک تنکا زیادہ ملے گا نہ کم. پھر بھلا ایسی صورت میں جلد بازی کرنا اور ننانوے کے چکر میں اپنی جان جوکھم میں ڈالنا کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَا تَسْتَبْطِئُوا الرِّزْقَ، فَإِنَّهُ لَمْ يَكُنْ عَبْدٌ لِيَمُوتَ حَتَّى يَبْلُغَ آخِرَ رِزْقٍ هُوَ لَهُ فَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ؛ أَخْذِ الْحَلَالِ وَتَرْكِ الْحَرَامِ".

"رزق کی طلب میں ٹوٹ نہ پڑو، کیوں کہ کوئی بھی بندہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب

(١٤) الترغيب والترهيب للمنذری(٤٣٣٨)، الترغيب للأصبهانی(٤٢٠)، كنز العمال (٤٥٤٧٥)

تک کہ وہ (تقدیر میں لکھا ہوا) اپنا آخری لقمہ حاصل نہ کر لے، اس لیے تم لوگ رزق اچھے ڈھنگ سے طلب کرو؛ حلال طریقے سے روزی تلاش کرو، حرام چھوڑ دو"(۱۵).

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَوْ فَرَّ أَحَدُكُمْ مِن رِزْقِهِ أَدْرَكَهُ كَمَا يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ".

"اگر تم میں سے کوئی اپنے رزق سے بھاگ کھڑا ہو تو رزق اسے ویسے ہی ڈھونڈے گا جیسے موت ڈھونڈتی ہے"(۱۶).

③ حلال کے ساتھ حرام کی آمیزش:

رسول اکرم ﷺ نے یقیناً تجارت اور اس پیشہ سے جڑے ہوئے لوگوں کی بڑی ہمت افزائی فرمائی ہے حتی کہ آپ نے بھی تجارت کی ہے اور ایک کامیاب تاجر کی حیثیت سے تجارتی کاروبار میں حصہ بھی لیے ہیں. لیکن تجارتی کاروبار کا معاملہ اتنا گمبھیر ہے کہ لوگ اس میں الجھ کر حلال وحرام کی تمیز کھو بیٹھتے ہیں. تجارتی کاروبار کو چمکانے میں وہ اس قدر مگن ہو جاتے ہیں کہ پھر انہیں ہوش کم ہی رہتا ہے کہ ہمارا یہ تجارتی کاروبار حرام سے ملوث ہوتا جا رہا ہے!! موجودہ زمانے میں اکثر تجار حلال کے ساتھ حرام کی آمیزش کرنے لگ گئے ہیں جس کی وجہ سے ان کی حلال تجارت بھی حرام بن چکی ہے. شاید اسی زمانہ کے متعلق رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

"يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ مَا يُبَالِي الرَّجلُ مِن أَيْنَ أَصَابَ الْمَالَ؛ مِن حَلَالٍ أَوْ حَرَامٍ"(۱۷).

---

(۱۵) [صحیح] صحیح ابن حبان (۳۲۲۷)، حاکم (۲/٤).

(۱٦) امام منذری کہتے ہیں: طبرانی نے اسے "الأوسط" اور "الصغیر" میں حسن سند سے روایت کیا ہے. مجمع الزوائد (۴/۷۲).

(۱۷) نسائی: البیوع/ اجتناب الشبهات فی الكسب (٤٤٥٤)، بخاری (۲۰۵۹، ۲۰۸۳).

''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس وقت ایک آدمی کو کوئی پرواہ نہیں ہوگی کہ کس طرح سے اس نے مال حاصل کیا؛ آیا حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے''.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث مروی ہے:

'' مَنِ اشْتَرَى ثَوْباً بِعَشْرَةِ دَرَاهِمَ وَفِيهِ دِرْهَمٌ مِن حَرَامٍ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ صَلاةً مَا دَامَ عَلَيْهِ''.

''کوئی آدمی اگر ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور اس میں ایک درہم حرام کا ہو تو جب تک وہ اس کے جسم پر ہے اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرے گا''.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث سنا کر اپنی دو انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں داخل کر کے فرمایا:

''صُمَّتَا إِنْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُهُ''.

''اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہو تو میرے یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں''(۱۸).

④ دھوکہ دھڑی سے پرہیز:

تاجروں میں یہ بیماری عام ہے کہ وہ لوگوں سے اپنا سامان (Product) بیچنے کے لیے طرح طرح کے حیلے ایجاد کرتے ہیں. عوام کو دھوکہ دینے کے لیے سامان پر لیبل تو بڑا شاندار لگاتے ہیں لیکن اندر کی حالت بالکل ردی ہوتی ہے. اس میدان میں خصوصی توجہ میں ان تاجروں کو دلاؤں گا جو پبلشنگ کے ذریعہ اپنا تجارتی کاروبار چمکاتے ہیں اور اپنی تجارت کو دعوتِ اسلامی کا مشن قرار دیتے ہیں. ہوتا یہ ہے بلکہ بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ

(۱۸) مسند أحمد (۲/ ۹۸)، ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰/۲۹۲) میں کہا ہے کہ احمد نے اسے من طریق ہاشم عن ابن عمر روایت کیا ہے، ہاشم کے متعلق مجھے معلوم نہیں اور ایک بقیہ نامی راوی اس میں مدلس ہے.

کتابیں مصنفین کے نام کے بغیر شائع کر دیتے ہیں اور ان کے غلاف پر کسی معروف آدمی کا نام تقدیم کے حوالے سے لکھ دیا جاتا ہے تاکہ مصنفین یا ان کے ورثہ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنی تجارت آگے بڑھائی جا سکے. حالاں کہ ایسا کرنا غش اور دھوکہ ہے جو اللہ کی نگاہ میں نہایت ہی بری بات ہے. ایسے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے خوف کھانا چاہیے اور حرام کاموں میں اپنی تجارت کو خواہ مخواہ ملوث نہیں کرنا چاہیے. کیوں کہ دھوکہ دھڑی شریعت میں حرام ہے اور ایسے دھوکے بازوں کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی پائداری نہیں ہے.

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا وَمَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا".

"جو ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور جو ہمیں دھوکہ دے وہ بھی ہمارے طریقے پر نہیں ہے"(۱۹).

دھوکہ دھڑی کے بارے میں مزید معلومات صفحہ (۳۰۶) زیرِ عنوان "رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل دھوکہ دھڑی کرنے والوں کے ساتھ" میں مطالعہ فرمائیں.

⑤ دغا بازی اور خیانت سے پرہیز:

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دو یا اس سے زیادہ آدمی مل کر کوئی کاروبار شروع کرتے ہیں اور آگے چل کر ان کے درمیان دغا بازی اور خیانت کا بازار گرم ہو جاتا ہے جس کے سبب ان کے معاملات کے ساتھ آپسی تعلقات بھی مجروح ہوتے ہیں. ایسی صورت میں جھوٹ کا سہارا لے کر ایک دوسرے کو مطمئن کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور آگے چل کر ان کی تجارت بری طرح متاثر ہوتی ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ کی مدد ان سے اٹھ جاتی ہے.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱۹) مسلم: كتاب الإيمان (۱۰۱) عن أبي هريرة.

"یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالَی: أَنَا ثَالِثُ الشَّرِیْکَیْنِ مَا لَمْ یَخُنْ أَحَدُھُمَا صَاحِبَہُ، فَإِذَا خَانَ خَرَجْتُ مِنْ بَیْنِھِمَا".

"دو تاجروں کی شراکت میں میں تیسرا ہوتا ہوں (اور ان کی رہنمائی کرتا رہتا ہوں جس کی وجہ سے وہ خوب خوب فائدہ حاصل کرتے ہیں) جب تک کہ ان میں سے ایک ساتھی دوسرے ساتھی کے ساتھ خیانت نہیں کرتا ہے. مگر جب وہ خیانت کرتا ہے تو میں ان دونوں ساتھیوں کے درمیان سے نکل جاتا ہوں (اور شیطان ان کے درمیان آ ٹپکتا ہے)"(۲۰).

اس لیے ضروری ہے کہ چند لوگ اگر مل کر کوئی تجارت کر رہے ہیں تو سب سے پہلے وہ اپنے اندر اخلاص پیدا کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ اسلامی طریقے کے مطابق تعامل کریں تا کہ انہیں زیادہ سے زیادہ نفع ہو اور ان کی تجارت آگے بڑھ سکے; نیز جھوٹ سے کلی طور پر اجتناب کریں اور حقیقت کے خلاف اگلے کو نہ بتائیں کیوں کہ ایسی صورت میں تجارت سے برکت ختم ہو جاتی ہے. رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"البَیِّعَانِ بِالخِیَارِ مَا لَم یَتفَرَّقَا، فَإِن صَدَقَا وَبَیَّنَا بُورِکَ لَھُمَا فِی بَیْعِھِمَا، وَإِن کَتمَا وَکَذَبَا مُحِقَتْ بَرَکَةُ بَیْعِھِمَا".

"دو خرید وفروخت کرنے والے کو جدائی سے پہلے اپنی بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے، اگر یہ دونوں سچ بولیں اور اصلیت بیان کر دیں تو ان دونوں کی تجارت میں برکت ہوتی ہے، لیکن اگر وہ دونوں اصلیت کے خلاف کچھ کہیں اور جھوٹ بیانی سے کام لیں تو ان کی تجارت سے برکت ختم ہو جاتی ہے"(۲۱).

⑥ جھوٹی قسم کھا کر مال سپلائی کرنا:

آج کل تجارت کو فروغ دینے کے لیے جھوٹے پروپیگنڈے کو اہم رول تصور کیا جاتا ہے.

(۲۰) أبو داود (۳۳۸۳)، امام حاکم (۲/۵۲) نے اس کو صحیح قرار دیا ہے. نیز دیکھئے: دارقطنی (۳/۳۵).
(۲۱) بخاری: البیوع/ إذا بیّن البیّعان ولم یکتما ونصحا (۲۰۷۹)، مسلم: (۱۵۳۲).

کوئی بھی تاجر جب کچھ آگے نکل جاتا ہے تو میڈیا کے تعاون سے جھوٹے اعلانات شائع کرواتا ہے اور اپنی ردی چیزوں کو بھی خوب اچھی بتلا کر لوگوں سے بیچتا ہے؛ حالانکہ اس قسم کے پروپیگنڈے جھوٹی قسم میں شامل ہیں جو حقیقت کے خلاف لوگوں کو رجھانے کے لیے منظّم کمیٹی کی طرف سے تیار ہوتے ہیں. نیز ایسے تاجروں کو دیکھا جاتا ہے کہ یہ دوسروں کے سامنے اپنے سامان کا تعارف کراتے وقت بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں اور اس جھوٹی قسم کے ذریعہ اپنا سامان سپلائی کرتے ہیں. جبکہ رسول اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق جھوٹی قسموں کے ذریعہ تجارت کو فروغ نہیں ملتا بلکہ اس کی لذت ختم ہو جاتی ہے اور دھیرے دھیرے وہ تجارت ناکام ہو جاتی ہے. ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

”الحَلِفُ مَنْفَقَةٌ لِلسِّلْعَةِ، مَمْحَقَةٌ لِلْبَرَكَةِ“.

”قسم سامان تجارت کو بکوا دیتی ہے لیکن برکت ختم کر دیتی ہے“(۲۲).

علاوہ ازیں ایسے لوگ اللہ کی نگاہ میں مبغوض ہوتے ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہو بھلا ان کی کامیابی کیوں کر ممکن ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

” أَرْبَعَةٌ يُبْغِضُهُمُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: البَيَّاعُ الحَلَّافُ وَالفَقِيرُ المُخْتَالُ وَالشَّيْخُ الزَّانِي وَالإِمَامُ الجَائِرُ“.

”چار قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ مبغوض رکھتا ہے: ایک قسم کھا کر سامان بیچنے والا، دوسرے محتاج مغرور ومتکبر، تیسرے بوڑھا زانی اور چوتھے ظالم وجابر حکمراں“(۲۳).

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی بکری لے کر میرے پاس سے گزرا، میں نے اس سے پوچھا: اسے تین درہم میں بیچے گا؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! نہیں. پھر

(۲۲) بخاری: البیوع/ یمحق الله الربا ویربی الصدقات (۲۰۸۷)، مسلم: المساقاة (۱۶۰۶).

(۲۳) [صحیح] سنن نسائی (۸٦/۵) رقم: (۲۵۷٦)، ابن حبان (۵۵۳۲).

اس نے بیچ دیا. میں نے اس واقعہ کی خبر رسول اللہ ﷺ کو دی تو آپ نے فرمایا:

"بَاعَ آخِرَتَهُ بِدُنْيَاهُ".

'اس نے اپنی دنیا کے عوض آخرت بیچ دی'' (۲۴).

معلوم ہوا کہ تجارت میں قسم کھانا برکت کے ساتھ آخرت کی تجارت کو بھی نقصان پہنچانا ہے!!

⑦ احتکار سے پرہیز:

جو لوگ کھانے پینے کی چیزوں کی تجارت کرتے ہیں، ان کے لیے جائز نہیں کہ جب لوگ قحط زدگی میں مبتلا ہوں تو وہ رَسَد کو گودام وغیرہ میں اکٹھا کر لیں اور مزید مہنگائی کا انتظار کریں تا کہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں. ایسی صورت میں رسول اکرم ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ معمول کے مطابق بازار کا بھاؤ رکھ کر سامان فروخت کیا جائے اور لوگوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے. رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ".

''احتکار کرنے والا گنہ گار ہے'' (۲۵).

⑧ صبح سویرے مالِ تجارت کا ایکسپورٹ (Export):

رسول اکرم ﷺ نے تاجروں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ وہ اپنا سامان تجارت دن کے ابتدائی حصہ میں ایکسپورٹ کیا کریں اور صبح سویرے دکانیں کھولا کریں، کیوں کہ یہ ایسا وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت نازل ہوتی ہے. حضرت صخر بن وداعہ غامدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللَّهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِي فِي بُكُوْرِهَا".

---

(۲٤) [**حسن**] صحیح ابن حبان(٤٩٠٩) الجامع الکبیر للسیوطی(٤٥٧/٢)،الصحیحة (٣٦٤).

(٢٥) مسلم: (١٦٠٥)، أبو داود: (٣٤٤٧)، ترمذی: (١٢٦٧)، ابن ماجه: (٢١٥٤).

''اے اللہ! میری امت کے سویرے کے اوقات میں برکت عطا فرما''.

نیز رسول اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ جب کبھی آپ کوئی چھوٹی فوج یا بڑے لشکر کو روانہ کرتے تو انہیں دن کے پہلے حصہ میں روانہ کرتے تھے. اور صخر رضی اللہ عنہ (جو حدیث کے راوی ہیں) ایک تاجر تھے، ان کا بھی یہ معمول تھا کہ وہ اپنا تجارتی مال دن کے اول حصہ میں بھیجتے تھے. چنانچہ انہوں نے تجارت سے بڑی دولت کمائی اور ان کے پاس بہت سارا مال اکٹھا ہو گیا تھا(۲۶).

تاجروں کو اس حدیث سے درس عبرت پکڑ کر خوب خوب منافع کمانا چاہیے.

⑨ مال حرام کی تجارت سے پرہیز:

بڑی مصیبت ہے کہ مسلمانوں نے بھی دوسری قوموں کی طرح حلال وحرام میں تمیز کیے بغیر تجارتی کاروبار شروع کر دی ہے؛ بلکہ آج تو اکثر ہی مسلم تجار حرام وناجائز چیزوں کی تجارت میں ملوث ہیں. ابھی میرے سامنے ایک مسلمان کے متعلق ایک خبر ہے جس کو پڑھ کر دوسرے مسلمانوں کا سر شرم سے جھک جاتا ہے کہ یہ مسلمان جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عظیم نعمت سے نوازا تھا، اس نے نہ جانے اپنے پیٹ کی جہنم بھرنے کے لیے کن کن رذیل وپھوہڑ کاموں کا کاروبار شروع کر دیا ہے. اخبار اردو نیوز کے مطابق دہلی کے پنڈت نگر کا رہنے والا ۲۵/ سالہ سلیم ایک مسلمان ۱۵/ سالہ لڑکی لطیفہ بیگم اور ایک بیوہ خاتون شمس النساء کو سنتوش نگر سے اغوا کر کے نئی دہلی لے جا کر فروخت کرنا چاہتا تھا، انہیں سلیم کے سسرالی علاقہ اننت نگر سے بازیاب کر لیا گیا ہے. پولیس کے مطابق سلیم اور اس کی بیوی قبل ازیں غیر اخلاقی دھندوں کے ریکٹ میں ملوث رہے ہیں(۲۷).

(۲۶) [صحیح] أبو داود (۲۶۰۶)، ترمذی (۱۲۱۲)، ابن ماجه (۲۲۳۶)، ابن حبان (۴۷۳۵)، نسائی فی الکبری.

(۲۷) اردو نیوز جدہ سعودی عرب، ۱۰/ فروری ۲۰۰۴ء.

شاید ہی کوئی ایسا دن ہے جس میں اس قسم کے دھندے کرنے والے مسلمانوں کے متعلق اخباروں کے کالم خالی رہتے ہوں. جب کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے حرام کاموں سے کلی طور پر منع فرمایا ہے اور حلال چیزوں کی تجارت کی ترغیب دلائی ہے. اس واقعہ سے اور اس قسم کے دیگر واقعات سے اندازہ لگائیں کہ اسلامی معاشرے کے افراد کس قدر دیوث اور بداخلاق ہیں کہ ایسے گھناؤنے فعل کو اپنا تجارتی کاروبار بنائے بیٹھے ہیں؟!!

رسول اکرم ﷺ نے تاجروں کو حلال چیزوں کی تجارت کی ترغیب دی ہے. حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"طَلَبُ الحَلَالِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ".

"رزق حلال طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"(۲۸).

نیز رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ حرام ذریعہ کی کمائی سے پرورش پاتے ہیں ان کی دعائیں رد ہو جاتی ہیں اور جن کی دعائیں قبول نہ ہوں ان کا ٹھکانہ کہاں ہے، سبھوں کو معلوم ہے. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّباً، وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ، فَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ [المؤمنون: ٥١]، وَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ [البقرة: ١٧٢]، ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ، يَا رَبِّ! يَا رَبِّ! وَمَطْعَمُه حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وغُذِىَ بِالحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِکَ؟".

---

(۲۸) ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰/ ۲۹۱) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے "الأوسط" میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے.

''اللہ تعالیٰ طیب (پاکیزہ) ہے اور پاکیزہ مال ہی قبول فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی اسی بات کا حکم دیا ہے جس کا حکم اس نے رسولوں کو دیا تھا، فرمایا: (اے پیغمبرو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں)؛ نیز فرمایا: (اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں، انہیں کھاؤ پیو)، پھر آپ ﷺ نے اس شخص کا ذکر کیا جو دور دراز کا سفر کر کے آتا ہے، اس کے بال بکھرے پڑے ہوتے ہیں، بدن غبار آلود ہوتا ہے اور اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر یہ دعا کرتا ہے: اے میرے پروردگار! اے میرے رب! حالاں کہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کی پوشاک حرام ہے اور اس کی پرورش و پرداخت حرام مال سے ہوئی ہے تو بھلا ایسے آدمی کی دعا کیوں کر قبول ہو سکتی ہے؟''(۲۹).

معلوم ہوا کہ جو تاجر حرام تجارت میں ملوث ہیں، ان کی وقتی کامیابی ہمیشہ ہمیش کی ناکامی کی دلیل ہے. اس لیے حرام تجارت کے بجائے حلال تجارت اپنانی چاہیے تاکہ دنیوی زندگی بھی کامیابی کے ساتھ گزرے اور اخروی زندگی بھی کامیاب رہے.

قارئین کرام! تاجروں کی کامیابی اور ان کی سلامتی کے جو ضابطے ہو سکتے ہیں، مختصر طور پر میں نے رسول اکرم ﷺ کی احادیث کی روشنی میں بتا دی ہے. ان ضوابط کے علاوہ بھی کامیاب تاجروں کے لیے مزید جزوی ضروریات ہیں جن کو بیان کرنا یہاں ضروری نہیں. مثلاً حسن اخلاق، میٹھی گفتگو، بدتمیزی سے گریز، کم فائدہ زیادہ فروخت کا اصول وغیرہ وغیرہ. ہاں! آخری بات میں ضرور کہوں گا وہ یہ کہ آج پوری دنیا میں مسلمان کافروں کے مقابلے میں تجارتی کاروبار میں بہت پیچھے ہیں، جبکہ ان کے نبی نے انہیں تجارت پر ابھارا ہے. اس کی وجہ میری سمجھ کے مطابق یہی ہے کہ کوئی مسلمان جب تجارت میں قدم رکھتا ہے تو وہ راتوں رات بل گٹس

(۲۹) مسلم: الزکاۃ/ قبول الصدقة من الکسب الطیّب وتربیتها (۱۰۱۵)، ترمذی: (۲۹۸۹).

کی طرح مالدار بن جانا چاہتا ہے، اس لیے وہ کم قیمت کے سامان کو زیادہ قیمت میں فروخت کرنے کی فکر میں رہتا ہے. اسی طرح مسلمانوں کے اکثر تجار گراہکوں کے ساتھ بدتمیزی پر اتر آتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی تجارت نا کام ہو جاتی ہے. اس کی دلیل دینے کی ضرورت نہیں، آپ کو خود بھی اس کا اندازہ ہوگا، کیوں کہ میرے گمان کے مطابق مسلم دکانداروں سے کم از کم دو چار کڑوی کسیلی آپ نے بھی ضرور سنی ہو گی!!

اگر مسلمان رسول اکرم ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنا تجارتی کاروبار کرتے تو کوئی دو رائے نہیں کہ وہ دنیا کے سب سے کامیاب تاجر ہوتے، مگر کیا مسلمان تجار اسوۂ رسول کو تسلیم کرنے کو تیار ہیں؟!!

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل پڑوسیوں کے ساتھ

تاریخ اسلامی کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ مخفی نہیں کہ مکی دور میں رسول اکرم ﷺ کے پڑوسیوں نے بھی آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں. جب آپ پڑوسیوں کی تکلیف سے عاجز آ جاتے تو بسا اوقات فرماتے کہ بھلا یہ پڑوسی کا کون سا حق ہے؟! مگر جب اسلام مکی دور سے نکل کر مدنی زندگی میں داخل ہو گیا اور آہستہ آہستہ سلطنت اسلامیہ کی داغ بیل پڑ گئی تو رسول اکرم ﷺ نے حسنِ معاشرت کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی بتایا کہ پڑوسیوں کے حقوق ادا کیے جائیں. اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۂ نساء میں جن لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی بات کہی ہے ان میں سے ایک پڑوسی بھی ہے. ارشاد ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلاَ تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ، إِنَّ اللَّهَ لاَ يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالاً فَخُوراً﴾.

''اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور رشتہ دار پڑوسی اور اجنبی پڑوسی، اور پہلو سے لگے دوست (جو ہمیشہ ساتھ رہتا ہے) اور مسافر اور غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ. بے شک اللہ تعالیٰ اکڑنے والے اور بڑا بننے والے کو پسند نہیں کرتا''۔ [النساء:٣٦]

رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سے اچھا سلوک و برتاؤ کریں، کیوں کہ پڑوسی کا بہت ہی زیادہ حق ہے. ایک انصاری صحابی کا بیان ہے کہ میں اپنے گھر سے رسول اکرم ﷺ کی تلاش میں نکلا. دیکھا کہ آپ ﷺ کھڑے ہیں اور ایک آدمی آپ کی طرف متوجہ ہے. مجھے گمان ہوا کہ شاید اس آدمی کو آپ سے کوئی ضرورت

درپیش ہے؛ چنانچہ میں وہیں بیٹھ رہا.

"فَوَاللّٰهِ لَقَدْ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى جَعَلْتُ أَرْثِي لَهُ مِنْ طُولِ الْقِيَامِ".

"اللہ کی قسم! رسول اکرم ﷺ مسلسل کھڑے ہی رہے یہاں تک کہ مجھے آپ کے تھک جانے کے خیال نے بے چین کر دیا".

جب وہ آدمی واپس ہو گیا تو میں کھڑا ہو کر آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ آدمی آپ کے ساتھ مسلسل بہت دیر تک کھڑا رہا (اور آپ کو بھی کھڑے کیے رکھا) حتی کہ میں آپ کے طولِ قیام کے سبب بے چین ہو گیا کہ کہیں آپ تھک نہ جائیں. آپ ﷺ نے پوچھا:

"أَتَدْرِي مَنْ هُوَ؟". "تجھے معلوم ہے کہ وہ آدمی کون تھا؟".

میں نے عرض کیا: نہیں. آپ ﷺ نے فرمایا:

"ذَاكَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَازَالَ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ، أَمَا إِنَّكَ لَو سَلَّمْتَ عَلَيْهِ لَرَدَّ عَلَيْكَ السَّلَامَ".

"وہ جبرئیل علیہ السلام تھے، وہ مجھے پڑوسی کے حقوق کے بارے مین مسلسل وصیت فرماتے رہے حتی کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنا دیں گے، اگر تو انہیں سلام کرتا تو وہ تیرے سلام کا جواب دیتے"(1).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْ لِيَسْكُتْ".

(1) أحمد (٣٦٥/٥). حدیث کے آخری ٹکڑے کے لیے دیکھیں: بخاری (٦٠١٤)، مسلم (٢٦٢٤).

''جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو نہ ستائے، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے''(۲)۔

جس آدمی کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو وہ رسول اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق کامل مومن نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابو شریح کعبی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ فرمانے لگے:

''وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ''۔

''اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں ہوسکتا، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں ہوسکتا، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں ہوسکتا''۔

آپ سے عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ ناکام ونامراد ہو، آخر وہ کون سا آدمی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ''۔

''وہ آدمی جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہیں ہے''(۳)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''لَا يَسْتَقِيمُ إِيْمَانُ عَبْدٍ حَتّٰى يَسْتَقِيمَ قَلْبُه وَلَا يَسْتَقِيمُ قَلْبُهُ حَتّٰى يَسْتَقِيمَ لِسَانُهُ وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَأْمَنَ جَارُهُ بَوَائِقَهُ''۔

''کسی بندے کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا دل درست نہ ہو، اور اس کا دل اس وقت تک درستگی کی راہ پر گامزن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی زبان درست نہ ہو جائے اور وہ جنت میں اس وقت تک جانے کا مستحق نہیں بن سکتا جب تک کہ اس

(۲) بخاري: (٦١٣٦، ٦١٣٨) مسلم: (٤٨).

(۳) بخاري: (٦٠١٦) مسلم: (٤٦) أحمد: (٢/ ٢٨٨).

کا پڑوسی اس کی شر انگیزی سے خود کو محفوظ نہ سمجھے"(۴).

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ وَالْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ السُّوءَ، وَالَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَبْدٌ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ".

"مومن وہ ہوتا ہے جس سے لوگ امن وامان محسوس کریں، مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف نہ ہو اور مہاجر وہ ہے جو برائیوں کو ترک کر دے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ آدمی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جس کی شرارت سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو"(۵).

پڑوسی کو تکلیف دینا خود کو جہنم میں ڈالنا ہے جب کہ پڑوسی کو خوش رکھنا اپنی عاقبت سنوارنا ہے. صحیح حدیث میں مروی ہے کہ دو عورتیں تھیں، ایک صوم وصلاۃ کی بڑی پابند تھی اور زیادہ سے زیادہ صدقہ وخیرات بھی کیا کرتی تھی مگر اپنے پڑوسیوں کو ناحق ستاتی؛ چنانچہ اس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہے. اس کے برعکس دوسری عورت عبادت اور صدقہ وخیرات میں اس کے ہم پلہ نہ تھی، مگر وہ اپنے پڑوسیوں کو نہیں ستاتی تھی. رسول اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ جنتی ہے(۶).

اس سے اندازہ لگائیں کہ پڑوسی کا کتنا عظیم حق ہے.

اکثر مقامات پر یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک آدمی کھاتا پیتا مالدار ہوتا ہے، اس کے گھر قسم قسم

(٤) أحمد: (٣/ ١٩٨) ابن أبي الدنيا في الصمت (٩).

(٥) أحمد: (٣/ ١٥٤)، أبو يعلى: (٤١٨٧)، كشف الأستار: (٢١)، وإسناد أحمد جيد.

(٦) أحمد: (٢/ ٤٤)، كشف الأستار: (١٩٠٢)، صحيح ابن حبان: (٥٧٦٤)، حاکم (۴/ ۱۶۶) نے صحیح الاسناد کہا ہے.

کے کھانے بنتے ہیں، اس کے بچے خوبصورت لباس زیب تن کرتے ہیں. مگر اس کے پڑوس میں کئی کئی وقت چولہے نہیں جلتے ہیں، بچے بھوک کی شدت سے بلبلاتے رہتے ہیں، ان کے بدن پھٹے پرانے چیتھڑوں کی زینت بنے ہوتے ہیں، لیکن اس آدمی کے دل میں تھوڑا سا بھی رحم نہیں آتا کہ پڑوسی کا بھی خیال رکھے. ایسے آدمی کا شمار شریعت کی نگاہ میں کامل مومنوں کی فہرست میں نہیں ہوسکتا، کیوں کہ ایک مومن کی مروّت وشرافت کا یہ اقتضا نہیں کہ خود تو پیٹ بھر کر آرام کی نیند لے اور اپنے پڑوسی کے رنج وتکلیف میں شریک نہ ہو.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ"(۷).

"وہ بندہ مومن نہیں ہوسکتا جو خود تو پیٹ بھر کر کھاتا ہے مگر اس کا پڑوسی دو روٹی کو ترستا ہے".

اس مفہوم کی ایک حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَا آمَنَ بِي مَنْ بَاتَ شَبْعَاناً وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ وَهُوَ يَعْلَمُ".

"وہ شخص میرے اوپر ایمان نہیں لایا جو خود تو پیٹ بھر کر رات گزارتا ہے مگر اس کے ساتھ والا پڑوسی بھوکے رات گزارتا ہے اور وہ پڑوسی کی حالت سے واقف ہے"(۸).

اسی لیے رسول اکرم ﷺ وصیت فرماتے تھے کہ جو کوئی گوشت کا سالن پکاتا ہے، اس کو چاہئے کہ وہ اس میں شوربہ کے لیے زیادہ پانی ڈال دے تاکہ اس میں سے پڑوسی کو بھی کچھ دے سکے. حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے خلیل ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی:

"يَا أَبَا ذَرٍّ! إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَهَا وَتَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ".

"اے ابوذر! جب تم (گوشت کا) شوربہ پکاؤ تو اس میں پانی کچھ زیادہ ڈال دو اور اپنے

---

(۷) رواه الطبراني وأبو يعلى (۲۶۹۹) ورواته ثقات، ورواه الحاكم (۲/ ۱۲) من حديث عائشة.

(۸) رواه الطبراني والبزار وإسناده حسن. انظر: الترغيب والترهيب للمنذري (۳۸۹۶).

پڑوسی کا خیال رکھو (یعنی اسے بھی اس کھانے میں شریک کرو)"(۹).

بلکہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو یہاں تک تعلیم دی ہے کہ جو خود کے لیے پسند کرو وہ پڑوسی کے لیے بھی پسند کرو. حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"وَالَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُحِبَّ لِجَارِهِ — أَوْ قَالَ: لِأَخِيْهِ — مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ".

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے پڑوسی - یا اپنے دوسرے مسلمان بھائی - کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو خود کے لیے پسند کرتا ہے"(۱۰).

پڑوسیوں کے پیار و محبت میں اضافہ اور باہمی تعلقات کا بہترین طریقہ باہم تحفوں اور ہدایا کا تبادلہ ہے اور ان تحفوں کے بھیجنے کا زیادہ تر موقع عورتوں کو پیش آتا ہے، اس لیے آپ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ! لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ".

"اے مسلمان بیویو! تم میں کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے حقیر نہ سمجھے، گرچہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو (یعنی نہ تو بھیجنے والی بی بی اپنے معمولی تحفہ کو حقیر جان کر اپنی پڑوسن کو نہ بھیجے اور نہ ہی دوسری بی بی اس معمولی تحفہ کو حقیر سمجھ کر اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے)"(۱۱).

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

"يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ لِي جَارَيْنِ، فَإِلَى أَيِّهِمَا أُهْدِي؟".

---

(۹) مسلم: البر والصلة والآداب/ الوصية بالجار والإحسان إليه (۲٦۲٥).

(۱۰) مسلم: كتاب الإيمان (٤٥)، بخاری: كتاب الإيمان (۱۳).

(۱۱) بخاری: كتاب الأدب (٦۰۱۷)، مسلم: كتاب الزكاة (۱۰۳۰) عن أبي هريرة.

''اے اللہ کے رسول! میرے دو پڑوسی ہیں، پھر ان دونوں میں سے کس کے پاس اپنا تحفہ بھیجوں؟''۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''إِلَى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَاباً''.

''جس کا دروازہ تمہارے دروازے سے زیادہ قریب ہو''(۱۲).

پڑوسی اگر غیر مسلم ہو تو اس کا بھی خیال رکھنا واجب ہے. رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''الْجِيْرَانُ ثَلاثَةٌ: جَارٌ لَهُ حَقٌّ وَاحِدٌ وَجَارٌ لَهُ حَقَّانِ وَجَارٌ لَهُ ثَلاثَةُ حُقُوْقٍ، فَالْجَارُ الَّذِيْ لَهُ ثَلاثَةُ حُقُوقٍ الْجَارُ الْمُسْلِمُ ذُو الرَّحِمِ فَلَهُ حَقُّ الْجِوَارِ وَحَقُّ الإِسْلَامِ وَحَقُّ الرَّحِمِ، وَأَمَّا الَّذِيْ لَه حَقَّانِ فَالْجَارُ الْمُسْلِمُ لَهُ حَقُّ الْجِوَارِ وَحَقُّ الإِسْلَامِ، وَأَمَّا الَّذِيْ لَهُ حَقٌّ وَاحِدٌ فَالْجَارُ الْمُشْرِكُ''.

''پڑوسی تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ پڑوی جس کا صرف ایک ہی حق بنتا ہے، دوسرے پڑوسی کے دو حقوق بنتے ہیں اور تیسرے پڑوسی کے تین حقوق بنتے ہیں. وہ پڑوسی جس کے تین حقوق ہیں وہ مسلمان رشتہ دار پڑوسی ہے، اس کا ایک حق پڑوسی ہونے کی حیثیت سے، دوسرا حق مسلمان ہونے کے اعتبار سے اور تیسرا حق رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے ہے، جس کے دو حق بنتے ہیں وہ مسلمان پڑوسی ہے، اس کا ایک حق پڑوسی ہونے کے اعتبار سے اور دوسرا حق مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہے، اور ایک حق والا پڑوسی مشرک و کافر ہے''(۱۳).

معلوم ہوا کہ کافر اور مشرک کو بھی حق جوار حاصل ہے، اسی لیے صحابہ کرام اپنے کافر پڑوسیوں کا بھی بے حد احترام کرتے تھے اور اپنی خوشی میں انہیں بھی شریک رکھتے تھے. سنن ابوداود اور سنن ترمذی میں مجاہد کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے گھر بکری

(۱۲) بخاری: كتاب الأدب، باب: حق الجوار فی قرب الأبواب (٦٠٢٠).

(۱۳) كشف الأستار (١٨٩٦)، مجمع الزوائد (١٦٤/٨).

ذبح کی گئی، جب وہ گھر تشریف لائے تو فرمایا:

"أَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُوْدِيِّ؟ أَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُوْدِيِّ؟".

"کیا تم لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کو (گوشت) ہدیہ بھیجا ہے؟ کیا تم لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کو ہدیہ بھیجا ہے؟".

پھر آپ بیان کرنے لگے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

"مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُه".

"جبریل علیہ السلام برابر مجھے پڑوسی کے متعلق وصیت فرماتے رہے حتی کہ مجھے گمان ہوا کہ اسے پڑوسی کے ترکہ کا وارث قرار دے دیں گے"(۱۴).

برائی جہاں کہیں بھی کی جائے وہ برائی ہے، مگر جب وہ برائی اس جگہ انجام دی جائے جہاں خصوصیت کے ساتھ اسلام نے نیکی و بھلائی کرنے کا تاکیداً حکم دیا ہے، تو ظاہر ہے کہ اس گناہ کا درجہ عام گناہوں سے کہیں زیادہ ہے. بدقسمت انسان کہیں بھی زنا کا ارتکاب کرسکتا ہے مگر پڑوس کے گھر میں زنا کرنا جہاں سے دن رات کی آمد ورفت ہے اور جہاں کے مرد پڑوس کے شریف مردوں پر اعتماد کر کے باہر جاتے ہیں، بہت بڑی اخلاقی خیانت ہے. اسی طرح بدنصیب انسان کسی بھی جگہ چوری کرسکتا ہے مگر وہی چوری پڑوسی کے گھر میں کرے تو اور زیادہ گناہ کا کام ہے، اسی لیے تورات میں یہ حکم تھا:

"تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی مت دے، تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر، تو اپنے پڑوسی کی جورو، اس کے غلام، اس کی لونڈی، اس کے بیل، اس کے گدھے اور اس کی کسی بھی چیز کا لالچ مت کر"(۱۵).

رسول اکرم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے اس عظیم اخلاقی تعلیم کی تکمیل بایں طور فرمائی

(١٤) [صحيح] أبو داود: كتاب الأدب (٥١٥٢)، ترمذی: كتاب البر والصلة (١٩٤٣).

(١٥) خروج: ٢٠ - ١٧.

کہ تورات کی طرح صرف ممانعت پر بس نہیں کیا؛ بلکہ اس کو دس گنا زیادہ برا اور گناہ کا کام بتایا. چنانچہ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا:

”مَا تَقُوْلُوْنَ فِی الزِّنَا؟“.

”زنا کے بارے میں تم لوگ کیا کہتے ہو؟“.

صحابہ نے عرض کیا:

”حَرَامٌ حَرَّمَهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ فَهُوَ حَرَامٌ إِلَی یَوْمِ الْقِیَامَةِ“.

”یہ زنا حرام ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے، لہذا یہ قیامت کے دن تک کے لیے حرام ہے“.

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”لَأَنْ یَزْنِیَ الرَّجُلُ بِعَشْرِ نِسْوَةٍ أَیْسَرُ عَلَیْهِ مِنْ أَنْ یَزْنِیَ بِامْرَأَةِ جَارِهِ“.

”دس بدکاریوں سے بڑھ کر بدکاری یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے“.

پھر آپ ﷺ نے پوچھا:

”مَا تَقُوْلُوْنَ فِی السَّرِقَةِ؟“.

”چوری کے بارے میں تم لوگ کیا کہتے ہو؟“.

صحابہ نے عرض کیا: چوری سراسر حرام ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے ابد الآباد تک کے لیے حرام قرار دیا ہے. آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”لَأَنْ یَسْرِقَ الرَّجُلُ مِنْ عَشْرَةِ أَبْیَاتٍ أَیْسَرُ عَلَیْهِ مِنْ أَنْ یَسْرِقَ مِنْ جَارِهِ“.

”دس گھروں میں چوری کرنے سے بڑھ کر چوری یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے پڑوسی کے گھر

میں چوری کا ارتکاب کرے"(۱۶).

اس کی شاہد حدیث صحیح بخاری ومسلم میں بھی ہے. عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کون سا گناہ سب سے زیادہ عظیم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ".

"یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے".

میں نے پوچھا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا:

"أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ".

"یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گی".

میں نے پوچھا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا:

"أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ".

"یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے"(۱۷).

پڑوسی کا رسول اکرم ﷺ نے از حد احترام کرنے کی تعلیم دی ہے، اور اس احترام میں پڑوسی کے خلاف اس کے ظلم کا جواب اسی کے انداز میں دینے سے بھی منع فرمایا ہے. حالاں کہ مظلوم کے متعلق اسلام نے تعلیم دی ہے کہ وہ اگر ظالم کو معاف نہیں کرسکتا تو اس سے اپنے اوپر ڈھائے گئے ظلم کے مثل بدلہ لے سکتا ہے [سورۃ الشوریٰ: ۴۱]. مگر پڑوسی کے احترام میں رسول اکرم ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کسی کو اس کا پڑوسی ستائے تو وہ صبر سے کام لے اور اس کے خلاف جوابی کارروائی نہ کرے، کیوں کہ اس کا احسان خود اس برے پڑوسی کو شرمندہ کر دے گا. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک آدمی نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ شکوہ کیا کہ میرا پڑوسی مجھے ستاتا ہے. آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱٦) مسند أحمد (٦/٨)، ورواته ثقات، ورواه الطبراني في الكبير والأوسط.

(۱۷) بخاری: كتاب التفسير (٤٧٦١) مسلم: كتاب الإيمان (٨٦).

"اِذْهَبْ فَاصْبِرْ". "جاؤ صبر کرو".

وہ دوسری مرتبہ شکایت لے کر آیا اور آپ نے اس مرتبہ بھی صبر کی نصیحت فرمائی. وہ جب تیسری دفعہ شکوہ لے کر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اِذْهَبْ فَاطْرَحْ مَتَاعَكَ فِي الطَّرِيقِ".

"جا کر تم اپنے گھر کا سامان راستہ میں ڈال دو".

اس نے حکم کی تعمیل کی، پھر آنے جانے والے لوگ اس سے پوچھنے لگے کہ آخر بات کیا ہے؟ اس نے لوگوں کو حقیقت سے آگاہ کیا تو لوگ اس کے پڑوسی پر لعن طعن کرنے لگے؛ بلکہ کچھ لوگوں نے اس کو بد دعا دینی شروع کر دی. جب پڑوسی کو معلوم ہوا تو وہ شرما کر جلدی سے اس کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"ارْجِعْ فَإِنَّكَ لَنْ تَرَى مِنِّي شَيْئًا تَكْرَهُهُ".

"واپس گھر چلو، اب اس کے بعد تم مجھ سے کوئی ناگوار بات نہ دیکھو گے"(۱۸).

پڑوسیوں کے حقوق اور ان کی اہمیت سے متعلق مذکورہ تمام احادیث سے یہ مترشح ہے کہ اسلام ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل چاہتا ہے جس میں پیار ومحبت کی فضا کا بول بالا ہو اور معاشرے کے افراد باہم ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں تا کہ اسلامی معاشرہ باہمی خوشگوار تعلقات کا حسین سنگم ہو.

مگر آج کے اس دور میں دیکھا یہ جاتا ہے کہ مسلمانوں کی سوسائٹی اس قدر مفاد پرست ہو چکی ہے کہ ایک مسلمان اپنے ہی سگے بھائی کے حالات سے بے خبر ہوتا ہے چہ جائیکہ وہ پڑوسی کے حالات سے واقفیت رکھے. اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے نبی ﷺ کے طرز عمل سے کھلواڑ کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک پڑوسی کے چھوٹے چھوٹے بچے بھوک کی

(۱۸) [حسن صحيح] أبو داود: الأدب (۵۱۵۳)، صحيح ابن حبان (۵۲۱)، الحاكم (۴/ ۱۶۰).

شدت سے بلبلا رہے ہوتے ہیں، ان کے جسم ڈھانپنے کے لیے کپڑے نہیں ہوتے، یونہی پھٹے پرانے کپڑے پہن کر رہتے ہیں مگر دوسرا مسلمان پڑوسی خوشحال ہونے کے باوجود اپنے غریب پڑوسی کی خبر گیری نہیں کرتا!! ایسی صورت میں مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ پڑوسیوں کے متعلق رسول اکرم ﷺ کی وصیت کو اپنائیں اور وہی طرزِ عمل اختیار کریں جس کی رسول اکرم ﷺ نے تعلیم دی ہے. ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن کسی کا پڑوسی اس کا گریبان پکڑ کر اللہ کے دربار میں شکوہ کرے. جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں رسول اکرم ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

"كَمْ مِنْ جَارٍ مُتَعَلِّقٌ بِجَارِهِ يَقُوْلُ: يَا رَبِّ! سَلْ هَذَا لِمَ أَغْلَقَ عَنِّي بَابَهُ وَمَنَعَنِي فَضْلَهُ".

"کتنے ہی لوگ ایسے ہوں گے جن کے پڑوسی ان کا گریبان پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے شکوہ کریں گے کہ اے پروردگار! میرے اس پڑوسی سے پوچھ کہ اس نے مجھ سے اپنا دروازہ کیوں بند کر رکھا تھا اور کیوں اپنی خوشحالی میں مجھے شریک کرنے سے محروم رکھا تھا؟"(۱۹).

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی توفیق دے، آمین.

(۱۹) رواه الأصبهاني في الترغيب والترهيب (٨٤٨)، نیز دیکھئے امام منذری کی الترغیب والترہیب (۳۸۹۹).

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل
جورو کے غلاموں کے ساتھ

بعض قصے ایسے ہوتے ہیں جن کے صحیح ہونے کے متعلق بالیقین کہا نہیں جا سکتا؛ لیکن دل ان کی صداقت کی گواہی دینے لگتا ہے. کیوں کہ جن باتوں پر یہ قصے دلالت کرتے ہیں ان کو انسان روز مرہ کی زندگی میں مشاہدہ کرتا ہے اور اگر یہ قصے بناوٹی ہوتے ہیں تب بھی دل میں اتنا خیال ضرور آتا ہے کہ ایسا ہونا بہر حال ناممکن نہیں ہے.

ایک قصہ میں نے کسی اردو میگزین میں بچپن میں پڑھا تھا جو ذہن میں نقش کالحجر ہو گیا اور آج جب کہ اپنے ماحول میں اس قصہ کی تطبیق دیکھتا ہوں تو پھر اس بناوٹی قصے میں بھی حقیقت کی تصویر نظر آتی ہے!! .... قصہ یہ ہے کہ ایک لڑکے کو کسی لڑکی سے عشق ہو گیا. لڑکے نے اپنی معشوقہ کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیے اور اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ روئے زمین پر اس معشوقہ سے زیادہ محبوب اس کی نگاہ میں کوئی نہیں ہے. معشوقہ نے اپنے عاشق سے کہا: اگر واقعی تم مجھے چاہتے ہو تو کیا تم میرے امتحان میں کامیاب ہو سکتے ہو؛ تا کہ مجھے بھی یقین ہو جائے کہ تم مجھ سے سچی محبت کرتے ہو؟ لڑکے نے جواب دیا: کیوں نہیں! تم جو چاہو امتحان لے سکتی ہو، پھر تمہیں میری محبت کا اندازہ ہو جائے گا. لڑکی نے کہا: چلو اگر تم مجھ سے واقعی حقیقی محبت کرتے ہو اور میرے لیے سب کچھ کر سکتے ہو تو تم اپنی ماں کا جگر نکال کر مجھے دے دو، پھر میں سمجھوں گی کہ بلا شبہ تم مجھ سے سچی محبت کرتے ہو!! لڑکے نے حامی بھر دی اور ماں کا جگر نکالنے کے لیے گھر چل پڑا! - کسی نے خوب ہی کہا ہے کہ محبت اندھی ہوتی ہے - گھر پہنچ کر اس نے ماں کا سینہ چاک کیا اور جگر نکال کر جیب میں رکھ لیا، پھر معشوقہ کے گھر کی

طرف روانہ ہو گیا. راستے میں اسے ٹھیس لگی اور وہ منہ کے بل گر پڑا. جیب میں رکھے ہوئے ماں کے جگر سے پیار بھری آواز آئی: اُف او!! سنبھل کر چلو بیٹا!! چوٹ تو نہیں آئی ؟!!

یہ واقعہ گرچہ بناوٹی ہے لیکن اس کی بناوٹ میں بھی صداقت کی بو آتی ہے. اور میں نے اس واقعہ کو اپنی کتاب میں اس لیے جگہ دی ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں جورو کے غلاموں کے افعال وکردار سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر ایسا وقت آن پہنچا تو وہ اس قسم کا اقدام بھی کر سکتے ہیں. کیا آپ نے اپنے سماج میں ایسے لڑکوں کو دیکھا نہیں، جو شادی سے قبل اپنے ماں باپ کے وفادار وفرماں بردار ہوتے ہیں، ان کی آنکھوں کے اشارے پر ان کے سارے حکم بجا لاتے ہیں اور جو کچھ ماں باپ کہتے ہیں، وہ وہی کرتے ہیں. لیکن جب ان کی شادی ہو جاتی ہے اور بیوی گھر آتی ہے تو بیوی کی غیر اسلامی ذہنیت سے متاثر ہو کر وہ جورو کا غلام بن جاتے ہیں. بیوی شوہر سے جو کچھ کہتی ہے شوہر وہی کچھ کرتا ہے؛ حتیٰ کہ بیوی کے کہنے پر ماں باپ کی خدمت بھی چھوڑ بیٹھتا ہے اور ایک دن ایسا بھی آتا ہے کہ بات بات پر بیوی ساس کو ڈانٹ پلاتی ہے، کیوں کہ شوہر کا ریموٹ کنٹرول اسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے. یہی نہیں بلکہ شوہر جب باہر سے گھر واپس آتا ہے تو بات میں نمک مرچ ملا کر شوہر کو اکساتی ہے اور اس کی زبان سے بھی بوڑھے والدین کو گالیاں سنواتی ہے. بسا اوقات یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ بیٹا اپنی بیوی کی ناحق بات پر ماں کی پٹائی کرنے لگتا ہے اور باپ کو بھی برا بھلا کہتا ہے.

آپ اس بد بخت کے بارے میں کیا کہیں گے جو اپنی بیوی کو خوش رکھنے کے لیے اپنی اس بوڑھی ماں کو مارتا یا گالیاں دیتا ہے جس نے ہزار تکلیفیں برداشت کر کے پیٹ کے اندر اس کی حفاظت فرمائی، نو ماہ تک اپنے پیٹ میں اس کا بوجھ اٹھائے رکھا، دو سال تک اس کو دودھ پلاتی رہی. اس مدت کے دوران اس کے پیشاب پاخانہ صاف کرتی رہی، اس کی تکلیف پر ہفتہ ہفتہ راتوں کو جاگ جاگ کر گزار دیا اور اس کو آرام پہنچانے کے لیے دنیا کی اپنی ساری خوشیوں پر

پانی پھیر دیا. ایسا آدمی یقیناً اللہ اور اس کے رسول کی نگاہ میں مبغوض ہے. رسول اکرم ﷺ نے ایسے شخص کے لیے وعیدیں سنائی ہیں؛ چنانچہ مسند امام احمد اور سنن نسائی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ثَلَاثَةٌ لاَ يَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: الْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ، وَالْمَرْأَةُ الْمُتَرَجِّلَةُ، وَالدَّيُّوْثُ''.

''تین قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہیں دیکھے گا: ماں باپ کا نافرمان، مردوں سے مشابہت کرنے والی عورت اور دیوث''.

ایک حدیث کے الفاظ ہیں کہ ''یہ تین قسم کے لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے''(۱).

اس تحریر کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ - نعوذ باللہ - ہر عورت اپنے شوہر کو ماں باپ یا دوسرے رشتہ داروں کے خلاف ورغلاتی ہے یا ہر شوہر اپنی بیوی کی بات میں پھنس کر والدین یا دیگر رشتہ داروں کو نظر انداز کر دیتا ہے. بلکہ آج بھی ہمارے معاشرے میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو شادی کے بعد بھی اپنے والدین کو ویسے ہی مانتے ہیں جیسے شادی سے قبل مانتے تھے؛ نیز ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک لڑکا جو شادی سے پہلے والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتا تھا لیکن شادی کے بعد اس کی دیندار ووفادار بیوی کی صحبت نے اسے اس قدر والدین کا فرماں بردار اور رشتوں کا احترام کرنے والا بنا دیا کہ اس کی اس تبدیلی کی گھر گھر تعریفیں کی جانے لگیں.

رسول اکرم ﷺ نے ہر ایک کے حقوق الگ الگ بیان کر دیے ہیں؛ لہذا بیوی کے حقوق کی ادائیگی بھی ضروری ہے اور دیگر لوگوں (ماں باپ، بھائی بہن، اقارب ورشتہ دار وغیرہ) کے حقوق کی ادائیگی بھی لازم ہے. عون بن ابوجحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول

(۱) [حسن صحیح] أحمد (۲/ ۱۳٤)، نسائی: الزکاة/ المنان بما أعطی (۲٥٦۲)، الصحیحة (٦۷٤).

اللہ ﷺ نے سلمان فارسی اور ابو درداء رضی اللہ عنہما میں اخوت و بھائی چارگی کرا دی تھی. ایک مرتبہ سلمان فارسی ابو درداء - رضی اللہ عنہما - کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے. انہوں نے ام درداء رضی اللہ عنہا کو بوسیدہ کپڑے (گدڑی) میں دیکھ کر پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اس حالت میں بیٹھی ہو؟ ام درداء رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ کے بھائی ابو درداء کو دنیا سے کوئی حاجت نہیں ہے (یعنی وہ مجھ میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے جس کی وجہ سے میں نہ اچھا لباس زیب تن کرتی ہوں اور نہ ہی بناؤ سنگار کرتی ہوں). اتنے میں ابو درداء آ گئے، انہوں نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے لیے کھانا بنوایا اور کہا: آپ کھائیے میں روزے سے ہوں. سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک تم نہیں کھاتے. چنانچہ ابو درداء رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ساتھ کھانا تناول فرمایا. جب رات آئی تو ابو درداء رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے. حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ابھی سو جاؤ. تھوڑی دیر بعد پھر ابو درداء رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے سونے کو کہا. جب رات کا آخری حصہ ہوا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اٹھو، پھر دونوں نے (تہجد کی) نماز ادا کی. پھر سلمان رضی اللہ عنہ نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے کہا:

''إِنَّ لِرَبِّکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَلِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَلأَهْلِکَ عَلَیْکَ حَقًّا، فَأَعْطِ کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهُ''.

''بے شک تیرے رب کا تیرے اوپر حق ہے، خود تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے، اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے، اس لیے ہر حقدار کو اس کا حق دیا کرو''.

صبح ہوئی تو حضرت ابو درداء نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس قصہ کو آپ سے بیان کیا. آپ ﷺ نے فرمایا:

''صَدَقَ سَلْمَانُ''. ''سلمان نے سچ کہا''(۲).

---

(۲) بخاری: کتاب الصوم/ من أقسم علی أخیه لیفطر .. (۱۹۶۸)، ترمذی: الزهد (۲۴۱۳).

لہٰذا بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک شریعتِ اسلامیہ کا حکم ہے اور رسولِ اکرم ﷺ نے بیویوں کے ساتھ اچھے سے اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے. اس لیے ایسا بھی نہیں ہے کہ آدمی اپنی بیوی کی اچھی باتوں کو بھی نظر انداز کر دے اور اسے کوئی اہمیت ہی نہ دے. بلکہ بات خلافِ شریعت اس وقت ہوتی ہے جب آدمی اپنی جورو کا غلام بن جائے اور ہر اچھی بری باتوں میں اس کی باتوں کو مقدم رکھنے کی کوشش کرے. جیسا کہ آج کے دور میں ہمارے مسلم معاشرے کے اندر دیکھا جاتا ہے.

سرِ دست اس سلسلہ میں ایک صحابی کے بارے میں غلط فہمی کا ازالہ بھی کر دینا مناسب ہے. کیوں کہ جورو کی غلامی کرنے والوں اور والدین کی نافرمانی کرنے والوں کے تعلق سے منبر ومحراب یا جلسوں کے اسٹیجوں پر خطیبوں کو یہ قصہ بیان کرتے ہوئے سنا جاتا ہے؛ حالانکہ یہ قصہ من گھڑت اور موضوع ہے. اس کے علاوہ ایک صحابیِ رسول پر بہتان اور ان کی شان میں گستاخی بھی ہے.

قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ علقمہ نامی ایک صحابیٔ رسول اپنی جورو کی باتوں میں آ کر اپنی ماں کا کہا نہیں مانتے تھے اور اس کی نافرمانی کرتے تھے. ماں نے غصہ میں آ کر ان پر بددعا کر دی؛ چنانچہ مرتے وقت ان کی زبان پر کلمہ "لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" نہیں جاری ہو رہا تھا. لوگوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں اس بات کی اطلاع دی تو آپ نے علقمہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کو بلوایا اور حالات پوچھنے کے بعد بیٹے کو معاف کرنے کو کہا. مگر ماں نے کہا: نہیں، میں معاف نہیں کروں گی؛ کیوں کہ اس نے بیوی کی بات میں آ کر میری بڑی نافرمانی کی ہے. رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جب تم اپنے بیٹے کو معاف نہیں کرتی تو اس کو آگ میں جلا دیا جائے گا!!".

یہ سنتے ہی ماں نے معافی کا پروانہ جاری کر دیا. ادھر معاف کرنا تھا اُدھر علقمہ رضی اللہ عنہ کی زبان

سے کلمہ جاری ہو گیا.

یہ قصہ موضوع اور من گھڑت ہے. علامہ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے، اور اس کے رواۃ میں منکر الحدیث ہیں. اس لیے اس طرح کے قصوں سے جو صحیح سند سے ثابت نہیں ہیں، منبر ومحراب کی زینت بننے والے خطیبوں اور مقرروں کو پرہیز کرنا چاہیے اور اگر بیان کرنا ہی ہو تو عوام کے سامنے ان کے موضوع اور من گھڑت ہونے کے متعلق بھی بیان کیا جانا چاہیے تا کہ عوام اس قسم کے من گھڑت قصوں سے آگاہ ہو جائیں (۳).

ہمارے معاشرے میں جورو کے غلاموں کی کمی نہیں ہے اور ماضی میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے رہے ہیں. آپ دیکھیں گے کہ ایسا آدمی ہر قدم پر اپنی جورو کی باتوں کو مقدم رکھتا ہے؛ خواہ والدین ہوں یا دیگر رشتہ دار، ان کی اچھی باتیں بھی اس کی جورو کی غیر شرعی باتوں کے آگے بری لگتی ہیں. کیوں کہ اس کی سوچ وفکر بس اتنی ہی ہے کہ جورو کو خوش رکھنے کے لیے اس کی ہر غلامی تسلیم کی جائے. مغل حکمرانوں میں اس کی مثالیں ملتی ہیں جو نام کے مسلمان تھے مگر کام غیر شرعی کرتے تھے.

---

(۳) مگر روایت ودرایت کی اہمیت نہ سمجھنے کے پیش نظر آج بھی یہ قصہ منبر ومحراب اور اسٹیجوں کی زینت بنتا ہے، اور چونکہ قصہ کچھ لچھے دار ہے اس لیے عوام الناس بھی خوب مزے سے سنتے ہیں. بچپن میں میں نے یہ قصہ اپنے سب سے پہلے استاذ محترم جناب حافظ افضل حسین صاحب (جن کے پاس بلا شبہ علم بہت ہی کم تھا؛ مگر دینی جذبہ، اسلامی دعوت، ایمانی غیرت ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، فرائض وواجبات کی پابندی اور شعائر اسلامی کا لحاظ ان کے اندر بدرجہ اتم موجود تھا) کی زبانی سنا تھا جنہوں نے خطبہ جمعہ میں اسے بیان کیا تھا. جامعہ اصلاحیہ سلفیہ (پٹنہ) کے تقریری انعامی مقابلہ میں مجھے حقوق والدین کے موضوع پر مشتمل ایک کتاب بطور انعام ملی تھی جس کے اندر بھی یہ واقعہ مذکور تھا. اسی وجہ سے میں بہت دنوں تک اس واقعہ کو صحیح سمجھتا رہا، مگر جب فن حدیث کی کچھ سوجھ بوجھ ہوئی تو جا کر معلوم ہوا کہ یہ قصہ حقیقت نہیں بلکہ ایک افسانہ ہے. اگر واعظین یا علمائے کرام اس قسم کے ضعیف اور موضوع روایات کے متعلق وضاحت کر دیتے تو عوام الناس کو بھی احادیث صحیحہ اور احادیث موضوعہ کو سمجھنے میں سہولت ہو جاتی. کاش! ایسا ہو جاتا!!

جب مغل حکمراں معز الدین جہاں دار شاہ (ابن محمد معظم بہادر شاہ بن اورنگ زیب بن شاہ جہاں بن جہانگیر) نے اپنے بھائیوں کا خون کر کے حکومتِ ہند کی گدی سنبھالی تو اس شہنشاہِ ہند کے دل ودماغ میں ایک طوائف لال کنور کے عشق کا جادو سرایت کر گیا؛ چنانچہ اس نے رزم کے ہنگاموں سے بچ کر بزم کو آراستہ کیا. رات کے وقت محل میں میراثی، بھانڈ اور رذیل لوگوں کا اجتماع ہوتا اور شراب نوشی کے بعد خوب شور وغل اور ہنگامہ ہوتا. یہ سب صرف لال کنور کو خوش رکھنے کے لیے کیا جاتا. یہ عیاش حکمراں محبوبہ کی غلام پروری کی اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ اس کے اشارے پر حکومت کے اہم اہم مناصب اس کے بھائیوں کو دے دیے گئے.

جب اس کا بھتیجا فرخ سیر اپنے باپ عظیم الشان کے خون کا انتقام لینے کے لیے (جسے معظم شاہ نے قتل کرا دیا تھا) بنگال سے ایک لشکر جرار لے کر آگرہ کی طرف روانہ ہوا اور چچا (جہاں دار شاہ) کے اقتدار کا تختہ الٹنے کے لیے ۱۰ر جنوری ۱۷۱۳ء کو شہر سے باہر بمقامِ آگرہ نبرد آزما ہو کر اپنی افواج کے ذریعہ تیروں کی بوچھار سے معز الدین جہاں دار شاہ کی فوج میں ہلچل مچا دیا. ویسی پریشان کن حالت کے دوران بھی یہ نالائق جورو کا غلام بن کر اپنی داشتہ لال کنور سے مشورے لیتا رہا؛ بلکہ وہ دلی کی اس ہندو طوائف پر اس قدر فریفتہ تھا کہ اس کے قدموں پر پورا مغل خزانہ نثار کر دیا تھا. ایک انگریز مورخ لکھتا ہے:

”لال کنور اور اس کے دوستوں پر تحفے تحائف نچھاور کیے گئے. لال کنور کو لباس اور زیورات کے علاوہ دو کروڑ روپے سالانہ دیے جاتے تھے“(۴).

محبوبہ کے اس غلام اور نالائق مغل شہنشاہِ ہند کے عہد میں ایک مرتبہ دلی میں قحط پڑا اور اناج گراں ہونے لگا، یہاں تک کہ گندم ایک روپے میں سات آٹھ سیر سے زیادہ نہیں ملتی تھی.

---

(٤) William Irvine, Later Mughal, vol1 p.192 [بحوالہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات ر۴۷، ناشر ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، پاکستان].

ملکی معاملات میں اس کی معشوقہ کی اتنی مداخلت تھی کہ قحط کے دوران ایک دن لال کنور محل کے سمن برج میں کھڑی شیشے کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی. اس نے جمنا کے دوسرے کنارے پر بہت سے لوگوں کو سروں پر گندم کا ڈھیر اٹھائے دیکھا تو ان میں سے ایک آدمی کو بلا کر پوچھا: تم نے ایک ڈھیر کتنے میں فروخت کیا ہے؟ اس نے کہا: پانچ چھ روپے میں. لال کنور اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی:

''خدا کی پناہ! ابھی چیزیں اتنی سستی ہیں! میں گندم کی قیمت پانچ چھ روپے میں پانچ چھ سیر کروں گی''(۵).

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نالائق شہنشاہ جورو کی غلامی میں کس قدر آگے بڑھا ہوا تھا کہ وہ جو چاہتی وہ وہی کرتا؛ بلکہ اس نے لال کنور کی دلجوئی یہاں تک کی کہ اس کی خواہش کی تکمیل میں لوگوں سے بھری ہوئی کشتی دریا برد کرادی.

''ایک روز جہاں دار شاہ اور لال کنور محل کی چھت سے دریا کا نظارہ کر رہے تھے کہ ایک کشتی مسافروں سے بھری ہوئی دریا پار جا رہی تھی. محبوبہ نے خواہش ظاہر کی کہ میں نے سواریوں سے بھری کشتی ڈوبتے ہوئے نہیں دیکھی. شہنشاہ کا اشارہ کافی تھا، ملاحوں کو حکم دیا گیا، سواریوں سے بھری ہوئی کشتی منجدھار میں لا کر غرق کر دی گئی''(۶).

جورو کے اس غلام اور رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کا مطالعہ کریں. پھر فیصلہ کریں کہ کیا جورو کا یہ غلام اسلامی تعزیرات وقصاص کا مرتکب نہیں ہے؟ اور کیا جورو کے ایسے غلاموں کی اس قدر آزادی پر رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیمات خاموش رہ سکتی ہیں؟ ..... یقیناً اس طرح کی غلامی کرنے والے خاوندوں نے معشوقوں اور بیویوں کے چکر میں پھنس کر رسول اللہ ﷺ کی

---

(۵) Ibid. p. 198. [بحوالہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات ص ۴۷].

(۶) سیر المتأخرین (۲/ ۳۸۵) از غلام حسین طباطبائی بحوالہ کتاب سابق (ص ۲۳).

دی ہوئی تعلیمات کوتہس نہس کرنے میں بہت زیادہ رول ادا کیا ہے. اس لیے ایسی غلامی کرنے والے لوگوں کو اللہ کے عذاب اور رسول اکرم ﷺ کی دی ہوئی دھمکیوں سے ہوشیار ہو جانا چاہئے!!

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ کر دینا ضروری ہے، وہ یہ کہ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ بھی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی محبت میں گرفتار تھے، اور جب بیوی سے جدائی ہوگئی تو اس کے پیچھے پیچھے منانے کے لیے روتے پھرتے تھے، گو وہ بھی جورو کے غلاموں کی فہرست میں ہیں!!

حضرت مغیث اور بریرہ رضی اللہ عنہما کے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں کی زندگی غلامی کی تھی. مگر جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آقا سے مکاتبت کر کے آزادی حاصل کر لی اور ان کے شوہر حضرت مغیث غلامی کی زندگی میں جکڑے ہی رہے تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے لیے عار سمجھا کہ وہ آزاد ہو کر بھی کسی غلام کی بیوی بن کر رہیں. صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

”أَنَّ زَوْجَ بَرِيرَةَ كَانَ عَبْداً يُقَالُ لَهُ مُغِيثٌ، كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَطُوفُ خَلفَهَا يَبْكِي وَدُمُوعُهُ تَسِيلُ عَلَى لِحْيَتِهِ“.

”حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر غلام تھے (جب کہ وہ آزاد ہو گئی تھیں) جن کا نام مغیث تھا، گو ابھی میری نظروں کے سامنے وہ منظر جھلک رہا ہے کہ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ (جدائی کے بعد اپنی بیوی) حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے پیچھے (مدینہ کی گلیوں میں) روتے ہوئے چل رہے ہیں (تا کہ وہ کسی بھی طرح سے بیوی کو ساتھ رہنے کے لیے منانے میں کامیاب ہو جائیں) اور ان کے آنسوان کے رخساروں پر ٹپ ٹپ گر رہے ہیں“.

یہ دردناک منظر دیکھ کر رسول اکرم ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''يَا عَبَّاسُ! أَلاَ تَعْجَبُ مِن حُبِّ مُغِيثٍ بَرِيرَةَ وَمِن بُغْضِ بَرِيرَةَ مُغِيثاً؟''.

''اے عباس! کیا آپ کو بریرہ سے مغیث کی بے انتہا محبت اور اس کے برعکس مغیث سے بریرہ کی شدید نفرت کو دیکھ کر کچھ تعجب نہیں ہو رہا ہے؟''.

پھر رسول اکرم ﷺ نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''لَوْ رَاجَعْتِهِ''.

''کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم اپنے شوہر (سے مصالحت کر کے اس) کے پاس چلی جاتی''.

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''يَا رسولَ اللَّهِ! تَأْمُرُنِي؟''

''اے اللہ کے رسول! کیا یہ آپ کا حکم ہے؟''.

آپ ﷺ نے فرمایا:

''إِنِّي أَنَا أَشْفَعُ''.

''نہیں؛ بلکہ میں تو سفارش کر رہا ہوں''.

حضرت بریرہ نے عرض کیا:

''لاَ حَاجَةَ لِي فِيهِ''.

''مجھے اب اس کی کوئی حاجت نہیں''(۷).

اس واقعہ کو جورو کی غلامی سے تعبیر کرنا مناسب نہیں؛ بلکہ اسے تو بیوی سے شوہر کی بے انتہا محبت کی ایک اعلیٰ مثال کہنی چاہیے!

---

(۷) بخاری: کتاب الطلاق، باب: شفاعة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی زوج بریرة (۵۲۸۳).

رسول اکرم ﷺ کا طرزعمل والدین کے ساتھ

ہوسکتا ہے کہ قارئین کی نگاہ جب اس عنوان پر پڑے گی تو وہ تھوڑی دیر کے لیے اچنبھے کا شکار ہو جائیں گے اور ان کے ذہن میں یہ سوال ابھرے گا کہ ہم تو بچپن ہی سے پڑھتے اور سنتے آئے ہیں کہ مکہ کی سرزمین میں جس ہستی کو نبوت کا تاج پہنایا گیا وہ ابھی اپنی ماں آمنہ کے پیٹ ہی میں تھی کہ اس کے والدمحترم کا انتقال ہوگیا اور جب چھ سال کی عمر مبارک ہوئی تو والدہ محترمہ حضرت آمنہ اپنے متوفی شوہر عبداللہ بن عبدالمطلب کی یاد وفا میں یثرب گئیں تا کہ وہاں اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کرسکیں؛ چنانچہ وہ اپنے یتیم بچہ محمد (ﷺ)، اپنی خادمہ ام ایمن اور اپنے سرپرست عبدالمطلب کی معیت میں کوئی پانچ سو کیلومیٹر کی مسافت طے کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئیں اور وہاں ایک ماہ تک قیام کر کے واپس ہوئیں. مگر ابھی واپسی کے سفر کا آغاز ہی ہوا تھا کہ بیماری نے انہیں آلیا، پھر یہ بیماری شدت اختیار کرتی گئی تا آں کہ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابواء میں پہنچ کر ہمیشہ ہمیش کی نیند سوگئیں. گو رسول اکرم ﷺ چھ سال ہی کی عمر میں باپ اور ماں دونوں کی آغوش محبت سے محروم ہو گئے اور یتیموں کی فہرست میں ایک نام کا اضافہ ہوگیا. پھر بھلا اس عنوان میں ''والدین کے ساتھ'' جو آپ کے ''طرز عمل'' کا اضافہ کیا گیا ہے، اس کے کیا معنی؟

یہ بات تو بالکل اپنی جگہ درست ہے مگر میں اپنے معزز قارئین سے کہوں گا کہ صاحبان! یہ بالکل سچ ہے کہ رسول اکرم ﷺ یتیم تھے، باپ کا انتقال اسی وقت ہو چکا تھا جب آپ بطن مادر میں ہی تھے اور چھ سال کی نوعمری میں آپ کی والدہ بھی آپ کو داغ مفارقت دے گئیں، اور قارئین کرام! اس حادثہ کے وقت یعنی آج سے تقریباً پندرہ سو سال قبل کا وہ منظر بھی میری آنکھوں کے سامنے جھلک رہا ہے کہ جب حضرت آمنہ کی روح قفس عنصری سے پرواز کی ہوگی

تو پھر اس ننھے منھے سے معصوم بچے کی آنکھوں سے آنسو ٹپک ٹپک کر اس کے سرخ رخسار پر جمع ہو رہے ہوں گے اور یہ مبارک ہستی اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اپنی اشکبار آنکھیں پونچھتی ہوگی، پھر اپنی چھوٹی چھوٹی خوبصورت سی ہتھیلیاں اپنی آنکھوں پر رکھ کر انہیں مسلتے ہوئے ہچکیاں لے رہی ہوگی اور ہچکیاں لیتے ہوئے اپنی معصوم آواز میں کہہ رہی ہوگی:

''امی امی...! آنکھیں کیوں بند کرلیا آپ نے...؟ اپنے گھر نہیں چلیں گی...؟ آنکھیں تو کھولو...!! مکہ سے مدینہ آتے وقت تو آپ مجھے گدگداتی تھیں کہ میں کچھ بولوں، ہنسوں، کھلکھلاؤں...اور پھر جذباتِ محبت سے سرشار ہوکر مجھے زور سے کھینچ کر اپنی چھاتی سے لگاتی تھیں... میں دوڑ کر آگے بڑھ جاتا تو تیز قدموں پر چل کر مجھے پکڑ لیتیں...مگر آج کیا ہو گیا ہے...؟ کیوں ہنستی نہیں...؟ مجھ سے بات کیوں نہیں کرتیں...؟ آنکھیں کیوں بند ہیں...؟!! مجھ سے کوئی غلطی تو نہیں ہوگئی... بولیں تو سہی.....!!''.

اتنے میں عبدالمطلب نے بچہ کو گود میں اٹھایا ہوگا اور جب کفن دفن کے بعد جانبِ مکہ روانہ ہوئے ہوں گے تو وہ بچہ مڑ مڑ کر پیچھے کی جانب دیکھ رہا ہوگا اور کہہ رہا ہوگا:

''دادا جان! امی کو کیوں چھوڑ دیا آپ نے...؟ ہمارے ساتھ امی بھی مکہ نہیں چلیں گی...؟!''.

تو قارئین کرام! بلا شبہ یہ عظیم ہستی یتیم تھی مگر قدرت کو اسے پورے بنی نوع انسان کے لیے نمونہ بنانا تھا نمونہ!! جس کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

''تمہارے لیے رسول اللہ میں بہترین نمونہ ہے''۔ [الاحزاب:۲۱]

لہٰذا ضروری تھا کہ رسول اکرم ﷺ منجانب اللہ والدین سے متعلق وہ تعلیمات دنیا کے سامنے پیش کریں جو رہتی دنیا تک کے لیے اصول بن جائیں اور ہر آدمی اپنے والدین کے

ساتھ وہی طرزِ عمل اپنائے جس کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے دی ہے. چنانچہ میں نے بھی اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے مذکورہ بالا عنوان قائم کیا ہے. میں سمجھتا ہوں میرے محترم قارئین مقصدِ تحریر سمجھ چکے ہوں گے اور اب ہم چلتے ہیں اپنے اصل موضوع کی طرف!!

اسلام میں والدین کا بہت ہی اونچا مقام ہے. اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعدد مقامات پر والدین کی اہمیت بتاتے ہوئے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا تاکیداً حکم فرمایا ہے.

چنانچہ سورۂ اسراء میں ارشاد ہے:

﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً، إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلاً كَرِيماً، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً﴾

''اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم لوگ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا، اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا یہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا، اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھے رکھنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے'' ۔[الاسراء:۲۳-۲۴]

ان آیات کا ترجمہ آپ پڑھ چکے، اب ذرا ان کے مفہوم میں غرق ہو کر مقصود سمجھئے اور اندازہ لگائیے کہ والدین کا مقام ومرتبہ کس قدر عظیم ہے؟

سورۃ العنکبوت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْناً وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا، إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾[العنکبوت:۸]

''ہم نے ہر انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی نصیحت کی ہے، ہاں! اگر وہ یہ کوشش کریں کہ تم میرے ساتھ اسے شریک کرلو جس کا تمہیں علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مانو، تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے پھر میں ہر اس چیز سے جو تم کرتے تھے تمہیں خبر دوں گا''۔

سورۃ لقمان میں ارشاد ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْناً عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْکَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ، وَإِن جَاهَدَاکَ عَلَى أَنْ تُشْرِکَ بِي مَا لَيْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفاً وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَن أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ [لقمان:۱۴-۱۵]

''ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے، کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر، (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں! دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو، تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے، تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر میں تمہیں خبردار کر دوں گا''۔

سورۃ الاحقاف میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَاناً حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهاً وَوَضَعَتْهُ كُرْهاً وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلاثُوْنَ شَهْراً حَتَّى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْکَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾.

''اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی

ماں نے اسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا. اس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی پختگی اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا تو کہنے لگا: اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجا لاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے اور تو میری اولاد بھی صالح بنا، میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں''۔ [الاحقاف:۱۵]

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ میں اللہ تعالیٰ نے والدین سے متعلق حضرت انسان کو جو حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور والدین کی جو اہمیت بتائی ہے، اس سے ہر شخص اندازہ کرے کہ والدین کی اطاعت کس قدر ضروری ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا ذکر کرنے کے فوری بعد اطاعت والدین کی طرف انسانوں کو توجہ دلائی ہے اور حقوق والدین کی ادائیگی کو فرض قرار دیا ہے؟ قرآن کریم کی آیات کے علاوہ رسول اکرم ﷺ کی بے شمار احادیث مبارکہ ہیں جو حضرت انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ والدین کے ساتھ اولاد کا طرز عمل کیسا ہونا چاہیئے.

نماز کے بعد جو کہ اسلام کا ستون ہے، والدین کے ساتھ حسن سلوک کو سب سے اچھا عمل بتایا گیا ہے. صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا:

''أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ؟''.

''اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل کون سا ہے؟''.

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا''. ''وقت پر نماز کی ادائیگی''.

میں نے پھر پوچھا: "ثُمَّ أيٌّ؟". "اس کے بعد؟".

آپ نے فرمایا: "بِرُّ الْوَالِدَيْنِ". "والدین کے ساتھ حسن سلوک".

میں نے پھر پوچھا: "ثُمَّ أيٌّ؟". "اس کے بعد؟".

آپ ﷺ نے فرمایا: "الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ". "اللہ کی راہ میں جہاد"(۱).

جہاد جو کہ اللہ تعالیٰ کو بہت ہی محبوب ہے اور مجاہد کا اسلام میں بہت ہی عظیم درجہ ہے، اس مہم پر روانگی سے بھی افضل ترین کام والدین کی خدمت انجام دینا ہے. حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد میں جانے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے پوچھا:

"أَحَيٌّ وَالِدَاکَ؟". "تمہارے والدین زندہ ہیں؟".

اس نے عرض کیا: ہاں. آپ ﷺ نے فرمایا:

"فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ". "پھر جا کر ان ہی کی خدمت میں جہاد کرو"(۲).

نسائی، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں معاویہ بن جاہمہ سلمی سے مروی ہے کہ حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَدْتُ أَنْ أَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ أَسْتَشِيْرُکَ".

"اے اللہ کے رسول! میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے محاذ جنگ پر جانا چاہتا ہوں، اس لیے آپ ﷺ کی خدمت میں مشورہ طلب کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں".

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

"هَلْ لَکَ مِنْ أُمٍّ؟". "تمہاری ماں زندہ ہے؟"!

اس نے عرض کیا: ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) بخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ (۵۲۷) مسلم: کتاب الإیمان (۸۵).

(۲) بخاری: (۳۰۰٤) مسلم: (۲۵٤۹) نسائی (٦/ ۱۰) أبو داود: (۲۵۲۹).

"فَالْزَمْهَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلَيْهَا".(۳)

"پھر جا کر اسی کی خدمت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالو، کیوں کہ اس کے پیروں تلے جنت ہے"۔

طبرانی میں جاہمہ رضی اللہ عنہ ہی کی اس روایت میں صرف ماں کی بجائے ماں باپ دونوں کا تذکرہ آیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جہاد کی مہم پر جانے کے لیے مشورہ طلب کرنے آیا تو آپ نے دریافت فرمایا:

"أَلَکَ وَالِدَانِ؟" "تمہارے ماں باپ ہیں؟"۔

میں نے عرض کیا: ہاں. آپ ﷺ نے فرمایا:

"الزَمْهُمَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ أَرْجُلِهِمَا".(۴)

"پھر جا کر ان دونوں کی خدمت کو لازم پکڑو کیوں کہ ان کے پیروں تلے جنت ہے"۔

رسول اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق جب جنت ماں باپ کے پیروں تلے ہے تو پھر کیوں نہ اپنی ساری زندگی ماں باپ کی خدمت کے لیے وقف کر دی جائے. کیوں کہ ایک مسلمان جب اسلامی احکام وفرائض کو کٹھن گھڑی میں بھی پورا کرتا ہے تو اس کا مقصد صرف اور صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی طرح سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر کے جنت کا مستحق بن جائے. جنت کے لالچ ہی میں وہ ہزارہا خواہشات کو مات دیتا ہے، جنت ہی کی طلب میں وہ رات رات بھر اپنی زبان کو ذکر الٰہی میں مشغول رکھتا ہے، جنت کا لالچ ہی اسے واجبات وفرائض کی کھٹنائیوں میں پابند سلاسل بناتا ہے، جنت کے لالچ ہی میں وہ بیوی بال بچوں کو چھوڑ کر سرحد پر اپنی قیمتی جان کو لے کر مجاہدین کے گھوڑوں کی لگام لیے پھرتا ہے تا کہ اسے شہادت نصیب ہو جائے، اور جنت کے لالچ ہی میں وہ دنیا کی رنگینیوں ورعنائیوں سے نگاہیں

(۳) [حسن صحیح] نسائی(٦/ ١١) ابن ماجه (٢٧٨١) أحمد (٣/ ٤٢٩) حاكم (٢/ ١٠٤).

(٤) رواه الطبراني بإسناد جيد (٢ /حديث ٢٢٠٢) مجمع الزوائد (٨/ ١٣٨) وقال: رجاله ثقات، نیز دیکھئے الترغیب والترہیب للمنذری رقم (۳۷۷۸) کے تحت.

بچاتے ہوئے تقوی و پرہیز گاری کی راہ پر گامزن رہتا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ وہ والدین کی خدمت کر کے جنت کا مستحق نہیں بننا چاہے گا؟

ایک مسلمان کے لیے یہ کس قدر خوش بختی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کی خدمت کرنے کی وجہ سے جنت تحفہ میں دیا ہے اور اپنی رضا مندی وخوشنودی کو والدین کی رضا مندی وخوشنودی میں ضم کر دیا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''رِضَا الرَّبِّ تَبَارَکَ وَتَعَالَی فِي رِضَا الوَالِدَيْنِ وَسُخْطُ اللَّهِ تَبَارَکَ وَتَعَالَی فِي سُخْطِ الوَالِدَيْنِ''.

''اللہ تعالیٰ کی رضا مندی وخوشنودی والدین کی رضا مندی وخوشنودی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے''(۵).

رسول اکرم ﷺ نے تو مشرک والدین کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے.

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کہتی ہیں:

''قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي وَهِيَ رَاغِبَةٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قُلْتُ: قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي وَهِيَ رَاغِبَةٌ، أَفَأَصِلُ أُمِّي؟''.

''رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک مرتبہ میری ماں میرے پاس آئی اور وہ دین اسلام میں داخل ہونا نہیں چاہتی تھی تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: (اے اللہ کے رسول!) میری ماں میرے پاس آئی ہے مگر وہ اسلام قبول کرنا نہیں چاہتی، کیا میں اپنی اس ماں کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟''

---

(۵) كشف الأستار للبزّار (۱۸٦۵) الترغيب والترهيب للمنذرى (۳۷۹٦).

رسول اللہ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا:

"نَعَمْ، صِلِي أُمَّكِ".

"ہاں! اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو"(٦).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کا گزر عبداللہ بن ابی کے پاس سے ہوا جو ایک قلعہ کے سایہ میں بیٹھا تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر حقارت آمیز لہجہ میں کہا:

"غَبَّرَ عَلَيْنَا ابْنُ أَبِي كَبْشَةَ".

'ابو کبشہ کے بیٹے نے ہمیں غبار آلود کر دیا".

جب اس بات کی خبر اس منافق کے بیٹے حضرت عبداللہ کو ہوئی تو انہوں نے انتہائی غصہ کے عالم میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَالَّذِي أَكْرَمَكَ لَئِن شِئْتَ لَأَتَيْتُكَ بِرَأْسِهِ؟".

"اے اللہ کے رسول! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو عزت و بزرگی بخشی ہے! اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے منافق باپ کی گردن کاٹ کر آپ کے قدموں میں حاضر کر دوں؟".

مگر رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"لَا، وَلٰكِنْ بَرَّ أَبَاكَ وَأَحْسِنْ صُحْبَتَهُ"(٧).

"نہیں! بلکہ اپنے باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو اور اس کی صحبت کو پائیدار اور اچھی بناؤ".

مذکورہ دونوں احادیث میں کافر اور منافق والدین کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب کہ مسلم والدین کا مقام و مرتبہ ان سے کہیں زیادہ ہے. اس لیے مسلم نوجوانوں کو

(٦) بخاری (٥٩٧٩) مسلم (١٠٠٣).

(٧) كشف الأستار للبزار (٢٧٠٨)، وقال الهيثمي في مجمع الزوائد (٩/ ٣١٨): رواه البزار ورجاله ثقات. دیکھئے حیاۃ الصحابۃ (٣/ ٨).

اپنے والدین کے ساتھ کس قدر حسن سلوک کی ضرورت ہے، اندازہ کریں!!

حدیث شریف میں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان سے صلہ رحمی کو رزق اور عمر میں بڑھوتری کا سبب بتایا گیا ہے. حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ سَرَّ أن يُمَدَّ لَهُ فِي عُمُرِهِ وَيُزَادَ فِي رِزْقِهِ فَلْيَبَرَّ وَالِدَيْهِ وَلْيَصِلْ رَحِمَهُ":

"جو کوئی چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو اور اس کی روزی میں بڑھوتری ہو تو وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے اور ان کی صلہ رحمی کرے"(۸).

اس کے برخلاف جو شخص والدین کے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتا اور ان کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں انتہائی مبغوض ہے اور اللہ تعالیٰ کبھی اس پر نظر رحمت نہیں کرتا، بلکہ وہ جنت کا بھی مستحق نہیں ہوسکتا. حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ثَلاثَةٌ لا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: العَاقُّ لِوَالِدَيْهِ وَمُدْمِنُ الْخَمْرِ وَالْمَنَّانُ عَطَاءَ هُ، وَثَلاثَةٌ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ، الْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ وَالدَّيُّوثُ والرَّجِلَةُ"(۹).

"تین قسم کے آدمی ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہیں دیکھے گا: ① والدین کا نافرمان ② بکثرت شراب نوشی کرنے والا ③ کوئی چیز دے کر احسان جتلانے والا، اور تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جو جنت میں داخل نہیں ہو سکتے: ① والدین کا نافرمان ② دیوث (وہ آدمی جو اپنے گھریلو عورتوں جیسے بیوی بہن بیٹی کو بدچلنی کی راہ پر چلتے ہوئے دیکھتا ہے مگر اسے غیرت نہیں آتی) ③ اور مرد بننے والی عورت (جو مردوں کی چال ڈھال اپناتی ہے، انہی کے اسٹائل میں بال رکھتی ہے، کپڑے پہنتی ہے جیسے آج کے زمانے میں

(۸) مسند أحمد (۳/ ۲٦٦) شعیب الأرناؤط نے صحیح کہا ھے.

(۹) [حسن صحیح] بزار (۱۸۷۵، ۱۸۷٦) نسائی (۵/ ۸۰) حاکم (٤/ ۱٤۷) ابن حبان (۷۲۹٦).

ایڈوانس فیملی کی بے باک و بے حیا عورتیں)"۔

معلوم ہوا کہ والدین کی نافرمانی جنت سے دور اور جہنم کا مستحق بناتی ہے اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے. حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے کبیرہ گناہوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"الإِشْرَاكُ بِاللَّهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ".

"اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا، والدین کی نافرمانی، بلا حق کسی کا خون کرنا، اور جھوٹی گواہی دینا"۔(١٠)

والدین کے حقوق بلا شبہ یکساں ہیں مگر چوں کہ ماں اپنے بچے کو نو ماہ تک اپنے پیٹ میں ڈھوتی ہے اور اس کی ولادت کے بعد کئی ماہ تک اس کا پیشاب پاخانہ صاف کرتی ہے اور دن رات اپنے بچے ہی کی فکر میں رہتی ہے، اس لیے اسلام نے باپ سے کہیں زیادہ مرتبہ ماں کو دیا ہے. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"يَا رَسُوْلَ اللَّهِ! مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟".

"اے اللہ کے رسول! سب لوگوں سے زیادہ میرے حسن سلوک کا حقدار کون ہے؟"۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "أُمُّكَ". "تیری ماں"۔

اس نے دوبارہ پوچھا: "ثُمَّ مَنْ؟". "پھر کون؟"۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "ثُمَّ أُمُّكَ". "پھر تیری ماں"۔

اس نے سہ بارہ پوچھا: "ثُمَّ مَنْ؟". "پھر کون؟"۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "ثُمَّ أُمُّكَ". "پھر تیری ماں"۔

(١٠) بخاری: کتاب الشهادات (٢٦٥٣)، مسلم: كتاب الإيمان (٨٨).

اس نے جب چوتھی سدفعہ پوچھا کہ پھر کون؟
تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ثُمَّ أَبُوْکَ". "پھر تیرا باپ"[11].

(۱۱) بخاری: کتاب الأدب (۵۹۷۱) مسلم: کتاب البر والصلة (۲۵٤۸).

نوٹ: رسول اکرم ﷺ کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ماں کے حقوق باپ سے زیادہ ہیں. درحقیقت ماں ایک ایسی نعمت ہے جس کا کوئی بدل نہیں، ماں اپنی اولاد سے باپ کی بہ نسبت زیادہ اور بہت زیادہ محبت کرتی ہے. مجھے اچھی طرح یاد ہے، مرحوم امام مسجد حافظ افضل صاحب نے گاؤں کے دیگر بچوں کے ساتھ میرے بڑے بھائی شبیر احمد کو لیجا کر دہلی کے ایک مدرسہ میں داخلہ کرا دیا. میرے بھائی کو ان کے ایک ساتھی نے میرٹھ (یوپی) لے جا کر انہیں دھوکہ میں ڈال دیا، وہ اسٹیشن پر رو رہے تھے کہ ایک ہندو ہوٹل والا اپنے گھر بلا کر لے گیا. تین سالوں تک میرے بھائی کا سراغ نہ لگ سکا. میری ماں کو جب اپنے بیٹے کی گم شدگی کا علم ہوا تو وہ حس کھو بیٹھیں اور اس وقت سے ان کی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی جب میرے ابو کا میرے بھائی کے لیے دہلی مدرسہ میں بھیجا گیا کپڑا ڈاکیہ نے واپس لا کر دی اور بتایا کہ شبیر احمد نام کا کوئی لڑکا اس مدرسہ میں نہیں ہے. رات دن رونے کی وجہ سے میری ماں کی آنکھوں کی بینائی بہت کمزور ہوگئی تھی اور مجھے یاد ہے کہ ان کے رونے کی وجہ سے قرب وجوار کے سارے ہی پڑوسی اکٹھا ہو کر ان کے درد میں شریک ہو جاتے تھے. نمازیوں سے فریادیں کرتیں کہ میرے بیٹے کی واپسی کے لیے دعا کر دیں. امی جان بار بار ابو جان کو کہتیں کہ بیٹے کو تلاش کر کے لائیں.

جب تین سال تک میرے بھائی کا پتہ نہ لگ سکا تو میری ماں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا. میرا مکان زیر تعمیر تھا، نو کوٹھریوں کی چھتیں تیار ہو چکی تھیں، دسویں نمبر کی کوٹھری کی چھت کی ڈھلائی ہونے والی تھی کہ میری ماں جا کر اس کوٹھری میں بیٹھ گئیں اور بآواز رونے لگیں اور میرے ابو سے کہنے لگیں کہ جب تک میرا بیٹا واپس نہیں آ جاتا اس آخری کوٹھری کی چھت نہیں بن سکے گی!!

دس سے زیادہ مزدور کام کر رہے تھے، امی جان کی شدید آہ وبکا کی وجہ سے سبھوں کو کام چھوڑنا پڑا اور اسی وقت میرے ابو نے دو آدمی (شکیل احمد اور امام حسن) کو اخراجات سفر دے کر دہلی اور اس کے مضافات میں میرے بھائی شبیر احمد کو تلاش کرنے کے لیے بھیجا. تقریباً ایک ماہ کی مسلسل تگ ودو کے بعد میرٹھ سے میرے بھائی کو تلاش کر لیا گیا جو ایک ہندو کے ہوٹل میں کام کر رہے تھے، اور ان کے مطابق وہ ہندو ان کے ساتھ بیٹے جیسا سلوک کرتا تھا. ٹیلی فون کی سہولت نہیں تھی، اسی روز انہوں نے فوٹو کھنچوا کر محمد تعریف نامی ایک آدمی سے گھر بھیج دیا. شکل بدل چکی تھی، ماں پھر رونے لگی: یہ میرا بیٹا نہیں، تم لوگ مجھے دلاسا دلانے کے لیے یہ فوٹو دکھلا رہے ہو...!! تین چار روز گزرے کہ کسی نے آ کر میرے گھر =

کہاں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے متعلق رسول اکرم ﷺ کے یہ ارشادات اور کہاں اپنے والدین کے ساتھ ہمارا ناروا سلوک؟ کیا آپ نے دیکھا نہیں ہے کہ بہت سارے بچے جب جوان ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے والدین کے اپنے اوپر تمام تر احسانات فراموش کر بیٹھتے ہیں اور انہیں برا بھلا کہنے لگتے ہیں، جب کہ ان کے بچپن کے زمانے میں والدین اپنے ان بچوں کی آسائش کے لیے اپنی تمام تر خوشیاں تج دیتے تھے، جب انہیں کوئی معمولی سی بھی تکلیف پہنچتی تو رات رات بھر وہ جاگ کر گزار دیتے اور خصوصاً ماں کو بالکل ہی سکون نہیں ملتا تھا. بچے کی تکلیف دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آتیں اور آنسوؤں سے تکیے بھیگ جاتے مگر جوان ہونے کے بعد وہی بچہ جب والدین کا نافرمان بن جائے تو والدین کو کس قدر تکلیف ہوگی، اندازہ کریں؟! میں ایک آدمی کو جانتا ہوں کہ جب اس کے والد نے ایک مرتبہ اس کے من کے خلاف ایک بات کہہ دی جو کہ بالکل حق تھی، تو اس نے فوراً لاٹھی اٹھا کر باپ کے سر پر دے مارا جس سے باپ کا سر پھٹ گیا، مزید اس نے باپ کو بہت زیادہ گالیاں بھی دیں. بلکہ بہت سارے بدبختوں کو تو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنی ماں کے بال میں ہاتھ ڈال کر گھر سے باہر کھینچ کر مارتے ہیں، اس قسم کے واقعات آئے دن رونما ہوتے ہیں جن سے ہمارے قارئین کرام ناواقف نہیں. ایسے نافرمانوں کو صحابہ کرام کے اس سوال سے عبرت پکڑنی چاہیے کہ جب والدین کو گالی نہ دینے کی بات کہی گئی تو انہوں نے فوراً تعجب سے پوچھا کہ بھلا کوئی

=خبر دی کہ شبیر احمد آ رہا ہے. یہ سننا تھا کہ امی جان اسٹیشن جانے والی سڑک کی جانب بے تحاشا دوڑ پڑیں، کسی نے بتایا کہ یہی شبیر ہے، عشاء کا وقت تھا، اندھیرا ہو چکا تھا، روشنی کا بندوبست نہ تھا، فوراً چراغ اٹھا کر بیٹے کے سینے پر وہ تل دیکھنے لگیں جو انہیں یاد تھا، تل کو دیکھ کر بیٹے کو سینے سے لگا لیا اور کہنے لگیں: یہی میرا لختِ جگر ہے!!... اور ایک ہفتہ کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ امی جان کی بینائی اور صحت عود کر آئی. ابھی بھائی شبیر احمد صاحب ڈاکٹر بن چکے ہیں اور بیسکھوا نامی بازار میں ''چاندنی صحت کلینک'' چلا رہے ہیں. یہ ہے ماں کی محبت!! یہ ہے ماں کی ممتا!! جس کا میں نے اپنی آنکھوں سے اس وقت مشاہدہ کیا جب میری عمر سات آٹھ سال سے متجاوز نہ ہوگی.

آدمی اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے؟!!

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ".

"آدمی کا اپنے والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے".

یہ سن کر صحابہ کرام نے عرض کیا:

"يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟".

"اے اللہ کے رسول! کیا کوئی آدمی اپنے والدین کو گالی بھی دیتا ہے؟".

آپ ﷺ نے فرمایا:

"نَعَمْ! يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ".

"ہاں! بایں طور کہ وہ کسی آدمی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ بدلہ میں اس کے باپ کو گالی دیتا ہے، اور وہ کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے"[۱۲].

یہ ہے صحابہ کرام کا اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک، کہ بطور تعجب پوچھ رہے ہیں: یہ بھی کہیں ممکن ہے کہ کوئی آدمی اپنے ہی والدین کو گالی گلوچ دے؟! مگر ذرا نگاہ اٹھا کر مسلم معاشرہ کی طرف دیکھیں کہ آج کے لڑکوں کی اپنے والدین کے ساتھ کس قدر بد سلوکی ہے؟! درحقیقت والدین کی اہمیت کیا ہے؟ ان کا مقام ومرتبہ کیا ہے؟ اس سلسلہ میں ہمارے معاشرے کے نوجوانان نے کبھی غور ہی نہیں کیا، اگر انہیں معلوم ہو جاتا کہ اسلام میں والدین کا مقام کیا ہے تو وہ ان کے قدموں کے نیچے کلیاں نہیں بلکہ آنکھیں بچھاتے !!

طبرانی نے معجم صغیر میں بریدہ سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کی

(۱۲) مسلم: کتاب الإیمان (۹۰) بخاری: (۵۹۷۳) أبو داود: (۵۱٤۱) ترمذی: (۱۹۰۲).

خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا

"يَا رَسُوْلَ اللَّهِ! إِنِّي حَمَلْتُ أُمِّي عَلَى عُنُقِي فَرْسَخَيْنِ فِي رَمْضَاءَ شَدِيْدَةٍ لَوْ أُلْقِيَتْ فِيْهَا بِضْعَةٌ مِنْ لَحْمٍ لَنَضِجَتْ، فَهَلْ أَدَّيْتُ شُكْرَهَا؟".

"اے اللہ کے رسول! میں نے اپنی ماں کو اپنے کندھے پر لاد کر شدید گرم ریتیلی زمین کا دو فرسخ حصہ طے کیا، اگر اس ریتیلی گرم زمین میں گوشت کا کوئی لوتھڑا رکھ دیا جاتا تو وہ خود بخود پک جاتا، میں پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ کیا میں نے اپنی ماں کے احسان کا بدلہ چکا دیا؟".

آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَعَلَّهُ أَنْ يَكُوْنَ لِطَلْقَةٍ وَاحِدَةٍ".(١٣)

"شاید یہ دردِ زہ کی ایک آہ کے برابر ہے (یعنی تیری پیدائش کے وقت شدتِ تکلیف کے سبب تیری ماں نے جو آہیں بھری ہوں گی تیرا یہ نیک عمل شاید کہ اس کی ایک آہ کی قیمت چکا سکا ہوگا)".

اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ اور پڑھئے:

مسجد حرام میں حجاج کرام کا ازدحام ہے، خانہ کعبہ کا طواف ہو رہا ہے، سورج کی گرمی اپنے شباب پر ہے، شدت گرمی کے سبب موسم آگ کے شعلہ سے کم نہیں، لوگوں کے ازدحام سے ہر شخص کا دم گھٹ رہا ہے اور سارے ہی لوگ پسینہ میں شرابور اپنے پروردگار سے گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہے ہیں، اتنے میں ایک حاجی نمودار ہوتا ہے، وہ رہنے والا یمن کا ہے، اس کے کندھے پر ایک بوڑھی اپاہج عورت سوار ہے. وہ انتہائی مشقت و پریشانی کے ساتھ اپنی ماں کو خانہ کعبہ کا طواف کرا رہا ہے، طواف کے دوران اس کا گزر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس سے ہوتا ہے جو مقام ابراہیم کے پاس موجود ہیں، یمنی اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آتا ہے اور گویا ہوتا ہے:

(١٣) قال الهيثمي في مجمع الزوائد (٨/ ١٣٧): رواه الطبراني في الصغير (٢٥٥)، وفيه الحسن بن أبي جعفر وهو ضعيف من غير كذب، وليث بن أبي سليم مدلس. حياة الصحابة(٣/ ٢١٩).

"السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ عُمَرَ! هَذِهِ وَالِدَتِي، أَنَا ابْنُهَا أَتَرَى أَنِّي كَافَأْتُهَا بِذَلِكَ؟"

"السلام علیکم اے ابن عمر! یہ میری ماں ہے اور میں اس کا بیٹا، کیا آپ کے خیال میں میں نے یہ خدمت انجام دے کر اپنی ماں کا حق ادا کر دیا؟".

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"وَالَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهِ! وَلَا بِطَلْقَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْ طَلْقِ الْحَمْلِ".

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! حمل کی تکلیفوں اور پریشانیوں سے نکلنے والی آہوں میں سے صرف ایک آہ کا بھی تم نے حق ادا نہیں کیا"(۱۴).

---

(١٤) ماں کے عظیم حقوق ہی کے پیش نظر ہمارے اسلاف اپنی والدہ کی از حد قدر کرتے تھے. امام اہل السنۃ احمد بن حنبل کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنی والدہ کا کپڑا خود اپنے ہاتھوں سے دھویا کرتے، اپنی ماں کے لیے کھانا پکاتے اور اپنی ماں کی جملہ ضروریات کی تکمیل خود اپنے ہاتھوں سے کیا کرتے تھے. کیوں کہ انہوں نے اپنی مسند میں حضرت معاویہ بن جاہمہ t والی حدیث روایت کر رکھی تھی جس میں آیا ہے کہ ماں کے پیروں تلے جنت ہے. تخریج کے لیے دیکھیے: (صفحہ ۲۳۰، حاشیہ ۳).

اسی طرح امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنی والدہ کا بے حد احترام کرتے تھے. خود ان کا اپنا بیان ہے:

"وَاللَّهِ! مَا ارْتَقَيْتُ سَطْحَ بَيْتٍ وَوَالِدَتِي فِي الْبَيْتِ لِئَلَّا أَرْتَفِعَ عَلَيْهَا".

"اللہ کی قسم! اپنی والدہ کی موجودگی میں میں نے کبھی گھر کی چھت پر اپنا قدم نہیں رکھا تا کہ میں اپنی والدہ سے اونچا نہ ہو جاؤں".

تاریخ میں آتا ہے کہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ اپنی ماں کی خدمت میں کھانا حاضر کرتے اور اس وقت تک اپنا ہاتھ کھانے سے روکے رکھتے جب تک کہ ان کی والدہ کھانا شروع نہیں کرتیں. نیز وہ اپنی ماں کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھانے سے گریز کرتے تھے. جب اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

"أَخْشَى أَنْ تَقَعَ عَيْنُهَا عَلَى شَيْءٍ مِنَ الطَّعَامِ فَآخُذَهُ فَأَكُوْنَ عَاقًّا".

"میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میری ماں کی نظر کسی کھانا پر پڑ جائے جسے وہ کھانا چاہتی ہو مگر میں اس سے پہلے اٹھا کر کھا لوں، جس کے سبب میرا شمار نافرمانوں میں ہو جائے".

یہ ہے والدہ کا حق، کہ ساری زندگی اگر کوئی اپنی ماں کی خدمت کرتا رہا تب بھی وہ کلی طور پر اپنی ماں کا حق ادا نہیں کر سکتا؛ چہ جائیکہ آدمی اپنی ماں کو ناراض کرے اور کبھی اس کے ساتھ حسن سلوک کر کے خوش فہمی میں مبتلا ہو جائے کہ شاید اس نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا. ماں کے اپنی اولاد پر بہت زیادہ حقوق ہی کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس کی نا فرمانی کو حرام قرار دیا ہے.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَمَنْعاً وَهَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ قِيْلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ".

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر ماؤں کی نا فرمانی، لڑکیوں کو زندہ در گور کرنا اور اپنی چیز دینے سے انکار اور لوگوں کی چیزیں لینے کے لیے منہ کھولے رکھنے کو حرام قرار دیا ہے، اور تمہارے لیے چہ میگوئیاں، کثرت سوال اور مال برباد کرنے کو نا پسند فرمایا ہے"(۱۵).

معلوم ہوا کہ ماں کی نا فرمانی اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، اور حرام کا مرتکب اللہ کی رضا وخوشنودی سے محروم ہے. اگر کوئی ماں کی بات نہ مان کر اللہ تعالیٰ کی نفلی عبادت میں بھی مشغول رہتا ہے تو وہ بھی ماں کا نا فرمان شمار ہوگا. بنی اسرائیل کے جریج نامی ایک بزرگ کا واقعہ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے جس سے ماں کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے. واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جریج نے اپنے لیے ایک گرجا گھر مختص کر لیا تھا اور اس میں وہ مسلسل عبادت خداوندی میں مشغول رہتے تھے. ایک دن ان کی ماں کسی کام سے انہیں بلانے آ گئی مگر وہ نماز میں مشغول رہے، اپنی ماں کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا. اسی طرح سے تین دنوں تک ہوا، ماں آ کر بلاتی مگر بیٹے کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملتا. ماں نے غصہ میں آ کر بد دعا کر دی جس کے سبب جریج جیسے بزرگ کو ایک بداخلاق جوان عورت نے اپنے حرامی بچے کے ساتھ متہم کر دیا جبکہ وہ

(۱۵) بخاری: كتاب في الاستقراض، باب: ما يُنهى عن إضاعة المال (۲٤٠٨)، مسلم (۵۹۳).

بچہ ایک چرواہے کا تھا جو جریج کے گرجا گھر کے قریب ہی بکریاں چرایا کرتا تھا(١٦).

اس کے برعکس جو آدمی اپنے والدین کی خدمت کرتا ہے، سخت سے سخت پریشانی میں بھی اسے مصیبتوں سے نکلنے کا راستہ مل جاتا ہے. حدیث کی کتابوں میں جو غار والا قصہ مشہور ہے اس میں تین آدمیوں میں سے ایک وہ شخص بھی تھا جو اپنے بوڑھے والدین کو بکریاں چرا کر آنے کے بعد سب سے پہلے دودھ پلاتا، اس کے بچے بھوک کی شدت سے بلبلاتے بلبلاتے سو جاتے مگر جب تک وہ اپنے والدین کو دودھ پلا کر آسودہ نہیں کر دیتا، اپنے بچوں کو ایک گھونٹ بھی نہیں دیتا. اسی نیک کام کا حوالہ دے کر جب اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو غار کے منہ سے اللہ تعالیٰ نے چٹان ہٹا دی تھی(١٧).

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ والدین کے ساتھ کس قدر زیادہ حسن سلوک کرنا چاہیے. نیز رسول اکرم ﷺ نے والدین کے ساتھ کیسا طرز عمل اپنانے کی تعلیم دی ہے، اس کے متعلق بھی مذکورہ بیانات میں سیر حاصل بحث ہو چکی ہے، اب جو چاہے والدین کی خدمت کر کے جنت کا مستحق قرار پائے اور جو چاہے ان کی نا فرمانی مول لے کر خود کو اللہ کی رضا مندی وخوشنودی سے محروم رکھے.

موضوع کے اختتام سے قبل ایک بات کی طرف نشاندہی کر دینا مناسب ہے، وہ یہ کہ بعض لڑکے جب جوان ہونے کے بعد کام کاج کرنے لگتے ہیں اور انہیں اچھی خاصی آمدنی بھی ہونے لگتی ہے تو وہ اپنے والدین کو فراموش کر بیٹھتے ہیں اور اپنی آمدنی کے کچھ حصہ کے علاوہ ان کے اوپر مزید خرچ نہیں کرتے؛ بلکہ بعض تو بالکل ہی والدین کو اپنی آمدنی سے محروم رکھتے ہیں، پھر جب ان کے والدین ان سے پیسوں کا تقاضا کرتے ہیں تو وہ فوراً بگڑ جاتے ہیں اور

(١٦) واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھئے: بخاری (١٢٠٦) مسلم (٢٥٥٠).

(١٧) اس واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھئے: بخاری (٣٤٦٥) مسلم (٢٧٤٣).

دینے سے انکار کر دیتے ہیں. میں نے بچپن میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ جب ایک باپ نے اپنے بیٹے کی آمدنی سے کچھ تقاضا کیا تو بیٹے نے انتہائی بے شرمی سے برسرِ عام یہ جملہ کہہ دیا کہ ''میں آپ کے کفن کا پیسہ بھی نہیں دوں گا''. جبکہ بیٹوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کی آمدنی کھانے کا سب سے زیادہ مستحق ان کے والدین ہی ہیں. حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ لِيْ مَالاً وَوَلَداً وَإِنَّ أَبِيْ يُرِيْدُ أَنْ يَجْتَاجَ مَالِي''.

''اے اللہ کے رسول! میرے پاس مال واولاد ہے، اور میرا باپ میرا مال ہڑپ لینا چاہتا ہے''.

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

''أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ''.

''جا تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے''[(۱۸)].

اور یہ بھی سچ ہے کہ جو آدمی اپنے والدین کے ساتھ دھوکہ کرتا ہے، ان کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتا ہے یا اپنی آمدنی چھپا کر ان کے جذبات کا خون کرتا ہے؛ حالاں کہ اچھے دن کے سہانے خواب ہی کے پیشِ نظر والدین نے اس کو پالا پوسا تھا، ایسا والدین کا نافرمان بھی اپنے کرتوت کا مزہ اس دنیا ہی میں چکھ لیتا ہے اور اس کی اولاد بھی اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتی. اس سلسلہ میں ہر معاشرے میں مثالیں بکثرت موجود ہیں جن سے اہلِ عقل وخرد ناواقف نہیں، اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ یہ اصول ہی ہے کہ جیسے کو تیسا ملتا ہے. رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

''عِفُّوْا عَنْ نِسَاءِ النَّاسِ تَعِفَّ نِسَاؤُكُمْ وَبِرُّوْا آبَائَكُمْ تَبَرَّكُمْ أَبْنَائُكُمْ''[(۱۹)].

---

(۱۸) [صحيح] ابن ماجه (۲۲۹۱) أبو داود (۳۵۳۰).

(۱۹) الترغيب والترهيب للمنذرى (۳۷۸۵) مستدرك حاكم (۴/ ۱۵۴). امام حاکم نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے.

''لوگوں کی عورتوں کی عصمت کو داغدار نہ کرو تمہاری عورتیں پاکدامن رہیں گی، اور اپنے باپوں کے ساتھ حسن سلوک کرو تمہارے بیٹے بھی تمہارے ساتھ حسن سلوک کریں گے''.

لہٰذا ہر وہ شخص جس کی خواہش ہے کہ اس کی اولاد اس کے ساتھ حسن سلوک کرے تو اسے بھی چاہئے کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے، جس کے والدین یا ان دونوں میں سے کوئی ایک اگر زندہ ہیں تب تو وہ آدمی خوش قسمت ہے کہ زیادہ سے زیادہ ان کی خدمت کر سکے گا مگر جن کے والدین انتقال فرما چکے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اپنے والدین کی طرف سے زیادہ سے زیادہ صدقہ وخیرات کریں اور ان کے لیے اللہ رب العزت سے دعائیں مانگیں.

اللہ تعالیٰ ہمیں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی توفیق دے اور ان کا سایہ تا دیر ہمارے اوپر فگن رکھے، آمین.

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل
شادی سے اعراض کرنے والوں کے ساتھ

انسانی زندگی میں سکون واطمینان کا سب سے اہم اور بڑا ذریعہ شادی ہے. ایک بچہ یا بچی جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہیں تو ان کی اگلی زندگی پچھلی زندگی سے بالکل مختلف ہوتی ہے. بچپن کے خواب کچھ اور ہوتے ہیں اور جوانی کے خواب کچھ اور، بچپن کی تمنائیں کچھ اور ہوتی ہیں اور جوانی کی تمنائیں کچھ اور، بچپن کے تصورات کچھ اور ہوتے ہیں اور جوانی کے تصورات کچھ اور، اس لیے وہ والدین جنھوں نے شروع سے اپنے بچوں کی نقل وحرکت پر دھیان نہیں دیا ہوتا ہے یا ان کی زندگی اپنے بچوں سے دور رہ کر گزری ہوئی ہوتی ہے، انہیں خود اپنے ہی بچوں کو سمجھنے میں خاصی دشواری پیش آتی ہے. کیوں کہ وہ بچپن میں اپنے بچے کو ایک چھوٹی سی گیند دے کر بہلا پھسلا لیتے تھے جبکہ جوان ہونے کے بعد وہ بچہ اب بچہ نہ رہا اور اب وہ ایک چھوٹی سی گیند سے مطمئن نہیں ہوسکتا؛ بلکہ جوانی کا تقاضا یہ ہے کہ اسے وہ چیز مہیا کی جائے جو اس کو خوش کردے اور اس کے نفس کو اطمینان بخش دے.

ایک بچہ جب جوان ہوتا ہے تو فطری طور پر اس کے اندر شہوت کے جذبات ابھرتے ہیں. کھلے الفاظ میں شاید اس کی جوانی میں جس چیز سے سب سے زیادہ مدافعت کی نوبت آسکتی ہے اور جس سے اسے بار بار نبرد آزما ہونا پڑتا ہے، وہ اس کے شہوانی جذبات ہی ہوتے ہیں. یہ اور بات ہے کہ زبان درازی کی آڑ میں بہت سارے لوگ اس حقیقت کو نظر انداز کردیتے ہیں. مگر انہیں اس کی حقیقت اس وقت سمجھ میں آتی ہے جب نوجوان لڑکے اور لڑکیاں والدین کے خوابوں کو چکنا چور کر کے اپنا جذباتی قدم آگے بڑھا دیتے ہیں اور انہیں کنٹرول میں رکھنا والدین کے بس کا روگ نہیں رہتا!!

مجھے اچھی طرح یاد ہے، ایک مرتبہ میں ایک صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا، جن کی شخصیت معروف ہے، ان کی خدمت میں ان کی صاحبزادی کے لیے ایک شخص پیغام لایا اور اس نے ان کی لڑکیوں کی عمر پوچھی. وہ صاحب بولے: ایک لڑکی شادی کے لائق ہے، دوسری لڑکی تو ابھی بچی ہے، اس کی شادی کی ابھی بات نہیں کرنی، کیوں کہ ابھی وہ سولہ سترہ سال کی ہے.

میں سخت حیران ہو گیا کہ سولہ سترہ سال کی عمر میں لڑکی بچی ہی رہتی ہے؟!

جی ہاں! آپ نے بھی دیکھا یا سنا ہوگا کہ لوگ اپنی نوجوان بلکہ جوان لڑکیوں کو بچی ثابت کر کے ان کی شادی میں بلا وجہ تاخیر کرتے ہیں. جبکہ سب کو معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شادی اس وقت کی تھی جب ان کی عمر چھ سال کی تھی اور نو سال کی عمر میں ان سے دخول فرمایا تھا، لہٰذا ایک سولہ سترہ سالہ لڑکی کو بچی کہہ کر شادی سے وقتی طور پر گریز کرنا کوئی مناسب بات نہیں. ایسی عمر کی لڑکیوں میں شادی کے شعور بیدار ہو جاتے ہیں اس لیے ان کی شادی کی بھی فکر ہونی چاہیے نہ کہ بچی ہے بچی ہے کا ورد کرنا چاہیے.

ایک لڑکی جب جوان ہوتی ہے تو اس کا سب سے بڑا محافظ اس کا شوہر ہو سکتا ہے. اسی لیے نبی کریم ﷺ نے لڑکی والوں کو نصیحت فرمائی ہے کہ جب مناسب رشتہ تمہارے پاس آئے فوراً اپنی بیٹیوں کی شادی کر دو، ورنہ اس کے نتیجہ میں جو اخلاق باختگی کا طوفان اٹھے گا، اس کے ذمہ دار تم اولیاء ہوگے اور تم ہی مجرم بھی!! جیسا کہ جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ، إِلَّا تَفعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ".(۱)

"جب تم میں سے کوئی ایسا شخص رشتہ طلب کرے جس کا دین اور اخلاق تمہیں پسند ہو تو اس سے (اپنی بیٹیوں کی) شادی کر دو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ وفساد رونما ہوگا".

(۱) [حسن] ترمذی: النكاح/ ما جاء إذا جاء كم من ترضون دينه فزوجوه (۱۰۸۴).

شادی کے بعد برائیوں کا ارتکاب بہت کم ہو جاتا ہے اور جہاں شادی بہت ساری بے حیائیوں سے آدمی کو روک دیتی ہے وہیں نظر پر بھی کنٹرول رکھتی ہے. اس لیے اصلاح معاشرہ میں شادی کا بہت ہی اہم کردار ہے.

شادی کے عظیم فوائد ہی کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شادی کرنے کی ترغیب دی ہے. ارشاد ہے:

﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجاً وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً﴾

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تم ہی میں سے تمہاری بیویاں پیدا کیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے''۔ [النحل:۷۲]

بلکہ اللہ تعالیٰ نے شادی کو انسانی سکون واطمینان کا سامان بتایا ہے جس سکون کا متلاشی ہر فرد ہے. ارشاد ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾

''اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان کے ہاں سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان الفت ومحبت اور مہربانی کے جذبات پیدا کر دے، غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں''۔ [الروم:۲۱]

چوں کہ شادی عفت وعصمت کا تحفظ کرتی ہے اور یہ تحفظ ہر ایک کے لیے ضروری ہے. اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جو لوگ غریب ونادار ہوں اور شادی کے اخراجات کی طاقت نہ رکھتے ہوں، ان کا تعاون کر کے ان کی بھی شادی کرا دی جائے. حتی کہ غلاموں اور لونڈیوں کی شادی کا بھی اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے تا کہ ہر طرف سے عفت وعزت کی حفاظت ممکن ہو سکے؛ نیز شادی کو خیر وبرکت کا ذریعہ بھی بتایا گیا ہے. ارشاد ہے:

﴿ وَأَنْكِحُوْا الْأَيَامَى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾.

''تم میں جو مرد عورت بے نکاح ہوں ان کے نکاح کر دو اور اپنے نیک غلاموں اور لونڈیوں کا بھی، اگر وہ فقیر ومحتاج ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا، اور اللہ وسعت والا اور بہت علم والا ہے''۔ [النور:۳۲]

بلکہ مسند بزار کی ایک حدیث کے کھلے الفاظ میں شادی کو حصول مال کا ذریعہ بتایا گیا ہے. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''تَزَوَّجُوْا النِّسَاءَ يَأْتِيْنَكُمْ بِالْأَمْوَالِ''.

''عورتوں سے شادی کرو، وہ تمہارے پاس مال ودولت لے کر آئیں گی''(۲).

اسی طرح نیک بیوی کو دنیا کی سب سے عظیم ترین فائدے کا ساز وسامان بتایا گیا ہے. جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ''.

''پوری دنیا فائدے کا ساز وسامان ہے اور دنیا کا بہترین سامان نیک بیوی ہے''(۳).

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے عورت کو دنیا کی سب سے زیادہ من پسند چیز بتلایا ہے اور دنیا کی دو محبوب چیزوں میں سے ایک عورت کا نام لیا ہے. حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''حُبِّبَ إِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ النِّسَاءُ وَالطِّيْبُ، وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ''.

''تمہاری دنیا کی چیزوں میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب عورتیں اور خوشبو ہیں، اور

---

(۲) مسند البزار، رقم (۱۴۰۲)، وقال الهيثمي في مجمع الزوائد (۴/ ۲۵۵): رواه البزار ورجاله رجال الصحيح خلا سلْم ابن جُناد وهو ثقة.

(۳) مسلم: الرضاع/ خير متاع الدنيا المرأة الصالحة (۱۴۶۷).

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے"(۴).

بلکہ دنیا کی اگر کوئی انمول چیز کسی کو ملتی ہے تو وہ عورت اور صرف عورت ہے. حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"مَا أَصَبْنَا مِنْ دُنْيَاكُمْ إِلَّا نِسَائَكُمْ".

"تمہاری دنیا کی چیزوں میں سے ہمیں صرف اور صرف عورتیں ہی ملیں (جو فائدہ کی چیز ہیں بقیہ سب چیزیں بے فائدہ ہیں)"(۵).

اسی لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے کو شادی کی ترغیب دیتے تھے. سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے پوچھا:

"هَلْ تَزَوَّجْتَ؟". "کیا تم نے شادی کی ہے؟".

میں نے عرض کیا: نہیں. تو انہوں نے فرمایا:

"فَتَزَوَّجْ فَإِنَّ خَيْرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَكْثَرُهَا نِسَاءً"(۶).

"پھر جا کر شادی کر لو، کیوں کہ اس امت کا سب سے بہتر آدمی وہ ہے جو زیادہ سے زیادہ شادی والا ہو".

صحابہ کرام شادی شدہ آدمی کو بہت ہی خوش نصیب اور مالدار تصور کرتے تھے. صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: کیا ہم فقرائے مہاجرین میں سے نہیں ہیں؟ حضرت عبداللہ نے پوچھا:

---

(٤) [حسن صحيح] صحيح الجامع (٣١٢٤)، نسائی (٧/ ٦١) مسند أحمد (٣/ ١٢٨) مستدرك حاكم (٢/ ١٦٠)، مصنف عبدالرزاق (٧٩٣٩).

(٥) قال الهيثمي في مجمع الزوائد (٤/٢٥٣): رواه الطبراني، وفيه: زكريا بن إبراهيم بن عبدالله ابن مطيع، ولم أجد من ذكره، وبقية رجاله ثقات.

(٦) بخاری: كتاب النكاح/ باب: كثرة النساء (٥٠٦٩).

"أَلَكَ امْرَأَةٌ تَأْوِي إِلَيْهَا؟".

"کیا تیرے پاس بیوی ہے جس سے سکون حاصل کرتا ہے؟".

اس نے عرض کیا: ہاں! حضرت عبداللہ نے پوچھا:

"أَلَكَ مَسْكَنٌ تَسْكُنُهُ؟".

"تیرے پاس رہنے کے لیے گھر ہے؟".

اس نے عرض کیا: ہاں! حضرت عبداللہ نے فرمایا:

"فَأَنْتَ مِنَ الأَغْنِيَاءِ".

"پھر تیرا شمار مالداروں میں ہے".

اس نے عرض کیا: جناب! میرے پاس ایک نوکر بھی ہے.

یہ سن کر حضرت عبداللہ نے فرمایا:

"فَأَنْتَ مِنَ الْمُلُوكِ".

"پھر تو تیرا شمار بادشاہوں میں ہے"(۷).

نبی کریم ﷺ نے یہ تعلیم دی ہے کہ شادی چوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لیے ایک بہت ہی عظیم نعمت ہے. اس لیے شریک حیات کے انتخاب میں احتیاط سے کام لیا جائے تا کہ میاں بیوی کے تعلقات تا حیات خوشگوار رہیں. اس کے لیے ایک حدیث میں رسول اکرم ﷺ اصولی تعلیمات دیتے ہوئے فرماتے ہیں، جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، ارشادِ گرامی ہے:

"تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ"(۸).

(۷) مسلم: كتاب الزهد والرقائق (۲۹۷۹).

(۸) مسلم: النكاح/ استحباب نكاح ذات الدين (۱٤٦٦)، بخاری: النكاح/ الأكفاء.. (۵۰۹۰).

''عورت چار اسباب کی بنا پر بیاہی جاتی ہے: ایک مال، دوسرے خاندان، تیسرے حسن و جمال اور چوتھے دینداری، پس تم دیندار عورت کو ترجیح دو، تمہارے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں (یہ دعائیہ کلمہ ہے)''.

رسول اکرم ﷺ نے کنواری لڑکیوں سے شادی کرنے پر ابھارا ہے. ایک مرتبہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک غزوہ سے واپس ہوئے، راستہ میں ان کی تیزی دیکھ کر رسول اکرم ﷺ نے پوچھا:

''مَا يُعْجِبُکَ يَا جَابِرُ؟''.

''جابر! آخر جلدی کس بات کی؟'' عرض کیا:

''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّی حَدِيْثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ''.

''اے اللہ کے رسول! میں نے ابھی نئی نویلی شادی کی ہے اس لیے جلدی سے گھر واپس ہونا چاہتا ہوں''.

آپ ﷺ نے پوچھا:

''أَبِکْرًا تَزَوَّجْتَهَا أَمْ ثَيِّبًا؟''.

''کنواری سے شادی کی ہے یا شوہر دیدہ سے؟''.

عرض کیا: ''بَلْ ثَيِّبًا''. ''میں نے شوہر دیدہ سے شادی کی ہے''.

آپ ﷺ نے فرمایا:

''هَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وتُلَاعِبُکَ''(۹).

''کنواری سے کیوں نہ شادی کی، وہ تم سے ہنسی مذاق کرتی اور تم اس سے ہنسی مذاق کرتے؟''

مسلم کی ایک دوسری روایت میں رسول اکرم ﷺ کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

''فَأَيْنَ أَنْتَ مِنَ الْعَذَارَى وَلِعَابِهَا؟''.

---

(۹) مسلم: کتاب الرضاع (۷۱۵/۵۷) بخاری: (۵۰۷۹، ۵۲۴۵، ۵۲۴۷).

''کنواری لڑکیوں سے شادی کرنے اور ان کے ساتھ کھیل کود، ہنسی مذاق کا مزہ لینے سے کیوں چوک گئے؟''(۱۰).

کنواری سے شادی کی ترغیب میں یہ حکمت ہے کہ نوجوان جوڑے دنیا وما فیہا سے یکسو ہو کر اپنے جذبات کا ایک دوسرے سے اظہار کریں گے اور ان کے اندر اعلیٰ محبت کی مثال قائم ہوگی. پھر ایک کنواری عورت بہ نسبت شوہر دیدہ کے شرم وحیا کی پیکر ہوتی ہے جس کی ایک ایک ادا شوہر کے جذبات محبت میں اضافہ کرتی ہے جس کی وجہ سے گھر کا ماحول تا دیر خوشگوار رہتا ہے.

شادی کو بہت سارے لوگ صرف جنسی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ سمجھتے ہیں لیکن اسلام نے شادی کو ایک دینی رخ دے دیا ہے اور افزائش نسل کا ذریعہ بتایا ہے. نیز مسلمانوں کو رسول اکرم ﷺ نے نصیحت کی ہے کہ وہ روزی روٹی کے خوف سے یا بچے کی کثرت سے خوف زدہ نہ ہوں بلکہ زیادہ بچہ جننے والی عورتوں سے شادی کریں. روزی روٹی کا مالک تو اللہ ہے اور میں قیامت کے دن دیگر امتوں پر اپنی امت کی کثرت کے ذریعہ فخر کروں گا. حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

''إِنِّيْ أَصَبْتُ امْرَأَةً ذَاتَ حَسَبٍ وَجَمَالٍ وَإِنَّهَا لَا تَلِدُ، أَفَأَتَزَوَّجُهَا؟''.

''میں نے (اپنی شادی کے لیے) ایک عورت کا انتخاب کر لیا ہے، وہ خاندانی بھی ہے اور حسن وجمال والی بھی مگر اس سے اولاد نہیں ہوسکتی، کیا میں اس سے شادی کر لوں؟'' رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''نہیں''. وہ دوبارہ آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور اپنی بات دہرائی، مگر آپ ﷺ نے اس مرتبہ بھی جواب میں ''نا'' فرمایا. وہ شخص تیسری مرتبہ بھی حاضر خدمت ہوا اور یہی بات عرض کی. آپ ﷺ نے اس مرتبہ فرمایا:

''تَزَوَّجُوا الوَدُودَ وَالوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ كُمُ الْأُمَمَ''.

(۱۰) مسلم: كتاب الرضاع، باب: استحباب نكاح البكر (۵۵/۷۱۵).

''زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچہ جننے والی عورت سے شادی کرو، کیوں کہ میں (قیامت کے دن) تمہاری کثرت کے ذریعہ دیگر امتوں پر فخر کروں گا''(۱۱).

سنن بیہقی کی روایت میں ہے:

''تَزَوَّجُوْا فَإِنِّی مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْأُمَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا تَکُوْنُوْا کَرَهْبَانِیَّةِ النَّصَارَی''.

''تم لوگ شادی کرو، کیوں کہ میں تمہاری کثرت پر دیگر امتوں کے سامنے قیامت کے دن فخر کروں گا، اور تم لوگ عیسائیوں کی طرح دنیا سے قطع تعلق نہ کرو''(۱۲).

شادی کی رسول اکرم ﷺ نے اس لیے اس قدر زیادہ ترغیب دلائی ہے، کیوں کہ اس سے بہت ساری برائیوں کا سد باب ہوتا ہے. عفت وعصمت محفوظ رہتی ہے، نگاہیں پست رہتی ہیں اور دوسری عورتوں کی طرف دھیان نہیں جاتا. چوں کہ جہنم میں دھکیلنے والی چیزوں میں سے دو چیزیں ایسی ہیں جن کا کردار بڑا نمایاں ہے؛ ایک زبان اور دوسری شرمگاہ. اسی لیے شرمگاہ کی حفاظت بہت ضروری ہے اور اس کی حفاظت کا سب سے بڑا ہتھیار شادی ہے اور یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے نوجوانانِ امت کو شادی پر ابھارا ہے. چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

''یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمُ الْبَاءَةَ فَلْیَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَعَلَیْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ''(۱۳).

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو کوئی شادی کی طاقت (یعنی مردانگی اور نان ونفقہ) رکھتا ہو وہ شادی کر لے، کیوں کہ شادی سے بڑھ کر نظر کو پست کرنے والی اور شرمگاہ کی

(۱۱) [حسن صحیح] أبو داود: النکاح/ (۲۰۵۰) سنن نسائی: (٦/ ٦٦) مسند أحمد: (۳/ ۱۵۸) مجمع الزوائد: (٤/ ۲۵۸) ابن حبان: (٤٠٥٦).

(۱۲) سنن کبری، بیهقی (۷/ ۷۸).

(۱۳) مسلم: کتاب النکاح (۱٤٠٠) بخاری: کتاب النکاح (٥٠٦٦).

حفاظت کرنے والی کوئی دوسری چیز نہیں ہے، اور جس شخص کے پاس شادی کرنے کی استطاعت (نان ونفقہ) نہ ہو وہ روزہ رکھے، کیوں کہ روزہ شہوانی قوت کو کچل دیتا ہے“.

مذکورہ حدیث کی تفسیر کے لیے خود رسول اکرم ﷺ کا عمل ملاحظہ فرمائیں، جب کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ انسانوں میں سب سے اعلی بلکہ رسولوں کے بھی سردار ہیں، مگر آپ ﷺ کی نگاہ جب ایک عورت پر پڑی تو آپ نے فوراً گھر واپس آکر اپنی بیگم سے اپنی خواہش پوری کی اور پھر گھر سے باہر نکلے. حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى امْرَأَةً فَأَتَى امْرَأَتَهُ زَيْنَبَ وَهِيَ تَمْعَسُ مَنِيْئَةً لَهَا، فَقَضَى حَاجَتَهُ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: إِنَّ الْمَرْأَةَ تُقْبِلُ فِي صُوْرَةِ شَيْطَانٍ وَتُدْبِرُ فِي صُوْرَةِ شَيْطَانٍ، فَإِذَا أَبْصَرَ أَحَدُكُمُ امْرَأَةً فَلْيَأْتِ أَهْلَهُ، فَإِنَّ ذٰلِكَ يَرُدُّ مَا فِي نَفْسِهِ“.

”رسول اکرم ﷺ کی نگاہ (راستہ میں) ایک عورت کے اوپر پڑ گئی تو آپ ﷺ (اسی وقت) اپنی بیگم زینب کے پاس تشریف لائے، وہ گھر میں چمڑے کی دباغت دے رہی تھیں، آپ نے ان سے ہم بستری کی اور باہر صحابہ کرام کے درمیان تشریف لائے تو فرمایا: ”عورت شیطان کی شکل میں آگے آتی ہے اور شیطان ہی کی شکل میں پیچھے جاتی ہے، لہٰذا تم میں سے کوئی اگر کسی عورت کو دیکھ لے (اور اس کو شہوت آجائے) تو اپنی بیوی کے پاس چلا جائے کیوں کہ ایسا کرنے سے اس کی خواہش ختم ہو جائے گی“.

ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”إِذَا أَحَدُكُمْ أَعْجَبَتْهُ الْمَرْأَةُ فَوَقَعَتْ فِي قَلْبِهِ فَلْيَعْمِدْ إِلَى امْرَأَتِهِ فَلْيُوَاقِعْهَا، فَإِنَّ ذٰلِكَ يَرُدُّ مَا فِي نَفْسِهِ“(۱۴).

(١٤) مسلم: النكاح، من رأى امرأة... (١٤٠٣). نیز دیکھئے: أحمد(٤/ ٢٣١)، الصحيحة (٢٣٥).

''جب تم میں سے کسی کو کوئی عورت اچھی لگے اور وہ اس کے دل میں بیٹھ جائے (جس سے اس کی شہوت جاگ اٹھے) تو وہ اپنی بیوی کے پاس جا کر اس سے صحبت کر لے، کیوں کہ اس سے اس کے من کی بات جاتی رہے گی''.

ذرا غور کریں کہ یہ حکم وہ ہستی دے رہی ہے جو اس روئے زمین پر سب سے زیادہ مبارک اور معصوم ہے. معلوم ہوا کہ کوئی بھی انسان خواہ وہ کتنا ہی پارسا و بزرگ اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے والا پیر وصوفی کیوں نہ ہو، عورت کی شیطانی شکل سے اس کا من ضرور بہک سکتا ہے. پھر ایسی صورت میں جب بیوی نہ ہو تو اپنی شہوت وہ کہاں پوری کرے گا؟ لامحالہ اس کے اندر ناجائز خیالات جنم لیں گے!! اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے شادی کی ترغیب دلائی ہے؛ بلکہ حقوق زوجیت سے خود کو الگ تھلگ کر کے عبادت میں مصروف ہو جانے کی بھی اجازت نہیں دی ہے، جبکہ عبادت ایک خیر کا کام ہے. ذرا یہ حدیث پڑھیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إِلَى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا أُخْبِرُوا كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا، فَقَالُوا: وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ، قَالَ أَحَدُهُمْ: أَمَّا أَنَا فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَداً، وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أُفْطِرُ، وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَداً''.

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین آدمی نے نبی کریم ﷺ کی عبادات کے متعلق دریافت کرنے کی غرض سے ازواج مطہرات کے گھروں کا رخ کیا. جب انہیں آپ ﷺ کی عبادت کے متعلق بتایا گیا تو گویا ان لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی عبادت کی بہ نسبت اپنی عبادت کو بہت ہی معمولی سمجھا اور کہنے لگے: ہم نبی کریم ﷺ سے عبادات (اور درجہ وغیرہ) میں کتنا پیچھے ہیں؟ جب کہ آپ ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے ہیں!! پھر

ان میں سے ایک شخص نے کہا: اب میں ہمیشہ رات رات بھر نمازیں پڑھا کروں گا (اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر اپنی بخشش کی دعائیں کروں گا، کیوں کہ رات کے آخری وقت میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر آتا ہے اور اپنے بندوں کی مانگ پوری کرتا ہے). دوسرے نے کہا: میں مسلسل اور تا زندگی روزے رکھا کروں گا، بغیر روزہ کے کبھی نہیں رہوں گا، اور تیسرے آدمی نے کہا: میں عورتوں سے ہمیشہ الگ تھلگ رہوں گا، کبھی ان سے نکاح نہیں کروں گا (تا کہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنا وقت لگا سکوں)''.

یہ کہہ کر وہ تینوں واپس ہو گئے، اتنے میں نبی کریم ﷺ گھر تشریف لائے تو آپ کو ان تینوں اشخاص کے متعلق خبر دی گئی، آپ ﷺ نے انہیں بلوایا اور فرمایا:

''أَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟ أَمَا وَاللَّهِ! إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي''.

''تم ہی لوگوں نے ابھی ابھی یہ یہ بات کہی ہے؟ اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہوں، اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور بغیر روزہ کے بھی رہتا ہوں، راتوں کو اٹھ اٹھ کر نمازیں بھی پڑھتا ہوں اور سو کر اپنی آنکھوں کو راحت بھی بخشتا ہوں، نیز عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، لہٰذا (اتنی جانکاری کے باوجود بھی) کوئی شخص اگر میرے طریقہ سے اعراض کرے گا تو وہ مجھ میں سے نہیں ہے''(۱۵).

شادی کی ترغیب سے متعلق جو آیات واحادیث ذکر کی گئی ہیں، ان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ شادی خیر و برکت کا ذریعہ ہے اور اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے. لہٰذا اگر کوئی شخص فائدہ کو ہاتھ نہ لگائے تو وہ اس کی جگہ نقصان میں رہے گا. یہی وجہ ہے کہ دیگر اقوام میں جن جن لوگوں نے بھی شادی کی افادیت سے منہ موڑا اور عورتوں کو نجس قرار دیا، وہ اس قدر اخلاق باختگی کا

(۱۵) بخاری: كتاب النكاح/ باب: الترغيب في النكاح (۵۰۶۳)، مسلم (۱٤۰۱) باختلاف.

شکار ہو گئے کہ اسی نجس کے پیچھے حواس باختہ ہو کر بھاگنے لگے جس کا چھونا تک ان کے فلسفہ کے مطابق جائز نہیں تھا. یہی نہیں بلکہ شادی سے اعراض کرنے والے مذہبی رہنماؤں نے اپنی شہوت کی بھوک مٹانے کے لیے امرد بچوں تک کا بھی خانقاہوں اور گرجا گھروں میں استحصال کیا جس کے سبب خود ان کے پیروکار بھی ان سے گھن کرنے لگے. عیسائیوں کے مذہب میں عورت کی نا قدری اور اسے بنیادی طور پر ناپاک اور شیطان کا پھندہ سمجھنے ہی کی وجہ سے عیسائیت میں شادی کو اچھا نہیں کہا گیا. مشہور عیسائی عالم پولس نے حرام کاری کے اندیشہ سے شادی کی اجازت دینے کے باوجود یہ لکھا:

''مرد کے لیے اچھا ہے کہ عورت کو نہ چھوئے''(۱۶).

مشہور عیسائی متکلم ایکویناس نے عورت کو غلام سے بھی بدتر قرار دیا. اس کے بقول غلام کی محکومی قدرتی نہیں جبکہ عورت قدرتی طور پر باپ بیٹے اور خاوند کی محکوم ہے(۱۷).

اور معروف مسیحی مفسر وخطیب یوحنا فم الذہب (John Chrysostom) نے عورت کو ایک خانگی خطرہ (domestic peril) اور مصور برائی (Painted evil) سے تعبیر کیا ہے(۱۸).

عورت کے متعلق اس قدر گھٹیا اور ظالمانہ نظریہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابتدائی زمانہ کے بہت سے عیسائی شادی کے باوجود بیویوں کے حقوق کی ادائیگی کو غیر ضروری جاننے لگے(۱۹). اور بالخصوص ایک پادری بننے کے بعد یہ بات پہلے پہل اس کی نیکی (act of virtue) اور پھر اس کا

(۱٦) کرنتھیوں ۷: ۱، ۲، ۳۳-۳۴، ۳٦-۴۰. دیکھئے کتاب: عیسائیت، تجزیہ ومطالعہ (ص ۳۸۰).

(17) Thomas Acquinas: "Summa Theologica" .

(18) Will Durant: The Story of Civilisation.. (New York, 1950) page: 325.

(19) Hans Leitzmann: the Beginning of the Christian Church (London, 1955), p. 135.

فریضہ (act of duty) شمار ہونے لگی کہ پادری بننے سے پہلے اس نے اگر شادی کی تھی تو اب اپنی بیوی کے پاس بھی نہ پھٹکے[20]۔

اس سلسلہ میں اس طرح کے مضحکہ خیز قوانین بھی بنائے گئے کہ پادری اگر کسی گھریلو مشورہ وغیرہ میں بیوی سے ملنا چاہے تو کھلی جگہ اور کم از کم دو گواہوں کی موجودگی میں ملے۔ اور ایک پوپ ہائیلڈ برینڈ (Hildebrand) نے عیسائیوں کو سختی سے حکم دیا کہ وہ شادی شدہ پادریوں کی سمع وطاعت سے دستبردار (withdraw their obedience) ہو جائیں[21]۔

ان احکام کے نتیجہ میں مردوں اور پادریوں پر جو زیادتی ہوئی، اس کی تلافی تو انہوں نے نا جائز ذرائع سے کر لی مگر عورتوں پر نا قابل تلافی ظلم ہوا۔ پوپ اربن دوم (Urban ii) نے تو پادریوں سے یہ غیر فطری احکام منوانے کی کوشش میں عورتوں پر ظلم وستم اور زیادتی کی حد کر دی:

"Pope Urban ii gave License to the nobles to reduce to slave the wives whom priests had obstinately refused to abandon"[22].

''پوپ اربن دوم نے امراء کو اجازت دے دی کہ وہ ان پادریوں کی بیویوں کو اپنی باندی بنا سکتے ہیں جنہیں ان کے خاوندوں نے ضد سے کام لیتے ہوئے چھوڑنے سے انکار کر دیا ہے''۔

عورت اور اس کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات سے نفرت کی اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف قرون وسطی بلکہ ماضی قریب تک بھی عیسائی اقوام میں اس کی کوئی عزت اور سماجی مرتبہ نہ تھا، اور خاوند کو اس پر اتنے جابرانہ حقوق حاصل تھے کہ انیسویں صدی کے تقریباً نصف اول تک وہ قانونی طور پر اپنی بیوی کو ایک جانور کی طرح فروخت بھی کر سکتا تھا[23]۔

(20) W. E. H. Lecky: A History of European Morals (London, 1911), vol. 2, p. 329.
(21) Ibid, p. 332. (22) Ibid, p. 333.
(23) Cady Stanton: History of women's Suffage, vol. 3. p. 290 (quoted in Rationalist Encyclopaedia by j. Mc Cabe, London, 1950, p. 625).

شادی سے نفرت اور عورت کی انتہائی تحقیر کا جو رجحان عیسائیوں میں پیدا ہوا اور پادریوں پر جو ناجائز پابندی عائد کی گئی کہ کوئی بھی پادری شادی نہیں کرسکتا، اس کا بھیانک نتیجہ یہ سامنے آیا کہ عوام تو درکنار عیسائیوں کے مذہبی رہنماؤں کی اخلاقی حالت اس قدر پست ہوگئی کہ وہ اپنی جنسی تسکین کے لیے داشتائیں رکھنا شروع کردیے. حتی کہ تیرہویں صدی کے ایک بشپ کے ناجائز بچوں کی تعداد پینسٹھ (٦٥) تک پہنچ گئی تو آخر کار اسے معزول کردیا گیا[٢٤].

قبل ازیں آگسٹائن (م ٤٣٠ء) جیسے متکلم اور قدیس (Saint) کی زیادہ تو نہیں مگر ایک داشتہ اور ایک ناجائز بچہ کا ہونا ایک کھلا راز تھا. اس خدا پرست قدیس نے اس بچہ کا نام (Adeodatus) یعنی (Gift of god) عطیۂ خداوندی رکھا تھا[٢٥]. اور عیسائیت کے عروج کے زمانہ میں تو پادریوں کے حرامی بچوں کی اتنی کثرت تھی کہ قدیم جرمن زبان میں حرامی بچے کے لیے مستعمل لفظ (Pfaffenkina) کا لغوی مطلب ہی پادری کا بیٹا ہے[٢٦].

پادریوں کو وسیع پیمانے پر بدکار بنانے میں ان پر عائد شادی کی پابندی کا بہت بڑا کردار ہے. ظاہر ہے، ہر آدمی کے اندر اللہ تعالیٰ نے شہوانی جذبات رکھے ہیں اور اس کے حل کے لیے شادی کو جائز قرار دیا ہے تاکہ ہر آدمی سکون اور اطمینان کے ساتھ ازدواجی زندگی گزار سکے. اب اگر کوئی شخص قدرت کی طرف سے بندوں کو عطا کیے گئے جذبات سے ٹکر لے گا تو لامحالہ وہ برائی میں پھنسے گا اور یہی حال ہوا عیسائیوں کے پادریوں کا. جب فطری قانون پر پابندی عائد کرکے انہیں شادی سے دور رکھا گیا تو پھر وہ ایسے بگڑے کہ انہیں کنٹرول میں رکھنا کسی کے بس میں نہیں رہا.

حتی کہ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ عیسائیوں کو اپنی بیٹیوں اور بیویوں کو ان پادری

(٢٤) حوالہ کے لیے دیکھیے کتاب: عیسائیت، تجزیہ و مطالعہ ص ٤٢٣.

(٢٥) مصدر سابق.

(٢٦) مصدر سابق.

حضرات سے بچانے کی فکر دامن گیر ہوئی، اور یہ معاملہ اس قدر گمبھیر ہو گیا کہ لوگوں کی طرف سے یہ تجویز اصرار کے ساتھ پیش کی جانے لگی کہ پادریوں کو اگر شادی کی اجازت نہیں تو کم از کم کلیسا کی طرف سے انہیں داشتائیں رکھنے کی باقاعدہ اجازت ہونی چاہیے تاکہ ان کے حلقہ کی باقی بہو بیٹیاں ان کی دستبرد سے محفوظ رہیں!!

گنجا کیا چاہے؟ سر پہ بال اور اندھا کیا چاہے؟ دو آنکھیں. بہت سے پادریوں نے اپنے پیرو کاروں کے اس مخلصانہ مشورہ کو نعمت غیر مترقبہ جانا اور بڑے زور شور سے داشتائیں رکھنا شروع کر دیں. دو دو داشتائیں تو عام پادریوں کی تھیں، مگر بعض پادریوں نے اتنی کثرت سے داشتائیں رکھیں کہ امراء و حکام اہل کلیسا کے لیے باقاعدہ لائسنس جاری کرتے تھے.

"A License to clgyman to keep consubines"(27).

اور اس پر فیس وصول کی جاتی تھی جسے کلاجیم (calagium) کہا جاتا تھا. یہ طریقہ کئی صدیوں تک جاری رہا.

حتی کہ عوامی اجتماعات وتقریبات میں پادری کی داشتہ کو باقاعدہ ایک بیوی کی طرح عزت کی جگہ (place of honour) ملتی تھی (۲۸).

پوپ الیگزینڈر سوم (۱۱۵۹ء) نے پادریوں کی شادی کی ممانعت کے قوانین کو سختی سے نافذ کیا، مگر ساتھ ہی اپنے نمایندوں کو حکم دیا کہ وہ کسی بھی پادری کے ایک آدھ داشتہ رکھنے پر معترض نہ ہوں، تاکہ اس کے حلقہ کی باقی عورتیں محفوظ رہیں (۲۹).

مگر یہ طریقے بھی عیسائیوں کو اپنے پادریوں کی دستبرد سے محفوظ نہ رکھ سکے. کیوں کہ عام

---

(27) H. C. Lea: Sacredotal Celibacy, pp. 257, 278, 389.
(28) H. C. Lea: History of the Inquisition in Spain, (New York, 1906), vol. 1, p. 396.
(29) H. C. Lea: Sacredotal Celibacy, pp. 320, 388.

پادری بہیمیت کے اس درجہ پر فائز تھے جہاں وہ داشتائیں رکھنے کے باوجود اپنے پیرو کاروں کی بہو بیٹیوں کو بخشنے کے لیے تیار نہ تھے(۳۰).

لوگوں کی بہو بیٹیاں تو در کنار، پادریوں کی اپنی مائیں بہنیں بھی ان سے محفوظ نہ تھیں. ''تاریخ اخلاق یورپ'' کے فاضل مؤلف نے اس شرمناک اور وحشت ناک صورت حال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"... That inveterate prevalance of incest among the clergy, which rendered it necessary again and again to issue the most strigent enactments that priests should not be permitted to live with their mothers and sisters".

''اہل کلیسا میں محرمات سے مباشرت کا چلن اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ پادریوں کو اپنی ماؤں اور بہنوں کے ساتھ رہنے سے روکنے کی خاطر بار بار انتہائی سخت قوانین جاری کرنے کی ضرورت پیش آئی''(۳۱).

ایسے قوانین واحکام چھٹی سے بارہویں صدی عیسوی تک کے عرصہ میں بکثرت جاری کیے گئے مگر ان کو غیر مؤثر دیکھ کر کلیسائی حکام آہستہ آہستہ قدم پیچھے ہٹاتے گئے حتی کہ محرمات سے مباشرت کا جرمانہ صرف پانچ شلنگ رہ گیا(۳۲).

۱۴۳۱ء میں منعقد ہونے والی بالی (Bale) کی کونسل نے قرار دیا کہ

"The clergy were all fornicators[33]"

(۳۰) مصدر سابق.

(۳۱) دیکھئے کتاب: عیسائیت، تجزیہ ومطالعہ (ص ۴۲۶).

(32) J. Mc Cabe: the Bible is Europe, (London, 1907), pp. 200, 206.

(33) H. C. lea: Sacredotal celibacy, p. 383.

''سب کے سب پادری زنا کار ہیں''.

شادی سے پادریوں کو دور رکھنے کا نتیجہ اس قدر بھیانک نکلا کہ پھر ان کو کنٹرول میں رکھنا دشوار ہو گیا؛ حتی کہ ۱۵۰۰ء کے قریب تک لندن میں پادریوں کے لیے خصوصی قحبہ خانے (Special brothels) پائے جاتے تھے. جب کہ سولہویں صدی کے فرانس اور روم میں پادریوں کی خدمت کے لیے ہزاروں فاحشہ عورتیں اور لوطی لڑکے (Sodomists) موجود تھے[۳۴]. حد یہ کہ مقدس مقامات کی زیارت کے لیے جانے والی عورتیں اخراجات سفر کے لیے عصمت فروشی کو عار نہ سمجھتی تھیں اور بارہویں صدی کی صلیبی جنگوں کے عیسائی مجاہدین کے لیے جہاز بھر بھر کر فاحشہ عورتیں فلسطین بھیجنا ضروری ہو گیا تھا[۳۵].

پادریوں کی اس بد اخلاقی کو دیکھ کر گریگوری دہم نے لیون (Lyons) کی دوسری کونسل میں شریک ہونے والے معزز ترین پادریوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

"You are the ruin of the world"

''دنیا کی اخلاقی تباہی کے باعث تم اور صرف تم ہو''[۳۶].

شادی سے اعراض کے نتیجہ میں عیسائیوں کے مذہبی رہنماؤں کی جو اخلاقی تباہی ہوئی اس کا اندازہ قارئین نے لگا لیا ہوگا، مزید اس سلسلہ میں اسی کتاب کے عنوان ''لواطت اور اغلام بازی کرنے والوں کی سرزنش'' (ص:۳۷۹) کے تحت مطالعہ فرمالیں.

آپ کو اندازہ ہو چکا ہوگا کہ شادی سے اعراض کے نتیجہ میں کن کن لوگوں کو کیا کیا بھگتان بھگتنا پڑ چکا ہے اور آج بھی شادی سے اعراض کرنے والے بد اخلاقی کی جس جس ڈگر پر رواں دواں ہیں اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے.

(34) Rationalist Encyclopaedia, p. 468.
(35) Ibid, P.467.
(36) H. C. Lea: Sacredotal Celibacy, p. 353.

رسول اکرم ﷺ نے جو اپنی امت کے جوانوں کو شادی پر ابھارا ہے اور جو شادی کی ترغیب دلائی ہے اس کا یہی ایک فائدہ کیا کم ہے کہ امت اسلامیہ کی خواتین اور نوجوان نسلوں کی عفت وعصمت کا تحفظ ہو جائے، جب کہ شادی کے سیکڑوں فائدے اس کے علاوہ ہیں؟؟

میں نے عیسائی پادریوں کے متعلق جو کچھ حقائق بیان کیا ہے، انہیں اس عنوان کے تحت لکھنے کا مقصد یہی ہے کہ اگر امت اسلامیہ رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنی نوجوان نسلوں کو شادی کے بندھن میں نہیں باندھے گی تو پھر-اللہ نہ کرے- وہی حشر ہوگا جوان پادریوں کا ہوا.اور فی الوقت دنیا کے عرض وطول میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے حالات کا مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہیں کہ مسلم معاشرے میں اس شادی جیسی عظیم سنت سے انحراف کے سبب بڑی تباہی آئی ہوئی ہے اور نوجوان نسل کی اخلاقی گراوٹ سے مسلم معاشرہ متعفن ہو چکا ہے. برصغیر جیسے دیگر ممالک میں تو جہیز کی لعنت اپنا قبضہ جمائے ہوئی ہے جب کہ بعض عرب ممالک میں مہر کی زیادتی نے نوجوان لڑکیوں کو شادی کے بغیر بوڑھی بنانے کی ذمہ داری لے لی ہے. اسی طرح کے کئی ایک مسئلہ میں الجھ کر امت اسلامیہ کے افراد نے شادی سے متعلق اپنے رسول کی دی ہوئی تعلیمات کو فراموش کر کے نونہالان ملت کی جوانی کو غیر شرعی کاموں میں لگا دیا ہے جس کا خمیازہ انفرادی واجتماعی طور پر بالآخر مسلم معاشرہ ہی کو بھگتنا پڑ رہا ہے!!

کیا رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق افراد امت نے اپنی نوجوان نسلوں کے بارے میں کچھ سوچا بھی ہے؟

”فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي“.

”جو کوئی شادی سے اعراض کرے وہ مجھ میں سے نہیں ہے“.

حضرات صحابہ کرام تو اپنی عفت وعزت کے تحفظ کے لیے خصی کرا لینے کی اجازت مانگتے تھے تاکہ ان کا دین محفوظ رہے مگر انہیں اس کی بھی اجازت نہیں دی گئی.آج تو نوجوان نسلوں

کے منہ مارنے کے لیے سیکڑوں راہیں کھلی ہوئی ہیں جو بدکاری کو نئے نئے جام میں سجا کر دعوت گناہ دے رہی ہیں اور جو صحابہ کرام کی طرح خصی کرا کے اپنی عزت کا تحفظ بھی نہیں چاہتیں؛ بلکہ بدکاری اور چمچماتی ہوئی شوخ جوانی کے لیے در در دندناتی پھر رہی ہیں!!

فَالْأَمَانَ وَالْحَفِيظَ!!

ضرورت اس بات کی ہے کہ امت اسلامیہ شادی سے متعلق رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل اپنانے میں جلدی سے کام لے تاکہ مسلم معاشرہ پھر ایک مثالی معاشرہ بن سکے.

رسول اکرم ﷺ کا طرزِ عمل اعتراض کرنے والوں کے ساتھ

ہماری اس کتاب کا یہ موضوع بہت ہی اہمیت کا حامل ہے. اس دنیا میں جب سے انسان کا وجود عمل میں آیا ہے تب ہی سے بلکہ انسان کی تخلیق کی بات ہو رہی تھی تب ہی سے اعتراض کرنے والوں کی تعداد بکثرت پائی گئی ہے. قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ مخفی نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس روئے زمین پر انسانوں کو وجود بخشنا چاہا تو اس سلسلہ میں فرشتوں کے سامنے بات رکھی، اس وقت فرشتوں نے اپنی لاعلمی میں جو کچھ کہا وہ دراصل اعتراض کی ایک شکل ہی تھی جس سے ان کی ذات پر کچھ حرف نہیں آتا، مگر تھی ان کی فکر اعتراض پر ہی مبنی. قرآن مجید میں اس کی تفصیل یوں مذکور ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾ [البقرة: ٣٠]

”اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں، تو انہوں نے کہا: ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے؟ اور ہم تیری تسبیح، حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے“.

پھر جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی خصوصیت واہمیت سے آگاہ فرمادی تو وہ فوراً اپنے اعتراض سے رجوع کر لیے اور کہنے لگے:

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾

”اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا

ہے، پورے علم وحکمت والا تو تو ہی ہے''۔ [البقرۃ:۳۲]

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان حضرت آدم کی تخلیق فرمانے کے بعد فرشتوں کو ان کا سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس وقت ابلیس اعتراض کر بیٹھا:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾ [البقرۃ:۳۴]

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا اور تکبر کیا کافروں میں ہو گیا''۔

ابلیس کا اعتراض ... میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور آدم مٹی سے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں کمزور بن کر آدم کا سجدہ کروں؛ چنانچہ وہ اپنے اعتراض کے سبب راندۂ دربار ہوا، اس سلسلہ میں مفصل مکالمہ سورۂ ص میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے. ہم بطور تبرک وہ آیات اور ان کا ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں:

﴿إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَراً مِن طِينٍ، فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ، فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعِينَ، إِلَّا إِبْلِيسَ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ، قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ، قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ، قَالَ فَاخْرُجْ مِنهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ، وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَى يَوْمِ الدِّينِ، قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ، قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ، إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ، قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ، إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ، قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ، لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ [سورۂ ص:۷۱-۸۵]

''جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں مٹی سے انسان کو پیدا کرنے والا ہوں، سو جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں، تو تم سب

اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا؛ چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے نہ کیا، اس نے تکبر کیا اور وہ تھا کافروں میں سے، (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: اے ابلیس! تجھے اسے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، کیا تو کچھ گھمنڈ میں آ گیا ہے یا تو بڑے درجے والوں میں سے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا، اور اسے مٹی سے بنایا ہے، ارشاد ہوا کہ تو یہاں سے نکل جا تو مردود ہوا، اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت و پھٹکار ہے، کہنے لگا: میرے رب مجھے لوگوں کے اٹھ کھڑے ہونے کے دن تک مہلت دے، (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: تو مہلت والوں میں سے ہے، متعین وقت کے دن تک، کہنے لگا: پھر تو تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو یقیناً بہکا دوں گا، بجز تیرے ان بندوں کے جو چیدہ اور پسندیدہ ہوں، فرمایا: سچ تو یہ ہے، اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں، کہ تجھ سے اور تیرے تمام ماننے والوں سے میں (بھی) جہنم کو بھر دوں گا''۔

اسی طرح جب انسانوں کی فلاح و بہبودی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کو مبعوث کرنا شروع کیا تو ان کی قوموں نے ان پر طرح طرح کے اعتراضات کیے. آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپ پر بھی قسم قسم کے اعتراضات ہوئے مگر آپ نے ان اعتراضات کے جوابات میں بہت ہی تحمل سے کام لیا. چوں کہ ابلیس کا اعتراض اللہ تعالیٰ کی شانِ تخلیق وحکمت پر مبنی تھا اور وہ اللہ تعالیٰ سے سرکشی کر بیٹھا اس لیے وہ ضلالت وگمراہی کی دلدل میں جا پھنسا، اور توبہ کا دروازہ اس کے لیے بند کر دیا گیا. مگر انبیاء و رسل پر ان کی قوموں کے جو اعتراضات تھے وہ بصراحت اللہ تعالیٰ کی ذات کے انکار پر مبنی ہرگز نہ تھے؛ چنانچہ انبیاء اور رسولوں پر واجب تھا کہ وہ اپنی قوموں کے اعتراضات کے جوابات اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق دیں جس کا انہوں نے حق ادا بھی کیا اور ان کے بے جا یا بجا اعتراضات کا تشفی بخش جواب بھی دیا، گو انبیاء سے ان کی قوموں کے اعتراضات ابلیس کے اعتراض سے مماثلت کے باوجود مختلف تھے.

معلوم ہوا کہ اعتراضات کا سلسلہ شروع ہی سے قائم ودائم ہے. رسول اکرم ﷺ چونکہ آخری نبی اور تمام بنی نوع انسان کے لیے اسوۂ حسنہ تھے، اس لیے ضروری تھا کہ آپ کی زندگی ان لوگوں کے لیے بھی قابل نمونہ ہو جو قوموں کے راہ نما بنیں گے یا راہ نما ہیں.

رسول اکرم ﷺ بیک وقت ایک عابد وزاہد انسان بھی تھے اور سرحد پر مجاہدین کی رہنمائی کرنے والے کمانڈر بھی، اسلامی معاشرے کے ایک درویش صفت عام آدمی بھی تھے اور سلطنتِ اسلامیہ کی باگ ڈور سنبھال کر مسلمانانِ عالم کے نظامِ زندگی کو کامیابی کی راہ پر گامزن کرنے والے مصلح حکمراں بھی، مگر آپ ﷺ کے بارعب ہونے کے باوجود بھی لوگوں نے آپ پر ایسے ایسے اعتراضات کیے جو بسا اوقات گستاخی کی حد تک پہنچ جاتے. مگر آپ نے انتہائی حلم وبرد باری کے ساتھ ان اعتراضات کو برداشت کیا. اگر کوئی اپنی جہالت، غلط فہمی، بشری کمزوری، ناعاقبت اندیشی یا کم فہمی کی وجہ سے برے اسلوب میں بھی آپ پر اعتراض کرتا تو آپ اپنے کرم وشفقت سے اس پر تحمل فرماتے تھے.

دراصل آپ ﷺ کے اس طرز عمل میں آپ کے بعد آنے والے خلفاء وامرائے اسلام کے لیے حق شناسی، حق گوئی اور حق کی پیروی میں ذاتی جاہ واعزاز اور فخر وغرور کو دخل نہ دینے کی بہت ہی عظیم تعلیم ہے. تو آیئے نبوی زندگی کے ان چند اعتراضات کو پڑھتے ہیں جو رسول اکرم ﷺ پر کیے گئے اور آپ نے انتہائی تحمل سے کام لیا اور آنے والے بااثر لوگوں کے لیے قابل تقلید نمونہ چھوڑ گئے:

☆ ایک مرتبہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری صحابی کے درمیان آبپاشی کے معاملہ میں نزاع ہوگئی. بات یہ تھی کہ پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا کھیت تھا اور ان کے بعد انصاری کا کھیت، انصاری کا کہنا تھا کہ پہلے اس کے کھیت میں پانی جائے؛ چنانچہ وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہتے تھے:

''سَرِّحِ الْمَاءَ يَمُرُّ''.

''پانی کو میرے کھیت میں آنے دو''.

مگر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پانی دینے سے انکار کر رہے تھے.

دونوں نے مقدمہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں دائر کر دیا. آپ ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اِسْقِ يَا زُبَيْرُ! ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ''.

''زبیر! اپنا کھیت سیراب کر لو، پھر پانی اپنے پڑوسی کے کھیت میں چھوڑ دو''.

اسلامی قانون کا تقاضا یہ ہے کہ جو زمین کنویں سے قریب تر ہے اسی کو پانی لینے کا حق ہے، دور کے کھیت والے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ قریبی کھیت والے کی اجازت کے بغیر اس کے کھیت کو کاٹ کر پانی اپنے کھیت میں بہا لے جائے. گو آپ ﷺ کا یہ فیصلہ اخلاقی اور منصفانہ تھا مگر انصاری کو غصہ آ گیا اور وہ برہم ہو کر کہنے لگے:

''أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ؟''.

''چونکہ زبیر آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں اس لیے آپ نے ایسا فیصلہ دیا ہے؟''.

انصاری کی گفتگو سن کر غصہ سے رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا؛ پھر آپ ﷺ نے اس بار اخلاقی فیصلہ کے بجائے قانونی فیصلہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اِسْقِ يَا زُبَيْرُ! ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ''.

''زبیر! آبپاشی کر کے پانی روک رکھو یہاں تک کہ کھیت کی مینڈ تک پہنچ جائے''.

یعنی پانی اس وقت تک اپنے کھیت میں روک رکھو یہاں تک کہ پانی بہہ کر خود بخود مینڈ کے اوپر سے انصاری کے کھیت میں چلا جائے ورنہ اس سے پہلے پانی لینے کا اسے کوئی حق نہیں پہنچتا.

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں سمجھتا ہوں کہ شاید یہ آیت اس واقعہ ہی میں نازل ہوئی:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً﴾ [النساء: ٦٥]

''سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ ایماندار نہیں ہو سکتے، جب تک کہ اپنے آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرماں برداری کے ساتھ قبول کر لیں''(۱).

☆ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، اسی دوران قبیلہ بنوتمیم کا ذوالخویصرہ نامی ایک شخص آیا اور کہنے لگا:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اعْدِلْ".

''اے اللہ کے رسول! انصاف کے ساتھ مال تقسیم فرمائیے''.

آپ ﷺ نے فرمایا:

"وَيْلَكَ! وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ، قَدْ خِبْتَ وَخَسِرْتَ إِنْ لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ؟!".

''تیرا برا ہو! اگر میں ہی انصاف نہ کروں گا تو بھلا کون انصاف کرے گا، اگر میں انصاف نہ کروں تو تو نامرادی اور نقصان میں رہے؟!''

یہ سنتے ہی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو طیش آ گیا اور آپ نے عرض کیا:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ائْذَنْ لِيْ فِيْهِ فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ".

''اے اللہ کے رسول! آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ اس کی گردن اڑا دوں''.

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"دَعْهُ، فَإِنَّ لَهُ أَصْحَاباً يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ، يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ".

''اسے چھوڑ دو، اس کے کچھ ساتھی ایسے ہوں گے جن کی نمازوں کے آگے تم اپنی نماز حقیر

(۱) بخاری: کتاب المساقاة (۲۳٦۰)، مسلم: (۲۳۵۷)، أبو داود: (۳٦۳۷).

جانو گے، اور ان کے روزوں کے آگے تمہیں اپنا روزہ حقیر و معمولی لگے گا، یہ لوگ قرآن کی تلاوت تو خوب کریں گے مگر وہ ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا، یہ دین اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار (یا کمان) سے"(۲).

(یہ پیشین گوئی خوارج کی صورت میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ظہور پذیر ہوئی اور انہوں نے ان سے جنگ لڑی).

اوپر کے دونوں واقعات سے اندازہ لگائیں کہ رسول اکرم ﷺ پر کس کس قسم کے اور کتنے سخت سخت اعتراضات ہوئے، مگر آپ ﷺ نے ان کے جواب میں کس قدر اچھا طرز عمل اپنایا جو بعد کے امراء وسلاطین اور خلفاء کے لیے قابل تقلید وقابل نمونہ ہے.

خلافت اسلامیہ میں حکام وعمال درحقیقت خلیفہ یا بادشاہ کے قائم مقام ہوتے ہیں، جو حکمران ہی کے حکم کی تعمیل میں اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے ہیں، اس لیے ان عمال وحکام پر نکتہ چینی اور اعتراض کرنا خود خلیفہ یا بادشاہ پر اعتراض اور نکتہ چینی کرنے کے مترادف ہے. عہد نبوی میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے عمال وحکام کا شکوہ کیا تو رسول اکرم ﷺ نے ایسا نہیں کیا کہ قانون کے کسی دفعہ سے ان کو خاموش کر دیں، یا حکام وعمال کی حمایت وطرف داری کر کے اعتراض کرنے والوں پر کسی قانونی جرم کو عائد کر دیں؛ بلکہ آپ ﷺ نے اخلاقی طور سے دونوں کو اچھی طرح سمجھا دیا. حکام وعمال کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ".

"مظلوم کی آہ سے بچو کیوں کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے"(۳).

اور معترضین کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"أَرْضُوْا مُصَدِّقِيْكُمْ".

---

(۲) بخاری: المناقب، علامات النبوة فی الإسلام (۳٦۱۰) مسلم (۱۰٦٤).

(۳) بخاری (۲٤٤۸) مسلم (۱۹).

''صدقہ وصول کرنے والے جو عمال وحکام تمہارے پاس آتے ہیں انہیں اپنے عمل سے خوش کر دو''(۴).

لیکن ان سب سے زیادہ کٹھن اور سخت مواقع وہ ہیں جہاں بعض معترضین نے خود رسول اکرم ﷺ سے سختی اور درشتی کے ساتھ مطالبہ کیا، مگر رسول اکرم ﷺ نے بڑے ہی حلم وبردباری اور لطف وکرم کے ساتھ ان معترضین کا مطالبہ پورا کیا اور عدل وانصاف سے بھی بڑھ کر ان کی مرادیں پوری کیں.

مسند امام احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک بدو اونٹ کا گوشت بیچ رہا تھا. رسول اکرم ﷺ کو خیال تھا کہ گھر میں چھوہارے موجود ہیں؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک وسق چھوہارے پر گوشت خرید لیا، گھر میں آ کر دیکھا تو چھوہارے موجود نہ تھے، گھر سے باہر تشریف لائے اور بدو قصاب سے فرمایا:

"يَا عَبْدَاللّٰهِ! إِنَّا قَدِ ابْتَعْنَا مِنْکَ جَزُوْراً بِوَسْقٍ مِنْ تَمْرِ الذُّخْرَةِ، فَالْتَمَسْنَاهُ فَلَمْ نَجِدْهُ".

''اے اللہ کے بندے! ہم نے تم سے اونٹ کا گوشت ایک وسق چھوہارے کے عوض خریدا تھا، ہم نے گھر میں چھوہارا تلاش کیا مگر نہ مل سکا''.

یہ سننا تھا کہ وہ بدو واویلا کرنے لگا اور شور مچاتے ہوئے کہنے لگا:

''وَاغَدْرَاهُ''. ''ہائے بدمعاملگی''.

وہاں موجود لوگ اس بدو کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے کہ کیا بکتا ہے، کیا رسول اللہ ﷺ بدمعاملگی کریں گے؟ رسول اکرم ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:

''دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الحَقِّ مَقَالاً''.

''اسے چھوڑ دو، کچھ نہ کہو، کیوں کہ صاحب حق کو بولنے کا حق ہے''.

پھر آپ ﷺ نے قصاب کی طرف متوجہ ہو کر وہی فقرہ ادا کیا، اس نے پھر وہی لفظ کہے.

(٤) مسلم: کتاب الزکاة/ باب: إرضاء السُّعاة (٩٨٩).

لوگوں نے پھر اس کو روکا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا:

''اس کو کہنے دو، اسے کہنے کا حق ہے''.

یہ بات آپ ﷺ نے دو یا تین دفعہ دہرائی، جب آپ کو یقین ہو گیا کہ بدو سمجھنے والا نہیں تو آپ ﷺ نے ایک انصاری صحابیہ حضرت خویلہ بنت حکیم بن امیہ رضی اللہ عنہا کے یہاں ایک آدمی کو بھیج کر ایک وسق چھوہارا قرض مانگا. انہوں نے کہا: ٹھیک ہے. آپ ﷺ نے بدو کو اس آدمی کے ساتھ حضرت خویلہ کے گھر بھیجا کہ جا کر اپنا حق وہاں سے لے لو. جب وہ بدو چھوہارا لے کر واپس ہوا تو اس وقت آپ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے، اس کا دل آپ کے حسن معاملہ اور حلم و بردباری سے متاثر تھا. آپ ﷺ کو دیکھتے ہی وہ بول پڑا:

''جَزَاکَ اللَّهُ خَيْراً فَقَدْ أَوْفَيْتَ وَأَطْيَبْتَ''.

''اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، یقیناً آپ نے قیمت پوری دی اور اچھی دی''.

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

''أُولَئِکَ خِيَارُ عِبَادِ اللَّهِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُوفُونَ الْمُطِيبُونَ''.

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اچھے لوگ ہیں جو قیمت کی ادائیگی مکمل طور سے کرتے ہیں اور اچھے ڈھنگ سے ادا کرتے ہیں''(۵).

ایک بدو کا کچھ قرض رسول اللہ ﷺ کے اوپر تھا، ایک دن وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور نہایت سخت لہجے میں گفتگو شروع کر دی اور قرض کا مطالبہ کرنے لگا. صحابہ کرام نے اس کی گستاخی پر اسے ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی اور کہنے لگے: تجھ کو کچھ خبر بھی ہے کہ تو کس سے اس طرح سخت لہجہ میں گفتگو کر رہا ہے؟ بدو نے کہا: میں تو اپنے حق کا تقاضا کر رہا ہوں. رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا:

''تم لوگوں کو اسی کا ساتھ دینا چاہئے کیوں کہ اس کا حق ہے''.

(۵) أحمد(٦/ ٢٦٨)، البیهقی(٦/ ٢٠) حاکم (٢/ ٣٢)، الارناؤوط نے کہا ہے: اس کی سند حسن ہے.

اس کے بعد آپ ﷺ نے قرض ادا کرنے کا حکم فرمایا اور اس کے حق سے زیادہ دلوا دیا(٦).

ایک مرتبہ ایک بدو نے رسول اکرم ﷺ کی چادر پکڑ کر اس قدر زور سے کھینچا کہ آپ کی گردن سرخ ہو گئی. جب رسول اکرم ﷺ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ کہنے لگا:

"اِحْمِلْ لِي عَلَى بَعِيرَيَّ هَذَيْنِ فَإِنَّكَ لَا تَحْمِلُ لِي مِن مَالِكَ وَلَا مِنْ مَالِ أَبِيكَ".

''میرے ان دونوں اونٹوں پر مال لاد دو، کیوں کہ جو تم لاد دو گے وہ نہ تو تمہارا مال ہے اور نہ ہی تمہارے باپ کا''.

رسول اکرم ﷺ نے تین دفعہ فرمایا:

''نہیں استغفر اللہ، نہیں استغفر اللہ، نہیں استغفر اللہ''.

پھر فرمایا:

"لَا أَحْمِلُ لَكَ حَتَّى تُقِيدَنِي مِن جَبْذَتِكَ الَّتِي جَبَذْتَنِي".

''میں اس وقت تک یہ مال تجھے نہیں دوں گا جب تک کہ تو نے میری چادر جو اتنی زور سے کھینچی ہے اس کا بدلہ نہ دو''.

وہ اعرابی آپ ﷺ سے کہتے جاتا: نہیں نہیں، میں بدلہ نہیں دوں گا.

آپ ﷺ نے اسے معاف فرما کر ایک آدمی کو بلایا اور اس سے فرمایا:

"اِحْمَلْ لَهُ عَلَى بَعِيْرَيْهِ هَذَيْنِ عَلَى بَعِيْرٍ شَعِيْراً وَعَلَى الآخِرِ تَمْراً".

''اس کے ایک اونٹ پر جو اور دوسرے اونٹ پر کھجوریں لا د دو''(٧).

بہر حال! یہ تو مسلمانوں کی جانب سے رسول اکرم ﷺ کے اوپر اعتراضات تھے، ان کے علاوہ بھی اعتراضات ہیں جنہیں تفصیل کے خوف سے نقل نہیں کیا جا رہا ہے. ان سے بڑھ کر وہ

---

(٦) [صحيح] ابن ماجه: كتاب الصدقات/ باب: لصاحب الحق سلطان (٢٤٢٦).

(٧) أبو داود: الأدب (٤٧٧٥). اسی معنی کی حدیث بخاری (٦٠٨٨) اور مسلم (١٠٥٧) میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے.

اعتراضات ہیں جو یہودیوں نے کیے اور رسول اکرم ﷺ نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ معاملہ کو رفع دفع کیا حالانکہ اس وقت یہودیوں کی حیثیت ایک ذمی رعایا کی ہو چکی تھی.

زید بن سعنہ جس زمانہ میں یہودی تھے لین دین کا کاروبار کیا کرتے تھے. ایک گاؤں کے لوگوں نے اسلام قبول کیا، انہیں سخت قحط کا سامنا کرنا پڑ گیا، ان میں سے ایک آدمی نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حقیقت حال سے آگاہ کیا اور کچھ امداد چاہی تاکہ گاؤں والوں کی مشکلات و پریشانی کا حل ہو سکے. رسول اکرم ﷺ کے پاس اس گاؤں والوں کی مدد کے لیے کچھ نہ تھا؛ چنانچہ آپ ﷺ نے زید بن سعنہ سے اسی (۸۰) دینار بطور قرض لے کر خدمت میں حاضر ہونے والے آدمی کے حوالے کر دیا. قرض دینے کی پیشکش زید بن سعنہ نے خود ہی کی تھی. قرض کی ادائیگی میں ابھی دو یا تین دن باقی تھے اور رسول اکرم ﷺ ایک انصاری صحابی کی نماز جنازہ کے لیے نکلے تھے. جب رسول اکرم ﷺ نے نماز جنازہ پڑھ لی تو زید بن سعنہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کا گریبان اور چادر پکڑ کر ترش رو چہرے کے ساتھ آپ کے اوپر نگاہ دوڑائی اور سختی کے ساتھ گویا ہوئے:

''أَلَا تَقْضِي يَا مُحَمَّدُ حَقِّي؟ فَوَاللّٰهِ! مَا عَلِمْتُكُمْ يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَسَيِّءُ الْقَضَاءِ مُطْلٌ''.

''اے محمد! تم میرا حق ادا نہیں کرو گے؟ اللہ کی قسم! میں تم خاندان عبدالمطلب کو خوب جانتا ہوں کہ تم ادائیگی قرض میں کتنے برے اور ٹال مٹول کرنے والے لوگ ہو''.

ادھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو رہی تھیں، وہ غضبناک ہو کر بولے:

''أَيْ عَدُوَّ اللّٰهِ! أَتَقُولُ لِرَسُولِ اللّٰهِ مَا أَسْمَعُ؟ فَوَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ! لَوْلَا مَا أُحَاذِرُ فَوْتَهُ لَضَرَبْتُ بِسَيْفِي رَأْسَكَ''.

''او اللہ کے دشمن! میرے جیتے جی تو رسول اللہ ﷺ کی شان میں یہ گستاخ آمیز جملہ کہہ رہا ہے؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر

رسول اکرم ﷺ کی ناراضگی کا مجھے خدشہ نہ ہوتا تو اپنی تلوار سے تیرا سر اڑا دیتا“۔

رسول اکرم ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا:

”يَا عُمَرُ! أَنَا وَهُوَ إِلَى غَيْرِ هَذَا مِنْكَ أَحْوَجُ؟ أَنْ تَأْمُرَهُ بِحُسْنِ الاقْتِضَاءِ وَتَأْمُرَنِي بِحُسْنِ الْقَضَاءِ، اِذْهَبْ بِهِ يَا عُمَرُ فَاقْضِهِ حَقَّهُ وَزِدْهُ عِشْرِينَ صَاعاً مَكَانَ مَا رَوَّعْتَهُ“.

”عمر! میں اور یہ جس موڑ پر ہیں، اس سلسلہ میں مجھ کو تم سے کچھ اور ہی امید تھی، وہ یہ کہ تم کو اسے سمجھانا چاہیے کہ وہ حسن اخلاق سے اپنے قرض کا تقاضا کرے اور مجھ سے کہنا چاہیے کہ میں اچھی طرح سے اس کا قرض ادا کر دوں، خیر اسے لے کر جاؤ اور اس کا قرض چکا دو، چوں کہ تم نے اسے ڈرایا دھمکایا ہے اس لیے اسے بیس صاع کھجوریں مزید دے دو“.

رسول اکرم ﷺ کے اس حلم و بردباری اور عفو و درگذر کا اثر یہ ہوا کہ زید بن سعنہ نے اسی وقت اپنا مذہب ترک کر کے اسلام قبول کر لیا اور غزوۂ تبوک سے مدینہ واپسی پر انتقال فرما گئے (۸).

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس صرف ایک ہی جوڑا کپڑا رہ گیا اور وہ بھی موٹا اور کھردرا، پسینہ آتا تو اور بھی بوجھل ہو جاتا. اتفاق سے ایک یہودی کے یہاں شام سے کچھ کپڑے آئے. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ایک جوڑا کپڑا اس یہودی سے قرض منگوا لیجیے. چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے یہودی کے پاس ایک آدمی کو بھیج کر ایک جوڑا طلب کیا، مگر اس گستاخ نے کہا:

”قَدْ عَلِمْتُ مَا يُرِيدُ إِنَّمَا يُرِيدُ أَنْ يَذْهَبَ بِمَا لِي“.

”میں نے سمجھ لیا، وہ یہی چاہتے ہیں نا کہ میرا مال یوں ہی اڑا لیں اور قیمت نہ دیں“.

رسول اکرم ﷺ نے یہ ناگوار جملہ سن کر صرف اتنا فرمایا:

(۸) اس واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے: أسد الغابة (۱۸۴۱) البیہقی (۶/ ۵۶) مستدرك الحاكم (۶/ ۳۲)، (۳/ ۶۰۵)، مجمع الزوائد (۸/ ۲۴۰) كنز العمال (۱۵۰۵۰)، اس کی سند صحیح ہے.

"كَذِبَ قَدْ عَلِمَ أَنِّى مِن أَتْقَاهُمْ لِلَّهِ وَ آدَاهُمْ لِلْأَمَانَةِ".

"وہ جھوٹ بولتا ہے، اسے خوب معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ امانت دار ہوں"(۹).

ان واقعات کے ذکر سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ وہ لوگ جو مسلمانوں کے امیر، حکمراں یا سلاطین ہیں؛ ذرا رسول اکرم ﷺ کے اوپر ہونے والے اعتراضات کا مطالعہ کریں کہ رسول اکرم ﷺ نے ان اعتراضات کے جوابات میں کس قدر سنجیدگی اور حلم وعفو کا مظاہرہ کیا؟! جب کہ ایک رسول ہونے کے علاوہ آپ کی حیثیت ایک امیر، ایک حاکم، ایک حکمراں، ایک خلیفہ، ایک بادشاہ اور ایک بارعب شخصیت کی بھی تھی؟! مگر افسوس کہ اسلام کے امیر کا زمانہ بعد کے سلاطین وامراء کے غرور وتکبر سے کوئی میل نہیں کھاتا ہے، کیوں کہ یہ امراء وسلاطین ذرا ذرا سی بے ادبی اور گستاخی پر رعایا کو سخت سے سخت اور عبرتناک سزائیں دیتے ہیں، وہ اپنے تئیں اس خوش فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ان کی ذات شاہانہ ہر مواخذہ سے بری اور ہر اعتراض سے بالاتر ہے. وہ بھلا برا جو چاہیں کریں، جیسے اور جہاں چاہیں بے لگام دندناتے پھریں، کسی کو کوئی اعتراض کرنے کا حق نہیں پہنچتا. جبکہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے طرزِ عمل سے صاف وضاحت فرمادی ہے کہ اسلامی قانون کی نظر میں حاکم ومحکوم، امیر ومامور، راعی ورعایا سب یکساں طور پر سزا اور مواخذہ کے مستحق ہیں. اسلامی قانون سے کھلواڑ کرنا اور اسلامی سزاؤں کو چرب زبانی یا مال ودولت یا صاحب منصب کی غیر اسلامی سفارش کی آڑ میں یا دادا گیری کر کے دبانے کی کوشش کرنا سراسر جرم ہے!!

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے رسول اکرم ﷺ پر ہوئے اعتراضات سے مترشح تعلیمات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے. موصوف سیرۃ النبی ﷺ جلد

(۹) [صحیح] ترمذی: البیوع/ ما جاء فی الرخصة فی الشراء إلی أجل (۱۲۱۳).

ہفتم کے صفحہ (۵۶) پر رقم طراز ہیں:

''عہد نبوت میں جو متمدن سلطنتیں تھیں، ان میں ایران نے کبھی ذات شاہانہ پر اس رو در رو سوال وجواب، استفسار اور اعتراض کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا، لیکن وہ جمہوری سلطنتیں درحقیقت امراء کی تھیں، ان کا تعلق عوام سے نہ تھا اور نہ ان کو امراء کے مقابلے میں یہ حق سوال ومواخذہ حاصل تھا اور نہ ان کے امراء وحکام میں اس تواضع، اس خاکساری، اس عفو وحلم، اس انصاف اور اخلاق کی بلندی کا یہ منظر نظر آیا، اور نہ آسکتا تھا، وہ اخلاصِ قلب وصداقت اور پاکیزگی اخلاق کے اس بلند نصب العین کی گود کو بھی نہیں پہنچ سکتے تھے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ وطن ان کا دیوتا تھا اور وہ اس کے پجاری تھے اور وہ اس دیوتا کے لیے سب کچھ کر سکتے تھے اور ان کا وطن چہار دیواری میں محدود تھا، جس کے باہر گویا انسان نہیں بستے تھے. اسلام پہلا مذہب ہے جس نے امیر کی قانونی حیثیت کی یکسانی کی وہ نظیر پیش کی جس سے دنیا ہنوز نا آشنا تھی. اس حقیقت پر ایک اور پہلو سے بھی غور کیجئے کہ یہ نفس امیر سے سوال واستفسار کی صورت نہیں ہے، بلکہ اس ذات اقدس ﷺ سے ہے، جس کی خاکِ عقیدت مسلمانوں کی چشم ادب کا سرمہ تھی اور جس کی حیثیت محض ایک امیر اور حاکم کی نہ تھی بلکہ اس سے بدرجہا بڑھ کر ایک معصوم رسول اور ایک پاک نبی کی تھی، صلوات اللہ تعالیٰ علیہ''.

قارئین کرام! آپ نے رسول اکرم ﷺ پر ہوئے اعتراضات اور اعتراضات کرنے والوں کے ساتھ آپ ﷺ کے طرز عمل کا مطالعہ فرمایا. آپ کو یہاں یہ نکتہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ رسول اکرم ﷺ معصوم عن الخطا اور اللہ تعالیٰ کے سب سے محبوب بندے تھے جن کا کوئی بھی قول وفعل جائز حدود سے کبھی باہر نہیں ہوسکتا تھا، بلکہ تمام تر مستحسن ہی ہوتا تھا. آپ ﷺ کی شان میں ذرا سی بھی گستاخی اور بے جا اعتراض سے آدمی واصل جہنم ہوسکتا تھا، مگر اس سب کے باوجود آپ ﷺ کے ذاتی کاروبار اور حکومتی معاملات کی نسبت استفسار

واعتراضات اور تنقیدی سوال وجواب کی جرأت کو روا رکھنا صرف اس لیے تھا کہ آپ ﷺ کا یہ اسوہ آیندہ امرائے اسلام، حکام وخلفاء اور ذمہ داران کے لیے عملی سبق ہو، اور تا کہ وہ اپنی رعایا یا زیردستوں کے لیے استفسار واظہار رائے کے دروازے بند کر کے من چاہا قانون مسلط نہ کر سکیں۔

پھر کہاں ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے بندوں پر فوقیت دے رکھی ہے مگر جب ان پر اعتراضات ہوتے ہیں تو فوراً آگ بگولا ہو جاتے ہیں اور اپنی ماتحتی میں کام کرنے والوں کی زندگی اجیرن کر کے رکھ دیتے ہیں؟ کیا انہیں معلوم نہیں کہ ان سے بھی زیادہ طاقتور اور عظیم ہستی عرش پر مستوی ان کے جملہ کرتوتوں کو نوٹ کر رہی ہے، اور ایک دن انہیں اپنی فرعونیت کا خمیازہ بھگتنا ہے؟!! اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اعتراض اور تنقید ہی سے کسی آدمی کی زندگی میں انقلابی عنصر پیدا ہوتا ہے، جو کوئی تعریف کا متوالا ہے اسے تنقید اور اعتراضات برداشت کرنا ہوں گے، کیوں کہ ؎

تنقید سے شاعر کی تقدیر بدلتی ہے
تعریف کے متوالے تنقید گوارا کر

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل

دین کا مذاق اڑانے والوں کے ساتھ

یہ عجب تماشہ ہے کہ اس دنیا میں جب بھی کوئی انسان خواہ وہ کتنا ہی باشعور کیوں نہ ہو، انسانیت کی فلاح و بہبودی کے لیے کوئی اصول مرتب کرتا ہے اور لوگوں کے سامنے اسے پیش کر کے بہت ساری خوش آیند اصلاحات کی خبر دیتا ہے تو اکثر و بیشتر لوگ اس کے مثبت اصولوں کو منفی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں اور پورے شد و مد کے ساتھ اس کا مذاق اڑاتے ہیں. انہیں اتنی سی توفیق نہیں ہوتی کہ وہ کچھ دیر کے لیے مثبت انداز میں ان اصولوں کو دیکھنے کی کوشش کریں کہ آیا ان اصولوں پر عمل کر کے موجودہ حالات سے بہتر حالات میں قدم رنجہ ہوا بھی جا سکتا ہے یا نہیں. حد تو اس وقت ہو جاتی ہے جب ان اصولوں سے عدم جانکاری کے باوجود بہت سے لوگ صرف سنی سنائی باتوں میں آ کر بدظن ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں غلط ڈھنگ سے یہ باور کرا دیا جائے کہ ان اصولوں کو مرتب کرنے والا آگے چل کر تمہارے حق میں انتہائی مضر ثابت ہوگا تو بلا سوچے سمجھے وہ اس مصلح کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں.

بعینہ یہی حالت تھی اس وقت کی جب نبی کریم ﷺ نے غار حرا سے آ کر کفار مکہ کے سامنے اللہ تعالیٰ کا فرمان سنایا تھا. کفار و مشرکین نے محمد ﷺ کے لائے ہوئے اصول (قرآن) کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل سمجھنے کے بجائے اسے افسانہ قرار دیا اور جگہ جگہ ان کی مجلسیں صرف اس لیے اکٹھا ہونے لگیں کہ محمد اور قرآن کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ اصول کا خوب خوب مذاق اڑایا جائے. چنانچہ جوانوں نے بھی قرآن اور صاحب قرآن کا استہزا کیا، بوڑھوں نے بھی بطور استہزا و مذاق تالیاں بجائیں اور بچوں کو بھی اس پر ابھارا گیا؛ حتی کہ عورتوں نے بھی اس استہزا و مذاق میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا. لیکن جب نبی کریم

ﷺ نے قرآن بالفاظ دیگر انسانیت کی فلاح و بہبود کے ضامن لائحہ عمل کی آفاقی تعلیمات کی اشاعت وتبلیغ میں جان توڑ کوششوں کو اپنا شیوہ بنا لیا اور کفار ومشرکین کے استہزا ومذاق کی فکر کیے بغیر ہر کس وناکس کو قرآن کی آیات سنانے کا بیڑہ اٹھا لیا اور ادھر کچھ لوگ بھی ایمان واسلام کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ ور ہو گئے تو کفار ومشرکین نے استہزا ومذاق کا ایک اور ہی انداز اپنایا جس کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾.

''اور کافروں نے کہا: اس قرآن کو (اس کے پڑھے جانے کے وقت) سنو ہی مت اور بیہودہ گوئی کرو، کیا عجب کہ تم غالب آ جاؤ''۔ [فصلت:٢٦]

تاہم ہمیں ان لوگوں سے اس سلسلہ میں کوئی مطلب نہیں جو دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں. کیوں کہ دشمن کا خاصا ہی یہ ہے کہ وہ مقابل کی بھلی باتوں کو بھی بری سمجھتا ہے اور اگر مقابل کے اچھے کارناموں کو دیکھتا ہے تو لوگوں سے اس کی ڈھیر ساری ناکامیاں بیان کرتا ہے؛ اگر چہ اس کا دل مقابل کی طرف کھنچتا ہے اور حق کو تسلیم کرتا ہے لیکن اس کی زبان سے مجروح الفاظ ہی مقابل کے حق میں نکلتے ہیں. اس لیے دشمنان اسلام اگر اسلام یا شعائر اسلام کا مذاق اڑائیں تو ہمیں زیادہ تعجب نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ ہمیں تو حد درجہ تکلیف اس وقت ہوتی ہے جب کوئی ایسا شخص اسلام یا شعائر اسلام کا مذاق اڑاتا ہے جس کا نام مسلمانوں کا سا ہوتا ہے اور اس کی گنتی بھی مسلمانوں کی فہرست میں ہوتی ہے. ایسا شخص اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک مبغوض ہے اور اس کا نام دائرہ اسلام سے خارج کر دینے کے قابل ہے.

شروع ہی سے اسلام اور اسلام سے منسلک افراد یعنی دیندار مسلمانوں کو غیروں کے ساتھ ساتھ اپنوں کے بھی مذاق واستہزا کا سامنا کرنا پڑا ہے. یہ اور بات ہے کہ ہر زمانہ میں مذاق واستہزا کی نوعیت مختلف رہی ہے؛ البتہ ہمارے اس زمانہ میں علماء اور دیندار لوگوں کی ہتک عزتی کچھ اس نوعیت کی ہو گئی ہے کہ جدید میڈیا کے ذریعہ کفرستان ومسلمستان میں ان کے خلاف

بہت کچھ زہر اگلا جاتا ہے؛ چنانچہ مسلمانوں کی وہ نسلیں جنہیں اسلامیات سے کم اور عصریات سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے، بہت جلد متاثر ہو کر اپنے ہی دین کے خلاف زہر افشانی کرنے لگتی ہیں. ان کی نگاہ میں علمائے اسلام کی کوئی عزت نہیں ہوتی، دینداروں کی وقعت ان کی نظر میں کمتر ہو جاتی ہے. جب کہ یہ متفق علیہ فتوی ہے کہ علمائے دین اور بزرگان اسلام کی توہین اور ان کا مذاق کفر کو مستلزم ہے. رسول اکرم ﷺ نے بزرگان دین کا مذاق اڑانے والوں کے ساتھ بہت ہی سخت طرز عمل اپنایا ہے اور ان کی معذرت تک بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے. جیسا کہ سورۃ التوبہ کی آیت (۶۵ - ۶۶) کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے.

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر ایک مجلس کے اندر ایک آدمی نے بطور مذاق واستہزا کہا:

"مَا رَأَيْتُ مِثْلَ قُرَّائِنَا هٰؤُلَاءِ أَرْغَبَ بُطُوْناً وَلَا أَكْذَبَ أَلْسِناً وَلَا أَجْبَنَ عِنْدَ اللِّقَاءِ".

"میں نے ان قراء (اصحاب صفہ) کی طرح پیٹو، جھوٹا اور جنگ کے معاملہ میں بزدل کسی کو نہیں پایا".

مسجد کے اندر موجود ایک شخص نے اس کی بات سن کر کہا: تو نے جھوٹ کہا، تو یقیناً منافق ہے، میں ضرور اس بات سے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کروں گا.

جب یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو قرآن کی ان آیات کا نزول ہوا:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللّٰهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُوْلِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ، لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ إِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ [التوبہ: ۶۵-۶۶]

"اگر آپ ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے. کہہ دیجیے کہ اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے ہیں؟ تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے، ہم اگر تم میں سے کچھ

لوگوں سے درگزر بھی کر لیں تو کچھ لوگوں کو ان کے جرم کی سنگین سزا بھی دیں گے“۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ وہ آدمی رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے دوڑ رہا تھا اور پتھر اسے زخمی کر رہے تھے (یعنی لوگ پتھروں سے مار رہے تھے) اور وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ کے رسول! ہم تو یونہی گپ شپ کر رہے تھے اور رسول اکرم ﷺ اس کی طرف التفات فرمائے بغیر تلاوت فرما رہے تھے:

﴿أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُوْلِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ، لاَ تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ﴾

”اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے ہیں؟ تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے“(1)۔

سب کو معلوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ بڑے سے بڑے دشمن کو بھی معاف فرما دیتے تھے. کبھی ایسا نہ ہوا کہ کسی دشمن نے معافی کی درخواست کی ہو اور آپ نے معاف نہ کیا ہو. اسی طرح معذرت خواہ منافقین کو بھی آپ ﷺ معاف فرما دیتے تھے جیسا کہ غزوۂ تبوک سے جان بوجھ کر پیچھے رہ جانے والے منافقین نے جب جھوٹی معذرت پیش کی تب بھی آپ نے ان کی معذرت قبول کر لی اور ان کے معاملہ کو اللہ کے حوالے کر دیا. لیکن مذکورہ واقعہ سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ شعائر اسلام اور بزرگان دین کا مذاق اڑانے والا شخص شریعت کی نظر میں کس قدر بڑا مجرم ہے کہ اس کی گستاخی کی سزا اسے ضرور دی جائے گی اور اس کے معذرت نامہ کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے گا؛ خواہ وہ کوئی بھی مسلمان ہو.

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھانے سے منع فرمایا ہے؛ خواہ وہ مذاق اڑانے والا کافر ہو یا اسلام کی جھوٹی محبت کا دم بھرنے والا مسلمان نما منافق. ایسے بد باطن اور خبیث ذہن کے لوگ ہرگز اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی قدر کی جائے اور ان سے اپنا تعلق استوار رکھا جائے؛ گرچہ وہ

---

(1) تفسیر ابن کثیر (٤/ ١٦٧٤)، تفسیر طبری (١٠/ ١٧٣).

مسلمانوں کے سماج میں پلے بڑھیں اور مسلمان کہلائیں. اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدۃ میں فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِباً مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالكُفَّارَ أَوْلِيَآءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤمِنِينَ، وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلاَةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَّلَعِباً ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لاَ يَعْقِلُونَ﴾

''مسلمانو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں خواہ وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے یا کفار ہوں، اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی کھیل ٹھہرا لیتے ہیں، یہ اس واسطے کہ بے عقل ہیں''۔ [المائدۃ:۵۷-۵۸]

موجودہ مسلم معاشرہ میں بزرگانِ دین اور شعائرِ اسلام کا جس طرح سر عام مذاق اڑایا جاتا ہے، اگر رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات پر عمل ہو تو بلا شبہ اتنے لوگوں کے اوپر پتھروں کی بارش ہوگی کہ ہر مسلم سماج میں زخم خوردہ افراد نظر آئیں گے، جن سے یہ علامت عیاں ہوگی کہ بزرگانِ دین اور شعائرِ اسلام کا مذاق اڑانے کے نتیجہ میں ان کی یہ درگت ہوئی ہے!!

ہم اس سلسلہ میں مزید کچھ نہ لکھ کر عصر حاضر کے سب سے بڑے مفتی حضرت علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کا ایک فتوی نقل کر رہے ہیں جو اسی موضوع پر مشتمل ہے:

سوال: میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے نوجوان ایسے نوجوان کا مذاق اڑاتے ہیں، جو دین اور نماز کا پابند ہوتا ہے. اسی طرح بعض نوجوان دین کے بارے میں لا پرواہی کے ساتھ ہتک آمیز انداز میں گفتگو کرتے ہیں. ایسے لوگوں کے بارے میں کیا رائے ہے؟ کیا ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور نماز کے اوقات کے علاوہ میں ان کے ساتھ گھومنا پھرنا جائز ہے؟

جواب: اسلام کا یا اس کے کسی حصہ کا مذاق اڑانا سب سے بڑا کفر ہے. اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ، لاَ تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ﴾

''کہہ دیجیے کہ اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے مذاق کے لیے رہ گئے ہیں؟

تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے''۔ [التوبہ:٦٥، ٦٦]

جو شخص کسی کا اس وجہ سے مذاق اڑاتا ہے کہ وہ دیندار اور پابند نماز ہے تو ایسا شخص دین کا مذاق اڑانے والا سمجھا جائے گا اور ایسے شخص کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا جائز نہیں؛ بلکہ اس کی تردید کرنا اور اس کی صحبت سے بچنے کی تاکید کرنا واجب ہے۔ اسی طرح جو شخص دینی مسائل کو دل لگی اور ہتک آمیز انداز میں بیان کرتا ہے وہ بھی کافر سمجھا جائے گا، اس کی صحبت اور ہم نشینی بھی جائز نہیں ہے، اس کی بھی تردید کرنا اور اس سے بچتے رہنا واجب ہے اور اس کو خالص توبہ پر آمادہ کیا جائے گا، اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو الحمد للہ اور اگر توبہ نہیں کرتا ہے تو عادل گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر اس کے برے کرتوتوں کو ثابت کر دینے کے بعد اس کا معاملہ حاکم وقت کے پاس پیش کر دیا جائے گا تا کہ وہ شرعی عدالتوں کے توسط سے اس پر اللہ کا حکم نافذ کر سکے۔

بہر حال! یہ انتہائی اندیشہ ناک مسائل ہیں، اور ہر طالب علم اور ہر مسلمان پر واجب ہے کہ خود ان سے پرہیز کرے اور دینی مسائل میں ہنسی مذاق اور ہتک آمیز انداز اختیار کرنے والوں کو ڈرائے کہ کہیں اس کی وجہ سے اس کا عقیدہ ہی فاسد نہ ہو جائے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہر اس کام سے بچائے جو شریعت کے خلاف ہو، ان کو دشمنوں سے محفوظ رکھے اور ہر حال میں ان کو کتاب وسنت پر گامزن رہنے کی توفیق عنایت فرمائے، یقیناً وہ بڑا ہی جود و کرم والا ہے(٢)۔

---

(٢) ملاحظہ فرمائیں: فتاوی علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ (ص ٥٤)۔

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل بدعتیوں کے ساتھ

اللہ محفوظ رکھے ان بدعتیوں سے، اللہ محفوظ رکھے ان مزاریوں سے جنہوں نے اسلام کی شناخت کو مٹا کر رکھ دیا ہے. ہر وہ عقیدہ جو صحیح اسلامی عقیدے سے متصادم ہو وہ ان بدعتیوں اور مزاریوں کو پسند ہے. اگر پسند نہیں تو وہی طریقہ انہیں پسند نہیں جس کی تعلیم رسول اکرم ﷺ دے گئے ہیں یا جسے عملی جامہ پہنا گئے ہیں. آگے بڑھنے سے قبل بدعت کے متعلق کچھ پڑھتے چلیں کہ بدعت کسے کہتے ہیں؟

صاحب "القاموس المحیط" بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"البِدْعَةُ: الحَدَثُ فِي الدِّينِ بَعْدَ الإِكْمَالِ، أَوْ مَا اسْتُحْدِثَ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الأَهْوَاءِ".

"ہر وہ کام جو دین کے مکمل ہونے کے بعد معرض وجود میں آیا ہو، یا نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد اپنی خواہش کے مطابق کوئی کام دین میں ایجاد کرلیا گیا ہو، وہ بدعت ہے"(۱).

حافظ ابن رجب بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"المُرَادُ بِالْبِدْعَةِ: مَا أُحْدِثَ مِمَّا لَا أَصْلَ لَهُ فِي الشَّرِيعَةِ يَدُلُّ عَلَيْهِ، وَأَمَّا مَا كَانَ لَهُ أَصْلٌ مِنَ الشَّرْعِ يَدُلُّ عَلَيْهِ، فَلَيْسَ بِبِدْعَةٍ شَرْعاً، وَإِنْ كَانَ بِدْعَةً لُغَةً".

"بدعت سے مراد ہر وہ کام ہے جس کی شریعت میں کوئی دلیل موجود نہ ہو، مگر جب اس فعل کی شریعت میں دلیل موجود ہو تو وہ شرعاً بدعت کہلانے کا مستحق نہیں؛ گرچہ وہ لغوی اعتبار سے بدعت ہے"(۲).

امام شاطبی بدعت کی تعریف یوں کرتے ہیں:

(۱) القاموس المحیط (۳/۳). (۲) جامع العلوم والحکم (ص ۲۳۳)، رئاسة البحوث.

"البِدْعَةُ: طَرِيقَةٌ فِي الدِّينِ مُخْتَرَعَةٌ تُضَاهِي الشَّرْعِيَّةَ يُقْصَدُ بِالسُّلُوكِ عَلَيْهَا، مَا يُقْصَدُ بِالطَّرِيقَةِ الشَّرْعِيَّةِ".

"بدعت دین میں ایسا طریقہ اختیار کرنا ہے جو شریعت کے مشابہ ہو، اور اس طریقہ کی ایجاد اس نیت سے کی گئی ہو کہ شرعی طریقہ کے مطابق اس پر عمل پیرا ہوا جائے اور اس پر اسی مقصد کے تحت عمل بھی کیا جائے جس مقصد کے ساتھ شرعی طریقہ پر عمل کیا جاتا ہے"(۳).

گو شرعی اصطلاح میں بدعت کا مطلب یہ ہے کہ دین میں حصول ثواب کی نیت سے کوئی ایسا طریقہ ایجاد کر لیا جائے جس کی بنیاد شریعت میں موجود نہ ہو، اور اس سے بھی وسیع مفہوم میں بدعت کا مطلب یہ ہے کہ عادی امور سے ہٹ کر کثرت ثواب کی نیت سے شریعت کی شکل میں کوئی چیز ایجاد کر لی جائے جس کا وجود قرآن واحادیث اور خلفائے راشدین کی سنت میں نہ پایا جائے۔

اب ہر وہ طریقہ جس کا وجود قرآن وسنت میں موجود نہ ہو وہ شریعت نہیں بن سکتا اور نہ ہی اس پر عمل پیرا ہونے سے رسول اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا متبع وپیروکار بنا جا سکتا ہے۔ اور جب یہ واضح ہو جائے کہ کوئی آدمی رسول اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی بجائے خود ساختہ اعمال کا متبع وپیروکار ہے تو بلا شبہ اس کا نام دین محمدیہ کے متبعین کی فہرست سے خارج ہے خواہ وہ اپنا نام عبداللہ وعبدالرحمٰن رکھ کر اسلام کا دعویدار ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے برعکس اس کو اپنا نام من موہن، کرشنا، جگجیت سنگھ اور ہیرالعل جیسوں کے ناموں کی فہرست میں تلاش کرنا چاہیے!! کیونکہ ایسا شخص شرعی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر ان تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی گزارتا رہا جو بدعت ہیں اور بدعت کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ وہ گمراہی (جہنم) میں لے جانے والی ہے۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ لوگوں کو اس خطرناک کینسر سے بچنے بلکہ اس سے کوسوں دور رہنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

(۳) الاعتصام للشاطبی (۱/ ۳۷).

اس سلسلے میں عبدالرحمن بن عمرو السلمی اور حُجر بن حُجر کی روایت کردہ یہ حدیث پڑھیے جو اتباع سنت اور اجتناب بدعت پر مشتمل ہے، وہ دونوں بیان کرتے ہیں:

''أَتَيْنَا الْعِرْبَاضَ بْنَ سَارِيَةَ وَهُوَ مِمَّنْ نَزَلَ فِيْهِ: ﴿وَلاَ عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لاَ أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ﴾ فَسَلَّمْنَا وقُلْنَا: أَتَيْنَاكَ زَائِرِينَ وَعَائِدِينَ وَمُقْتَبِسِينَ، فقالَ العِرْبَاضُ: صَلَّى رسولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا، فقَالَ: ''أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلاَفًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ''.

''ہم لوگ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کا شمار ان لوگوں میں ہے جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿وَلاَ عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لاَ أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ﴾ (اور نہ ان لوگوں کے لیے کوئی گناہ کی بات ہے جو آپ کے پاس آئے تا کہ آپ ان کے لیے سواری کا بندوبست کر دیں، تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں جس پر تمہیں سوار کر دوں)(۴).(مذکورہ دونوں راویوں کا بیان ہے) ہم نے سلام کے بعد عرض کیا: ہم آپ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے ہیں اور اس زیارت کا مقصد یہ بھی ہے کہ آپ کے فیضان علم سے محظوظ ہوں. حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نے ہماری بات سن کر بیان کرنا شروع کیا:

(٤) [سورة التوبة: ٩٢] یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو غزوۂ تبوک کے موقع پر جہاد کی مہم پر روانہ ہونے کے لیے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں سواری طلب کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے تھے، کیوں کہ ان کے پاس اس غزوہ میں شرکت کے لیے سواری نہ تھی، ان میں سرفہرست عرباض بن ساریہ بھی تھے.

ایک دن رسول اکرم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، سلام پھیرنے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور اس قدر بلاغت کے ساتھ وعظ فرمایا کہ آنکھیں برس پڑیں اور دل خوف سے لرز اٹھے، دورانِ خطبہ ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! لگتا ہے کہ آپ الوداعی نصیحت فرما رہے ہیں، پھر ایسی صورت میں آپ ہمیں کیا وصیت فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا تقوی اختیار کرنا اور اپنے امیر کی اطاعت وفرماں برداری کرنا، خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سارے اختلافات دیکھے گا، ایسی صورت میں تم پر واجب ہے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو اور اسے اپنی ڈاڑھ سے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو، اور میری نصیحت ہے کہ تم دین میں نئی باتیں نکالنے سے بچتے رہنا کیوں کہ ہر نئی بات (جسے میں نے انجام نہیں دیا) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (اور گمراہی کا انجام جہنم ہی ہے)''(۵).

معلوم ہوا کہ ہر وہ کام جو رسول اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین نے انجام نہیں دیا، وہ بدعت ہے اور دین میں ایجاد کی ہوئی ہر بات مردود اور نا قابل قبول ہے. حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ''.

''جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات ایجاد کرے جس کی بنیاد (قرآن وسنت سے) نہ ہو، تو وہ مردود اور نا قابل قبول ہے''(٦).

اور مسلم کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ''.

(٥) [صحيح] أبو داود: (٤٦٠٧) ترمذی: (٢٦٧٦) ابن ماجة: (٤٢) ابن حبان: (٥).

(٦) مسلم (١٧١٨) بخاری (٢٦٩٧) أبو داود (٤٦٠٦) ابن ماجه (١٤).

''جو کوئی ایسا کام کرے جس پر ہمارا عمل نہیں ہے، تو وہ نا قابل قبول ہے''۔

رسول اکرم ﷺ کے ان ارشادات کے باوجود اگر کوئی آدمی دین میں کوئی نئی بات پیدا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم نیک نیتی اور زیادہ ثواب کی خاطر یہ کام انجام دے رہے ہیں، تو گویا وہ رسول اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر ایک بڑا بہتان باندھ رہا ہے اور چھپے لفظوں میں وہ یہ دعوی کر رہا ہے کہ- نَعُوْذُ بِاللّٰهِ - دین ابھی مکمل نہیں ہوا ہے. کیوں کہ اگر اس کا عقیدہ یہ ہوتا کہ دین مکمل ہو چکا ہے اور تمام شرعی کاموں کے متعلق رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو آگاہ فرما دیا ہے تو وہ ہرگز ہرگز دین میں کوئی نیا کام نہیں نکالتا. اسی لیے امام مالک کہا کرتے تھے:

''مَنِ ابْتَدَعَ فِي الإِسْلاَمِ بِدْعَةً يَرَاهَا حَسَنَةً فَقَدْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّداً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَانَ الرِّسَالَةَ، لأَنَّ اللَّهَ يَقُولُ: ﴿اليَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِينًا﴾ فَمَا لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ دِيناً فَلاَ يَكُونُ اليَوْمَ دِينًا''.

''جو کوئی دین میں نئی بات نکالتا ہے اور وہ گمان رکھتا ہے کہ یہ اچھا ہے تو گویا وہ دعوی کرتا ہے کہ محمد ﷺ نے دین کی تبلیغ میں خیانت کی جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لیے پسند کر لیا ہے) [المائدۃ:۳]، لہٰذا جو بات رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں دین نہیں بن سکتی وہ آج بھی دین نہیں بن سکتی''(۷).

خصوصاً برصغیر ہند و پاک میں دینی علماء کا وہ طبقہ جو تقلید کی پر خار جھاڑیوں سے اپنا دامن بچانا نہیں چاہتا، وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر بدعت کے ریگستان میں آب حیات کی تلاش کی نیت سے گمراہی کا شور بہ چاٹتا نظر آتا ہے. یہ طبقہ خود کو اہل سنت و جماعت کا دعوی تو کرتا ہے مگر رسول اکرم ﷺ کی سنت کو بالائے طاق رکھ کر بزرگوں اور اسلاف کے بے داغ دامن میں پناہ گزیں ہونے کی بے جا کوشش کرتا ہے؛ جب کہ اسلاف نے نہ تو اپنی تقلید کا حکم دیا ہے

(۷) الاعتصام للشاطبی (۱/۴۹).

اور نہ ہی جان بوجھ کر سنت نبویہ سے اعراض کیا ہے. اب چاہیے کہ وہ لوگ اپنے ایمان کا محاسبہ کریں جو بدعت کو سنت پر فوقیت دے کر سنت کو رخصت کرنے پر تلے ہوئے ہیں. کیوں کہ سنت کا یہ خاصا رہا ہے کہ جہاں کہیں بھی بدعت ایجاد کی جاتی ہے، وہ وہاں سے اٹھ جاتی ہے.

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً إِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ"(٨).

"جب کوئی قوم کسی بدعت کو ایجاد کرتی ہے تو وہاں سے اسی کی مانند سنت اٹھا لی جاتی ہے".

امام طبرانی کی روایت ہے:

"مَا مِنْ أُمَّةٍ ابْتَدَعَتْ بَعْدَ نَبِيِّهَا فِي دِينِهَا بِدْعَةً، إِلَّا أَضَاعَتْ مِثْلَهَا مِنَ السُّنَّةِ".

"جب کوئی امت اپنے نبی کی وفات کے بعد اپنے دین میں کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو اسی کی مانند سنت کو وہ ضائع کر بیٹھتی ہے"(٩).

اسی لیے اکثر علماء کے بقول بدعتیوں کی توبہ تک بھی قبول نہیں کی جاتی ہے. چونکہ بدعتی اپنے کام کو دینی کام تصور کرتا ہے اور وہ اپنی بدعت کو ثواب کا ذریعہ سمجھتا ہے، اس لیے وہ توبہ بھی نہیں کرتا. امام شاطبی نے اپنی کتاب "الاعتصام" میں لکھا ہے:

"فَالمَعَاصِي غَيْرَ البِدَعِ يُمْكِنُ مِنهَا التَّوْبَةُ مِن أَعْلَاهَا، وَهِيَ: الكَبَائِرُ، إِلَى أَدْنَاهَا، وَهِيَ: اللَّمَمُ، وَالبِدَعُ قَدْ أُخبِرْنَا فِيهَا إِخْبَارَيْنِ وَكِلَاهُمَا يُفِيدُ أَنْ لَا تَوْبَةَ مِنهَا"(١٠).

"جو آدمی معاصی کا ارتکاب کرتا ہے اس کی توبہ قبول ہوتی ہے خواہ وہ معاصی کبیرہ گناہوں پر مشتمل ہوں یا صغیرہ گناہوں پر؛ البتہ بدعت کے بارے میں ہمیں دو خبریں دی گئی ہیں اور ان

---

(٨) أحمد (٤/١٠٥)، كشف الأستار (١٣١)، المجمع (١/١٨٨). شعیب الارنؤوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے.

(٩) الطبراني في الكبير (١٨/٩٩)، السنة لابن أبي عاصم (٣)، مجمع الزوائد (١/١٨٨).

(١٠) دیکھئے: الاعتصام (٢/ ٢٨١).

دونوں کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ بدعتی کی توبہ قبول نہیں ہوتی''.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدعتی کی توبہ قبول نہیں ہوتی، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''إِنَّ اللَّهَ حَجَبَ التَّوْبَةَ عَنْ كُلِّ صَاحِبِ بِدْعَةٍ حَتَّى يَدَعَ بِدْعَتَهُ''.

''بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی سے توبہ کو روک رکھا ہے تا آنکہ وہ اپنی بدعت سے دستبردار نہ ہو جائے''(۱۱).

اسی سے ملتی جلتی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث ابن ماجہ وغیرہ میں آئی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''أَبَى اللَّهُ أَنْ يَقْبَلَ عَمَلَ صَاحِبِ بِدْعَةٍ حَتَّى يَدَعَ بِدْعَتَهُ''.

''اللہ تعالیٰ انکار کرتا ہے کہ وہ کسی بدعتی کا عمل قبول فرمائے، یہاں تک کہ وہ اپنی بدعت ترک کر دے''(۱۲).

ڈاکٹر عایض بن عبداللہ القرنی لکھتے ہیں:

''وَسِرُّ مَسْأَلَةِ عَدْمِ تَوْبَةِ الْمُبْتَدِعِ: أَنَّهُ لَا يَشْعُرُ بِخَطْئِهِ بَلْ يَرَى أَنَّهُ مُصِيبٌ وَمُحْسِنٌ، فَكَيْفَ يَتُوبُ مِنَ الصَّوَابِ وَالإِحْسَانُ عَلَى حَدِّ فَهْمِهِ؟ يَقُوْلُ سُبْحَانَهُ: ﴿أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَناً﴾''

''بدعتی کی توبہ قبول نہ ہونے کا راز یہ ہے کہ بدعتی کو اپنی غلطی کا احساس ہی نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کے برعکس وہ اپنے تئیں خوش فہمی میں مبتلا ہوتا ہے کہ وہی سیدھی راہ پر چل رہا ہے اور وہی اللہ اور اس کے رسول کا خیر خواہ ہے، پھر وہ کیوں کر توبہ کر سکتا ہے جب کہ وہ اپنی سمجھ کے مطابق دھوکہ کے جال میں خود کو گرفتار کر بیٹھا ہے. اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد کیا خوب ہے: (کیا

(۱۱) مجمع الزوائد للهيثمي (۱۰/ ۱۸۹)، ورواه الطبراني وإسناده حسن.
(۱۲) ابن ماجه (۵۰)، كتاب السنة لابن أبي عاصم (۳۹). شیخ اَلبانی نے ضعیف کہا ہے.

جس شخص کی بداعمالیاں اس کے لیے خوشنما بنا دی گئی ہوں جنہیں وہ اچھا سمجھنے لگا ہو، اس شخص کے مانند ہوسکتا ہے جس کے اندر یہ صفت نہ ہو؟)''(۱۳).

بہر حال یہ بات بالکل ہی برحق ہے کہ بدعتی اللہ تعالیٰ کی نظر میں انتہائی مبغوض ہے؛ اور قیامت کے روز اسے رسول اکرم ﷺ بھی حوضِ کوثر سے دھتکار دیں گے. حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''إِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الحَوْضِ، مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا، لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونِي، ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ، فَأَقُولُ: إِنَّهُمْ مِنِّي، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لاَ تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ: سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي''.

''میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش خیمہ ہوں گا، جو وہاں آئے گا، اس حوض سے پانی پئے گا اور جس نے ایک بار اس حوض سے پانی پی لیا، اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی، بعض ایسے لوگ بھی وہاں آئیں گے، جنہیں میں پہچانوں گا اور وہ بھی مجھے پہچانیں گے (کہ میں ان کا رسول ہوں)، پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا جائے گا اور انہیں مجھ تک آنے سے روک دیا جائے گا. میں کہوں گا: یہ تو میرے امتی ہیں (پھر انہیں میرے پاس آنے سے کیوں روکا جارہا ہے؟!) لیکن مجھے بتایا جائے گا: آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کے بعد ان لوگوں نے کیسی کیسی بدعات ایجاد کر لیں، پھر میں کہوں گا: ایسے لوگوں کے لیے دوری ہو دوری ہو، جنہوں نے میرے بعد میرا دین بدل ڈالا''(۱۴).

چوں کہ شیطان مسلمانوں کو باضابطہ طور پر دین سے الگ نہیں کرسکتا، اس لیے دین ہی کے راستہ سے دین کا اصل چہرہ مسخ کرتا ہے. کیوں کہ دین کی آڑ میں ہزاروں برائیوں کو جنم دیا جا سکتا ہے اور اس کا سب سے مؤثر ذریعہ بدعت ہے جس کے پھندے میں اچھے اچھے لوگ بھی

(۱۳) دیکھئے کتاب: البدعة وأثرها فی الدراية والرواية، دار ابن حزم ۲۰۰۳ء.

(۱٤) بخاری: (٦٥٨٣، ٦٥٨٤)، مسلم: (٢٢٩٠، ٢٢٩١).

بہت جلد پھنس جاتے ہیں. اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے دین میں کوئی بھی نئی بات ایجاد کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اور اسے گمراہی قرار دیا ہے؛ خواہ وہ نئی بات کتنی ہی بھلی کیوں نہ لگے، اور اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تسبیح وتہلیل کی سو سو مرتبہ ورد کرنے والوں کی سرزنش فرمائی تھی. سنن دارمی کی روایت ہے کہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے مسجد میں چند لوگوں کو دیکھا جو حلقہ بنا کر نماز کا انتظار کر رہے ہیں، ان کے آگے کنکریاں رکھی ہوئی ہیں، ہر حلقہ میں ایک شخص ہے جو انہیں تلقین کر رہا ہے کہ سو مرتبہ اللہ اکبر، سو مرتبہ لا إله إلا اللّٰہ اور سو مرتبہ سبحان اللہ کہو، اور لوگ اس کی تقلید میں یہ پڑھے جا رہے ہیں. حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سیدھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور اس سے آگاہ کیا. حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فوراً مسجد تشریف لائے اور ان حلقوں کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا:

"مَا هٰذَا الَّذِی أَرَاکُمْ تَصْنَعُونَ؟".

"میں تمہیں یہ کیا کرتے دیکھ رہا ہوں؟".

ان لوگوں نے جواب دیا:

"يَا أَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ حَصاً نَعُدُّ بِهِ التَّكْبِيرَ وَالتَّهْلِيلَ وَالتَّسْبِيحَ".

"ابوعبدالرحمٰن! یہ کنکریاں ہیں جن پر گن گن کر ہم تکبیر وتہلیل اور تسبیح پڑھ رہے ہیں".

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"فَعُدُّوا سَيِّئَاتِكُمْ فَأَنَا ضَامِنٌ أَنْ لَا يَضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِكُمْ شَیْءٌ".

"تم اپنی غلطیاں شمار کرو، میں تمہیں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیوں سے کچھ بھی کمی نہیں آئے گی".

"وَيْحَكُمْ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! مَا أَسْرَعُ هَلَكَتِكُمْ، هٰؤُلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَافِرُونَ، وَهٰذِهِ ثِيَابُهُ لَمْ تُبْلَ، وَآنِيَتُهُ لَمْ تُكْسِرْ، وَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهِ! إِنَّكُمْ لَعَلَى مِلَّةٍ أَهْدَى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ؟ أَوْ مُفْتَتِحُو بَابِ ضَلَالَةٍ؟".

''اے امت محمدیہ! تمہاری بربادی ہو، تم کس قدر جلدی سے ہلاکت و بربادی کی ڈگر پر چل پڑے، یہ دیکھو تمہارے نبی کے بہت سارے صحابہ کرام زندہ ہیں، یہ ابھی تمہارے نبی کا کپڑا ابھی بوسیدہ نہیں ہوا، یہ ابھی تمہارے نبی کا برتن جوں کا توں پڑا ہے (مگر تم اتنی جلدی نبی کی سنت چھوڑ کر بدعت اختیار کر بیٹھے)۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ذرا مجھے بتاؤ کہ کیا تم لوگ محمد ﷺ کے طریقہ سے بھی کسی زیادہ ہدایت یافتہ طریقہ پر گامزن ہو؟ یا تم لوگ گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو؟''۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر ان لوگوں نے عرض کیا:

''وَاللَّهِ! يَا أَبَا عَبْدِالرَّحْمَنِ! مَا أَرَدْنَا إِلَّا الْخَيْرَ''۔

''اے ابوعبدالرحمٰن! اللہ کی قسم! ہم نے اس عمل سے خیر و بھلائی ہی کا ارادہ کیا تھا''۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''وَكَمْ مِنْ مُرِيدٍ لِلْخَيْرِ لَنْ يُصِيبَهُ''(۱۵)۔

''خیر و بھلائی کے خواہاں بہت سارے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں بھلائی نصیب نہیں ہوتی''۔

معلوم ہوا کہ کوئی بھی کام جو رسول اکرم ﷺ نے نہیں کیا یا جسے کرنے کا حکم نہیں دیا، اس کی دین میں کوئی بھی حیثیت نہیں، اور اس کو کارِ ثواب سمجھ کر انجام دینا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

اس بدعت کے موجدین میں ان لوگوں کا بھی شمار ہے جو مزاروں اور خانقاہوں پر مذہبی رہنما کے روپ میں لمبی لمبی داڑھی اور لمبے لمبے جبہ و دستار کی آڑ میں امت محمدیہ کے دین وعقیدہ کا سودا کر رہے ہیں، اور قبروں کی زیارت پر بھولے بھالے عوام کو ابھار کر ان کی جیبوں پر ہاتھ صاف کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی عورتوں کی عصمت وعفت کی بھی دھجیاں اڑا رہے

(۱۵) سنن دارمی: المقدمة/ باب: في كراهية أخذ الرأي (۲۰٤)۔

ہیں. جب کہ رسول اکرم ﷺ نے قبروں کو مزار وخانقاہ بنانے کی سخت ممانعت فرمائی تھی.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

''نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُجَصَّصَ القَبْرُ وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُبنى عَلَيْهِ''(١٦).

''رسول اکرم ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے، اس پر مجاور بن کر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے''.

مگر امت مسلمہ خرافات میں کھو گئی، آج دنیا کے طول وعرض میں جگہ جگہ مزارات اور خانقاہیں بنی ہوئی ہیں، وہاں قبروں میں مدفون بزرگوں کو سجدہ کیا جاتا ہے، انہیں مشکل کشا سمجھا جاتا ہے جو کہ سراسر شرک ہے اور شرک کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾.

''اس بات کو اللہ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے، ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے لیے چاہے معاف فرما دیتا ہے''۔ [النساء:۱۱۶]

رسول اکرم ﷺ نے مرض الموت میں یہود ونصاریٰ پر اسی لیے لعنت فرمائی تھی کہ انہوں نے اپنے انبیاء اور بزرگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا، نیز آپ ﷺ جانکنی کے عالم میں بھی اپنی امت کو بدعت کی ایجاد سے سختی کے ساتھ منع فرما رہے تھے. حضرت عائشہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا بیان ہے:

''لَمَّا نَزَلَ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيصَةً لَهُ عَلَى وَجْهِهِ، فَإِذَا اغْتَمَّ بِهَا كَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهِ، فَقَالَ وَهُوَ كَذَلِكَ: لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى اليَهُودِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوا''.

(١٦) مسلم: كتاب الجنائز (باب: ٣٢، رقم: ٩٧٠).

''جب رسول اکرم ﷺ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ اپنی چادر کبھی اپنے منہ پر ڈال لیتے اور جب کچھ افاقہ ہوتا تو اپنے منہ سے چادر ہٹا لیتے، اس دوران آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا''. آپ ﷺ ان کے کرتوت سے اپنی امت کو ڈرا رہے تھے''(۱۷).

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت ہے:

''أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِالحَبشَةِ، فِيهَا تَصَاوِيرُ، فَذَكَرَتَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّ أُولَئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ فَأُولَئِكَ شِرَارُ الخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ القِيَامَةِ''.

''ام حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے حبشہ کے ایک گرجا گھر کا تذکرہ چھیڑ دیا جسے انہوں نے حبشہ میں دیکھ رکھا تھا اور اس کے اندر تصویریں نصب تھیں، اس بات کا تذکرہ ان دونوں نے نبی کریم ﷺ سے (آپ کے مرض الموت میں) کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان لوگوں کے درمیان جو کوئی بزرگ آدمی مر جاتا تو وہ لوگ اس کی قبر کو سجدہ گاہ بنا لیتے، اور اس میں یہ تصویریں آویزاں کر رکھتے، قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے شریر اور بدتر لوگ وہی ہوں گے''(۱۸).

قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کے خوف ہی سے رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر تمام اونچی اونچی قبروں کو برابر کرا دیا تھا. حضرت ابو الہیاج اسدی کہتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا:

---

(۱۷) بخاری (٤٣٥، ٤٣٦) مسلم (٥٣١).

(۱۸) بخاری: كتاب الصلاة (٤٢٧)، مسلم: كتاب المساجد (٥٢٨).

"أَلَا أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالاً إِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْراً مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ"[۱۹].

"کیا میں تمہیں اس کام کے لیے نہ بھیجوں جو رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے کروایا تھا، وہ یہ کہ جاؤ جو بھی تصویر یا مجسمہ تمہیں نظر آئے اسے مٹا دو اور جو قبر زیادہ اونچی نظر آئے اسے برابر کر دو".

اپنی قبر کو مزار میں تبدیل کر دینے ہی کے خوف سے رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگتے تھے:

"اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَناً يُعْبَدُ".

"میرے پروردگار! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اسے پوجا جائے".

مائی عائشہ کہتی ہیں:

"فَلَوْلَا أُبْرِزَ قَبْرُهُ، غَيْرَ أَنَّهُ خُشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِداً".

"اگر نبی کریم ﷺ کی قبر کے سجدہ گاہ بنا لینے کا خدشہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کسی کھلی جگہ بنائی جاتی، مگر اس خدشہ کے پیش نظر آپ کی قبر حجرے میں بنائی گئی"[۲۰].

یہ تو قبروں کو مزارات اور خانقاہیں نہ بنانے سے متعلق رسول اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ تھیں، جن میں قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں پر لعنت فرمائی گئی ہے. اب ذرا بتائیں وہ لوگ جنہوں نے مزاروں اور خانقاہوں پر بدعات وخرافات اور شرک ووثنیت کا بازار گرم کر رکھا ہے، وہ کس قدر لعنت کے مستحق ہیں؟!

مزارات اور خانقاہوں کا چکر لگانے والے بھولے بھالے عوام بھی ذرا اپنے ایمان وعقیدہ کا جائزہ لیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی کتنی نافرمانیاں کر رہے ہیں. نیز ہم یہ بھی کہیں گے

(۱۹) مسلم: کتاب الجنائز، باب: الأمر بتسوية القبر (۹۶۹).

(۲۰) مسلم: کتاب المساجد (۵۲۹).

کہ جولوگ اپنی بیویوں اور بیٹیوں یا دیگر عورتوں کو اولاد یا کسی اور مراد کے لیے ان مقامات پر لے جاتے ہیں، ان کی عفت وعصمت کا کیا حشر ہوتا ہے، کیا آپ نے کبھی اس پر غور کیا ہے؟ اگر نہیں تو ذرا ان مزاروں اور خانقاہوں کے اندرونی حالات معلوم کر کے دیکھیں کہ واقعی یہ بزرگوں کے آرام کدے ہیں یا گانجا، چرس، افیون کے اڈے ہیں جہاں حاضر ہونے والی عورتوں کی عصمت سے پالتو مسٹنڈے کھلواڑ کرتے ہیں؟! بلکہ ایسے کئی ایک شواہد موجود ہیں کہ مزاروں پر بچہ مانگنے کے لیے حاضر ہونے والی عورت کو تو بچہ نہ ہونا تھا نہ ہوا، مگر اس کے ساتھ جانے والی دوسری عورت حاملہ ہوگئی جب کہ اس کا شوہر کئی سال سے پردیس میں کمانے گیا ہوا تھا!! اگر اس سلسلہ میں سیر حاصل بحث اور مدلل رپورٹ چاہیے تو میری کتاب ''غیرت کا فقدان اور اس کا علاج، قرآن وسنت کی روشنی میں'' کا عنوان ''مزاروں اور خانقاہوں پر حاضری اور ان کی حقیقت'' پڑھ لیں، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان مزاروں اور خانقاہوں پر کیا کچھ گل کھلتا ہے. اس کتاب میں آپ کو مفید اور مدلل باتیں ملیں گی جو مزاروں اور خانقاہوں کے عقیدت مندوں کی آنکھوں سے گمراہی کی دبیز پٹی کھول دیں گی. إن شاء اللّٰه

ایک غور طلب بات!

بعض لوگ بدعات وخرافات میں بری طرح پھنس جاتے ہیں اور جب انہیں حقیقت بتائی جاتی ہے تو کہنے لگتے ہیں کہ ہم کس کی بات مانیں اور کسی کی نہ مانیں؟ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ایسے لوگ دنیا کے معاملے میں تو ہر چیز میں تحقیق کر لیتے ہیں. ریڈیو خریدنی ہو تو دکاندار سے گارنٹی لیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمیں اصلی Made in Japan چاہیے، Made in China نہیں چاہیے. اسی طرح دیگر سامان خریدتے وقت اصلی کا تقاضا کرتے ہوئے دکاندار کو دھمکی بھی دیتے ہیں کہ اگر سامان نقلی نکلا تو پھر تمہارے منہ پر مار دونگا؛ نیز جب لڑکے لڑکی کی شادی کرتے ہیں تو انتہائی درجے کی جانچ پڑتال کرتے ہیں بلکہ ان کے خاندان اور دور

دور کے رشتہ داروں سے اس سلسلہ میں جو کچھ بن پڑتا ہے استفسار کرتے ہیں، مگر یہ عجب تماشہ ہے کہ جس عقیدہ وایمان کی بنیاد پر ان کا آخری حشر ہے، اسی کے باب میں تحقیق نہیں کرتے. جبکہ اس معاملے میں تھوڑی سی بھی عدم توجہی انسان کو ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم کا ایندھن بنا سکتی ہے!! ایسی صورت میں ضروری ہے کہ پڑھے لکھے یا اَن پڑھ سارے ہی لوگ تحقیق کے بعد ہی کوئی دین کا کام کریں؛ خواہ مخواہ بدعتیوں کے جال میں پھنس کران کے ہاتھ اپنے ایمان وعقیدہ کے ساتھ ساتھ اپنی عورتوں کی عفت وعصمت نیلام نہ کریں. تھوڑی سی تحقیق آپ کو ان ساری بیماریوں سے نجات دے سکتی ہے اور جب آپ ان نام نہاد ظالم ملاؤں کے پنجے سے خود کو آزاد کرلیں تو مجھے بھی دعاؤں میں نہ بھولیں.

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو بدعات وخرافات سے بچائے اور مزاروں وخانقاہوں پر دین وعقیدہ کا سودا کرنے بلکہ امت مسلمہ کی بہو بیٹیوں کی عصمت وعفت پر ڈاکہ ڈالنے والے ڈکیتوں سے محفوظ رکھے، آمین.

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل مداحوں اور چاپلوسوں کے ساتھ

مدح و خوشامد اور چاپلوسی و جی حضوری، اخلاق کی پستی، دناءت ورذالت اور خست وخباثت کی علامت ہے. علاوہ ازیں یہ جھوٹ کی بھی اعلیٰ قسم ہے جس کے ذریعہ آدمی خود تو برباد ہوتا ہی ہے، ساتھ میں جس کی مدح وخوشامد کی جاتی ہے وہ بھی تباہ وبرباد ہو جاتا ہے. چاپلوس ومداح تین برائیوں کا بیک وقت مرتکب ہوتا ہے.

اول: وہ سامنے والے کی ایسی تعریف ومدح سرائی کرتا ہے جس کا وہ مستحق نہیں، یہ سراسر جھوٹ ہے جس کا گناہ مخفی نہیں.

دوم: مداح وچاپلوس اپنے منہ سے جو تعریفی کلمات کہتا ہے، اس کو وہ خود بھی درست نہیں سمجھتا. یہ نفاق ہے اور منافقین کا انجام معلوم ہے کہ وہ جہنم کے بھی نچلے طبقے میں ہوں گے.

سوم: مداح وچاپلوس ارباب جاہ ومنصب کی خوشامدانہ تعریف کر کے ان کی نگاہ میں ذلیل ورسوا تو ہوتا ہی ہے، دوسروں کی نگاہ میں بھی وہ ایک ذلیل ورسوا چاپلوس کی حیثیت سے جانا جاتا ہے جس سے اس کی دناءت ورذالت ظاہر ہوتی ہے.

خوشامد وچاپلوسی کا یہ سلسلہ اس قدر وسیع ہے کہ کوئی کمپنی ہو یا کوئی آفس، کوئی چھوٹا ادارہ ہو یا بڑا، سبھی جگہوں پر مالکان کی چاپلوسی کر کے اپنا الو سیدھا کرنے والے رذیل لوگوں کی کمی نہیں ہے. منیجر سے لے کر معمولی ملازم تک اگر کسی کو کوئی عہدہ ملا ہوا ہے تو پھر اس کی چاپلوسی شروع ہو جاتی ہے. ملازم منیجر کی اور منیجر اپنے مالک (Honour) کی بے جا تعریف کرتا اور خوشامدیں بجا لاتا ہے تا کہ اگلے کو بیوقوف بنا کر اپنا کام نکال سکے. بلکہ دینی ادارے جن کو اسلام کا قلعہ کہا جاتا ہے، وہاں بھی چاپلوسوں اور خوشامد کرنے والے رذیلوں کی کمی نہیں؛ بلکہ

اگر یہ بات مبالغہ پر محمول نہ کی جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ دینی اداروں میں ذمہ داران کی خوشامد و چاپلوسی کر کے اپنے ساتھ ان کی تباہی کا بھی سامان کرنے والے رذیل لوگوں کی تعداد بہ نسبت دنیاوی اداروں کے زیادہ ہی ہوا کرتی ہے؛ بلکہ وہاں جگہ بہ جگہ ان کا گروہ بیٹھا ہوتا ہے، جبکہ ؎

بربادیٔ گلشن کی خاطر بس ایک ہی الو کافی تھا
ہر شاخ پر الو بیٹھا ہے انجام گلستاں کیا ہوگا

بات کڑوی ضرور ہے لیکن حق ہے، جس کا خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ کڑوا اور بد ذائقہ ہوتا ہے!!

پھر یہ ذمہ داران و مالکان بھی کس قدر سیدھے سادے لوگ ہوتے ہیں کہ وہ بے جا تعریف اور خود غرضوں کی چاپلوسی کے جھانسے میں آ کر اپنے تئیں غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں. عموماً دیکھا گیا ہے کہ بے جا تعریف اور خوشامد و چاپلوسی کی وجہ سے ممدوح میں دو برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں: ایک غرور و تکبر اور دوسری اپنے تئیں غلط فہمی!! بادشاہوں، امیروں، مالداروں اور رئیسوں میں اس چاپلوسی کے سبب جو مضحکہ خیز برائیاں پیدا ہوتی ہیں اور جس طرح وہ برخود غلط ہو جاتے ہیں، اس کی نظیر تاریخ کے ہر دور میں دیکھی جا سکتی ہے.

یہ بے جا مدح سرائی اور چاپلوسی اس قدر خطرناک ہے کہ یہ اچھے خاصے انسان کو بھی تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے. حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

"إِيَّاكُمْ وَالتَّمَادُحَ فَإِنَّهُ الذَّبْحُ".

"تم لوگ خوشامد اور بے جا تعریف سے بچو، کیوں کہ یہ قتل ہے"(1).

حضرت ابو موسی اشعری کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو کسی کی مبالغہ آمیز

---

(١) [حسن] ابن ماجه: كتاب الأدب، باب المدح (باب: ٣٦/ رقم: ٣٧٤٣).

تعریف کرتے سنا تو فرمایا:

"أَهْلَكْتُمْ أَوْ قَطَعْتُمْ ظَهْرَ الرَّجُلِ".

"تم لوگوں نے اسے تباہ و برباد کر دیا، اس کی پیٹھ کو پھاڑ دیا"(۲)

مطلب یہ کہ ایک آدمی اپنے تئیں بے جا تعریف سن کر خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے مفروضہ کمال یا اپنے سلسلے میں مبالغہ آمیز بیان پر مغرور ہو کر دوسرے کو آنکھ بھی نہیں لگاتا ہے اور پے در پے چاپلوسوں کی بے وقعت باتوں سے اپنی تعریفیں سن سن کر یقین کر بیٹھتا ہے کہ واقعی وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اس کے بارے میں کہا جا رہا ہے۔ پھر وہ دوسروں سے بھی یہی توقع رکھتا ہے کہ دوسرے بھی اس کی خوب خوب تعریف کریں اور یوں وہ دوسروں کی نگاہ میں احمق بنتا رہتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق مدّاحوں کو چاہیے کہ وہ خوشامد کرتے وقت اللہ کو اور پھر کراماً کاتبین کو اپنی حرکت اور کذب بیانی کی نگرانی کرنے والا سمجھیں اور اپنی زبان سے وہی بات نکالیں جو وہ اگلے کے بارے میں جانتے ہیں۔ کسی کے بارے میں حتمی کوئی بات کہنا ایک اچھے انسان کو زیب نہیں دیتا؛ بلکہ یہ صفت صرف اور صرف اللہ عزوجل کی ہے جو کائنات کی ہر چیز کی خبر رکھتا ہے اور وہی عالم الغیب بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے پاس کسی آدمی کا ذکر ہوا تو ایک شخص نے اس کی بڑی تعریف کی۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی یہ تعریف سن کر فرمایا:

"وَيْحَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ - يَقُوْلُهُ مِرَاراً - إِنْ كَانَ أَحَدُكُمْ مَادِحاً لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ: أَحْسِبُ كَذَا وَكَذَا، إِنْ كَانَ يُرَى أَنَّهُ كَذَلِكَ، وَاللَّهُ حَسِيْبُهُ، وَلَا يُزَكِّي عَلَى اللَّهِ أَحَدًا".

"تیرا برا ہو! تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ ڈالی - یہ جملہ آپ ﷺ نے بار بار دہرایا -

(۲) بخاری: (۶۰۶۰) مسلم: (۳۰۰۱).

اگر تم میں سے کسی کو تعریف ضرور ہی کرنی ہو تو اسے کہنا چاہیے کہ میرے خیال میں وہ ان ان صفات کا مالک ہے، بشرطیکہ اسے معلوم ہو کہ ممدوح واقعی ویسا ہی ہے (جیسا کہ کہہ رہا ہے)، اور اللہ اس کا حساب لینے والا ہے، اور وہ اللہ پر کسی کو پاک و منزہ قرار نہ دے (یعنی قطعیت کے ساتھ اللہ کے غیب پر حکم نہ لگایا جائے)"۔(۳)

جب ایک آدمی اپنے ممدوح کی اچھی صفات کے بارے میں جانتے ہوئے اس کی تعریف کرے، جو کہ واقعی اس کی تعریف کا مستحق ہے تو ایسے مادح کو بھی یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ حتمی طور پر تعریف نہ کرے؛ بلکہ اس تعریف میں بھی اپنا گمان یا خیال ظاہر کرے کیوں کہ اس کو غیب کا علم نہیں. پھر جو لوگ دکھاوے اور مالک کی رضا جوئی اور التفاتِ نظر کے لیے اس کی شان میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں، ان کے بارے میں شریعت کا کیا کچھ حکم ہو سکتا ہے، واضح ہے.

ایسے مداحوں وچاپلوسوں کے منہ میں مٹی ڈال دینی چاہیے تاکہ ان کی رسوائی ہو. ایک مرتبہ ایک آدمی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے منہ پر ان کی تعریف کی تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اس مداح کے منہ میں خاک جھونک دی. حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ کو کیا ہو گیا؟ حضرت مقداد نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"إِذَا رَأَيْتُمُ الْمَدَّاحِينَ فَاحْثُوا فِي وُجُوهِهِمُ التُّرَابَ".

"جب مدح وتعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں خاک جھونک دو"۔(۴)

معلوم ہوا کہ مداح وچاپلوس خاک آلود ہے. پھر اس کی اہمیت اس ماحول سے بھی ختم ہو جاتی ہے جہاں وہ کام کرتا ہے. کیوں کہ سارے ہی لوگ اس کی چاپلوسی کو بری نظر سے دیکھتے

(۳) بخاری: (۶۰۶۱، ۲۶۶۳) مسلم: (۳۰۰۰)، أبو داود: (۴۸۰۵)، ترمذی: (۳۷۴۴).

(٤) مسلم: کتاب الزهد والرقائق، باب: النهی عن المدح (۳۰۰۲)، أبو داود: (۴۸۰۴).

ہیں اور اپنے متعارف لوگوں سے بھی اس کا تعارف بحثیت خوشامدی وچاپلوس ہی کراتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی مٹی پلید ہو جاتی ہے اور وقتاً فوقتاً اسے ذلت ورسوائی کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے.

پھر وہ لوگ بھی کچھ کم مجرم نہیں ہیں جو اپنی تعریف سن کر پھولے نہیں سماتے اور اگلے کی کبھی کبھار ہمت افزائی بھی کر بیٹھتے ہیں اور اس کے بعد مداح وممدوح دونوں ہی ہلاکت میں پڑ جاتے ہیں. ایسے لوگوں کو چاپلوسوں کی بے جا تعریف سے دوری اختیار کرنا چاہیے.

قلم جب اس موضوع پر اٹھ ہی چکا ہے تو اسے کچھ آزادی بھی دے دی جائے تاکہ وہ ان لوگوں کے متعلق بھی کچھ خامہ فرسائی کر دے جو بے جا تعریف کے متوالے اور ہر طرح کی مدح سرائی کے دیوانے ہوتے ہیں؛ بلکہ ایسے لوگوں کی تعداد لا تعداد ہے جو بے جا تعریف سننا چاہتے ہیں. ایک نہایت ہی بد اخلاق آدمی ہے، اس کے شر سے بچنے کے لیے لوگ اس کی تعریف کر دیں تو وہ خود کو بہت اونچے درجہ کا مالک سمجھ بیٹھتا ہے، اسے یہ بھی خیال نہیں آتا کہ اگلا اسے بیوقوف بنا رہا ہے یا واقعی اس کی تعریف کر رہا ہے. پھر ایسے لوگوں کے اندر عموماً جو کمی دیکھی گئی ہے وہ ان کے اندر حق بات کی قبولیت کے مادے کی کمی ہے. تنقید تو انہیں پل بھر کے لیے گوارا نہیں، ایسے لوگوں سے اگر کوئی حق بات کہہ دے اور ان کی لغزشوں کی نشاندہی کر دے تو وہ اپنے عہدہ ومنصب یا اثر ورسوخ کے ذریعہ فرعون وہامان اور قارون ونمرود کی طرح آگ بگولے ہو جاتے ہیں اور حق بات کہنے والے کے خلاف زہر افشانیاں کرنے لگتے ہیں.

کیا آپ نے ایسے لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آگے پیچھے کرنے والوں اور کھلے الفاظ میں چمچوں اور مادیت کے ہاتھوں بکے ہوئے افراد سے اپنی تعریف کراتے تھکتے نہیں، اور نہ معلوم جو خوبی ان کے اندر سرے سے ہوتی ہی نہیں، اس کو برسر عام اپنی طرف کس جرأت مندی سے منسوب کر لیتے ہیں؟! کیا اپنے کیے ہوئے کاموں پر اترانا اور بن کیے کاموں پر اپنی تعریف

چاہنا یہودیوں اور منافقوں کے بارے میں نازل شدہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کا مصداق نہیں جس کا شانِ نزول گو خاص ہے مگر اپنے اثر کے لحاظ سے عام ہے؟!

﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

''وہ لوگ جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انہوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریفیں کی جائیں، آپ انہیں عذاب سے چھٹکارا میں نہ سمجھئے، ان کے لیے تو دردناک عذاب ہے''۔ [آل عمران: ۱۸۸]

اس آیت کے پیشِ نظر جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان کے بارے میں کہیں کہ صاحب کتنے بڑے متقی و پرہیز گار ہیں، مصلح و دیندار ہیں، نیک و پارسا ہیں، پیر و بزرگ ہیں، صدقہ و خیرات کرنے والے اور غریبوں و فقیروں کے ہمدرد و غمگسار ہیں، خادمِ دین و حامیِ شرعِ متین ہیں، حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں، بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے، تو کیا اس خوش فہمی میں مبتلا مجرمین ﴿عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ کے مستحق نہیں؟!

لہٰذا جو لوگ صرف اپنے کارناموں ہی پر خوش نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ ان کے کھاتے میں وہ کارنامے بھی درج کیے جائیں جو انہوں نے نہیں کیے، انہیں بھی چاق و چوبند ہو جانا چاہیے اور جو لوگ اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے کسی کے منہ پر بے جا تعریف کرتے ہیں انہیں بھی ہوش کے ناخن لینے چاہئیں. بھلا انسان چاپلوسی سے کیا کچھ حاصل کرسکتا ہے جبکہ سب کو دینے والا صرف وہی ہے، جو ساتویں آسمان کے اوپر عرش پر مستوی ہے. نیز کسی کی مدح و تعریف میں رسول اکرم ﷺ کا طرزِ عمل ہی اپنانا چاہیے.

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل
دھوکہ دھڑی کرنے والوں کے ساتھ

دھوکہ دھڑی اور جعلسازی ایک ایسا مرض ہے کہ اگر وہ کسی قوم میں عام ہو جائے تو پھر وہ اپنے مفاد کے لیے کسی بھی دوسری قوم کو اپنی جعلسازی میں پھانس کر اس کا دیوالیہ نکلوا سکتی ہے؛ بلکہ وہ جعلسازی کر کے اپنے دین ومذہب سے بھی کھلواڑ کرنے سے دریغ نہیں کر سکتی. چنانچہ رومی کلیسا کے کار پردازوں نے سلطنت روما کے زوال کے بعد مسیحی بادشاہ قسطنطین سے منسوب کر کے ایک جعلی دستاویز تیار کی تھی جسے عطائے قسطنطین (Donation of Constantine) کا نام دیا جاتا ہے. اس کی رو سے بادشاہ نے مبینہ طور پر اسقف روم کو اپنے تمام یورپی مقبوضات کا دینی ودنیاوی سربراہ اعلیٰ مقرر کیا تھا(۱).

اس کے بعد ایک اور جعلی دستاویز منظر عام پر آئی جو ''اِسی ڈور کے جعلی فتاوی'' (False Decretals of Isidore) کہلاتی ہے. اس مجموعہ میں روم کے قدیم اساقفہ اور کونسلوں کے فیصلے، احکام وفرامین، فتاوے اور خطوط شامل ہیں جن میں سے اکثر جعلی ہیں. ان میں پادریوں کو دنیاوی حکمرانوں، ان کی عدالتوں اور ہر قسم کے مواخذہ سے بالاتر قرار دیا گیا ہے، اور رومی اساقفہ کو خصوصی طور سے اعلیٰ ترین اختیارات سے نوازا گیا ہے(۲).

ظاہر ہے کہ اس قسم کی جعلسازی معمولی انسانوں نے نہیں کی؛ بلکہ اعلیٰ درجہ کے حامل ارباب کلیسا ہی اس جعلسازی ودھوکہ دھڑی میں ملوث تھے، جنہوں نے اپنا روحانی ودنیاوی

(1) Edward Gibbon: Decline And Fall of the Roman Empire (1985), Vol. 6, pp. 161.

(2) Concise Oxford Dictionary of the Church, pp. 189, 265.

اقتدار اور عوام الناس پر اپنا جھوٹا رعب ودبدبہ بڑھانے کے لیے جھوٹ وفریب اور دھوکہ وجعلسازی کا سہارا لیا. اس طرح پاپائے روم کے روحانی ودنیاوی اقتدار کی بنیاد دھوکے اور فراڈ پر رکھی گئی اور مسلسل دھوکہ ہی سے اس اقتدار کو بحال رکھا گیا. مزید برآں پوپ کو پہلے پطرس کا جانشین (Successor) اور پھر نائب مسیح (Vicar of Christ) قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ وہ اس حیثیت سے معصوم عن الخطا (Infallible) ہے[۳].

اب اندازہ لگانا آسان ہے کہ جس قوم کے پیشواؤں اور با اقتدار لوگوں نے دھوکہ دھڑی وجعلسازی کو گلے لگایا ہو، بھلا اس قوم کی روحانیت کیوں کر باقی رہ سکتی ہے، اور بالخصوص جب مذہبی رہنماؤں نے ہی جعلسازی کے ذریعہ اپنے روحانی ودنیاوی اقتدار کا سامان کیا ہو تب تو ایسی قوم کے بارے میں یہ تصور رکھنا بھی جرم ہوگا کہ وہ الٰہی فرامین وقوانین کو پامال کیے بغیر باقی رہ سکتی ہے. بعینہ یہی حال مسیحی اقوام کا ہوا کہ جب ان کے علماء ورہنماؤں نے دھوکہ دھڑی اور جعلسازی کی؛ حتی کہ پوپ بننے کے لیے بھی دھوکہ دھڑی ورشوت سازی کا بازار گرم کیا تو مذہبی رہنماؤں کے ساتھ ساتھ عام لوگ بھی الٰہی فرامین سے سبکدوش ہو گئے اور اس طرح اس قوم میں دھوکہ دھڑی وجعلسازی کی وبا عام ہو گئی!!

اس دھوکہ دھڑی اور جعلسازی کو صرف ایک ہی قوم کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا؛ بلکہ دنیا کی ساری ہی قومیں اس جرم میں ملوث رہی ہیں. اسلام جو کہ اس روئے زمین کا سب سے سچا اور اچھا مذہب ہے، اس کے متبعین بھی دھوکہ دھڑی اور جعلسازی میں اب دیگر اقوام سے بازی لیجانے لگے ہیں؛ بلکہ تجارت میں مسلمانوں کے متعلق یہ تصور ہی بن گیا ہے کہ مسلمانوں کی دکانوں میں دھوکے ہی دھوکے ہیں!! تجارتی کاروبار میں خریداروں سے بدتمیزی اور ان کے ساتھ دھوکہ دینے میں جو کردار مسلمانوں کو حاصل ہے، وہ شاید کسی دوسری قوم میں موجود

(3) Colin Chapman: Christianity on Trial, pp. 32 - 33.

نہیں. ہر شہر میں مسلم منڈیوں یا دکانوں میں اس کا تجربہ کیا جا سکتا ہے!!

سال رواں میں ایام حج کے دوران ایک انوکھا دھوکہ دیکھا گیا. ہوا یہ کہ سات آٹھ درجن مردوں نے غیر قانونی طور سے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے زنانہ لباس پہن کر اوپر سے برقع ڈال لیا. ان کی گاڑیاں جب جدہ شاہراہ کی شمیسی تفتیشی چوکی سے گزری تو وہاں متعین محکمہ پاسپورٹ کے افسران نے ۹/ کاروں کو تفتیش کے لیے روکا. ہر کار میں چند بچے اور خواتین نظر آئیں. افسران کو شبہ ہوا تو ان کی تفتیش کے لیے زنانہ شعبے کے حوالے کر دیا گیا. تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہ سارے مرد ہیں جو زنانہ لباس پہنے ہوئے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی خاتون نہیں ہے اور افسران کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے چند بچے اپنے ہمراہ لے لیے ہیں. چنانچہ ان دھوکے بازوں کو گرفتار کر لیا گیا اور جدہ سے نکلنے والے ''اردو نیوز'' نے اس خبر کی سرخی ان الفاظ میں لکھا:

''زنانہ لباس میں مکہ مکرمہ جانے کی کوشش کرنے والے ۹۴/ غیر ملکی گرفتار''(۴).

دور حاضر کے مسلمانوں کے نزدیک تو اس قسم کا دھوکہ کوئی معنی ہی نہیں رکھتا!! بلکہ دھوکے بازی اور جعلسازی کے اس سے بڑے بڑے واقعات آئے دن رونما ہوتے رہتے ہیں جن کا شمار مشکل ہے. نئی دہلی ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک مرتبہ ایک مسلم جوان سے میری ملاقات ہوئی، اس نے بس کا ٹکٹ بیچوانے اور اپنی جیب گرم کرنے کے لیے میرے سامنے ہی میرے ایک دوست کو دھوکہ دے دیا اور جس بس پر اس نے میرے دوست کو چڑھایا وہ منزل تک جانے کے بجائے راستہ ہی میں تمام سواریوں کو اتار کر پھر دہلی واپس ہوگئی.

درحقیقت یہ ایسا دور چل پڑا ہے کہ کسی پر بھی اعتبار کی نگاہ ٹکنی مشکل معلوم ہوتی ہے. جگہ جگہ دھوکہ دھڑی و جعلسازی کا بازار گرم ہے. بلکہ اب تو اسلامی معاشرے میں مسلم خواتین بھی جعلسازی کی رو میں چل پڑی ہیں اور ایسی ایسی دھوکہ دھڑی اور جعلسازی کی ہیں کہ مسلمانوں

---

(۴) اردو نیوز جدہ ۲۶ جنوری ۲۰۰۴ء.

کے پہلے زمانے میں ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا. ابھی کچھ ہی دنوں قبل اخبارات میں ایک مصری مسلم خاتون کی دھوکہ بازی وجعلسازی کے متعلق خبر چھپی ہے جس نے سرکاری کاغذات میں ہیر پھیر کر کے اور جعلی نام استعمال کر کے بیک وقت تین مردوں سے شادی کر رکھی تھی اور دو مردوں سے اس کے بچے بھی پیدا ہوئے تھے، بعد میں پولیس نے اسے گرفتار کر لیا تھا(۵).

غرض دھوکہ دھڑی اور جعلسازی اب مسلم سماج کا ایک جزء لاینفک بن چکا ہے جس سے نبی کریم ﷺ نے سختی کے ساتھ روکا تھا. رسول اکرم ﷺ ایک مرتبہ بازار تشریف لے گئے. آپ کا گزر غلہ کی ایک منڈی کے پاس سے ہوا. آپ ﷺ نے اس غلہ میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو آپ کی انگلیوں کو تری محسوس ہوئی جبکہ اوپر کا حصہ سوکھا ہوا تھا. آپ ﷺ نے فرمایا:

"مَا هَذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟".

"غلے والے! یہ کیا ماجرا ہے؟".

اس نے عرض کیا: بارش سے یہ غلہ بھیگ گیا تھا (اس لیے اوپر سے خشک ڈال دیا ہے).

آپ ﷺ نے فرمایا:

"أَفَلا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ؟ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي"(۶).

"گیلا غلہ اوپر کیوں نہ رکھ دیا تاکہ لوگ دیکھ لیتے؟ جو دھوکہ دیتا ہے وہ مجھ سے نہیں ہے".

ایک روایت میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا وَالْمَكْرُ وَالْخِدَاعُ فِي النَّارِ".

"دھوکہ باز ہم میں سے نہیں ہے، اور مکر وفریب کرنے والا جہنمی ہے"(۷).

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے:

(۵) اردو نیوز جدہ ۱۲ جون ۲۰۰۲ء.

(٦) مسلم: الإيمان (١٠٢)، ابن ماجه (٢٢٢٤)، ترمذي (١٣١٥)، أبو داود (٣٤٥٢).

(٧) الطبراني في الكبير، والصغير (١/٢٦١) بإسناد جيّد، وابن حبان (٥٥٣٣)، وأبو داود في المراسيل (١٤٥)، الترغيب والترهيب (٢٧٤٢).

''مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا وَمَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا''(۸).

''جو ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور جو ہمیں دھوکہ دے وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے''.

دھوکہ دھڑی اور جعلسازی کے متعلق یہ فرمودات رسول آپ نے پڑھی، آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ دھوکہ دھڑی اسلام میں ایک قبیح اور گھناؤنا جرم ہے. نیز وہ لوگ جو دھوکہ اور جعلسازی کو دیکھ کر خاموش رہ جاتے ہیں وہ بھی کچھ کم مجرم نہیں. سعودی عرب سے جب میں پہلے سفر پر اپنے ملک گیا تھا اس دفعہ ایک مسلمان سے مجھے زبردست دھوکہ ہوا. ہوا یہ کہ سعودی عرب واپسی سے کچھ دنوں قبل بعض احباب کو میں نے اپنے گھر دعوت طعام پر مدعو کیا. قریبی بازار میں اپنی ہی بستی کی ایک گوشت دکان سے بکرے کا گوشت خریدا، اس نے مجھے بکرے کے بجائے بھیڑ کا گوشت دے دیا جبکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ میں نے مہمانوں کو مدعو کیا ہوا ہے، وہاں جان پہچان کے دو آدمی اور بھی موجود تھے جنہوں نے جانتے ہوئے بھی کہ یہ گوشت بکرے کا نہیں بھیڑ کا ہے، مجھ سے نہیں بتایا اور میں وہ گوشت لے کر گھر آ گیا. حسب معمول میری بیگم نے بکرے کا گوشت سمجھ کر جتنا اچھا ہو سکا بنانے کی کوشش کی. مگر جب گوشت مہمانوں کے سامنے دستر خوان پر پیش ہوا تو میں نے دیکھا کہ سارے ہی مہمان گوشت کے شوربے اور دستر خوان پر موجود دیگر سالنوں سے کھانا تناول فرما رہے ہیں، اور جن لوگوں نے گوشت کی بوٹیاں جتنی لی تھیں اتنی ہی موجود ہیں، کوئی کھا نہیں رہا ہے. میں نے تعجب سے پوچھا: آپ لوگ گوشت کیوں نہیں کھا رہے ہیں، اور میزبانی کے رائج دستور کے مطابق بوٹیاں نکال کر مہمانوں کے برتنوں میں رکھنے لگا. ایک مہمان نے شرماتے ہوئے کہا: شاید یہ گوشت بڑے جانور (گائے) کا ہے اس لیے بوٹیاں نہیں گل سکی ہیں!!

اس موقع سے جو کچھ ایک میزبان کے دل پر گزر سکتا ہے اس کا اندازہ قارئین خود لگائیں.

(۸) مسلم: كتاب الإيمان (۱۰۱).

بعد میں پتہ چلا کہ اس مسلمان نے بھیڑ ذبح کر کے بازار میں جھوٹ اور دھوکہ سے بکرے کے نام پر بیچا ہے اور لوگوں سے بکرے کے گوشت کا حساب لیا ہے!!

مجھے سعودی عرب جلدی سے آنا تھا، اس لیے میں نے اس قصاب سے کچھ استفسار نہیں کیا، مگر میں نے دل میں ٹھان لیا کہ اب اس کی دکان سے کبھی گوشت نہیں خریدوں گا اور موقع ملا تو اس بات کی یاد دہانی کرا کے ضرور اسے دھوکہ دھڑی سے باز رہنے کی نصیحت کروں گا. مگر افسوس کہ دوسرے سفر پر جب میں وطن واپس گیا تو وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا، مجھے بتایا گیا کہ وہ ایک روز شراب پی کر ایک شہر میں پھر رہا تھا، کسی طرح ایک گندی نالی میں گر گیا اور اسی میں دم توڑ دیا!!

اللہ تعالیٰ اس آدمی کی غلطیوں کو درگزر فرمائے اور دھوکہ دھڑی میں ملوث دیگر مسلمانوں کو ہدایت نصیب کرے.

ہاں تو بات چل رہی تھی کہ دھوکہ دینے والا تو مجرم ہے ہی، مگر دھوکہ میں ملوث افراد کے متعلق اس کے پاس آنے والوں کو آگاہ نہ کرنا بھی بڑا جرم ہے. کیوں کہ دین خیر خواہی کا نام ہے اور خیر خواہی یہی ہے کہ ایک مسلمان جہاں تک ہو سکے دوسرے مسلمان کو فائدہ پہنچائے اور دھوکہ دھڑی کے مقامات سے اسے دور رکھے. حاکم اور بیہقی کی روایت میں حضرت ابو سباع رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے، جس کا بیان یہاں فائدے سے خالی نہ ہوگا. وہ کہتے ہیں:

میں نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کے گھرانے سے ایک اونٹنی خریدی اور جب میں اسے لے کر وہاں سے روانہ ہوا تو واثلہ بن اسقع نے اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے مجھے آلیا اور پوچھنے لگے: کیا آپ نے اونٹنی خرید لی؟ میں نے بتایا: ہاں! وہ کہنے لگے: میں اس اونٹنی میں جو عیب ہے اسے بیان کرنا چاہتا ہوں.

میں نے پوچھا: کیا عیب ہے اس اونٹنی میں؟ وہ کہنے لگے:

"إِنَّهَا لَسَمِينَةٌ ظَاهِرَةُ الصِّحَّةِ، أَرَدْتَ بِهَا سَفَراً أَوْ أَرَدْتَ بِهَا لَحْماً؟".

''یہ اونٹنی موٹی ہے اور صرف ظاہری طور پر صحت مند لگ رہی ہے، تم اس پر سواری کرو گے یا اسے گوشت کے لیے لے جا رہے ہو؟''.

میں نے بتایا: میں اس پر حج کا سفر کروں گا.

وہ کہنے لگے: ''فَارْتَجِعْهَا''.

''پھر تو یہ اونٹنی واپس کر دو (کیوں کہ یہ اس قابل نہیں ہے کہ سواری ڈھو سکے)''.

یہ سن کر اونٹنی کا مالک آ گیا جس نے فروخت کیا تھا اور واثلہ بن اسقع سے کہنے لگا: اللہ آپ کا بھلا کرے، آپ اسے میرے خلاف کیوں ورغلا رہے ہیں؟ واثلہ کہنے لگے: میں نے رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

''لاَ يَحِلُّ لأَحَدٍ يَبِيعُ شَيْئاً إِلَّا بَيَّنَ مَا فِيهِ، وَلاَ يَحِلُّ لِمَنْ عَلِمَ ذَلِکَ إِلَّا بَيَّنَهُ''.

''کسی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کوئی چیز فروخت کرتے ہوئے اس کا نقص خریدار کو نہ بتائے، اسی طرح کسی شخص کے لیے بھی جائز نہیں کہ اس چیز کا عیب جانتے ہوئے (اس کے خریدنے والے سے) اس کی حقیقت بیان نہ کرے''(۹).

معلوم ہوا کہ مجھ سے دھوکہ سے گوشت بیچنے والا قصاب تو مجرم تھا ہی، ساتھ ہی وہ دونوں مسلمان بھی مجرم تھے جنھوں نے جانتے ہوئے بھی مجھ سے حقیقت بیان نہیں کی. اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے.

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے طرزِ عمل کو اپناتے ہوئے دھوکہ دھڑی اور جعلسازی سے دور بہت دور رہیں. رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کے باوجود اگر کوئی مسلمان اس گناہ میں ملوث ہے تو پھر وہ اپنے ایمان کی خیر منائے!!

(۹) حاکم: (۲/ ۱۰) وقال: صحيح الإسناد، وشعب الإيمان(۵۲۹۵)، وابن ماجه باختصار القصة (۲۲٤۷).

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل دودھ میں پانی ملانے والوں کے ساتھ

پہلے زمانے ہی سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ خبطی ذہن کے لوگ عوام الناس سے ناجائز طور پر روپیہ اینٹھنے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کرتے رہے ہیں. انہی لوگوں میں ان کا بھی شمار ہے جو دودھ میں پانی ملا کر لوگوں سے بیچتے ہیں اور اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بٹورتے ہیں. حالانکہ دودھ میں پانی ملانے والوں کے گھر سے برکت بالکل ہی اٹھ جاتی ہے اور ان کے گھر والوں پر طرح طرح کی آفت بھی آتی رہتی ہے. میں خود ایک آدمی کو جانتا ہوں جو دیہات میں دودھ میں پانی ملا کر لوگوں سے بیچا کرتا تھا اور اس ذریعۂ آمدنی سے بظاہر بہت ہی مطمئن نظر آتا تھا لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد اس کے ایک بیٹے کو کوڑھ کی بیماری لاحق ہوگئی جو بھینس کا دودھ دوہنے پر مامور تھا. چنانچہ اس نے فوراً اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور پھر رات دن مسجد کے اندر اللہ تعالیٰ سے اپنے جرم کی معافی مانگنے لگا.

دودھ میں پانی ملا کر بیچنا سراسر حرام ہے اور حرام کھانے والوں کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں. اس لیے رسول اکرم ﷺ نے دودھ میں پانی ملا کر بیچنے سے منع فرمایا ہے. ارشاد ہے:

"لَا تَشُوبُوْا اللَّبَنَ لِلْبَيْعِ".

"بیچنے کے لیے دودھ میں پانی نہ ملایا کرو"(۱).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مدینہ کے ایک کنارے سے گزر رہے تھے. وہاں ایک آدمی کو دیکھا جو دودھ میں پانی ملا کر بیچ رہا تھا. آپ نے اس سے فرمایا:

"كَيْفَ بِكَ إِذْ قِيلَ لَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خَلِّصِ الْمَاءَ مِنَ اللَّبَنِ؟!".

(۱) البيهقي في شعب الإيمان (٥٣٠٨)، الترغيب والترهيب (٢٧٤٥).

''قیامت کے روز تمہارا کیا حال ہوگا جب تم سے کہا جائے گا کہ دودھ سے پانی الگ کرو؟!''(۲).

احمد، بیہقی اور ترغیب میں رسول اکرم ﷺ سے یہ حدیث مروی ہے کہ گزشتہ زمانہ میں ایک آدمی دودھ میں پانی ملا کر بیچا کرتا تھا. ایک مرتبہ دودھ بیچ کر وہ واپس آ رہا تھا. راستہ میں اسے کشتی میں سوار ہونا پڑا. وہ جس کشتی میں سوار ہوا اس میں ایک بندر بھی تھا. اس کی کشتی جب منجدھار میں پہنچی تو بندر اس کے روپیوں کی تھیلی لے کر کشتی کے اوپر والی لکڑی پر چڑھ گیا اور وہاں سے تھیلی میں سے ایک روپیہ پانی میں اور ایک روپیہ اس شخص کے سامنے پھینکنے لگا. اسی طرح آدھا روپیہ پانی میں اور آدھا روپیہ اس کے سامنے ڈال دیا(۳).

جو آدمی دودھ میں پانی ملا کر بیچتا ہے، وہ حلال کے ساتھ حرام ملا کر کھاتا ہے اور وہ اپنے اس کرتوت کے سبب اللہ تعالیٰ کی لعنت وملامت کا مستحق ٹھہرتا ہے. ابن ماجہ میں واثلہ بن اسقع سے مروی ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

''مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يُبَيِّنْهُ لَمْ يَزَلْ فِي مَقْتِ اللَّهِ وَلَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَلْعَنُهُ''.

''جو آدمی عیب والی چیز کو بن بتلائے بیچتا ہے وہ ہمیشہ اللہ کی ناراضگی میں رہتا ہے اور فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں''(۴).

معلوم ہوا کہ دودھ میں پانی ملا کر بیچنے والا اللہ کی ناراضگی مول لیتا ہے اور جو اللہ کی ناراضگی مول لے گا اس کا انجام کیا ہوگا، سب کو معلوم ہے!!

درحقیقت ایسا وہی لوگ کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہوتا اور ان کا ایمان انتہائی

---

(۲) امام منذری ترغیب وترہیب (۲۷۴۴) میں کہتے ہیں: رواه البيهقي في الشعب (٥٣١٠)، والأصبهاني (ترغيب ٢٤٩) موقوفاً بإسناد لا بأس به.

(۳) الترغيب والترهيب (٢٧٤٥)، بيهقي في الشعب (٥٣٠٧).

(٤) [ضعيف جداً] ابن ماجه: التجارات/ من باع عيباً فليبيّنه (باب: ٤٥، رقم: ٢٢٤٧).

کمزور ہوتا ہے. لیکن جن کا ایمان مضبوط ہوتا ہے وہ رات کے اندھیرے میں بھی دودھ میں پانی ملانے سے باز رہتے ہیں. امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے زمانۂ خلافت میں رات کو اپنے سکریٹری اسلم کے ساتھ مدینہ کی گلیوں میں بغرض نگرانی گشت لگا رہے تھے. چلتے چلتے جب تھک کر چور ہو گئے تو آدھی رات کو ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے. اتنے میں ان کے کانوں میں ایک عورت کی آواز آئی جو اپنی بیٹی کو حکم دے رہی تھی: دودھ میں پانی ملا دو. مگر لڑکی کہہ رہی تھی: امی جان! آپ کو معلوم نہیں کہ آج امیر المومنین نے اعلان کرا دیا ہے کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے؟ ماں نے کہا: بیٹی! اٹھو اور دودھ میں پانی ملا دو، کیوں کہ ابھی عمر تجھے نہیں دیکھ رہے ہیں اور نہ ہی عمر کے منادی کو کچھ علم ہے. لڑکی نے جواب دیا:

"يَا أُمَّتَاهُ! وَاللّٰهِ! مَا كُنْتُ لأُطِيعَهُ فِي المَلإِ وَأَعْصِيَهُ فِي الخَلاءِ".

"امی جان! قسم اللہ کی! جب میں محفل میں امیر المومنین کی اطاعت بجا لاتی ہوں تو تنہائی میں ان کی مخالفت نہیں کر سکتی!!".

تاریخ اسلامی میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ لڑکی نے ماں کے جواب میں کہا تھا:

"إِنْ كَانَ عُمَرُ لاَ يَعْلَمُ فَإِلَهُ عُمَرَ يَعْلَمُ، مَا كُنْتُ لأَفْعَلَهُ وَقَدْ نَهَى عَنْهُ".

"عمر ہمیں نہیں دیکھ رہے ہیں مگر عمر کا رب تو دیکھ رہا ہے، میں دودھ میں پانی نہیں ملا سکتی کیوں کہ امیر المومنین نے اس سے منع فرمایا ہے".

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ماں بیٹی کی گفتگو سن رہے تھے. صبح ہوئی تو اس گھر کی پہچان کرائی اور جب معلوم ہوا کہ وہ لڑکی شادی شدہ نہیں ہے تو اپنے بیٹوں کو اکٹھا کر کے کہا:

"هَلْ فِيكُمْ مَنْ يَحْتَاجُ امْرَأَةً فَأُزَوِّجُهُ، وَلَوْ كَانَ بِأَبِيكُمْ حَرَكَةٌ إِلَى النِّسَاءِ مَا سَبَقَهُ مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَى هَذِهِ الجَارِيَةِ".

"تم میں کوئی شادی کا خواہاں ہے تو بتائے تا کہ میں اس کی شادی کر دوں، اگر تمہارے

باپ کو عورت کی کچھ بھی شہوت ہوتی تو اس سے پہلے اس لڑکی سے تم میں سے کوئی شادی نہیں کرسکتا تھا (مگر افسوس میں بوڑھا ہو چکا ہوں)''۔

مشورہ کے بعد آپ نے اپنے بیٹے عاصم سے اس کی شادی کر دی جس کے بطن سے ایک لڑکی نے جنم لیا اور اسی لڑکی سے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی پیدائش ہوئی (۵)۔

غرض جو بھی رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرے گا وہ کبھی بھی دودھ میں پانی ملانے کا جرم عظیم نہیں کرسکتا. اس کا ایمان اور آخرت پر یقین اسے ایسی حرکت کرنے سے باز رکھیں گے اور جب کبھی اس کی نیت خراب ہوگی، تعلیمات نبویہ اس کے ضمیر کو ملامت کریں گی کہ یہ کیا کر رہا ہے؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے دودھ میں پانی ملا کر بیچنے کو حرام قرار دیا ہے؟ کیا تجھے خبر نہیں کہ حلال کے ساتھ حرام کے خلط ملط ہونے سے حلال بھی حرام بن جاتا ہے؟ کیا تجھے آگاہی نہیں کہ جو دودھ میں پانی ملا کر بیچتا ہے وہ حرام کھاتا ہے اور جو حرام کھاتا ہے اس کی دعائیں ردی کی ٹوکری میں ڈال دی جاتی ہیں اور جس کی دعائیں ردی کی ٹوکری میں ڈال دی جائیں وہ مردود ہوتا ہے اور جو مردود ہے وہ رحمت الٰہی سے محروم ہے اور جو رحمت الٰہی سے محروم ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جس کا ٹھکانہ جہنم ہے وہ اللہ کی نگاہ میں مبغوض ہے؟! کیا تو دودھ میں پانی ملا کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ناراضگی کا سودا کر رہا ہے؟!

(۵) تاریخ عمر بن الخطاب (۱۰٤)، من قصص العرب (۲۳۳)، مجمع الأمثال (۲/۲٤۱).

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل
جھوٹ بولنے والوں کے ساتھ

جھوٹ کی بیماری اس قدر خطرناک ہے کہ اسی سے سارے گناہ عمل میں آتے ہیں. ایک چور چوری کرتا ہے لیکن جب تفتیش ہوتی ہے تو فوراً جھوٹ بول کر نکل جاتا ہے. ایک شرابی دنیا جہان کی برائیاں کر گزرتا ہے اور جب تفتیش ہوتی ہے تو فوراً مکر جاتا ہے، ایک زانی لوگوں سے بچ بچا کر زنا کرتا ہے اور جب تفتیش ہوتی ہے تو خود کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے سیکڑوں جھوٹ بول پڑتا ہے. غرض جھوٹ کے سبب ہی یہ اور اس طرح کی دیگر بہت ساری برائیاں عمل میں آتی ہیں. اور شاید ہٹلر نے اسی لیے اپنے وزیر خاص کو یہ مشورہ دے رکھا تھا کہ سچ کو اس قدر کثرت سے جھوٹ ثابت کرو کہ وہ سچ جھوٹ بن جائے اور جھوٹ کو بھی اس قدر کثرت سے سچ ثابت کرو کہ وہ جھوٹ لوگوں کی نظروں میں سچ بن جائے. کیوں کہ ہٹلر کو جھوٹ سچ کی آڑ میں ظلم وطغیانی کا بازار گرم کرنا مقصود تھا تا کہ کسی بھی طرح وہ قتل وخونریزی کر کے اپنی مونچھیں اونچی رکھ سکے. اس کے لیے اس نے جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنے کی اپنے وزیر کو ٹریننگ ہی دے ڈالی.

غرض جھوٹ سے بہت سارے گناہ متفرع ہیں جس کو رسول اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت نے حرام قرار دیا ہے. چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ﴾.

''بے شک اللہ تعالیٰ جھوٹے اور احسان فراموش کو راہ نہیں دکھلاتا''۔ [الزمر:۱]

اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی ترغیب دی ہے اور بتایا ہے کہ سچائی اچھے لوگوں کا شعار ہے. ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللَّهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ﴾ [التوبۃ:۱۱۹]

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے خوف کھاؤ اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ''۔

رسول اکرم ﷺ نے جھوٹ سے بچنے اور سچی بات کہنے کا حکم دیا ہے. حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِى إِلَى البِرِّ وَإِنَّ البِرَّ يَهْدِى إِلَى الجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صِدِّيقًا، وَإِيَّاكُمْ وَالكَذِبَ، فَإِنَّ الكَذِبَ يهدِى إِلَى الفُجورِ، وَالفُجُورُ يَهْدِى إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ العَبْدُ يَكْذِبُ وَيَتحَرَّى الكَذِبَ حَتَّى يُكتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَّابًا''.

''تم سچ کو لازم پکڑو، کیوں کہ سچ نیکی کی طرف لے جاتا ہے، اور نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے. آدمی ہمیشہ سچ بولتا ہے اور سچائی کی تلاش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ سچا لکھ دیا جاتا ہے، اور تم جھوٹ سے بچو، کیوں کہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف رہنمائی کرتا ہے، بندہ ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ ہی اس کا مقصد ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے''(۱).

جھوٹ کو رسول اکرم ﷺ نے منافق کی نشانی بتلائی ہے. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں:

''آيَةُ المُنَافِقِ ثَلاَثٌ، إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا أُوْتُمِنَ خَانَ''(۲).

''منافق کی تین نشانیاں ہیں؛ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو وعدہ خلافی

(۱) ترمذی: (۱۹۷۱)، أبو داود: (٤٩٨٩)، بخاری: (٦٠٩٤)، مسلم: (٢٦٠٧).

(۲) بخاری: الإيمان/ علامة المنافق (باب: ٢٤، رقم ٣٣)، مسلم: (٣٣). اور امام مسلم کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: ''وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ''. ''اگر چہ وہ نماز پڑھے، روزہ رکھے اور یہ دعوی کرے کہ وہ مسلمان ہے'' [مسلم:۳۳].

کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے"۔

معلوم ہوا کہ جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں وہ منافق ہیں مسلمان نہیں۔ کیوں کہ ایک مسلمان بزدل ہوسکتا ہے، بخیل ہوسکتا ہے مگر جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ حضرت صفوان بن سلیم موطا امام مالک میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا:

"يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا؟"۔

"اے اللہ کے رسول! کیا ایک مومن بزدل ہوتا ہے؟"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نَعَمْ"۔ "ہاں"۔

پوچھا گیا: "وَأَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ بَخِيلًا؟"۔

"کیا مومن بخیل بھی ہوتا ہے؟"۔

ارشاد فرمایا: "نعم"۔ "ہاں"۔

پوچھا گیا: "أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا؟"۔

"کیا ایک مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟"۔

ارشاد فرمایا: "لا"۔ "نہیں"(۳)۔

لیکن بہت ہی افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ آج کے اس دور میں زیادہ تر مسلمانوں ہی کے معاملات جھوٹے ثابت ہوتے ہیں اور یہی لوگ جھوٹ بولنے میں معروف ہیں۔ تجارت کی منڈیوں میں جہاں دیگر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ مسلمانوں کی بھی دکانیں ہیں، ان کے بارے میں دوسرے لوگوں کی نہیں بلکہ خود مسلم گراہکوں ہی کی گواہی ہے کہ مسلمانوں کی دکانیں جھوٹ ودغا بازی اور مکر وفریب کے مراکز ہیں!!

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی اکثر دکانیں غیر مسلموں کی دکانوں کی بہ نسبت کم چلتی ہیں۔ میری طرح بہت سارے لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ وہی چیز جو ایک غیر مسلم کی دکان

(۳) موطأ إمام مالك: (۲/ ۹۹۰)۔ یہ حدیث حسن مرسل ہے۔

میں کم قیمت کی ہوتی ہے، مسلمان کی دکان میں زیادہ قیمت میں فروخت ہوتی ہے. کیوں کہ تجارت کے تجربہ سے لاعلمی کے سبب کم وقت میں زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھائی جاتی ہیں.

صرف تجارت ہی کا معاملہ نہیں بلکہ اسلامی معاشرے میں لین دین کا معاملہ بھی بڑا گمبھیر ہوتا ہے. ایک آدمی وعدہ کر کے کسی سے کوئی سامان لیتا ہے لیکن وہ اپنا وعدہ یکسر بھول جاتا ہے اور فوراً جھوٹ بول بیٹھتا ہے. اسے کچھ فکر نہیں ہوتی کہ رسول اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت (جس کا وہ بڑے شد ومد کے ساتھ دعویدار بھی ہے) نے جھوٹ کو حرام قرار دیا ہے. بلکہ سچ پوچھیے تو اسلامی معاشروں میں جھوٹ اب کوئی بڑی بات رہ ہی نہیں گئی. چنانچہ اسلامی معاشرے کے افراد کو یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ وہ رمضان کے دنوں میں روزے کی حالت میں کورٹ میں جج کے سامنے جھوٹی گواہی دیتے ہیں اور انہیں کچھ خوف نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا انجام کیا ہے. حالانکہ جھوٹی گواہی کو رسول اکرم ﷺ نے "أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ" (کبیرہ گناہوں میں بھی سب سے بڑا گناہ) شمار کیا ہے[(۴)].

مسلم معاشرے میں ایک عام بیماری یہ بھی دیکھی گئی ہے کہ کچھ افراد لوگوں کو ہنسانے کے لیے طرح طرح کی جھوٹی باتیں گھڑتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں. آپ ہر ماحول میں ایسے لوگوں کو پائیں گے، شاید ہی کوئی مسلم معاشرہ ایسے بے کار لوگوں سے خالی ہو. جب کہ رسول اکرم ﷺ نے اس قسم کے لوگوں کی بربادی بتائی ہے. حضرت بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"وَيْلٌ لِلَّذِیْ يُحَدِّثُ بِالْحَدِيْثِ لِيُضْحِکَ بِهِ الْقَوْمَ فَيَكْذِبُ وَيْلٌ لَّهُ وَيْلٌ لَّهُ"[(۵)].

"وہ آدمی برباد ہو جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے، اس کے لیے ہلاکت ہے،

---

(٤) مسلم: (٨٨).

(٥) [حسن] ترمذی: (٢٣١٥)، أبو داود: (٤٩٩٠)، بیهقی فی الشعب: (٤٨٣١).

اس کے لیے بربادی ہے''۔

رسول اکرم ﷺ نے جھوٹ سے بچنے کی تعلیم یہاں تک دی ہے کہ کوئی آدمی کسی سے مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے؛ بلکہ اگر کوئی آدمی اپنے بچے کو مٹھی باندھ کر مٹھائی کا لالچ دے کر اسے اپنے پاس بلائے اور اس کی مٹھی میں مٹھائی نہ ہو، تو یہ بھی جھوٹ میں شامل ہے. جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک روز میری ماں نے رسول اکرم ﷺ کی میرے گھر موجودگی میں مجھے بلایا اور کہا کہ آؤ میں تجھے یہ دیتی ہوں (هَا تَعَالَ أُعْطِكَ).

رسول اکرم ﷺ نے میری ماں سے پوچھا:

''مَا أَرَدْتِ أَنْ تُعْطِيَهُ؟''.

''اسے کیا دینا چاہتی ہو؟''.

میری ماں نے عرض کیا: میں ایک کھجور دینا چاہتی ہوں. رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''أَمَّا إِنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِهِ شَيْئاً كُتِبَتْ عَلَيْكِ كَذْبَةٌ''.

''اگر تو اپنے بچہ کو کوئی چیز نہیں دیتی تو تیرے اوپر ایک جھوٹ لکھا جاتا''(٦).

ایسی معمولی بات بھی جھوٹ میں شمار ہوسکتی ہے تو بھلا ان لوگوں کا کیا ہوگا جو رات دن جھوٹی باتوں میں اپنا وقت گزارتے ہیں اور ایک دوسرے سے سنی سنائی جھوٹی باتوں کو بیان کر کے مزے لیتے ہیں؛ جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِباً أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ''.

''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ جو کچھ وہ سنے بیان کر بیٹھے''(٧).

اس سے بھی بڑھ کر خطرناک بات یہ ہے کہ بعض لوگ رسول اکرم ﷺ کی حدیثوں کے بارے میں جھوٹی بات کہہ ڈالتے ہیں. جبکہ رسول اکرم ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا

(٦) [حسن] أبو داود (٤٩٩١) أحمد۔(٣/٤٤٧) بيهقى (٤٨٢٢) ابن أبي الدنيا في الصمت (٦٥٢).

(٧) مسلم: المقدمه، باب: ٥/ رقم ٣.

خود کو آتش جہنم کا ایندھن بنانا ہے. اس گروپ میں عموماً وہ مولوی حضرات شامل ہیں جو تقلید کی آڑ میں رسول اکرم ﷺ کی بہت ساری احادیث کو قولی یا عملی طور پر جھٹلاتے ہیں اور عوام کے سامنے صحیح روایات بیان کرنے کی بجائے ضعیف اور من گھڑت روایات بیان کرتے ہیں.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی بیان کرتے ہیں:

”إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ، فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ“.

”مجھ پر جھوٹ بولنا عام لوگوں پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں (میرے اوپر جھوٹ بولنے سے بہت سارے لوگوں کے گمراہ ہونے کا خدشہ ہے) جس نے جان بوجھ کر میرے اوپر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے“(۸).

یہ حدیث پڑھ کر ان لوگوں کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں جو عوام کو صحیح مسائل بتانے کے بجائے اپنے اپنے ائمہ وعلماء کے مذاہب کے بارے میں بتلاتے ہیں اور جب دلیل کے طور پر کوئی حدیث پیش کرنے کا عوام کی طرف سے تقاضا ہوتا ہے تو بلا خوف وخطر صحیح حدیث کی جگہ گھڑی ہوئی حدیث پیش کر کے اپنی بات کو تقویت پہنچاتے ہیں. اگر انہیں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے تو فوراً توبہ کریں اور لوگوں کو صحیح مسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں بتلائیں؛ ورنہ اپنے ٹھکانے کا انتظار کریں جس کی دھمکی رسول اکرم ﷺ نے مذکورہ حدیث میں دے رکھی ہے. نعوذ باللّٰہ من ذلک.

درحقیقت جھوٹ سے انسان کی ساری خوبیاں خرابیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور ایک آدمی اس جھوٹ کی آڑ میں گناہ کے جملہ کام کر گزرتا ہے. اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے جھوٹ سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔[آل عمران:٦١] جھوٹ چھوڑنے والا اور سچائی کو اپنانے والا بہت سارے گناہوں سے خود بخود بچ جاتا

(۸) بخاری: الجنائز/ ما يكره من النياحة على الميت (١٢٩١)، مسلم: المقدمة (٤).

ہے. جس کی ایک مشہور مثال سیرت کی کتابوں میں ملتی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے اندر چار بری خصلتیں موجود ہیں: ایک یہ کہ بدکاری کرتا ہوں، دوسرے یہ کہ چور ہوں، تیسرے یہ کہ شراب نوشی میری گھٹی میں پڑی ہے اور چوتھے یہ کہ جھوٹ بھی بولتا ہوں. ان میں سے جس ایک کا آپ حکم دیں میں اسے چھوڑ دیتا ہوں. رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جھوٹ بولنا چھوڑ دو''.

چنانچہ اس آدمی نے رسول اکرم ﷺ سے جھوٹ نہ بولنے کا اقرار کیا. جب رات آئی تو اسے شراب پینے کی خواہش ہوئی اور پھر بدکاری کے لیے آمادہ ہوا. یکا یک اس کے دل میں یہ بات آئی کہ جب رسول اکرم ﷺ صبح کو پوچھیں گے کہ تم نے شراب نوشی اور بدکاری کا ارتکاب کیا ہے تو میں کیا جواب دوں گا؟ اگر جواب دوں گا کہ شراب پی ہے اور زنا کیا ہے تو اس کی مجھے سخت سزا دی جائے گی اور جھوٹ بول دیا تو پھر بدعہدی ہوگی. اس خیال سے اس نے ان دونوں خبیث کاموں سے خود کو باز رکھا. جب خوب رات ہوگئی اور چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا تو چوری کے لیے گھر سے نکلنا چاہا. مگر اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ صبح اگر رسول اکرم ﷺ نے پوچھ تاچھ کی تو کیا جواب دوں گا؟ اگر اقرار کرلوں گا تو میرا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر انکار کردوں گا تو یہ بدعہدی ہوگی!! چنانچہ اس نے چوری کے ارتکاب سے بھی خود کو دور رکھا. صبح ہوئی تو رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جھوٹ نہ بولنے کی وجہ سے میرے اندر سے چاروں بری خصلتیں ختم ہوگئیں. رسول اکرم ﷺ کو اس بات سے بڑی خوشی ہوئی.

معلوم ہوا کہ جھوٹ ہر برائی کی جڑ اور سچائی ہر نیکی کی بنیاد ہے.

اللہ تعالیٰ اسلامی معاشرے سے جھوٹ ودغا بازی کو پوری طرح ختم کردے اور ہر چہار سو صداقت وحقانیت کا بول بالا کرے. آمین یا رب العالمین.

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل حاسدوں کے ساتھ

اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کو مال ودولت، علم وہنر، عزت وشہرت یا کوئی دینی ودنیوی خیر وبھلائی دے رکھی ہے تو ان چیزوں کو دیکھ کر اگر کسی دوسرے آدمی کے دل میں ان کے حصول کی خواہش ہوتو اس کو رشک کہتے ہیں، اور اگر کوئی ان چیزوں کے حصول کے لیے کوشش کرے تو یہ ایک مستحسن قدم ہے[1] لیکن اگر کوئی شخص ان چیزوں کو دوسروں کے پاس دیکھ کر جلے بھنے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان نعمتوں کے زوال کی تمنا کرے تو اسی کا نام 'حسد' ہے جو شریعت اسلامیہ میں سخت مذموم اور حرام ہے.

حسد یہود ونصاریٰ اور منافقین وکفار کا عمل ہے. جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو قرآن کریم کی نعمت سے نوازا تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس عظیم نعمت پر وہ لوگ جل بھن کر خاک ہو گئے.

قرآن کریم نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾.

''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے فضل وکرم سے جو نعمت دے رکھی ہے، اس پر یہ جلے مرتے ہیں اور حسد کرتے ہیں، (اور ان کی آخری خواہش یہی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت سے مسلمان محروم رہیں اور ان سے یہ نعمت کسی بھی طرح چھن جائے)''۔ [النساء:۵۴]

بلکہ اسلام سے مسلمانوں کو پھیرنے کی خواہش ان یہود ونصاریٰ کی فطرت میں شامل تھی. اس نعمت سے جب وہ مسلمانوں کو مالا مال دیکھتے تھے تو ان کے تن بدن میں حسد کی آگ بھڑک اٹھتی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کے حسد کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِنْ عِنْدِ

---

(۱) اس سلسلے میں صفحہ (۱۴۷) میں حاشیہ (۴) کے تحت مذکورہ حدیث پڑھ لیں۔

أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الحَقُّ﴾.

''ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہو جانے کے محض بغض وحسد کی بنا پر تمھیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں''۔ [البقرة:١٠٩]

یہ ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو اسلام اور اسلامی تعلیمات سے برگشتہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے دائمی عذاب کا مستحق بن چکے ہیں.لیکن ان لوگوں کے بارے میں کیا کہا جائے جو مسلم گھرانوں کے پروردہ ہیں، اتفاق سے ان کے ماں باپ نے ان کا نام بھی مسلمانوں جیسا رکھ دیا ہے مگر وہ حسد کی اس بھڑکتی آگ میں جل بھن کر راکھ ہوئے جاتے ہیں؟!

مسلم معاشرہ کی تنزلی کے جہاں کئی اسباب ہیں، ان میں حسد ایک بنیادی سبب ہے جو بدن میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت سے کم نہیں.ایک مسلمان کو آگے بڑھتے دیکھ کر دوسرا مسلمان جل بھن کر راکھ ہو جائے، یہ کون سی اسلامی تعلیم ہے؟ اکثر مسلم معاشروں میں دیکھا گیا ہے کہ حسد کی آگ میں لوگ اپنے ہی مسلمان بھائی کے بڑھتے قدم پر کلہاڑی مارنے پر تل جاتے ہیں اور ترقی کی منازل طے کرنے والے مسلم گھرانوں کو بدنام کرنے لگتے ہیں تاکہ وہ بھی ان حاسدین جیسے چھچھڑی اور گندی ذہنیت کے مالک بن جائیں.

وہ ممالک جہاں جمہوریت قائم ہے اور مسلمانوں کو بھی بظاہر دوسروں کی طرح مساوی حقوق حاصل ہیں، وہاں کے ان علاقوں کا معاینہ کر کے دیکھ لیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے. وہاں اگر ایک کامیاب مسلم لیڈر ووٹ کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو دوسرا مسلمان اس کے مقابل میں کھڑا ہو جاتا ہے؛ بلکہ اس کامیاب مسلم لیڈر کو ناکام بنانے کے لیے کئی کئی نا اہل مسلمان الیکشن میں حصہ لے لیتے ہیں جن کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ اس کامیاب مسلمان لیڈر کو ناکام بنا دیا جائے.نتیجتاً غیر قوم کا لیڈر کامیاب ہو کر مسلمانوں پر حکمرانی کرتا ہے اور اپنا من چاہا قانون نافذ کرتا ہے اور اس طرح غیر مسلموں کے احسان تلے مسلم امت دبی رہتی ہے!!

اگر سچ پوچھا جائے تو اس حسد کے جال میں پھنس کر بہت سارے مسلمانوں نے امت اسلامیہ کے بڑھتے قدم پر کلہاڑی مار مار کر اسلامی قوت کو کمزور بنایا ہے، اور آج مسلسل مسلم حاسدین کا یہ ناروا سلوک مسلم معاشرے کی زینت بنا ہوا ہے جس کا خمیازہ ہماری نسلیں صدیوں سے بھگت رہی ہیں اور آیندہ بھی بھگتیں گی.

رسول اکرم ﷺ نے مسلم معاشرے کی ترقی اور اصلاح کے لیے جن باتوں کی تعلیم دی ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے حسد کرنے سے کوسوں دور رہیں.

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَنَافَسُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَاناً كَمَا أَمَرَكُمْ، المُسْلِمُ أَخُو المُسْلِمِ لا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ، التَّقْوَى هٰهُنَا، التَّقْوَى هٰهُنَا، التَّقْوَى هٰهُنَا – وَأَشَارَ إِلَى صَدْرِهِ – بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ المُسْلِمَ، كُلُّ المُسْلِمِ عَلَى المُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَعِرْضُهُ وَمَالُهُ"(٢).

"تم لوگ بدگمانی سے پرہیز کرو، کیوں کہ بدگمانی بہت بری بات ہے، نہ تم کسی کا عیب سننے کے لیے پیچھے پڑو، نہ جاسوسی کرو (نہ برائی کی نیت سے خبروں کی تفتیش کرو)، نہ منافست کرو، نہ ایک دوسرے سے حسد کرو، نہ آپس میں ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ ہی ایک دوسرے کے خلاف سازش کرو. اللہ کے بندو! تم ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن جاؤ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے ذلیل کرتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر جانتا ہے، تقوی یہاں ہے، تقوی یہاں ہے، تقوی یہاں ہے- آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا- آدمی کے گنہ گار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقارت آمیز نگاہ سے دیکھے. ہر مسلمان

(٢) مسلم (٢٥٦٣)، بخاری (٦٠٦٤)، موطأ مالك (٢/ ٩٠٨)، أبو داود (٤٩١٧).

کا خون، اس کی عزت وآبرو اور اس کی دولت وجائداد دوسرے مسلمان پر حرام ہے (اور دوسرے مسلمان کو بھی اس کی حفاظت میں اپنے بھائی کا ہاتھ بٹانا واجب ہے)''.

نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد اور مسلم معاشرہ کا رویہ کس قدر متضاد ہے؟!!

پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ ایک حاسد حسد کی آگ میں جل بھن کر محسود کا کچھ بگاڑ سکے؛ بلکہ وہ خود ہی اس آتش کا ایندھن بنا رہتا ہے اور وہ خود ہی تباہ و برباد ہوتا ہے۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے:

اصْبِرْ عَلَى كَيْدِ الحَسُودِ　　　فَإِنَّ صَبْرَكَ قَاتِلُهُ

(حاسد کے مکر وفریب اور اس کے حسد پر صبر سے کام لو، کیوں کہ تمہارا صبر اس کا خون کر کے رہے گا).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''إِيَّاكُمْ وَالحَسَدَ فَإِنَّ الحَسَدَ يَأْكُلُ الحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الحَطَبَ''.

''حسد سے بچو، کیوں کہ حسد نیکیوں کو اسی طرح سے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو''(۳).

معلوم ہوا کہ حاسد خود ہی حسد کی آگ میں جل جل کر ڈھیر ساری مصیبتیں اپنے لیے مول لیتا ہے، محسود کا کچھ نہیں بگاڑ پاتا. پھر اگر کوئی کسی سے حسد کرتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت اور اس کی صحیح تقسیم پر قدغن لگاتا ہے، اور یہ اعلان کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم سے راضی نہیں اور -نعوذ باللہ- اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کی تقسیم میں غلطی کی ہے!!

تب ہی تو وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کے محسود سے زوال کا متمنی وخواہش مند رہتا ہے!!

حضرت زکریا علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مروی ہے:

''الحَاسِدُ عَدُوٌّ لِنِعْمَتِي مُتَسَخِّطٌ لِقَضَائِي غَيْرُ رَاضٍ بِقِسْمَتِي الَّتِي قَسَمْتُ بَيْنَ عِبَادِي''.

''حاسد میری نعمت کا دشمن اور میرے فیصلہ پر ناراض ہے، اور جو کچھ میں نے اپنے بندوں

(۳) أبو داود (۴۹۰۳) وابن ماجه عن أنس (۴۲۱۰)، شیخ البانی نے ضعیف کہا ہے.

کے لیے فیصلہ کر دیا ہے وہ اس سے خوش نہیں ہے''[4].

اب اگر کوئی شخص کسی ایسے آدمی کی نعمت کے زوال کا متمنی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نواز رکھا ہے، تو گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بے انصاف ٹھہرا کر اللہ تعالیٰ سے بغاوت مول لے رہا ہے، اور جو اللہ سے بغاوت مول لے اسے نہ تو زمین میں چین مل سکتا ہے نہ آسمان میں قرار! نہ دنیا ہی نصیب ہوگی اور نہ ہی آخرت!!

اس کے برعکس جو شخص ایک مسلمان کے خلاف اپنے دل میں کوئی غش نہ رکھے اور نہ ہی حسد کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سب سے عظیم نعمت یعنی جنت کا مستحق ہے. مندرجہ ذیل حدیث پڑھیے اور اپنا عمل بھی اسی کے مطابق بنائیے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''يَطْلُعُ عَلَيْكُمُ الآنَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ''.

''ابھی تمہارے سامنے ایک جنتی آدمی نمودار ہوگا''.

چنانچہ انصار کے ایک آدمی [سعد بن مالک] نمودار ہوئے جن کی داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا. انہوں نے اپنے جوتے بائیں ہاتھ میں اٹھا رکھے تھے.

دوسرے دن بھی نبی کریم ﷺ نے وہی بات فرمائی، یعنی ''ابھی تمہارے سامنے ایک جنتی نمودار ہونے والا ہے''. چنانچہ اس دن بھی وہی انصاری نمودار ہوئے جو گزشتہ دن نمودار ہوئے تھے اور آج بھی وہ پہلے ہی کی طرح جوتے ہاتھ میں اٹھائے ہوئے تھے.

جب تیسرا دن آیا تو نبی کریم ﷺ نے پھر وہی بات فرمائی کہ ''ابھی تمہارے سامنے ایک جنتی نمودار ہوگا''. چنانچہ اس تیسرے دن بھی وہی انصاری نمودار ہوئے اور اسی حالت میں

(٤) إحياء علوم الدين، للغزالي.

جیسے پہلے دن تھے (یعنی ان کی داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا اور اپنے جوتے بائیں ہاتھ میں اٹھا رکھے تھے).

جب رسول اکرم ﷺ اٹھ کر چل دیے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس انصاری صحابی کے پیچھے پیچھے لگ گئے اور ان سے عرض کیا: میں نے اپنے والد سے جھگڑا کر لیا ہے اور قسم کھا لیا ہے کہ میں تین دنوں تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا، اگر آپ چاہیں تو مجھے اپنے پاس تین دن قیام کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں. انہوں نے کہا: ٹھیک ہے.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ میں نے یہ تین راتیں اس انصاری کے ساتھ گزاریں، مگر میں نے دیکھا کہ وہ رات میں عبادت کے لیے تھوڑے سے وقت کے لیے بھی بیدار نہیں ہوئے. ہاں میں نے یہ ضرور دیکھا کہ جب بھی ان کی نیند ٹوٹتی اور جب بھی اپنے بستر پر کروٹیں بدلتے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور تکبیر کہتے تا آں کہ فجر کی نماز کے لیے بیدار ہوتے. میں نے ایک بات یہ بھی دیکھی کہ وہ اپنی زبان سے کوئی بھلی بات ہی نکالتے تھے. جب میں نے تین راتیں ان کے ساتھ گزار لیں اور میرے دل میں ان کا کوئی عمل بڑا معلوم نہیں ہوا تو میں نے کہا: اے عبداللہ! میرے اور میرے والد کے درمیان کسی قسم کی ناراضگی اور لڑائی نہیں تھی؛ البتہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تین دنوں تک یہ فرماتے ہوئے سنا:

"يَطْلُعُ عَلَيْكُمُ الآنَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ".

"ابھی تمہارے سامنے ایک جنتی شخص نمودار ہوگا".

چنانچہ تینوں دفعہ آپ ہی نمودار ہوئے. لہٰذا میری خواہش ہوئی کہ آپ کے پاس رہ کر دیکھوں کہ آخر وہ کون سا عمل آپ بجا لاتے ہیں (جو میں نہیں کرتا) جسے میں اپنا سکوں. لیکن میں نے دیکھا کہ آپ کوئی زیادہ عمل نہیں کرتے، پھر وہ کیا بات ہے جس کی بنیاد پر رسول اکرم

ﷺ نے آپ کے متعلق یہ بات فرمائی ہے؟

انصاری صحابی نے فرمایا: عمل تو صرف اتنا ہی ہے جو کہ آپ نے دیکھا.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں ان کے پاس سے واپسی کے لیے مڑا تو انہوں نے مجھے آواز دے کر بلایا اور فرمایا:

"مَا هُوَ إِلَّا مَا رَأَيْتَ غَيْرَ أَنِّي لَا أَجِدُ فِي نَفْسِي لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ غِشًّا وَلَا أَحْسُدُ أَحَداً عَلَى خَيْرٍ أَعْطَاهُ اللَّهُ إِيَّاهُ".

"عمل تو وہی ہے جو آپ نے دیکھا؛ البتہ اس کے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ میرے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کوئی غش نہیں ہے اور نہ ہی میں کسی آدمی سے اس بھلائی پر حسد کرتا ہوں جس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے".

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر عرض کیا:

"هَذِهِ الَّتِي بَلَغَتْ بِكَ وَهِيَ الَّتِي لَا نُطِيقُ".

"یہی وہ صفت ہے جو آپ کو اس درجہ تک لائی ہے اور یہی وہ خصلت ہے جس کو اپنانے کی ہم میں طاقت نہیں"(۵).

اندازہ کیجیے کہ کسی مسلمان کے ساتھ دھوکہ نہ دینا اور اس سے حسد نہ کرنا کس قدر عظیم نیکی کا باعث ہے!!

(۵) مسند أحمد (۳/ ۱٦٦، ۳٥٦)، حافظ عراقی تخریج الإحیاء (۳/ ۱۸۷) میں کہتے ہیں کہ احمد نے اسے شیخین کی شرط کے مطابق صحیح سند سے روایت کیا ہے.

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل چوروں کے ساتھ

عادات مذمومہ میں سے ایک مذموم عادت چوری بھی ہے، چوری کی جس کو لت لگ جاتی ہے وہ دوسروں کے ہی اموال پر نگاہ رکھتا ہے اور خود محنت کر کے روزی کمانے سے پیچھے بھاگتا ہے. چوں کہ کسی بھی سوسائٹی میں اگر چوری، ڈکیتی اور رہزنی کی شکایات عام ہو جائیں تو پھر وہاں کا ہر آدمی جو محنت سے اپنی آمدنی کے ذرائع پیدا کرتا ہے، خوفزدہ رہے گا اور اسے اپنی ترقی برقرار رکھنے کے لیے لا محالہ چوروں کی جیب گرم کرنی پڑے گی. پھر یہ سلسلہ سماج کے افراد کے اندر محنت کی تگ ودو کو مفقود کر دے گا، اور اکثر لوگ اس کو پیشہ سمجھ کر اپنا لیں گے جس کی وجہ سے خون خرابہ ہوگا، ناحق جانیں جائیں گی اور زمین فتنہ وفساد سے بھر جائے گی.

اسی لیے دنیا کی تمام حکومتوں نے اپنے دستور عمل میں چوری ڈکیتی کو ایک سخت جرم قرار دیا ہے اور کئی کئی ماہ کی سزائے قید رکھی ہے. لیکن پوری دنیا میں کسی بھی حکومت نے وہ قانون چوروں پر نافذ نہیں کیا جو اسلام نے بتلایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے خود ساختہ قوانین ان کے اپنے عوام کو اس بڑے جرم کے ارتکاب سے باز رکھنے میں زیادہ کامیاب نہ ہو سکے. آج دنیا میں امن وامان کا جھنڈا گاڑنے کے لیے امریکہ بہت زور شور کرتا ہے اور میڈیا کے ذریعہ یہ جھوٹا دعوی کرتا رہتا ہے کہ وہ امن وامان کا پیغام دینے کے لیے ملکوں کا دورہ کرتا اور انہیں اپنے ہتھیار سے سبق سکھلاتا ہے، لیکن خود امریکہ چوروں کا اڈہ بنا ہوا ہے.

امریکی اخبار لاس اینجلس ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق ہر چار سیکنڈ کے بعد وہاں چوری کی عام واردات ہوتی ہے، ۱۲/ سیکنڈ کے بعد نقب زنی اور ہر ۲۰/ سیکنڈ کے بعد سائیکل چوری کی واردات ہوتی ہے. رپورٹ کے مطابق ہر امریکی جب اپنے گھر سے نکلتا ہے تو وہ ذہنی طور پر تیار ہوتا ہے کہ اسے کسی بھی موڑ پر لوٹ لیا جائے گا، کیوں کہ مزاحمت کرنا جان کو خطرے میں

ڈالنے کے مترادف ہے[1].

اسی طرح پوری دنیا میں نہ جانے چوری کی کتنی وارداتیں ہوتی ہیں. دنیا کا کوئی بھی اخبار ایسا نہیں ہے، جس میں روزانہ چوری اور ساتھ میں سینہ زوری کی خبریں نہ چھپتی ہوں؛ بلکہ چوری کی وارداتیں اخبارات کا اب لازمی جزء ہیں، ان کے علاوہ بھی اور بہت ساری چوریاں ہوتی ہیں جن کی خبریں اخبارات میں نہیں چھپتیں.

لوگوں میں چوری کے بڑھتے رجحان کا سبب آخر کیا ہے؟ جبکہ دنیا کی ساری حکومتوں نے چوری کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے سزائیں اور قوانین مرتب کر رکھی ہیں اور جگہ جگہ چوروں کو سزائیں دینے کے لیے جیل خانے بھی بنے ہوئے ہیں؟

درحقیقت حکومتوں نے اس فطری قانون کو اپنے دستور العمل میں جگہ نہیں دی جس سے چوری کا مکمل انسداد ہو سکے، اور اگر ان کے پاس چوری کی کوئی سستی سزا ہے بھی تو اس کو وہ رشوت بازاری کے سبب نافذ نہیں کر پاتیں!!

چوں کہ شریعت اسلامیہ کا سوسائٹی کے امن کی بحالی میں اہم کردار ہے، اس لیے اس نے چوری کی سخت سزا مرتب کی ہے؛ تا کہ اسلامی معاشرہ بالکل امن وامان کا گہوارہ ہو. چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿ السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾

''چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو، یہ بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے کیا، عذاب اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ قوت وحکمت والا ہے''۔[المائدۃ: ۳۸]

رسول اکرم ﷺ کے پاس جو مرد اور عورتیں بیعت کرنے آتی تھیں، ان سے جن باتوں کی آپ ﷺ بیعت لیتے، ان میں ایک یہ بھی تھی کہ ''تم چوری نہیں کرو گی''.

(۱) نوائے وقت ۳/ جنوری ۱۹۹۶.

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے چوروں کا بطور سزا ہاتھ کاٹا ہے.

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں اپنی چادر کو تکیہ بنا کر سو رہا تھا جس کی قیمت تیس درہم تھی، اتنے میں ایک آدمی آیا اور چالاکی سے اسے اچک لیا. اسے پکڑ کر جب رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا. میں نے عرض کیا: کیا آپ ﷺ اس کا ہاتھ صرف تیس درہم کے عوض کاٹیں گے؟ میں اس سے اپنی چادر بیچ رہا ہوں اور قیمت اسی کے ذمہ چھوڑتا ہوں. آپ ﷺ نے فرمایا:

"فَهَلَّا كَانَ هَذَا قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَنِي بِهِ؟".

"اسے میری خدمت میں پیش کرنے سے پہلے ہی کیوں نہ یہ معاملہ کر لیا؟"(۲).

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں ایک عورت نے چوری کا ارتکاب کیا. جن کی چوری کی تھی وہ لوگ اس کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور کہا: اے اللہ کے رسول! اس نے ہمارا سامان چوری کیا ہے. عورت کی قوم کے لوگوں نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم اس کی چوری کے بدلہ میں فدیہ دینے کو تیار ہیں. لیکن رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اقْطَعُوا يَدَهَا". "اس کا ہاتھ کاٹ دو".

انہوں نے پھر کہا: ہم فدیہ کے طور پر پانچ سو درہم دینے کو تیار ہیں.

آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کا ہاتھ کاٹ دو".

چنانچہ اس عورت کا داہنا ہاتھ کاٹ دیا گیا(۳).

نبی کریم ﷺ نے چوری کرنے والوں کی سزا میں سفارش کرنے والوں کا بھی سخت نوٹس لیا ہے اور حدود الٰہی میں کسی بھی قسم کی سفارش کو حرام قرار دیا ہے. حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے

(۲) [صحيح] أبو داود: الحدود/ من سرق من حرز، باب: ١٥/ رقم ٤٣٩٤.

(۳) أحمد (٢/ ١٧٨)، مجمع الزوائد (٦/ ٢٨٦)، احمد شاکر نے کہا ہے: إسناده صحيح.

مروی ہے کہ ایک مخزومی عورت نے چوری کا ارتکاب کیا تو قریش کو اس کے بارے میں سخت پریشانی لاحق ہوئی (کیوں کہ وہ بڑے گھرانے کی تھی، اور ہاتھ کٹنے کا سوال تھا)(۴)۔

چنانچہ قریش نے کہا:

''مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ يَجْتَرِىءُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ حِبُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟''

''اس عورت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سفارش کی جرأت آپ ﷺ کے محبوب اور چہیتے اسامہ کے علاوہ کون کرسکتا ہے؟''۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس قریشی عورت کے بارے میں سفارش کی تو آپ نے فرمایا:

''يَا أُسَامَةُ! أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ؟''۔

''اسامہ! تم اللہ کی حدود میں سفارش کرنے آئے ہو؟''۔

پھر آپ نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''إِنَّمَا هَلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الحَدَّ، وَأَيْمُ اللَّهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا''۔

''تم سے پہلے قومیں اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ ان میں سے جب کوئی معزز آدمی چوری کا

(٤) حالانکہ زمانۂ جاہلیت میں سب سے پہلے چور کا ہاتھ کاٹنے والے یہ قریش ہی تھے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''يُقَالُ: إِنَّ أَوَّلَ مَنْ قَطَعَ الأَيْدِىَ فِي الجَاهِلِيَّةِ قُرَيْشٌ، قَطَعُوا رَجُلاً يُقَالُ لَهُ: دُوَيْكٌ، كَانَ قَدْ سَرَقَ كَنْزَ الكَعْبَةِ''۔

''کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں جن لوگوں نے ہاتھ کاٹا وہ قریش ہیں، انہوں نے 'دویک' نامی آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا تھا جس نے کعبہ کا خزانہ چوری کیا تھا''۔ [تفسیر ابن کثیر ۳/ ۱۱۶۸]

ارتکاب کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے، اللہ کی قسم! اگر محمد کی صاحبزادی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں گا"۔(۵)

اب رہا سوال کہ آخر چوری کی کیا مقدار ہوگی جس پر چور کا ہاتھ کاٹیں گے اور ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے گا؟

محدثین کرام کے نزدیک ربعِ دینار یا تین درہم (یا ان کی مساوی قیمت) ہے، اس سے کم چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اسی طرح ہاتھ رسغ (پہنچوں) سے کاٹے جائیں گے، کہنی یا کندھے سے نہیں. لیکن اگر چور بار بار چوری کا ارتکاب کرے اور ہر بار سزائیں پانے کے باوجود بھی وہ اپنی حرکت پر بدستور قائم رہے تو پھر اس کو قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ ابو داود میں جابر بن عبداللہ کی ایک روایت ہے کہ ایک آدمی نے چار مرتبہ چوری کا ارتکاب کیا اور ہر مرتبہ اس کو ہاتھ کاٹنے کی سزا ملتی رہی مگر پانچویں مرتبہ بھی چوری میں پکڑا گیا تو رسول اکرم ﷺ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا:

"فَانْطَلَقْنَا بِهِ فَقَتَلْنَاهُ ثُمَّ اجْتَرَرْنَاهُ فَأَلْقَيْنَاهُ فِي بِئْرٍ وَرَمَيْنَا عَلَيْهِ الحِجَارَةَ"۔(۶)

"چنانچہ ہم نے چور کو لے جا کر قتل کر دیا اور اسے کھینچ کر کنویں میں ڈال دیا اور پتھر پھینک کر اسے بھر دیا"۔

یہ تو دنیوی سزا ہے مگر جو اس سزا سے بچ نکلتے ہیں ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے. ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نماز میں مصروف تھے کہ عین نماز کی حالت میں آپ کو جنت اور جہنم دکھلائی گئی. نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۵) أبو داود: الحدود/ في الحد يشفع فيه (٤/ ٤٣٧٣)، بخاري (٦٧٨٨)، مسلم (١٦٨٨).

(٦) [حسن] أبو داود: الحدود/ في السارق يسرق مراراً (٤٤١٠).

"میں نے جہنم میں اس آدمی کو بھی دیکھا جو اپنی آنکڑی سے حاجیوں کا سامان چرا لیتا تھا اور اگر مالک ہوشیار ہو جاتا تو کہہ دیتا تھا کہ اتفاق سے اس میں پھنس کر چلا آیا ہے اور اگر بے خبر رہتا تو لے جاتا تھا، میں نے اس کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹتا پھرتا تھا"(۷).

مذکورہ کلام سے معلوم ہو گیا کہ رسول اکرم ﷺ چوروں کے ساتھ کیا طرز عمل اپناتے تھے.

سچی بات یہی ہے کہ چوروں کے متعلق رسول اکرم ﷺ نے جو سزا متعین کی ہے، اگر دنیا کی حکومتیں اسی سزا کو قانونی حیثیت سے اختیار کر لیں تو ان کے ملکوں میں چوری کی واردات بالکل نہیں ہوگی. یہ قانون پوری دنیا میں صرف سعودی عرب میں نافذ ہے جس کا نتیجہ بہت ہی اچھا تھا، مگر چند سالوں سے یہاں بھی چوری کی واردات زیادہ ہونے لگی ہے جس کا سبب بھی نفاذ شریعت میں سستی ہے. ورنہ جو بھی حکومت چوروں کے ساتھ وہی طرز عمل اپنائے گی جو رسول اکرم ﷺ نے اپنایا ہے، تو بلا شبہ اس حکومت میں امن وامان کا ایسا بول بالا ہوگا جس کی مثال خلیفہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ حکومت میں ہی نظر آتی ہے!!

(۷) مسلم: الكسوف/ ما عرض على النبي ﷺ في صلاة الكسوف من أمر الجنة والنار (۹۰٤).

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل شرابیوں کے ساتھ

شراب نوشی کی مذمت دنیا کی ساری ہی قوموں میں بیان کی گئی ہے، لیکن اسے کلی طور پر حرام قرار دینے والا مذہب صرف اسلام ہے. کیوں کہ شراب نوشی کی عادت قبیحہ اگر کسی کو لگ جائے تو پھر اس سے دنیا کی ساری ہی برائیاں سرزد ہو سکتی ہیں. ابو درداء رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

"أَوْصَانِي خَلِيْلِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ".

میرے خلیل ﷺ نے مجھے نصیحت فرمائی ہے کہ شراب مت پینا کیوں کہ یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے"(۱).

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں شراب کو گناہوں کا مجموعہ بتایا گیا ہے:

"اَلْخَمْرُ جِمَاعُ الإِثْمِ وَالنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّيْطَانِ وَحُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ".

"شراب تمام گناہوں کا مجموعہ ہے، عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں اور دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے"(۲).

اسلام سے قبل شراب عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، شراب پینا پلانا اچھے اچھے گھرانوں میں لطف وتفریح کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، بیویاں شوہروں کو اور چھوٹے بچے اپنے بزرگوں کو اپنے ہاتھوں سے پلاتے تھے اور اسے شان وعزت سمجھا جاتا تھا، شراب پی کر جوش میں آجاتے تو بلا جھجک زندہ اونٹنیوں کا گوشت کاٹ ڈالتے اور لوگوں کو کھلاتے چلے جاتے، اور انہیں یہ بھی پرواہ نہیں ہوتی کہ جن جانوروں کو وہ زخمی کر رہے ہیں وہ ان کے ہیں یا کسی اور کے(۳)!! شراب کے رواج عام کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ عربی زبان میں شراب کے ڈھائی سو نام

(۱) [صحیح] ابن ماجه: الأشربة/ الخمر مفتاح كل شر (۳۳۷۱)، نیز دیکھئے: حاکم (۱٤٥/٤).

(۲) الترغيب والترهيب للمنذری (۳۶۰۹)، بيت الأفكار الدولية.

(۳) مفصل حدیث پڑھئے: بخاری (۳۰۹۱)، مسلم (۱۹۷۹) میں.

ہیں اور علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے صرف ان ناموں پر مستقل ایک کتاب ہی لکھ ڈالی ہے.

ایسی صورت میں یک بیک شراب کو حرام قرار دینا ایک غیر منطقی بات تھی؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمت کے ساتھ تین قسطوں میں اس کی قطعی حرمت فرمائی. شراب کی حرمت کے سلسلہ میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَسْئَلُونَكَ عَنِ الخَمْرِ وَالمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا﴾

''لوگ آپ (ﷺ) سے شراب اور جوا کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ اور لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں، اور ان کے گناہ ان کے فائدے سے زیادہ بڑے ہیں''۔ [البقرۃ: ۲۱۹]

پھر اس کے بعد سورۃ النساء کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾

''اے ایمان والو! جب تم نشے میں مست ہو تو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ، جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو''۔ [النساء: ۴۳]

اس آیت کے نزول کے بعد جب نماز کے لیے اقامت کہی جاتی تو رسول اکرم ﷺ کا منادی یہ اعلان کرتا:

''أَلَا لَا يَقْرَبَنَّ الصَّلَاةَ سَكْرَانُ''.

''نشہ میں چور اور مدہوش آدمی ہرگز ہرگز نماز کے قریب نہ آئے''.

اس کے بعد شراب کی قطعی حرمت کے سلسلے میں یہ آخری آیات نازل ہوئیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الخَمْرُ وَالمَيْسِرُ وَالأَنْصَابُ وَالأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ، إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ العَدَاوَةَ وَالبَغْضَاءَ فِي الخَمْرِ وَالمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾

''اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں، ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو. شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کرا دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے سو اب بھی باز آ جاؤ''۔[المائدۃ: ۹۰-۹۱](۴).

شریعت اسلامیہ میں شراب کا پینا پلانا، بیچنا خریدنا اور بنانا سب حرام ہے. حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لَعَنَ اللّٰهُ الخَمْرَ وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَ مُعتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ''.

''شراب پر، اس کی خرید وفروخت کرنے والے پر، اس کو نچوڑنے و نچوڑوانے والے پر، اس کو اٹھانے والے پر اور جس کے پاس اٹھا کر لے جائی جائے اس پر (غرض جو بھی شراب کے معاملہ میں کچھ بھی تعاون کرے ان سب پر) اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے''(۵).

شراب پینا پلانا تو کجا، اس سے علاج کرنا بھی شرعاً حرام ہے. طارق بن سُوید جُعفی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے شراب کے استعمال کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے انہیں منع فرمایا. انہوں نے عرض کیا:

''إِنَّمَا أَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ''.

''میں تو اسے بطور دوا استعمال کروں گا''.

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ لَكِنَّهُ دَاءٌ''.

---

(٤) [صحيح] أبو داود: الأشربة/ في تحريم الخمر (٣٦٧٠)، ابن ماجه (٣٤٠٩).

(٥) [صحيح] أبو داود: الأشربة، العنب يُعصر.. (٣٦٧٤)، ابن ماجه (٣٣٨٠)، ترمذی (١٢٩٥).

''یہ دوا نہیں بلکہ یہ خود بیماری ہے''(٦).

رسول اکرم ﷺ نے ''كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ'' (ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے) فرما کر شراب کی ہر قسم کو حرام قرار دیا ہے. اب اگر اسلام میں شراب کی حرمت کے بعد کوئی شخص شراب نوشی کرتا ہے تو وہ رسول اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق حد کا مستحق ہے. رسول اکرم ﷺ نے شرابیوں کے اوپر حد جاری کی ہے، لیکن اس حد کی حد بھی متعین کی ہے. اگر کوئی آدمی شراب کا عادی ہو جائے اور بار بار شراب نوشی کرے تو پھر اسے قتل کی سزا دی جائے گی. ایک، دو، تین مرتبہ پینے پر حد جاری ہو گی لیکن چوتھی مرتبہ اس کی سزا قتل ہے.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اگر کوئی شراب پیئے تو اس کو کوڑے لگاؤ لیکن اگر چوتھی دفعہ وہ شراب نوشی کر بیٹھے تو اس کو قتل کر دو''(٧).

نیز اگر کوئی نشہ آور اشیاء کے استعمال کو ترک نہ کرے تو اس سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے. چنانچہ حضرت دَیلم حمیری کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! ہم ایک سرد علاقہ میں رہتے ہیں جہاں ہمیں کافی محنت ومشقت کرنی پڑتی ہے، اس لیے ہم گندم کا جوس بنا کر پیتے ہیں تاکہ چستی کے ساتھ کام انجام دے سکیں اور اپنے علاقہ کی سخت سردی سے نمٹ سکیں. رسول اکرم ﷺ نے پوچھا:

''هَلْ يُسْكِرُ؟''. ''کیا یہ جوس نشہ آور ہے؟''.

میں نے جواب دیا: ہاں.

آپ ﷺ نے فرمایا: ''فَإِنْ لَمْ يَتْرُكُوهُ فَقَاتِلُوهُمْ''(٨).

---

(٦) مسلم: الأشربة/ تحريم التداوي بالخمر (١٩٨٤).

(٧) [حسن صحيح] أبو داود/ إذا تتابع في شرب الخمر (٤٤٨٤).

(٨) [صحيح] أبو داود: الأشربة/ النهي عن المسكر (٣٦٨٣).

''اگر وہ لوگ یہ نشہ آور جوس پینے سے باز نہ آئیں تو پھر ان سے جنگ کرو''.

نبی کریم ﷺ کی نگاہ میں شرابی اس قدر ذلیل تھا کہ جب کبھی کوئی آدمی شراب پی کر مدہوش ہو جاتا اور اس کو پکڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا تو آپ اس کی پٹائی کرنے کا حکم فرماتے اور جو آدمی موجود ہوتا وہ بھی اسے جوتا چپل، لاٹھی ڈنڈا غرض جس سے چاہتا اس سے مارتا. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پکڑ کر لایا گیا جو شراب پی کر بدمست تھا. آپ ﷺ نے اس کی پٹائی کرنے کا حکم دیا:

''فَمِنَّا مَنْ يَضْرِبُهُ بِيَدِهِ وَمِنَّا مَنْ يَضْرِبُهُ بِنَعْلِهِ وَمِنَّامَنْ يَضْرِبُهُ بِثَوْبِهِ''.

''چنانچہ ہم میں سے کوئی اسے تھپڑ سے مار رہا تھا، کوئی جوتا چپل سے اس کی مرمت کر رہا تھا اور کوئی کپڑا لپیٹ کر اس کو پیٹ رہا تھا''.

جب وہ واپس ہوا تو ایک آدمی نے کہا: اسے کیا ہو گیا ہے کہ شراب پیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو غارت کرے.

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''لاَ تَكُونُوْا عَوْنَ الشَّيْطَانَ عَلَى أَخِيْكُمْ''.

''تم لوگ اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو''(۹).

حضرت عبدالرحمٰن بن ازہر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے فتح مکہ کے موقع پر دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک شرابی پکڑ کر لایا گیا. آپ ﷺ نے لوگوں کو اس کی خیریت لینے کا حکم دیا. چنانچہ لوگوں نے اس کو مارنا شروع کیا، کوئی کوڑا سے اس کی پٹائی کر رہا تھا، کوئی لاٹھی سے اسے مار رہا تھا اور کوئی جوتا سے اس کی مرمت کر رہا تھا، پھر نبی کریم ﷺ نے مٹی اٹھا کر اس کے منہ میں جھونک دیا (تا کہ وہ ذلیل ورسوا ہو)(۱۰).

(۹) بخاری: الحدود/ ما یکرہ من لعن شارب الخمر (٦٧٨١).

(۱۰) [حسن] أبو داود: الحدود/ إذا تتابع فی شرب الخمر (٤٤٨٩).

رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں شرابی کی یہی سزا تھی کہ لوگ جوتا چپل، تھپڑ وغیرہ سے اس کی مرمت کرتے. لیکن حضرت ابو بکر کے عہد خلافت میں اس کی سزا چالیس کوڑا مقرر ہوئی؛ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے آخر میں جب شراب نوشی کی کثرت ہوگئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے شرابیوں کو اَسی اَسی (۸۰) کوڑے لگائے. حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں چالیس کوڑے بھی لگائے اور اَسی (۸۰) کوڑے بھی. لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اسی کوڑا برقرار رکھا(۱۱).

شرابیوں کو دنیا میں ذلت بھری سزا تو ہے ہی، آخرت میں بھی انہیں ذلیل ورسوا کیا جائے گا اور انہیں جہنمیوں کا پیپ پینے کو دیا جائے گا. رسول اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

"جو کوئی شراب سے مدہوش ہو کر چار مرتبہ نماز ترک کر دے تو اللہ تعالیٰ کو حق بن جاتا ہے کہ وہ اسے طینۃ الخبال پلائے".

صحابہ کرام نے پوچھا: یہ طینة الخبال کیا ہے اے اللہ کے رسول؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

"عُصَارةُ أَهْلِ جَهَنَّمَ". "جہنمیوں کا پیپ"(۱۲).

رسول اکرم ﷺ کو شراب سے اس قدر نفرت تھی کہ آپ نے شرابیوں کے دستر خوان پر بیٹھنے سے بھی منع فرمایا. حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلاَ يَقْعُدْ عَلَى مَائِدَةٍ يُشْرَبُ عَلَيْهَا الخَمْرُ".

"جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اس دستر خوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب نوشی ہوتی ہے"(۱۳).

---

(۱۱) [صحيح] أبو داود (٤٤٨٨).

(۱۲) الترغيب (٣٦٣٨)، امام منذری کہتے ہیں: رواه الحاكم (١٤٦/٤) وقال: صحيح الإسناد.

(۱۳) [حسن] دارمی (١٥٣/٢) رقم (٢٠٩٢) مستدرك حاكم (٢٨٨/٤).

درحقیقت یہ شراب ایسی بری چیز ہے جس کے نشہ میں آنے کے بعد آدمی کوئی بھی بری حرکت کرسکتا ہے؛ اسی لیے شراب کو ساری برائیوں کی جڑ بتایا گیا ہے. حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"اجْتَنِبُوا الْخَمْرَ فَإِنَّهَا أُمُّ الْخَبَائِثِ".

"شراب سے بچو کیوں کہ یہ تمام گناہوں کی ماں ہے".

نیز آپ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

"تم سے پہلے لوگوں میں ایک عبادت گزار آدمی تھا، ایک بدکار حسین وجمیل عورت اس کے عشق میں مبتلا ہوگئی؛ چنانچہ اس نے اپنی لونڈی کو عبادت گزار کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ عابد کو گواہی کا بہانہ بنا کر بلا لائے، جب عابد لونڈی کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو لونڈی ایک ایک دروازہ بند کرتی گئی یہاں تک کہ وہ عابد اس حسین وجمیل عورت کے پاس پہنچ گیا، عورت کے پاس ایک لڑکا تھا اور شراب کا ایک مٹکا رکھا ہوا تھا. عورت نے عابد سے کہا: میں نے آپ کو کسی گواہی کے لیے نہیں بلایا ہے بلکہ میں نے اس لیے آپ کو اپنے پاس بلایا ہے تاکہ آپ یا تو مجھ سے ہم بستری کریں، یا یہ شراب پئیں، یا اس بچہ کو قتل کریں. عابد نے کہا: مجھے ایک گلاس شراب ہی پلا دو، چنانچہ عورت نے ایک جام پلا دیا. ایک گلاس کا نشہ جب چڑھا تو دوسرا گلاس خود ہی طلب کیا. پھر کیا تھا عابد صاحب نشہ میں بدمست ہو گئے اور اس عورت سے ہم بستری بھی کی اور اس کے بعد اس بچہ کو بھی جان سے مار ڈالا"(۱۴).

دیکھا آپ نے کہ ایک عابد وزاہد اور شب زندہ دار نے شراب پی کر صرف ایک غلطی کی لیکن اس کے نشہ میں کتنی برائیاں کر بیٹھا؟ یقیناً شرابی ہر وہ برا قدم اٹھا سکتا ہے جس کا ارتکاب دوسرے حرام فعل کا ارتکاب کرنے والے بھی کبھی نہیں کر سکتے. آج بھی شرابیوں کی ایسی ایسی

(١٤) [صحيح موقوف] نسائی: الأشربة/ ذكر الآثام المتولّدة عن شرب الخمر (٥٦٦٦).

داستانیں سننے میں آتی ہیں کہ انہیں سن کر ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں. اخبار اردو نیوز جدہ (۲۶/ اپریل ۲۰۰۲ء) نے منشیات کے عادی ایک درندہ صفت باپ کے متعلق ایک رپورٹ شائع کی تھی جس نے اپنے مکروہ مقاصد کے لیے اپنی ہی بیٹیوں کی زندگی اجیرن بنا رکھی تھی اور اپنی پھول سی نو جوان بچیوں پر دست درازی کرتا رہا تھا(۱۵).

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ جب سے لوگوں نے شراب وکباب کا مزہ چکھا ہے اس وقت سے اس قسم کے مجرمین پیدا ہوتے رہے ہیں. شہاب الدین بن محمد ابشیھی کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں جن لوگوں نے اپنے اوپر شراب حرام کرلیا تھا ان میں قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ بھی ہیں. ایک رات وہ شراب پی کر مدہوش ہو گئے اور اپنی ہی بیٹی یا بہن پر دست درازی کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بھاگ کھڑی ہوئی. صبح ہوئی تو ان سے ان کے قبیح جرم کی حقیقت بتائی گئی؛ چنانچہ انہوں نے اپنے اوپر ہمیشہ کے لیے شراب حرام کرلیا(۱۶).

دراصل شرابیوں سے اپنی ہی عزت محفوظ نہیں رہتی؛ چہ جائیکہ ان سے دیگر سماجی خواتین کی عزت کے تحفظ کی امید لگائی جا سکے. اسی لیے کسی عرب شاعر نے کہا ہے:

وَكُلُّ أُنَاسٍ يَحْفَظُونَ حَرِيمَهُم   وَلَيْسَ لأَصْحَابِ النَّبِيذِ حَرِيمُ

''ہر آدمی اپنی محارم (خواتین) کی (عزت وآبرو کی) حفاظت کرتا ہے، لیکن شرابیوں کی کوئی محرم خاتون نہیں (کیوں کہ بدمستی میں اسے محرم اور غیر محرم میں کوئی فرق ہی نہیں معلوم ہوتا)''.

فَإِنْ قُلْتُ هَذَا لَمْ أَقُلْ عَنْ جَهَالَةٍ   وَلَكِنَّنِي بالفَاسِقِينَ عَلِيمُ

''میں نے جو کچھ کہا ہے، وہ کسی جہالت یا لاعلمی کی بنیاد پر نہیں کہا ہے، بلکہ میں فاسق شرابیوں کو بخوبی جانتا ہوں (جنھوں نے اپنی ہی محارم خواتین پر دست درازیاں کی ہیں)''.

---

(۱۵) اس کی تفصیلی رپورٹ کے لیے دیکھئے ناچیز کی کتاب ''غیرت کا فقدان اور اس کا علاج'' (ص ۲۲۶)، دوسرا ایڈیشن.

(۱٦) المستطرف (٤٧٠)، موسوعة نضرة النعيم (١٠/٤٧٠٧)، أسد الغابة (٤/٤١٢).

شرابی گناہوں میں لت پت تو ہوتا ہی ہے، غلاظتوں میں بھی وہ برابر لت پت رہتا ہے. آپ دیکھیں گے کہ اسٹیشنوں، چوراہوں، بس اسٹنڈ اور پلیٹ فارموں پر شرابی بدمست ہو کر پڑے رہتے ہیں. کوئی ننگے پڑا رہتا ہے، کوئی پاخانہ کو ہاتھ لگا رہا ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ.

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا گزر ایک شرابی کے پاس سے ہوا جو مدہوش پڑا تھا اور گندگی اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اپنے منہ کے قریب کرتا تھا(۱۷).

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک مدہوش شرابی کے پاس سے میرا گزر ہوا جو پیشاب کر رہا تھا اور اس سے اپنا ہاتھ دھو رہا تھا جیسے کوئی وضو کرتا ہے اور کہہ رہا تھا:

"اَلحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِی جَعَلَ الإِسْلَامَ نُوراً وَالمَاءَ طَهُوراً"(۱۸).

"بڑی تعریف والا ہے وہ اللہ جس نے اسلام کو نور اور پانی کو پاک کرنے والا بنایا ہے".

اور شہاب الدین بن محمد ابشیہی کہتے ہیں:

ایک بدمست شرابی راستہ میں پڑا ہوا تھا، ایک کتا آیا اور اس کا ہونٹ چاٹنے لگا. وہ بولا:

"خَدَمَکَ بَنُوکَ وَلَا عَدِمُوکَ".

"تیرے بچوں نے تیری خدمت کی، تجھے یوں ہی نہیں چھوڑ دیا".

پھر کتے نے اس کے منہ میں پیشاب کر دیا تو وہ شرابی کہنے لگا

"مَاءٌ حَارٌّ أَیْضاً بَارَکَ اللَّهُ فِیکَ".

"واہ! کیا گرم گرم پانی ہے، اور اور، اللہ تجھے برکت سے نوازے"(۱۹).

دنیا میں شرابیوں کا یہ حال تو آپ دیکھتے ہی ہیں جو گندی نالی کے کیڑوں کی طرح رہتے ہیں، آخرت میں ان کی ذلت کے متعلق صرف یہ حدیث سنیے.

(۱۷) الدلائل الواضحات علی تحریم المسکرات والمفترات للشیخ حمود التویجری (۸۸).

(۱۸) أیضاً (۸۸).

(۱۹) المستطرف فی کل فن مستظرف (۴۷۱).

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''شرابی کو نہر غوطہ سے پلایا جائے گا''.

پوچھا گیا: نہر غوطہ کیا ہے؟ فرمایا:

''نَهْرٌ يَجْرِي مِنْ فُرُوجِ الْمُومِسَاتِ يُؤْذِي أَهْلَ النَّارِ رِيحُ فُرُوجِهِمْ''.

''ایک نہر ہے جو بدکار عورتوں کی شرمگاہوں سے بہتی ہے اور ان کی شرم گاہوں کی سخت بدبو جہنمیوں کو بھی ایذا پہنچائے گی''[۲۰].

اب ذرا غور کریں کہ یہ شرابی کتنے ذلیل ورسوا اور احمق لوگ ہیں کہ اپنی ہی دولت خرچ کر کے دنیا وآخرت کی رسوائی خریدتے ہیں. اسی لیے حسن بصری رحمہ اللہ کہتے تھے:

''لَوْ كَانَ الْعَقْلُ يُشْتَرَى لَتَغَالَى النَّاسُ فِي ثَمَنِهِ، فَالْعَجَبُ مِمَّنْ يَشْتَرِي بِمَالِهِ مَا يُفْسِدُهُ''.

''اگر عقل خریدی جاسکتی تو لوگ بڑھ چڑھ کر اس کی قیمت لگاتے اور اسے خریدتے، لیکن تعجب ہے اس شخص پر جو اس چیز کو خریدنے میں اپنا پیسہ صرف کرتا ہے جو اس کی قیمتی شئے (عقل) کو برباد کرتی ہے''[۲۱].

شراب نوشی اور اس میں ملوث افراد کے متعلق بہت ساری وعیدیں حدیث کی کتابوں میں رسول اکرم ﷺ سے مروی ہیں مگر افسوس کہ امت محمدیہ کے افراد نے اپنے نبی کے طرز عمل کو فراموش کر کے گھناؤنے جرم کو اپنا لیا، حتی کہ شراب کے کاروبار میں ملوث مسلمانوں نے اب شراب کی حفاظت کے لیے مسجد کو بھی استعمال کرنا شروع کر دیا. ۱۶/ اکتوبر/ ۲۰۰۲ء کے روز نامہ

(۲۰) [**حسن بشواهده**] أحمد (۳۹۹/٤)، أبويعلىٰ (۷۲٤۸)، مجمع الزوائد (۷٤/٥)، حاكم (۱٤٦/٤) وصححه.

(۲۱) المستطرف فی کل فن مستظرف (٤۷۱).

نوائے وقت (پاکستان) میں ایک خبر چھپی تھی کہ ایک مسلمان مجرم نے شراب کی بوتلیں حفاظت کے لیے مسجد کے طہارت خانے میں چھپا رکھی تھیں. خبر کی سرخی تھی:

"مسجد کے طہارت خانے میں چھپائی گئی شراب برآمد: ملزم گرفتار"

افسوس! نام نہاد مسلمانوں نے اپنی مسجدوں کو بھی حرام چیزوں کی حفاظت کا اڈہ بنا دیا اور شراب پی کر دندناتے ہوئے اپنے عمل سے کہنے لگے: ؎

ہنگامہ یہ کیسا ہے تھوڑی سی جو ہم نے پی لی ہے؟!
ڈاکہ تو نہیں ڈالا ہم نے چوری تو نہیں کی ہے؟!

رسول اکرم ﷺ کا طرزِ عمل
بہتان تراشوں کے ساتھ

بہتان تراشی یہ ہے کہ کسی کی طرف کوئی ناکردہ گناہ یا برائی منسوب کی جائے یا جان بوجھ کر کسی بے گناہ کو مجرم قرار دیا جائے جس کے جرم کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ ہو.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا:

"أَتَدْرُونَ مَا الغِيبَةُ؟".

"تمہیں معلوم ہے کہ غیبت کسے کہتے ہیں؟".

صحابہ نے عرض کیا: اس سلسلہ میں اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے.

آپ ﷺ نے فرمایا:

"ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ".

"تمہارا اپنے بھائی کے بارے میں وہ بات کرنا جسے وہ ناپسند کرے".

پوچھا گیا:

"أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ؟".

"جو بات میں کہوں اگر وہ میرے بھائی کے اندر موجود ہو تو اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟".

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ".

"جس بری بات کا تم تذکرہ کرو اور وہ بات حقیقت میں تمہارے بھائی میں موجود ہو تب تو تم نے غیبت کی، مگر وہ بات اس کے اندر موجود ہی نہ ہو تو تم بہتان تراش ہو"(۱).

(۱) مسلم: كتاب البر والصلة والآداب (۲۵۸۹).

بہتان تراشی کی تاریخ بہت پرانی ہے. ہر دور میں ایسے لوگ کثیر تعداد میں پائے گئے ہیں جنہوں نے پاکباز عورتوں اور پاکیزہ مردوں کی پارسا زندگی کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے. لیکن اس جرم میں یہودیوں اور عیسائیوں کو اولیت حاصل ہے جنہوں نے اللہ کی برگزیدہ شخصیتوں تک کو بھی نہیں بخشا اور ان کی بے داغ زندگی کو داغدار کرنے کی کوشش کی. اللہ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام پر اس بد بخت قوم نے یہ الزام تراشی کی کہ جب وہ اپنی قوم سے تنگ آ کر ایک غار میں اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ جا چھپے تو ان کی دونوں بیٹیوں نے اپنے باپ کو شراب پلا کر بدمست کر دیا اور یکے بعد دیگرے دونوں نے اپنے باپ سے ہم بستری کی - العیاذ باللہ-(۲).

اسی طرح ان کے اعتقاد کے مطابق نوح علیہ السلام ایک مرتبہ شراب پی کر مدہوش ہو گئے اور ننگے بدن ایک کمرہ میں پڑے رہے. پھر ان کے دو بیٹوں نے اپنے باپ کے جسم کو چادر سے ڈھانکا. حضرت داود علیہ السلام پر بھی بہتان تراشی کی گئی ہے. چنانچہ سفر صموئیل ثانی کے اصحاح گیارہ میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام ایک روز شام کے وقت شاہی محل کی چھت پر ٹہل رہے تھے. اچانک ان کی نگاہ ایک عورت پر پڑ گئی جو غسل کر رہی تھی. وہ عورت بہت ہی حسین و جمیل تھی، داود علیہ السلام کی نظر پڑتے ہی وہ ان کو جچ گئی، اپنے سپاہیوں سے اس کے متعلق جانکاری چاہی تو معلوم ہوا کہ وہ الیعام کی بیٹی بتشبع ہے اور اس کا شوہر اُوریاحتی ہے. چنانچہ داود علیہ السلام نے بتشبع کو بلا کر اس سے ہم بستری کی، اُوریاحتی کو کسی جنگ میں بھجوا کر قتل کرا دیا اور اس کی بیوی بتشبع کو اپنے قبضہ میں کر لیا جس سے سلیمان علیہ السلام پیدا ہوئے - نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِکَ -. یہودیوں نے تو عیسی علیہ السلام کی والدہ مریم علیہا السلام پر بھی بہتان تراشی کی ہے اور حضرت عیسی کو ولد زنا قرار دیا ہے. ان ظالموں نے ایک بڑے بزرگ جریج پر بھی ایک فاحشہ عورت کے ساتھ بدکاری کی الزام تراشی کی تھی جن کا واقعہ بخاری و مسلم وغیرہ میں مروی ہے.

(۲) دیکھئے اصحاح (پیدائش) (۱۹) سفر تکوین فقرہ: ۳۰-۳۶.

ان کے علاوہ دیگر اقوام کے لوگوں میں بھی بہتان تراشی والزام تراشی کا جرم پایا گیا ہے اور آج تک پایا جاتا ہے. رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں مسلمانوں کے درمیان سے ایک بد بخت گروہ کا وجود عمل میں آیا جو بظاہر تو مسلمانوں کی فہرست میں شمار ہوتے تھے مگر وہ بالحقیقت کافر سے بھی بدتر تھے، جن کو شرعی اصطلاح میں منافق کا نام دیا گیا اور قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾.

''بے شک منافقین جہنم کی سب سے نچلی کھائی میں ہوں گے''۔ [النساء: ۱۴۵]

ان ظالم منافقوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بھی بہتان تراشی کرنے سے گریز نہیں کیا اور ان کی عفت و پاکدامنی پر بہتان تراشی کا بٹہ لگا کر فضا کو اس قدر مکدر کیا کہ اچھے اچھے صحابہ کرام بھی اس سازش کی زد میں آ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ہونے والی چہ میگوئیوں میں ملوث ہو گئے.

واقعہ کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ حکم حجاب کے بعد ۵ھ میں غزوۂ بنی المصطلق (مریسیع) سے واپسی پر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ کے قریب ایک جگہ قیام فرمایا. عائشہ رضی اللہ عنہا ہودج سے نکل کر میدان میں قضائے حاجت کے لیے گئیں. واپسی کے وقت دیکھا تو ان کے گلے کا ہار موجود نہ تھا، اس لیے اسے تلاش کرنے لگیں. ادھر صبح جب قافلہ روانہ ہوا تو حضرت عائشہ کا ہودج اونٹ پر باندھ دیا گیا. ان دنوں ام المومنین ہلکی پھلکی تھیں اس لیے ہودج اٹھانے والوں کو ان کی غیر موجودگی کا علم نہ ہو سکا. حضرت عائشہ ہار تلاش کرنے کے بعد پڑاؤ پر پہنچیں تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا، چنانچہ وہیں بیٹھے بیٹھے یہ سوچ کر لیٹ گئیں کہ قافلہ والوں کو جب میری غیر موجودگی کا علم ہوگا تو تلاش کے لیے واپس آئیں گے. تھوڑی دیر کے بعد حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو قافلہ کے پیچھے چھوٹی ہوئی چیزوں کے سنبھالنے پر مامور تھے، وہاں آ پہنچے. وہاں

حضرت عائشہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا. انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے دیکھا ہوا تھا، سمجھ گئے کہ قافلہ لاعلمی میں ام المومنین کو یہیں چھوڑ کر آگے چلا گیا ہے. انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اونٹ پر بٹھایا اور خود نکیل تھامے پیدل چلتے ہوئے قافلے سے جا ملے. منافقین نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے حضرت صفوان کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مطعون کر دیا اور یہ پروپیگنڈہ کیا کہ یہ تنہائی بے سبب نہیں. منافقین کے اس پروپیگنڈے کا شکار بعض مخلص مسلمان بھی ہو گئے. مثلاً حضرت حسان، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم. نبی کریم ﷺ پورے ایک ماہ تک اس سلسلہ میں سخت پریشان رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں مندرجہ ذیل آیات نازل فرمائیں (۳):

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾

''اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت دھریں، پھر چار گواہ نہ لائیں، انہیں تم لوگ اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ، اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، اور وہی لوگ فاسق ہیں''۔ [النور:۴]

اسی سورہ میں آگے ارشاد فرمایا:

﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوْا هَذَا إِفْكٌ مُّبِيْنٌ لَوْلَا جَاءُوْا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوْا بِالشُّهَدَاءِ فَأُوْلَئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ﴾

''جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مسلمان مردوں اور عورتوں نے اپنے ہی جیسے مسلمان مردوں اور عورتوں کے بارے میں اچھا گمان کیوں نہیں کیا، اور کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ کھلم کھلا

(۳) اس واقعہ کی تفصیل بخاری، مسلم، مسند احمد، ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ وغیرہ کتب حدیث میں موجود ہے.

بہتان ہے، افترا پردازوں نے اپنی سچائی پر چار گواہ کیوں نہیں پیش کیے، پس جب وہ چار گواہ نہیں لاتے تو وہی لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں“۔[النور: ۱۲-۱۳]

اسی سورہ کی آیت ۱۶ تا ۱۹ میں فرمایا:

﴿وَلَوْلاَ إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَا يَكُوْنُ لَنَا أَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوْا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِذْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيْمٌ حَكِيمٌ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا والآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ﴾.

”اور جب تم لوگوں نے یہ جھوٹی خبر سنی تو کیوں نہیں کہا: ہمارے لیے یہ مناسب نہیں کہ ایسی بات کریں، اے رب! تو تمام عیوب سے پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے. اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مسلمان ہو تو دوبارہ کبھی ایسی غلطی نہ کرنا، اور اللہ تمہارے لیے اپنی آیتوں کو کھول کر بیان کرتا ہے، اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمتوں والا ہے. جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں کے درمیان بدکاری رواج پائے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ کو سب کچھ معلوم ہے اور تم کچھ نہیں جانتے ہو“.

نیز فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الغَافِلاَتِ الْمُؤمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الحَقُّ الْمُبِينُ﴾.

”جو لوگ پاکدامن، گناہوں سے بے خبر، مومن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں، وہ بے شک دنیا و آخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لیے بڑا سخت عذاب ہے، جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے پاؤں ان کے (برے) کرتوتوں کی گواہی دیں گے، اس دن

اللہ انہیں ان (کے اعمال) کا پورا بدلہ دے گا، اور وہ جان لیں گے کہ بے شک اللہ ہی برحق وآشکارا ہے''۔ [النور: ۲۳ - ۲۵]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس پروپیگنڈہ میں ملوث ہونے والوں پر حد قذف (اَسی اَسی کوڑے) لگوائے اور اس کے بعد بہتان تراشی کرنے والوں کی مندرجہ ذیل سزائیں مقرر ہو گئیں:

۱- قاذف اگر چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اسے حد قذف یعنی برسر عام اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے (۴)۔

(٤) چونکہ شریعت اسلامیہ عورت کی عفت وعصمت کا بڑی سختی سے تحفظ کرتی ہے اس لیے وہ اس بات کی شدید حریص ہے کہ اسلامی معاشرہ میں کسی بھی پاکدامن خاتون کی عزت وآبرو پر آنچ نہ آنے پائے تاکہ اسلامی معاشرے میں کسی کو مسلم خواتین کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ اسی لیے جو کوئی کسی عورت پر بدکاری کا الزام رکھے اس سے شریعت اسلامیہ نے چار گواہ طلب کیا ہے جو اس الزام کا چشم دید گواہ ہوں۔ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی کچھ شبہ ہو جائے تو گواہان پر حد قذف لگائی جائے گی جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت مغیرہ پر الزام تراشی کرنے والوں پر حد جاری کی گئی تھی۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ بصرہ کے گورنر حضرت مغیرہ بن شعبہ سے ابوبکرہ کے تعلقات پہلے سے خراب تھے۔ دونوں کے مکان بصرہ ہی میں آمنے سامنے تھے اور درمیان میں حد فاصل صرف ایک سڑک تھی۔ دونوں کے مکان میں ایک ایک کھڑکی آمنے سامنے تھی جو ان کے مشرب خانے کی کھڑکیاں تھیں۔

ایک مرتبہ ابوبکرہ کے مشرب خانہ میں ان کے بعض دوست (نافع بن کلَدَہ، زیاد اور شِبل بن معبد) آپس میں بیٹھے محو گفتگو تھے کہ اتنے میں یکا یک ہوا کے زور سے دونوں کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ ابوبکرہ اپنی کھڑکی بند کرنے کے لیے اٹھے تو ان کی نگاہ سامنے کے مشرب خانے پر پڑی جس میں مغیرہ بن شعبہ ایک عورت کے ساتھ مباشرت کر رہے تھے۔ ابوبکرہ نے ساتھیوں سے کہا کہ آؤ اور دیکھو مغیرہ کیا کر رہے ہیں، تم لوگ گواہ رہو۔ ساتھیوں نے دیکھ کر پوچھا: یہ کون سی عورت ہے؟ ابوبکرہ نے بتایا کہ ام جمیل بنت ارقم ہے۔ جب مغیرہ بن شعبہ نماز پڑھانے کے لیے نکلے تو ابوبکرہ سامنے حائل ہو گئے اور کہا کہ آپ ہمیں نماز نہیں پڑھا سکتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت لکھ کر بھیجی گئی۔ حضرت عمر بن=

۲ - اس کی شہادت (گواہی) نا قابلِ قبول ہوگی.

= خطاب رضی اللہ عنہ نے فوراً حضرت مغیرہ کو معزول کر دیا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو بصرے کا گورنر مقرر کر کے بھیجا اور ملزم کو گواہان سمیت مدینہ طلب کیا. جب یہ لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت مغیرہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین! آپ ان غلام لوگوں سے پوچھئے کہ انہوں نے مجھے کس حالت میں دیکھا ہے؟ پیچھے سے یا آگے سے؟ اور عورت کو کس حالت میں دیکھا ہے؟ اور کیا ان لوگوں نے عورت کو پہچانا ہے؟ اگر انہوں نے مجھے سامنے سے دیکھا ہے تو میں کیسے نہیں چھپتا؟ اور اگر پیچھے سے دیکھا ہے تو کس طرح انہیں میرے ساتھ میری بیوی کا دیکھنا جائز ہوگیا؟ اللہ کی قسم! میں اپنی بیوی سے مباشرت کر رہا تھا.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکرہ سے گواہی طلب کی. ابو بکرہ نے گواہی دی کہ انہوں نے حضرت مغیرہ کو ام جمیل کی (جو حضرت مغیرہ کی بیوی کی ہم شکل تھی) دونوں ٹانگوں کے درمیان سرمہ دانی میں سلائی کی طرح اندر باہر کرتے ہوئے دیکھا ہے. حضرت عمر نے پوچھا: ان دونوں کو کیسے دیکھا تھا؟ ابو بکرہ نے کہا: پیچھے کی جانب سے. حضرت عمر نے پوچھا: پھر تم نے عورت کا منہ کیسے دیکھ لیا؟ ابو بکرہ نے کہا: میں نے اپنی گردن ٹیڑھی کر کے عورت کو دیکھا تھا. پھر امیر المومنین نے شبل بن معبد سے گواہی طلب کی. انہوں نے بھی ابو بکرہ کی طرح گواہی دی، نافع نے بھی ابو بکرہ کی طرح گواہی دی؛ البتہ زیاد نے ان تینوں کی طرح گواہی نہیں دی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت مغیرہ کو ایک عورت کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھے دیکھا جس کے دونوں پاؤں میں مہندی لگی ہوئی تھی اور دونوں پاؤں آہستہ آہستہ ہل رہے تھے اور اس کی شرمگاہ کے دونوں حصے برہنہ تھے، نیز میں نے دھڑکتی سانسوں کی تیز آواز بھی سنی.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"هَلْ رَأَيْتَ كَالمِيلِ فِي المُكْحُلَةِ؟".

"کیا تو نے سرمہ دانی میں سلائی کی طرح دیکھا ہے؟".

زیاد نے کہا: نہیں. حضرت عمر نے پوچھا: تو نے عورت کو پہچانا ہے؟ زیاد نے کہا: نہیں، البتہ ام جمیل کی طرح لگ رہی تھی. حضرت عمر نے فرمایا: چلو ہٹو. پھر ان تینوں گواہان کو حد قذف اَسی اَسی کوڑے لگانے کا حکم دیا اور یہ تلاوت فرمائی:

﴿فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُوْلَئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ﴾

"جو افترا پرداز چار گواہ پیش نہیں کرتے تو وہی لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں" [النور: ۱۳].

[دیکھئے احکام القرآن لابن العربی جلد ۳ ص ۲۶۰، ۲۶۱. دار الکتاب العربی پہلا ایڈیشن]. =

۳- اس کا شمار فاسق لوگوں میں ہوگا.

۴- وہ اللہ کے نزدیک کاذب (جھوٹا) ہے.

۵- وہ دنیا وآخرت میں ملعون ہے.

۶- قیامت کے روز اللہ کے نزدیک اس کے لیے سخت اور اذیت ناک عذاب ہے.

۷- اس کے عار وذلت میں بطور اضافہ اس کے اعضاء وجوارح اسی کے خلاف گواہی دیں گے.

۸- اللہ تعالیٰ اس شنیع وقبیح فعل کے ارتکاب کے سبب اس کے لائق جہنم کا عذاب چکھائے گا.

بہتان تراشی کرنے والے کے لیے یہ سزائیں مقرر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اس قسم کے گھناؤنے اتہام کو سننے کے بعد مثبت پہلو اختیار کریں. صرف سماع کی بنیاد پر اس معاملہ میں چہ میگوئیاں کرنا ایک سنگین جرم ہے؛ بلکہ ایسے موقع پر اپنے حسن ظن کو برقرار رکھتے ہوئے اس عظیم حادثہ کو خود اپنے اوپر لگایا گیا الزام تصور کریں. اگر کوئی مسلمان اس معاملہ میں قیاس آرائیاں کرتا ہے، بلا دلیل وثبوت خواہ مخواہ کے اٹکل پچو دوڑاتا ہے اور اس کی اشاعت وپروپیگنڈہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے تو گویا وہ بھی اتہام تراشی کرنے والے مجرم کے ساتھ ہے اس لیے دنیا وآخرت دونوں میں وہ بھی سزا کا مستحق ہے.

اب ذرا غور کریں وہ لوگ جنہوں نے اسلامی معاشرے کی بیٹیوں اور بہنوں کی عفت وعصمت کو نیلام کرنے کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے اور معاشرے میں مسلم خواتین پر بہتان تراشی کر کے اللہ اور اس کے رسول کی لعنت کے مستحق بنے ہوئے ہیں!! کیا آپ نے اپنے معاشرہ میں ان بدبختوں کو نہیں دیکھا جو رات دن دوسروں کے گھروں کی عفت وعصمت میں کلام کرتے نظر آتے ہیں اور سوئی کے ناکے میں اونٹ گھسانے کی کوشش کرتے ہیں؟!

= نوٹ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر بہتان تراشی کا قصہ متعدد وجوہ سے ثابت ہے. امام بخاری نے یہ قصہ حدیث رقم: (۲۶۴۷) میں اختصار سے تعلیقاً روایت کی ہے. مفصل قصہ تاریخ طبری سوانح شبل بن معبد میں ہے. دیکھیے تفسیر طبری: (۲۵۷۸۱-۲۵۸۰۴)، سنن بیہقی: (۲۳۴/۸)، فتح الباری (۲۵۵/۵).

ایسے لوگ خود ہی اخلاقی برائی کے شکار ہوتے ہیں، خود ان کے پاس عفت وعصمت اور عزت وناموس نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی. اخلاقی پستی کا عالم یہ ہوتا ہے کہ خود ان کی نگاہوں کے سامنے ان کے اپنوں کی آبرو ریزی ہوتی ہے لیکن وہ دیوث بنے چشم خویش سے اپنی عفت وعصمت کو نیلام ہوتے دیکھتے ہیں لیکن چہ جائیکہ وہ اپنے گھر کو سدھاریں، اپنی خواتین کی عفت وعصمت پر غیرت کھائیں، بدکردار وبد اخلاق اور اوباشوں کے چنگل سے خود کو محفوظ رکھیں، الٹے ہی دوسروں کی بہو بیٹیوں کے بارے میں لب کشائی کرنے لگتے ہیں!!

یقین مانیں! اسلامی معاشرے میں ایسے بے حیا بہتان تراشوں کی اس قدر کثرت ہے کہ معدودے چند گھرانوں کے سبھی ہی گھرانے ان کی نگاہ میں شبہات کے مراکز ہیں. ایسی صورت میں اگر اسلامی قانون ہوتا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسا کوئی خلیفہ اور امیر المومنین ہوتا تو نہ جانے کتنے بہتان تراشوں پر حد قذف جاری ہوئی ہوتی اور ان کی چمڑی اُدھڑی ہوئی نظر آتی.

اللہ تعالیٰ مسلم معاشرے کی خواتین کو نام نہاد مسلمانوں کی بہتان تراشیوں سے مکمل تحفظ عطا فرمائے، آمین.

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل زانیوں کے ساتھ

زنا کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مرد ایک عورت جائز رشتۂ زن وشو کے بغیر باہم مباشرت کریں. یہ فعل اخلاقی، معاشرتی اور مذہبی لحاظ سے بڑا گناہ اور قابل مذمت ہے، اور نفس پرست خبطی پن کی اپج کو فلسفہ طرازی سمجھنے والوں کے سوا قدیم ترین زمانے سے آج تک تمام انسانی معاشرے اس کے عظیم اور گھناؤنے جرم ہونے پر متفق رہے ہیں.

زنا ایک ایسا قبیح وغیر اخلاقی فعل ہے جسے کوئی بھی انسان اپنے خاندان یا معاشرے میں برداشت نہیں کرسکتا. کیوں کہ ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کا گھرانہ اور خاندان پاکیزہ ہو اور اس کی نسلیں صاف وشفاف چشمے سے دُھلی ہوئی ہوں تا کہ معاشرتی وخاندانی اقدار بلند اور خود ان کا ذاتی کردار اعلیٰ ہو. انسان تو انسان بعض حیوانات بھی اس فعل قبیح کو گوارہ نہیں کرتے اور وہ اس معاملہ میں بہت زیادہ حساس وغیرت مند ہوتے ہیں. جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ایک بندر اور بندریا کا قصہ لکھا ہے کہ جب بندریا نے اپنے شوہر کو چھوڑ کر کسی دوسرے بندر سے منہ کالا کرا لیا تو دوسرے بندروں کو اس کے شوہر نے آواز دے کر اکٹھا کیا، پھر سارے بندروں نے مل کر زانی بندر اور بندریا کو گڑھا کھود کر پتھر سے سنگسار کیا. اسی تفصیل کو امام بخاری نے مختصراً اس حدیث میں بیان فرمایا ہے جس میں عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”رَأَيْتُ فِي الجَاهِلِيَّةِ قِرْدَةً اجْتَمَعَ عَلَيْهَا قِرَدَةٌ قَدْ زَنَتْ، فَرَجَمُوها فَرَجَمْتُهَا مَعَهُمْ“.

”میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک بندریا کو دیکھا جس نے زنا کا ارتکاب کیا تھا، تو دوسرے کئی ایک بندر اکٹھا ہوئے اور اس بندریا کو سنگسار کیا، اور میں نے بھی ان کے ساتھ اس بندریا کو پتھر مارا“(1).

---

(1) بخاری، مناقب الأنصار (٣٨٥٠). تفصیل کے لیے دیکھئے فتح الباری: (١٩٦/٧) دار الریان.

جب حیوانوں کا اس قبیح فعل کے متعلق یہ سخت رویہ ہے تو انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے، اس کو اس قبیح فعل سے کیسی نفرت ہونی چاہیے، اندازہ لگائیں؟

زنا کار مرد و عورت کی سزا ہندوؤں کے یہاں یہ تھی کہ عورت کو کتوں سے پھڑوا دیا جائے اور مرد کی سزا یہ تھی کہ اسے لوہے کے گرم پلنگ پر لٹا کر چاروں طرف آگ لگا دی جائے، جبکہ یونان اور روم میں ابتداءً ایک مرد کو یہ حق حاصل تھا کہ اگر وہ اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو زنا کرتے دیکھ لے تو اسے قتل کر دے، یا چاہے تو اس سے مالی تاوان وصول کر لے. پھر پہلی صدی قبل مسیح میں قیصر آگسٹس نے یہ قانون مقرر کیا کہ مرد کی آدھی جائداد ضبط کر کے اسے جلاوطن کر دیا جائے اور عورت کا آدھا مہر ساقط اور [$\frac{1}{3}$] جائداد ضبط کر کے اسے بھی مملکت کے دور دراز حصے میں بھیج دیا جائے. قسطنطین نے اس قانون کو بدل کر عورت اور مرد دونوں کے لیے سزائے موت مقرر کی. لیو (LEO) اور مارسین (MARCIAN) کے دور میں اس سزا کو حبس دوام میں تبدیل کر دیا گیا، پھر قیصر جسٹینین نے اس میں مزید تخفیف کر کے یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ عورت کو کوڑوں سے پیٹ کر کسی راہب خانے میں ڈال دیا جائے اور اس کے شوہر کو یہ حق دیا جائے کہ چاہے تو دو سال کے اندر اسے نکلوائے؛ ورنہ ساری عمر وہیں پڑا رہنے دے[(۲)].

لیکن رسول اکرم ﷺ نے عورت و مرد کے درمیان زنا کا کوئی مالی یا مادی معاوضہ قبول کرنے کی قطعی اجازت نہیں دی اور نہ ہی اسے قابل راضی نامہ گناہ (Compoundable offence) کا درجہ دیا ہے؛ بلکہ جو بھی اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرے گا وہ شرعی حد کا مستحق ہے خواہ وہ غریب ہو یا مالدار، عورت ہو یا مرد.

چوں کہ زنا جس عورت کے ساتھ بھی کیا جائے گا وہ کسی نہ کسی کی ماں بہن بیٹی ہی ہوگی اور کوئی بھی انسان یہ گوارہ نہیں کر سکتا کہ اس کے خاندان میں یہ فحش جرم کیا جائے، اس لیے بھلا ایک زانی جب کسی کی بہن بیٹی پر بری نگاہ ڈالتا ہے تو وہ اس فعل قبیح سے خود کو مطمئن کیوں پاتا

(۲) دیکھئے تفہیم القرآن از ابو الاعلی مودودی: (۳/۳۲۳).

ہے؛ جبکہ اس کے پاس بھی اس رشتہ کی خواتین ہیں جن کو شیطان ورغلانے پر پوری طاقت صرف کر رہا ہے. اس لیے رسول اکرم ﷺ نے دوسروں کی خواتین کی عصمت وعفت کو چاک کرنے کی اجازت طلب کرنے والے آدمی کو مثال کے ساتھ سمجھایا تھا، جس کی تفصیل مسند احمد اور بیہقی وغیرہ کی روایات میں موجود ہے.

امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں اور امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت مل جائے. لوگ سنتے ہی اسے جھڑکنے اور ڈانٹنے لگے. نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قریب آؤ اور بیٹھ جاؤ''.

وہ جوان قریب آ کر بیٹھ گیا. نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''(جس چیز کی تو اجازت طلب کر رہا ہے) کیا تو اپنی ماں کے لیے یہ پسند کرتا ہے؟''.

جوان نے کہا: قربان جاؤں، نہیں (میں اسے کبھی گوارا نہیں کر سکتا ہوں).

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، کوئی شخص بھی اپنی ماں کے لیے یہ پسند نہیں کر سکتا''.

پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم اپنی بیٹی کے لیے یہ پسند کرتے ہو؟''.

جوان بولا: قربان جاؤں نہیں.

فرمایا: ''ہاں، کوئی شخص بھی اپنی بیٹی کے لیے یہ پسند نہیں کرتا''.

پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم اپنی بہن کے لیے یہ چیز پسند کرتے ہو؟''.

جوان بولا: قربان جاؤں نہیں.

فرمایا: ''ہاں، کوئی شخص بھی اپنی بہن کے لیے ایسا پسند نہیں کرتا''.

پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم اپنی پھوپھی کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو؟''.

جوان بولا: قربان جاؤں نہیں.

فرمایا: ''ہاں، کوئی شخص بھی اپنی پھوپھی کے لیے یہ پسند نہیں کرتا''.

پھر پوچھا: ''تم اپنی خالہ کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو؟''.

جوان بولا: قربان جاؤں نہیں.

فرمایا: ''ہاں، کوئی بشر بھی اپنی خالہ کے لیے اسے پسند نہیں کرتا''.

اس گفتگو کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس جوان کے اوپر اپنا دست مبارک رکھ دیا اور یہ دعا فرمائی:

''اللَّهُمْ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ وَأَحْصِنْ فَرْجَهُ''(۳).

''الٰہی! اس کا گناہ معاف فرما دے، اس کا دل پاک کر دے اور اس کی شرمگاہ محفوظ کر دے''.

اس کے بعد یہ جوان کبھی ایسی بات کا خیال بھی نہ کرتا تھا.

اللہ تعالیٰ نے زنا کو ایک گھناؤنا جرم قرار دیتے ہوئے اس کے قریب پھٹکنے سے بھی سختی کے ساتھ روکا ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ [الاسراء:۳۲]

''خبردار! زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیوں کہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی بری راہ ہے''.

عرب لوگ زمانۂ جاہلیت میں علانیہ زنا کو تو برا سمجھتے تھے؛ البتہ خفیہ طور سے آشنائی کو عیب شمار نہیں کرتے تھے، مگر اسلام نے زنا کے ہر طریقہ کو گھناؤنا جرم قرار دیتے ہوئے حرام قرار دیا. سورۃ النساء (25) میں جن لونڈیوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے، ان کے بارے میں بتایا گیا ہے:

﴿مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ الْأَخْدَانِ﴾.

''وہ پاکدامن ہوں نہ کہ علانیہ بدکاری کرنے والیاں یا خفیہ آشنائی کرنے والیاں ہوں''.

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ: أَيْ غَيْرَ مُعْلِنَاتٍ بِالزِّنَا، لِأَنَّ الجَاهِلِيَّةِ كَانَ فِيهِمُ الزَّوَانِي فِي

(۳) احمد (۲۵۶/۵ - ۲۵۷). ہیثمی نے مجمع الزوائد: (۱۳۴/۱) میں کہا ہے کہ اس کو امام احمد نے اور امام طبرانی نے ''الکبیر'' میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح حدیث کے رجال ہیں.

العَلَانِيَةِ وَلَهُنَّ رَايَاتٌ مَنْصُوبَةٌ كَرَايَةِ البَيْطَارِ، وَذَوَاتِ الأَخْدَانِ هُنَّ اللَّائِي يَتَّخِذْنَ أَصْدِقَاءَ عَلَى الفَاحِشَةِ، وَكَانَتِ العَرَبُ تَعِيبُ الإِعْلَانَ بِالزِّنَا وَلَا تَعِيبُ اتِّخَاذَ الأَخْدَانِ، ثُمَّ رَفَعَ الإِسْلَامُ جَمِيعَ ذٰلِكَ).

''یعنی قرآنی آیت میں ''غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ'' سے مراد وہ بدکار عورتیں ہیں جو علانیہ زنا کا ارتکاب نہیں کرتی ہیں. چوں کہ زمانۂ جاہلیت میں بدکار عورتیں علانیہ زنا کراتیں اور علامات کے طور پر اپنی رہائش کے اوپر جھنڈے گاڑ دیا کرتی تھیں جیسے نعل بندی کرنے والا اپنے پاس علامتی جھنڈا نصب کر کے رکھتا ہے (تاکہ ضرورت مند لوگ اس کو دیکھ کر وہاں پہنچ جائیں)، اور ''ذَوَاتِ الأَخْدَانِ'' عورتیں وہ ہوتی تھیں جو خفیہ طور پر آشنائی کر کے بدکاری کا بازار گرم کرتی تھیں. عرب لوگ علانیہ زنا کو بلا شبہ عیب جانتے تھے؛ البتہ خفیہ آشنائی کو عیب نہیں سمجھتے تھے لیکن اسلام نے ان ہر دو طریقہ کو ختم کر دیا''(۴).

زنا کار مرد اور زنا کار عورت اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس قدر مبغوض و ناپسندیدہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلم سوسائٹی کے پاکباز مردوں یا پاکباز عورتوں سے ان کی شادی حرام قرار دی ہے اور زنا جیسے غیر اخلاقی فعل میں ملوث مرد و عورت کے لیے ان ہی جیسے خبیث مرد و عورت کو جوڑا بنایا ہے. کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی فاحشہ وزانیہ کو اپنا ہم سفر اور شریک زندگی بنائے، اور اسی طرح کسی شریف خاتون کے لیے بھی یہ درست نہیں کہ وہ کسی بدکار وزنا کار مرد سے شادی کے لیے راضی ہو. خواہ یہ رشتہ کتنا ہی عشق ومحبت پر مبنی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے ایسے رشتوں کو ناجائز ٹھہرایا ہے تاکہ مسلم معاشرہ میں بداخلاقی کے مرتکبین کی گردن اونچی نہ ہو سکے. چنانچہ ارشاد ہے:

﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى المُؤْمِنِينَ﴾.

---

(٤) تفسير قرطبي (١٢٧/٥).

''زنا کار مرد صرف زنا کار عورت یا مشرک عورت سے نکاح کرے گا اور زنا کار عورت سے صرف زنا کار مرد یا مشرک مرد شادی کرے گا، اور ایمان والوں کے لیے ایسا کرنا حرام قرار دیا گیا ہے''۔ [النور:۳]

قتادہ اور مقاتل بن حیان کہتے ہیں:

''حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ نِكَاحَ الْبَغَايَا''.

''اللہ تعالیٰ نے بدکار عورتوں سے مومنوں کے لیے شادی کرنا حرام قرار دیا ہے''(۵).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''لَا يَنْكِحُ الزَّانِي الْمَجْلُودُ إِلَّا مِثْلَهُ''(۶).

''جس زانی پر حد جاری کی گئی ہو وہ اپنے ہی طرح کسی بدکار عورت سے شادی کرے گا''.

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے ایک مسلمان نے ایک عورت سے شادی کرنے کے متعلق مسئلہ دریافت کیا جس کا نام ''أم مهزول'' تھا اور جو علانیہ اس کے ساتھ ناجائز تعلقات رکھتی تھی. رسول اکرم ﷺ نے اس مسلمان کے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾(۷).

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مرثد بن ابی مرثد غنوی ایک طاقت ور آدمی تھے، وہ مکہ سے قیدیوں کو اٹھا کر مدینہ پہنچاتے تھے. ایک قیدی کو لینے کے لیے وہ مکہ پہنچے. مکہ میں ایک بدکار عورت تھی جس کا نام ''عناق'' تھا، وہ ان کی معشوقہ تھی (جس سے اسلام سے قبل ان کے ناجائز تعلقات تھے)، مرثد کا بیان ہے: وہ رات کو نکلی تو اسے دیوار کے

(٥) تفسير ابن كثير: (٦/٢٤٦١)، دار ابن حزم۔ پہلا ایڈیشن ۱۹۹۸ء.

(٦) [صحيح] أبو داود، النكاح/ في قوله تعالى: ﴿الزاني لا ينكح إلّا زانية﴾ (٢٠٥٢).

(٧) أحمد (٢/١٥٨)، والنسائي في الكبرى في التفسير، تحفة الأشراف للمزي (٦/٣٧٥).

سایہ میں میری جھلک نظر آ گئی، اس نے پوچھا: کون؟ تمہارا آنا مبارک ہو اے مرثد، چلو آج رات ہمارے ساتھ خیمہ میں گزارو. میں نے کہا: اے عناق! رسول اکرم ﷺ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے. عناق ہنگامہ کرنے لگی: خیمہ والو! یہ دیکھو دُلدل کو، یہ دُلدل تمہارے قیدیوں کو مکہ سے مدینہ پہنچاتا ہے. پھر میں نے خندمہ (مکہ کا ایک پہاڑ) کی راہ لی. میرے پیچھے ہی آٹھ آدمی میری تلاش میں آ گئے، اور میرے اوپری حصہ میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگے. ان کے پیشاب کے چھینٹے مجھ پر پڑ رہے تھے، لیکن وہ لوگ مجھے نہیں دیکھ سکے، اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں سے مجھے اوجھل کر دیا تھا. پھر میں چپکے سے اپنے قیدی ساتھی کے پاس آیا اور اس کو لے کر چل پڑا. جب میں اراک (ایک وادی) میں پہنچا تو اپنے ساتھی کی زنجیر کھول دیا. پھر مدینہ پہنچ کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میں (اپنی معشوقہ) عناق سے شادی کر لوں؟ رسول اکرم ﷺ میرا سوال سن کر خاموش ہو رہے، پھر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ﴾.

رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلا کر یہ آیت سنائی اور فرمایا:

''لَا تَنْكِحْهَا''. ''عناق سے شادی مت کرو''(۸).

لیکن جب زانی یا زانیہ صحیح توبہ کر لیں تو عفیف یا عفیفہ کے لیے ان سے شادی کرنا جائز ہے. امام ابو محمد بن ابی حاتم کی یہی رائے ہے، اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے. ان کے علاوہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ رائے ثابت ہے. جیسا کہ ان کے غلام شعبہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مسئلہ دریافت کرتے ہوئے عرض کیا: میں ایک عورت کے ساتھ ہر وہ کام کرتا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کام سے ہمیں توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اب میں چاہتا ہوں کہ اس سے شادی کر کے گھر

(۸) [حسن الإسناد] نسائي: النكاح (۳۲۲۸)؛ أبو داود (۲۰۵۱)، ترمذی (۳۱۷۷).

آباد کروں، لیکن لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ زانی کسی زانیہ ہی سے شادی کرتا ہے.

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''لَيْسَ هَذَا فِي هَذَا، انْكِحْهَا فَمَا كَانَ مِنْ إِثْمٍ فَعَلَيَّ''.

''اس آیت کا مفہوم یہ نہیں ہے، جاؤ اس عورت سے شادی کر لو، اگر کوئی گناہ ہوا تو وہ میرے سر ہے''(۹).

چوں کہ زنا جس معاشرے میں عام ہو جائے، وہ معاشرہ لامحالہ اخلاقی انارکی میں مبتلا ہو جائے گا اور اس کی نسلوں سے مثبت امید کسی بھی صورت میں نہیں رکھی جا سکے گی. ہر طرف برائی و بے حیائی عام ہوگی اور اللہ کے اچھے بندوں کی زندگی بھی اس گندی اور مکدر فضا میں صحیح سلامت باقی نہ رہ سکے گی. اس لیے اللہ تعالیٰ نے زانی اور زانیہ کے لیے سخت سزا مقرر کی ہے تاکہ اسلامی معاشرہ خالص اور خیر و بھلائی کا سرچشمہ ہو. ارشاد ربانی ہے:

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾

''زنا کار مرد و عورت میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ. ان پر اللہ کی حد جاری کرتے ہوئے تمہیں ہرگز ترس نہ کھانا چاہیے، اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو. ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہونی چاہیے''۔ [النور:۲]

چنانچہ زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورت اگر غیر شادی شدہ ہیں تو اسلام نے ان کی سزا یہ مرتب کی ہے کہ انہیں برسرِ عام سو سو کوڑے مار کر زانی کو ایک سال کے لیے جلا وطن کر دیا جائے. جمہور علماء کے نزدیک غیر شادی شدہ زانی کو سو کوڑے لگا کر اسے ایک سال کے لیے جلا وطن کر دیا جائے گا لیکن امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ جلا وطنی امام وقت کی رائے کے

(۹) ابن أبي شيبة وغیرہ نے اسے روایت کیا ہے۔ دیکھئے: الدرر المنثور (۱۲۹/٦).

مطابق ہوگی، اگر چاہے تو جلا وطن کر دے اور چاہے تو چھوڑ دے؛ البتہ شادی شدہ زنا کار مرد وعورت کو سنگسار کر دیا جائے گا۔

عہد نبوی میں حضرت ماعز اور غامدیہ رضی اللہ عنہما کو سنگسار کیا گیا تھا(۱۰)۔ نیز بخاری و مسلم میں

---

(۱۰) حضرت ماعز اور غامدیہ رضی اللہ عنہما کی سنگساری کے واقعہ کی تفصیل صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں مروی ہے۔ چونکہ یہ واقعہ بہت ہی عبرت انگیز ہے اس لیے اس کا ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ عبداللہ بن بریدہ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے وہ یہ کہ مجھ سے زنا سرزد ہوگیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ پر حد جاری کر کے مجھے پاک کر دیں۔ رسول اکرم ﷺ نے انہیں کچھ کہے بغیر واپس کر دیا۔ دوسرے دن پھر وہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! مجھ سے زنا سرزد ہوگیا ہے۔ اس مرتبہ بھی آپ نے ماعز رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے ان کی قوم کے افراد کے پاس ایک آدمی کو یہ پوچھنے کے لیے بھیجا:

"أَتَعْلَمُونَ بِعَقْلِهِ بَأْساً تُنْكِرُونَ مِنْهُ شَيْئاً؟"۔

"کیا تم لوگ ماعز کی عقل میں کچھ فتور پاتے ہو جس کی بنیاد پر تم اس کی کوئی بات رد کر دیتے ہو؟"۔

لوگوں نے بتایا: ماعز عقلمند اور ذی ہوش انسان ہیں۔ ادھر تیسرے دن بھی حضرت ماعز رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے پاک کر دیں۔ آپ نے اس مرتبہ بھی ان کی قوم کے لوگوں سے پوچھوایا کہ ماعز کی عقل میں کچھ فتور تو نہیں؟ مگر لوگوں نے اس بار بھی ان کی عقل و ہوش اور سوجھ بوجھ کی گواہی دی۔ جب چوتھے دن بھی ماعز نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اقرار جرم کیا تو اس مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے گڑھا کھودوایا اور اس کے اندر انہیں گاڑ کر سنگسار کرنے کا حکم دے دیا۔

اس کے بعد حضرت غامدیہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں: اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کا ارتکاب کر لیا ہے، آپ مجھے حد جاری کر کے پاک کر دیں۔ رسول اکرم ﷺ نے انہیں بھی واپس جانے کا حکم دیا۔ دوسرے دن وہ پھر حاضر خدمت ہوئیں اور کہنے لگیں:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لِمَ تَرُدُّنِي؟ لَعَلَّكَ أَنْ تَرُدَّنِي كَمَا رَدَدْتَ مَاعِزاً، فَوَاللّٰهِ! إِنِّي لَحُبْلَى"۔

"اے اللہ کے رسول! آپ مجھے کیوں واپس کر رہے ہیں؟ شاید آپ میرے معاملہ کو اسی طرح ٹال مٹول کر رہے ہیں جیسے ماعز کو واپس کیا تھا، اللہ کی قسم! (میرا معاملہ حضرت ماعز سے مختلف ہے) میں زنا=

ایک حدیث مروی ہے جسے ابو ہریرہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے. ایک نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرا بیٹا اس آدمی کے یہاں کام کیا کرتا تھا، اس نے اس کی بیوی سے زنا کا ارتکاب کر لیا ہے. میں نے اس جرم پر اپنے بیٹے کی طرف سے سو بکریاں اور ایک لونڈی اسے دے کر راضی کر لیا. پھر جب میں نے اہل علم سے اس مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے (غیر شادی شدہ)

= کے سبب حاملہ ہوں (اور میرے پیٹ میں پاپ پل رہا ہے!!)''.

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ابھی تم پر حد جاری نہیں کی جا سکتی، جاؤ بچہ جنم دینے کے بعد آنا''.

بچے کی ولادت کے بعد حضرت غامدیہ اسے ایک چیتھڑے میں لپیٹے ہوئے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کرنے لگیں: یہ بچہ میں نے جنم دیا ہے!! رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جاؤ اور بچہ کو دودھ پلاؤ، جب یہ دودھ چھوڑ دے تب آنا''.

جب بچے نے دودھ پینا چھوڑ دیا تو حضرت غامدیہ اسے لے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اس وقت بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا. وہ عرض کرنے لگیں: اے اللہ کے رسول! یہ بچہ ہے، اب یہ دودھ چھوڑ چکا ہے اور خوراک لینے لگا ہے. رسول اکرم ﷺ نے بچے کو لے کر ایک مسلمان کی گود میں ڈال دیا اور گڑھا کھودنے کا حکم دیا. حضرت غامدیہ کے سینے کے برابر گڑھا کھودا گیا (اور ایک روایت کے مطابق ان کے اوپر ان کے کپڑے باندھ دیے گئے)، پھر آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ انہیں سنگسار کر دیا جائے، چنانچہ لوگوں نے انہیں پتھر مارنا شروع کر دیے. حضرت خالد بن ولید نے بھی ایک پتھر حضرت غامدیہ کے سر پر دے مارا. خون کے چھینٹے جب حضرت خالد کے چہرے پر پڑے تو ان کی زبان سے حضرت غامدیہ کے بارے میں نازیبا الفاظ نکل گئے. رسول اکرم ﷺ قریب ہی تھے، ان کے الفاظ آپ کے کان میں پڑ گئے، فوراً ارشاد ہوا:

''مَهْلاً يَا خَالِدُ! فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهُ''.

''خبردار اے خالد! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس خاتون نے ایسی خالص توبہ کی ہے کہ اگر ناجائز ٹیکس وصول کرنے والا بھی ویسی توبہ کرتا تو اس کی مغفرت ہو جاتی''.

پھر آپ ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت غامدیہ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور انہیں دفن کر دیا گیا.

[مسلم: کتاب الحدود (١٦٩٥)]

بیٹے کی سزا سو کوڑا اور ایک سال کی جلاوطنی ہے، اور اس کی بیوی کو سنگسار کیا جائے گا.

رسول اکرم ﷺ نے یہ مقدمہ سن کر فرمایا:

''وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهِ لَأَقْضِیَنَّ بَیْنَکُمَا بِکِتَابِ اللّٰهِ: الْوَلِیْدَةُ وَالْغَنَمُ رَدٌّ عَلَیْکَ، وَعَلَى ابْنِکَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِیْبُ عَامٍ، وَاغْدُ یَا أُنَیْسُ! إِلَى امْرَأَةِ هَذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهُ فَغَدَا عَلَیْهَا، فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا''.

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، یہ لونڈی اور سو بکریاں تم واپس لے جاؤ، اور تمہارے بیٹے کی سزا سو کوڑا اور سال بھر کی جلا وطنی ہے، اور اے اُنیس! اس کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ اعتراف کر لے تو اسے سنگسار کر دو. چنانچہ حضرت انیس رضی اللہ عنہ گئے اور جب اس عورت نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا تو اسے سنگسار کر دیا''(11).

سنن ابی داود، ترمذی اور مسند احمد میں ایک روایت آئی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں ایک عورت اندھیری رات میں نماز کے لیے نکلی، راستہ میں ایک آدمی نے اس کو پٹخ کر اسے چھپا لیا اور زبردستی اس کی عصمت دری کر کے بھاگ گیا. عورت نے جو شور مچانا شروع کیا تو لوگوں نے ایک دوسرے شخص کو پکڑ لیا جس کے بارے میں عورت نے گمان ظاہر کیا کہ اسی نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے. جب اسے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا گیا تو وہ آدمی جس نے حقیقتاً عورت کی عصمت دری کی تھی اور بھاگ گیا تھا، وہ لوٹ آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اس عورت کے ساتھ بدکاری کی ہے (اور یہ بیچارہ شک کی بنیاد پر پکڑ لیا گیا ہے!!).

رسول اکرم ﷺ نے عورت سے کہا:

''اذْهَبِی فَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَکِ''.

(۱۱) بخاری: الحدود/ الاعتراف بالزنا (۶۸۲۷)، ومسلم (۱۶۹۷).

''جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف فرما دیا''.

اور جو آدمی شک کی بنیاد پر پکڑ کر لایا گیا تھا، اس کے بارے میں اچھی بات کہی اور زانی کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، پھر فرمایا:

''لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ''.

''اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ویسی توبہ باشندگان مدینہ کرلیں تو ان کی مغفرت ہو جائے گی''(۱۲).

بخاری کی ایک روایت میں آیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ایک آدمی نے ایک لڑکی کی عصمت دری کر دی، آپ نے زانی کو کوڑے لگوائے اور لڑکی کو چھوڑ دیا(۱۳).

مولانا ابو الاعلی مودودی اپنی تفسیر تفہیم القرآن (۳۲۳/۳) میں لکھتے ہیں:

''یہ سزا اس لیے ہے کہ تمام داخلی وخارجی تدابیر اصلاح کے باوجود جو شریر النفس کھلے ہوئے جائز مواقع کو چھوڑ کر ناجائز طریقے سے اپنی خواہش نفس پوری کرنے پر اصرار کریں، ان کی کھال ادھیڑ دی جائے اور ایک بدکار کو سزا دے کر معاشرے کے ان بہت سے لوگوں کا نفسیاتی آپریشن کر دیا جائے جو اس طرح کے میلانات رکھتے ہیں''.

زانیوں کے لیے دنیاوی زندگی میں سخت اور رسوا کن سزا تو ہے ہی، آخرت میں بھی ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے دردناک سزائیں مرتب کر رکھی ہیں جیسا کہ رسول اکرم ﷺ معراج والے قصہ میں بیان فرماتے ہیں:

''فَأَتَيْنَا عَلَى مِثْلِ التَّنُّورِ، فَإِذَا فِيْهِ لَغَطٌ وَأَصْوَاتٌ، فَاطَّلَعْنَا فِيْهِ، فَإِذَا فِيْهِ رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ، وَإِذَاهُمْ يَأْتِيْهِمْ لَهَبٌ مِنْ أَسْفَلَ مِنْهُمْ، فَإِذَا أَتَاهُمْ ذَلِكَ اللَّهَبُ

(۱۲) [حسن] أبو داود: كتاب الحدود (٤٣٧٩)، ترمذی (١٤٥٤)، أحمد (٣٩٩/٦).

(۱۳) بخاری بحواله مشكاة، تحقيق الألبانی (٣٥٨٠).

ضَوْضَوْا ... فَإِنَّهُمُ الزُّنَاةُ وَالزَّوَانِي "(۱۴).

"ہم تنور کی طرح ایک کنواں کے پاس آئے (جس کا منہ تنگ اور اندرونی حصہ کشادہ تھا) اس کے اندر سے چیخنے چلانے کی آوازیں آرہی تھیں، ہم نے اس کے اندر جھانک کر دیکھا تو اس میں ننگے مرد اور ننگی عورتیں تھیں، ان کے نیچے سے آگ بھڑکتی ہوئی اوپر کو آتی تھی، جب آگ کی لپیٹ ان پر آتی تو وہ زور زور سے چلاتے تھے... یہ زنا کار مرد اور زنا کار عورتیں تھیں".

معراج ہی کی ایک روایت میں ہے:

"جہنم میں سنڈاس سے بھی زیادہ بدبو آرہی تھی تو میں نے پوچھا: یہ کون ہے اور کس کی بدبو ہے؟ جواب ملا: یہ زنا کار مرد عورتیں ہیں جن کی شرمگاہوں کی یہ بدبو ہے".

اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ زنا کاروں کے چہروں پر آگ بھڑکے گی. ارشاد نبوی ہے:

"إِنَّ الزُّنَاةَ تَشْتَعِلُ وُجُوهُهُمْ نَاراً".

"زنا کاروں کے چہروں پر جہنم کی آگ بھڑکے گی"(۱۵).

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ زبور کے اندر آیا ہے:

"إِنَّ الزُّنَاةَ مُعَلَّقُونَ بِفُرُوجِهِمْ فِي النَّارِ يُضْرَبُونَ عَلَيْهَا بِسِيَاطٍ مِنْ حَدِيدٍ".

"زنا کار مرد اور زنا کار عورتوں کو ان کی شرمگاہوں کے ذریعہ جہنم میں لٹکا دیا جائے گا اور ان کی شرمگاہوں پر لوہے کے گرز سے مارا جائے گا"(۱۶).

زنا کے اڈے:

یہ انسان جس کو اشرف المخلوقات کہا گیا ہے، جب خباثت ورذالت پر اترتا ہے تو ایسا ایسا کام کر گزرتا ہے جس کا تصور بھی ایک گناہ ہے. ان ہی رذیل ترین کاموں میں سے ایک یہ

(١٤) بخاری، التعبير/ تعبير الرؤيا بعد صلاة الصبح (٧٠٤٧)، نیز دیکھئے رقم: (١٣٨٦).

(١٥) [ضعيف] مجمع الزوائد (٦/ ٢٥٥)، الترغيب والترهيب (٣٥٢٥).

(١٦) الكبائر (٥١) بحواله نضرة النعيم: (١٠/ ٤٥٨٣).

ہے کہ بے غیرت لوگوں نے انسانی نسلوں کی تباہی کا بیڑہ اٹھا لیا ہے. چنانچہ انہوں نے نہ تو اپنی ماؤں کی عفت وعصمت کو دیکھا، نہ اپنی بہنوں کی عزت وآبرو کا لحاظ رکھا اور نہ ہی اپنی بیٹیوں کے آنسوؤں کا کوئی خیال کیا.

اگر یہ رذیل لوگ اپنی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی عفت وعصمت اور عزت وآبرو محفوظ رکھنا چاہتے تو ہرگز ہرگز یہ زنا کے اڈے قائم نہیں کرتے. لیکن جس کی رگ میں شیطنت کا خون دوڑ رہا ہو اور جس کی فطرت مسخ ہو چکی ہو، بھلا اسے کون سمجھا سکتا ہے؟!!

مغربی ممالک ہوں یا مشرقی، چند ایک کو چھوڑ کر تقریباً دنیا کے سارے ہی ممالک میں زنا کے اڈے قائم ہیں جہاں بھڑووں کا راج ہوتا ہے اور جہاں بے غیرت اور دیوث لوگوں کی آمد ورفت برابر جاری رہتی ہے. امریکی جریدہ ''ٹائمز'' کے مطابق جرمنی، فرانس، چیکوسلوکیہ، رومانیہ، ہنگری اور بلغاریہ کی بڑی بڑی شاہراہوں پر فاحشہ عورتیں قطار باندھے کھڑی دکھائی دیتی ہیں. برلن اور پراگ کو ملانے والی بارہ سو کلو میٹر لمبی شاہراہ غالباً دنیا کا ارزاں ترین اور طویل ترین جنسی اڈہ ہے جہاں سے گزرنے والوں کو نہایت سستی عیاشی کے لیے نوخیز اور حسین وجمیل لڑکیاں مل جاتی ہیں (۱۷).

ایک رپورٹ کے مطابق بمبئی کی ایک ذیلی عدالت نے قحبہ خانوں سے آزاد کرائی گئی لڑکیوں کے ریمانڈ ہوم میں جاری مبینہ بدعنوانیوں کی سی آئی ڈی کے ذریعہ تحقیقات کا حکم دیا. پولیس نے قحبہ خانے پر چھاپہ مار کر 87 کمسن لڑکیوں کو آزاد کرایا اور انہیں عدالت کے حکم کے مطابق ریمانڈ ہوم میں رکھا گیا، لیکن وہاں سے 45 لڑکیاں غائب ہو گئیں (۱۸).

غیر مسلم ممالک میں اگر اس قسم کے غیر اخلاقی اڈے قائم ہیں تو ہمیں اس پر زیادہ تعجب نہیں. کیوں کے جہاں ایمان وعقیدہ کا کوئی صحیح تصور نہ ہو، وہاں بے حیائیاں وبدکاریاں عام

(۱۷) نوائے وقت: ۲۶/ جون ۱۹۹۷ء.
(۱۸) اردو نیوز جدہ سعودی عرب ۱۷/ فروری ۲۰۰۲ء

ہوتی ہیں؛ بلکہ وہاں کی حکومتیں ایسے بہت سارے ناجائز وغیر اخلاقی کاموں کے لیے باضابطہ لائسنس بھی جاری کرتی ہیں جس کی مثالیں آج بکثرت دیکھی جاسکتی ہیں (۱۹).

لیکن ہمیں افسوس تو اس وقت ہوتا ہے جب مسلمانوں کی حکومتوں میں اس قسم کے غیر اخلاقی اڈے دیکھنے کو ملتے ہیں. دبئ کے وہ طوائف خانے جہاں ملکی وغیر ملکی بے غیرت لوگوں کے لیے حسیناؤں کا انتظام ہے، کیا وہ بھی کوئی کافروں کا ملک ہے؟ مصر واردن کے اندر فحاشی پھیلانے والے اداروں میں جہاں سیکڑوں لڑکیاں اپنی عصمت کا سودا کرر ہی ہیں، کیا وہ بھی کوئی کافر مما لک ہیں؟ اور اسلام کے نام پر آج سے تقریباً پچپن سال قبل آزادی حاصل کرنے والا پاکستان بھی کوئی کافر ملک ہے جہاں کے بڑے شہروں میں طوائف خانے بے غیرت لوگوں کی آمد ورفت کا اڈہ بنے ہوئے ہیں؟! لاہور کا محلّہ جو **"بازارحسن"** کے نام سے معروف ہے اور جس کی طرف منسوب کر کے ایک معروف پاکستانی صحافی نے اپنی کتاب ہی کا نام **"پارلیامنٹ سے بازارحسن تک"** رکھ دیا ہے، کیا وہاں دن رات جنسی ہوس کے پاگل کتوں

---

(۱۹) بہت ساری حکومتوں میں عفت وعصمت کے پامال ہونے کے ایسے قوانین نافذ ہیں جو آگے چل کر جنسی اڈہ اور قحبہ خانہ قائم کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں، جیسا کہ برطانوی قانون کے مطابق چار سال کے بعد ہر بچہ کو اسکول بھیجنا لازمی ہے. اسکول میں زیرِ تعلیم بچوں کو ابتدا سے ہی ایک دوسرے کے ساتھ برہنہ ہو کر غسل کرنے کی باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے. بڑی کلاسوں میں پہنچنے کے بعد نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے مشترکہ سوئمنگ لازمی ہوتی ہے. اسی طرح برلن میں ہر سال پندرہ جولائی کو تقریباً پانچ لاکھ نوجوان برہنہ لڑکوں اور لڑکیوں پر مشتمل ایک ریلی نکلتی ہے جسے "محبت کا قافلہ" نام دیا جاتا ہے [دیکھیے کتاب الجدران المتصدعة - عبدالناصر بن محمد مغنم]، اسی طرح امریکہ کی ریاست انڈیانا میں نیکڈ سٹی کے نام سے ایک شہر آباد ہے، وہاں ہر سال پوری دنیا کی مادر زاد برہنہ ہونے کی شوقین عورتوں کی "ویمن نیوڈ ورلڈ" مقابلہ ہوتے ہیں.

[دیکھیے میری کتاب: غیرت کا فقدان اور اس کا علاج ص ۲۱۴، دوسرا ایڈیشن].

اب اندازہ کریں جہاں اس طرح کے غیر اخلاقی اصول وقوانین ہوں، وہاں زنا کے اڈے کو خصوصی لائسنس فراہم کرنا حکومت کے لیے کون سا بڑا جرم ہوسکتا ہے؟!!

کے لیے ہڈیوں کے طور پر خود کو پیش کرنے والی بیسوائیں کسی کافر گھرانے کی پروردہ ہیں؟!
نہیں، یہ ملک بھی مسلمانوں کا ہے اور یہاں کے ان اڈوں کو چلانے والے بھی مسلمان ہیں اور ان کے اندر اپنی عصمت وعفت کو نیلام کرنے والی بیسوائیں بھی کسی کافر گھرانے کی پروردہ نہیں ہیں!!
یہ ان اڈوں کی بات ہے جہاں یہی کاروبار ہوتا ہے جو کہ کہیں بھی نہیں ہونا چاہیے تھا اور بالخصوص مسلمانوں کے ممالک میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جانا چاہیے تھا. مگر اس سے بھی زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ پاکستان کے بہت سے مذہبی اڈے (مزاروں) پر بھی یہ غیر اسلامی اور فحش ترین کام انجام دیا جاتا ہے. پاکستان کے روزنامہ ''خبریں'' مورخہ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۹۲ء کے مطابق بہاولپور میں خواجہ محکم الدین میرائی کے سالانہ عرس پر آنے والی بہاولپوری یونیورسٹی کی دو طالبات کو سجادہ نشین کے بیٹے نے اغوا کر لیا جب کہ ملزم کا باپ سجادہ نشین منشیات فروخت کرتے ہوئے پکڑا گیا.

''داتا میلے کی آڑ میں مجرے، فحش گانوں پر گرما گرم ڈانس، پولیس اور انتظامیہ کے تعاون سے درجنوں طوائفوں کا مجرا زور شور سے جاری فحش گانوں پر ہیجان انگیز رقص دیکھنے کے لیے دس سالہ بچہ سے لے کر ستر سالہ بابے سیکڑوں کی تعداد میں آتے ہیں، چرس کا دھواں، فحش فقرے بازی اور بھنگڑہ ماحول کو مزید گرما دیتا ہے. سوسو کے نوٹ نچھاور کیے جاتے ہیں، ایک طوائف اسٹیج پر آ کر ان کا دل لبھانا شروع کر دیتی، ایک موقع پر رقص کرتی طوائفیں کمر کے بل زمین پر لیٹ گئیں تو تماشائی اٹھ کھڑے ہوئے اور اس ہنگامے میں سیکڑوں کرسیاں ٹوٹ گئیں''(۲۰).

اس خبر سے مسلم معاشرے کی بے غیرتی و بے حمیتی کا اندازہ لگائیے!!

اب ذرا جواب دیں وہ لوگ جنھوں نے اسلام کے نام پر ایک بڑے ملک سے اپنا حصہ لیا تھا کہ آخر وہاں رسول اکرم ﷺ کے فرامین کو اس قدر پامال کیوں کیا جا رہا ہے؟ اور کیوں مسلم ملک میں مسلمان دیوثوں کی رہبری میں اسلامی خواتین کی عصمت وعفت بر سر عام نیلام ہو رہی ہے؟!

(۲۰) خبریں رپورٹ، بحوالہ ''شاہراہ بہشت پر'' از امیر حمزہ (ص ۹۰).

ایسے لوگ جو معاشرے میں عصمت و عفت کی نیلامی کے اڈے قائم کرتے ہیں، وہ اسلام کی نگاہ میں بہت بڑے مجرم اور فسادی لوگ ہیں. جو لوگ اس دھندے میں پکڑے جائیں، انہیں دنیا میں بھی سخت سزا دی جائے گی اور آخرت میں بھی وہ سخت عذاب کے مستحق ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ﴾

''جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے''۔ [النور: ۱۹]

یہ زنا کے اڈے جہاں کہیں بھی پائے جائیں، انہیں مسمار کرنا اور اس جرم میں ملوث افراد کو سخت سزائیں دینا مسلم حکمرانوں کا فرض ہے. رسول اکرم ﷺ نے اس کی تعلیم دی ہے اور جاہلیت میں موجود ان اڈوں کے خلاف آواز بلند کی ہے. جیسا کہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی زنا کے اڈے قائم تھے جہاں عورتیں خبیث بے غیرتوں کے لیے ہمہ وقت دستیاب رہتی تھیں. بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بدکار عورتیں اپنے دروازوں پر جھنڈے گاڑے رکھتیں، جو چاہتا وہاں جا کر ان کے ساتھ بدکاری کرتا تھا(۲۱).

علامہ قرطبی نے لکھا ہے:

''زمانۂ جاہلیت میں بدکار عورتیں علانیہ زنا کراتیں اور علامت کے طور پر اپنی رہائش کے اوپر جھنڈے گاڑ دیا کرتی تھیں جیسے نعل بندی کرنے والا اپنے پاس علامتی جھنڈا نصب کر رکھتا ہے تا کہ حسب خواہش لوگ وہاں پہنچ جائیں''(۲۲).

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کے پاس دو لونڈیاں تھیں، ایک کا نام مُسیکہ اور دوسری کا نام امیمہ تھا. عبداللہ بن ابی ان دونوں لونڈیوں کو زنا

(۲۱) بخاري: النكاح، من قال لا نكاح إلا بولي (۵۱۲۷).
(۲۲) تخریج کے لیے دیکھئے صفحہ (۳۶۱)، حاشیہ (۴).

پر مجبور کرتا تھا (اور ان کو اپنی آمدنی کا ذریعہ بنائے ہوا تھا)، ان دونوں لونڈیوں نے جب اس بات کا شکوہ رسول اکرم ﷺ سے کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلاَ تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّناً لِتَبْتَغُوْا عَرَضَ الحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ﴾[النور:٣٣]

''تمہاری جو لونڈیاں پاک دامن رہنا چاہتی ہیں انہیں دنیا کی زندگی کے فائدے کی غرض سے بدکاری پر مجبور نہ کرو اور جو انہیں مجبور کردے تو اللہ تعالیٰ ان پر جبر کے بعد بخش دینے والا اور مہربانی کرنے والا ہے''(٢٣).

سدّی کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت کریمہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئی. اس کے پاس ایک لونڈی تھی جس کا نام معاذہ تھا. جب کبھی کوئی اس کے یہاں مہمان ہوتا تو وہ اس لونڈی کو اپنے مہمان کے پاس بھیجتا تا کہ وہ اس لونڈی کے ساتھ اپنی شہوت پوری کرے. اس سے اس منافق کی غرض یہ ہوتی کہ وہ اس طرح مہمان سے دولت وثروت طلب کرے. ایک مرتبہ وہ لونڈی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس بات کا شکوہ کیا. حضرت ابوبکر نے نبی کریم ﷺ سے جب اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ نے اس لونڈی کو روک رکھنے کا حکم دیا. جب عبداللہ بن ابی کو اس کی خبر ہوئی تو وہ چلا اٹھا:

''مَنْ يَعْذُرْنَا مِنْ مُحَمَّدٍ؟ يَغْلِبُنَا عَلَى مَمْلُوكَتِنَا؟''.

''ہمیں محمد سے کون بچائے گا؟ وہ ہمارے ساتھ ہماری لونڈی پر بھی غالب ہوگیا''.

اس واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی(٢٤).

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن ابی اپنے اسلام کا اعلان کرنے سے قبل اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور کرتا تھا.

---

(٢٣) مسلم: التفسير/ فی قوله تعالى: ﴿ولا تكرهوا فتياتكم على البغاء﴾ (٣٠٢٩).
(٢٤) أخرجه ابن أبي حاتم في تفسيره، نیز دیکھئے: الدر المنثور (١٩٣/٦)، وابن کثیر (٢٥٠٤/٦).

غرض جو لوگ زنا کے اڈے قائم کرتے ہیں وہ اسلام کی نگاہ میں ذلیل ترین مجرم ہیں جنہیں سخت سے سخت سزا ملنی چاہیئے. زنا کے اڈوں کے ذریعہ آمدنی پیدا کرنے والے دیوث حرام کھاتے ہیں اور جہنم کی آگ اپنے پیٹ میں جمع کرتے ہیں. رسول اکرم ﷺ نے زنا کاری کی آمدنی سے منع فرمایا ہے، اوراسے خبیث وحرام بتاتے ہوئے فرمایا ہے:

''مَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيْثٌ''. ''زانیہ کی اجرت خبیث وحرام ہے''(۲۵).

پھر وہ عورتیں جو زنا کے اڈوں میں جاجا کر اپنی عفت وعصمت کو نیلام کرتی ہیں انہیں سخت عذاب کی دھمکی آئی ہے. حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا:

'تُفْتَح أَبْوَابُ السَّمَاءِ نِصْفَ اللَّيْلِ فَيُنَادِي مُنَادٍ: هَلْ مِنْ دَاعٍ فَيُسْتَجَابَ لَهُ؟ هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَيُعْطَى؟ هَلْ مِنْ مَكْرُوبٍ فَيُفَرَّجَ عَنْهُ؟''.

''روزانہ آدھی رات کو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پکارتا ہے: ہے کوئی دعا مانگنے والا جس کی دعا قبول کی جائے؟ ہے کوئی مانگنے والا جسے دیا جائے؟ ہے کوئی ستم رسیدہ جس کی تکلیف دور کی جائے؟''.

''فَلَا يَبْقَى مُسْلِمٌ يَدْعُو بِدَعْوَةٍ إِلَّا اسْتَجَابَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ إِلَّا زَانِيَةً تَسْعَى بِفَرْجِهَا أَوْ عَشَّاراً''.

''چنانچہ ہر مسلمان کی دعا اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے؛ صرف دو آدمیوں کی دعائیں قبول نہیں کرتا: ایک وہ عورت جو اپنی شرمگاہ کو زنا کرانے کے لیے اِدھر اُدھر دوڑاتی پھرتی ہے اور دوسرے وہ آدمی جو ناجائز ٹیکس وصول کرتا ہے''(۲۶).

جو مرد زنا کاری کے لیے بن سنور کر طوائف خانوں کا چکر لگاتے ہیں یا جو عورتیں زنا کاری

(۲۵) مسلم: المساقاة (۱۵۶۷)، بخاری (۲۲۳۷)، أبوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، موطأ، أحمد.
(۲۶) [صحیح] المجمع (۳/۸۸)، الطبرانی (۸۳۹۱)، الترغیب (۳/۲۳۰) الصحیحة (۱۰۷۳).

کے لیے بناؤ سنگار کرتی ہیں وہ آتش جہنم کا ایندھن ہوں گی اور آگ کی قینچی سے ان کی کھالیں کاٹی جائیں گی.

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"لَمَّا عُرِجَ بِي مَرَرْتُ بِرِجَالٍ تُقْرَضُ جُلُودُهُمْ بِمَقَارِيضَ مِنْ نَارٍ".

"شب معراج کو میرا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کی کھالیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جارہی تھیں".

میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبریل نے فرمایا:

"اَلَّذِيْنَ يَتَزَيَّنُونَ لِلزَّنْيَةِ".

"یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کے لیے بناؤ سنگار کرتے تھے".

"ثُمَّ مَرَرْتُ بِجُبٍّ مُنْتِنِ الرِّيحِ فَسَمِعْتُ فِيهِ أَصْوَاتًا شَدِيدَةً".

"پھر میرا گزر ایک بدبو دار ہوا کے کنویں کے پاس سے ہوا جس میں میں نے چیخنے چلانے کی آوازیں سنیں".

میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا:

"نِسَاءٌ كُنَّ يَتَزَيَّنَّ لِلزَّنْيَةِ وَيَفْعَلْنَ مَا لَا يَحِلُّ لَهُنَّ".

"یہ وہ عورتیں ہیں جو زنا کے لیے زیب و زینت اور بناؤ سنگار کرتی تھیں اور وہ کام کرتی تھیں جو ان کے لیے حلال نہیں تھا"(۲۷).

لہٰذا زنا کاری سے متعلق کسی بھی قسم کا تعاون فراہم کرنے والے مسلمانوں یا مسلم حکمرانوں کو ہوشیار ہو جانا چاہیے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی مخالفت کر کے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا رہے ہیں؟!!

(۲۷) شعب الإيمان (۶۷۵۰)، وقال: هذا مرسل. دیکھئے: الترغيب والترهيب، رقم: (۳۵۶۱).

ایک غور طلب بات:

موضوع کے اختتام پر ایک بات کی طرف نشاندہی کر دینا ضروری ہے. وہ یہ کہ زنا کا ارتکاب کرنے والے لوگ خود اپنے گھر سے مطمئن کیوں کر ہو سکتے ہیں جبکہ ان کی یہ غلطی ان کے گھر کو بھی برباد کر سکتی ہے؟ کیوں کہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جو آدمی کسی کی بہن بیٹی کی عصمت لوٹتا ہے اس کے گھر بھی یہ حادثہ رونما ہو جاتا ہے. میں نے خود دیکھا ہے کہ ایک آدمی ایک شخص کی بیوی کو بھگا لے گیا مگر کچھ ہی دنوں کے بعد اس کی شادی شدہ نوجوان بیٹی پڑوس کے لڑکے کے ساتھ بھاگ گئی. اس قسم کے بیشتر واقعات پیش آتے ہیں جن کا آپ مسلم معاشروں میں مشاہدہ کر سکتے ہیں. اس لیے زنا کی خواہش رکھنے والوں کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں. دیکھا جاتا ہے جو زنا کرتا ہے اس کے گھر بھی زنا کیا جاتا ہے. کسی عربی شاعر نے خوب کہا ہے:

مَنْ يَزْنِ يُزْنَا بِهِ وَلَوْ بِجِدَارِهِ   إِنْ كُنْتَ يَا هَذَا لَبِيْباً فَافْهَمْ

(اے شخص! اگر تمہیں ہوش کے ناخن ہیں تو سمجھ لو کہ جو زنا کرے گا اس کے گھر میں بھی زنا کیا جائے گا خواہ موٹی موٹی دیواریں حائل کیوں نہ ہوں).

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

"عِفُّوْا تَعِفَّ نِسَاءُ كُمْ".

"پاکدامن رہو، تمہاری عورتوں کی عفت وعصمت بھی محفوظ رہے گی"۔(۲۸).

اس بات کا ایک واضح ثبوت ہفت روزہ فرائیڈے اسپیشل کے حوالے سے پڑھیں اور دیکھیں کہ زنا کار کے گھر میں بھی کیسے پاپ جنم لیتا ہے؟!

مذکورہ میگزین میں عنوان "زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے" کے تحت درج ذیل سنسنی خیز خبر چھپی ہے:

"اسرائیل کے ایک عیاش یہودی کو اس وقت دل کا دورہ پڑ گیا جب ہوٹل کے کمرے میں

(۲۸) مجمع الزوائد (۸/۸٤)، ضعيف الجامع (۲۳۲۸). نیز دیکھئے صفحہ (۲۴۲) حاشیہ (۱۹).

بلائی جانے والی ''کال گرل'' اس کی اپنی بیٹی نکلی. تفصیلات کے مطابق اسرائیل کے ساحلی علاقے ایلات میں ایک 48 سالہ یہودی تاجر نے ہوٹل میں قیام کے دوران ایک کال گرل کو طلب کیا، تاہم اس وقت اسے شدید جھٹکا لگا جب دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہونے والی کال گرل اس کی اپنی بیٹی نکلی، یہودی تاجر یہ جھٹکا برداشت نہ کر سکا اور اسے دل کا دورہ پڑ گیا. اسے فوری طور پر مقامی اسپتال لے جایا گیا جہاں اس نے اپنی بیوی سے اس المناک واقعے کا اعتراف کیا. اس کی بیوی یہ سن کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی. اس نے اس کوشش کے ساتھ کہ اس کی بیٹی سیدھے راستے پر آ جائے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ بھی کر دیا ہے''(۲۹).

ذرا فکر کریں وہ خبیث النفس لوگ جو دوسروں کی عزت پر دھاوا بولنے کی فکر میں رہتے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کی عصمت بھی اندر اندر برباد ہو رہی ہے؟!!

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَلْبَابِ.

---

(۲۹) دیکھئے ہفت روزہ فرائیڈے اسپیشل، 6-12 / دسمبر 2002ء، کراچی پاکستان.

[اخبار اردو نیوز نے 10 اپریل 2005ء کے شمارے میں ایک سنسنی خیز خبر شائع کی ہے جو دوسروں کی بہن بیٹیوں کی عزت پر ڈاکہ ڈالنے والوں کے لیے انتہائی درس عبرت ہے. اخبار نے اس خبر پر یہ عنوان قائم کیا ہے:

''اجتماعی زیادتی کا ملزم طالبعلم، بہن کو سامنے پا کر بے ہوش!! دماغ کی رگ پھٹ گئی''

اخبار لکھتا ہے:

''کراچی (آن لائن) پاکستان... ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی میں ... ایک اعلیٰ طبقے کے نجی اسکول کے 4 طالبعلموں نے اپنے ہی اسکول کی ایک لڑکی سے اجتماعی زیادتی کا منصوبہ بنایا۔ منصوبے کے مطابق جب تین لڑکے مذکورہ لڑکی سے زیادتی کر چکے اور چوتھا لڑکا زیادتی کی نیت سے کمرے میں داخل ہوا تو لڑکی کو دیکھ کر اسے برین ہیمبرج ہو گیا کیونکہ زیادتی کا شکار ہونے والی لڑکی اس کی سگی بہن تھی''۔

قارئین! یہ ہے دوسروں کی بہن بیٹی پر بری نگاہ ڈالنے اور دوسرے کی عزت پر ڈاکہ ڈالنے کا انجام!! پھر وہ لوگ اپنی عورتوں سے کیوں کر مطمئن ہیں جو رات دن دوسروں کی خواتین کی عزت پر حملہ کرنے کی تاک میں رہتے ہیں؟!! اب بھی ہوش نہیں آیا؟!! (اضافات)]

لواطت اور اغلام بازی کرنے والوں کی سرزنش

جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد فطری طور پر ایک انسان کے اندر جنسیات سے متعلق طرح طرح کے خیالات وتصورات پیدا ہوتے رہتے ہیں. ایک نوجوان اپنے عنفوان شباب میں ایک دوسری ہی آنکھ سے دیکھتا ہے جو تصدیق کی کم اور تصور کی زیادہ قوت رکھتی ہے، ایسے جذباتی مرحلے میں اسلام نے شادی کی پاکیزہ تعلیم دے رکھی ہے. مگر اکثر جگہوں میں تعلیم یا ملازمت کی فکر میں مسلم سوسائٹی اپنے نوجوانوں کی شادی وقت پر مناسب رشتہ دیکھ کر کرنے میں ناکام ہے. جس کی وجہ سے حدیث کے الفاظ میں ''فتنہ'' یا ''فساد کبیر'' کا ماحول پیدا ہوگیا ہے. جہاں عشق ومحبت کا بازار گرم ہوتا ہے، وہاں تو لڑکے اور لڑکیاں اپنا من پسند دوست والدین کے سینوں پر بارودی گولیاں چلا کر منتخب کر لیتے ہیں، لیکن جہاں یہ فضا ناپید ہے یا قانونی وسوسائٹی حدبندیاں ہیں وہاں لامحالہ نوجوان اپنے ہی صنف کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتے ہیں جس سے اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کر سکیں.

سعودی عرب جو اس دور میں پاکیزہ ملک شمار ہوتا ہے، لیکن مہر کی مہنگائی بالفاظ دیگر مہر کے نام پر سرپرستوں کی جانب سے بیٹیوں کی تجارت نے شادی کے مسئلہ کو یہاں پیچیدہ اور مشکل ترین بنا دیا ہے. جس کی وجہ سے نوجوانوں میں بے راہ روی وبدفعلی اور لواطت واغلام بازی کے کیس یہاں بھی پائے جانے لگے ہیں؛ بلکہ نوجوان طبقہ کی شادی وقت پر نہ ہونے کے سبب یہاں چھپ چھپا کر زنا کے مرتکبین کی تعداد بڑھ رہی ہے جس کے سبب ناجائز بچوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور جس کے بارے میں محکمہ کے ذمہ داروں نے شادی میں تاخیر کو سانحۂ افسوس بتایا ہے [1].

(۱) اردو نیوز، جدہ سعودی عرب، جنوری ۲۰۰۴ء (افسوس تاریخ یاد نہیں رہی).

مغربی ممالک میں تو اب لواطت واغلام بازی بلکہ ایک ہی صنف سے شادی رچانا فیشن بن چکا ہے اور بل کلنٹن نے گزشتہ دنوں قومِ لوط کی آل کے مطالبات کو اہمیت دیتے ہوئے وہائٹ ہاؤس کے سامنے مظاہرین کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے اغلام بازی اور لواطت کو مزید فروغ دے دیا ہے. چنانچہ اس نے کہا تھا:

''میں امریکی معاشرہ کے تمام گروہوں اور ہم جنس خواتین وحضرات کے درمیان مساوات کے قیام کے لیے کی جانے والی جدوجہد کی بھرپور تائید کرتا ہوں''(۲).

یورپی عوام کی ہم جنسیت میں بڑھتی ہوئی دلچسپی کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اب ان کے ہاں سرکاری وعوامی سطح پر ہم جنسیت کوئی قابلِ اعتراض یا غیر اخلاقی جرم نہیں رہا. یورپ کی کئی پارلیامنٹوں اور حکومتوں نے اسے قانونی تحفظ دیا ہوا ہے. برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر کی بیوی نے کچھ عرصہ قبل ہی ایک ہم جنس پرست جوڑے کا باقاعدہ مقدمہ لڑا اور یہ مطالبہ کیا کہ ان کو پارٹنرشپ کے برابر حقوق دیے جائیں اور ابھی اوپر آپ نے بل کلنٹن کا خطاب بھی ملاحظہ فرمایا.

غیر مذہبی لوگوں کی یہ بے راہ روی تو ایک طرف، لیکن یہ کسے معلوم تھا کہ تقدس ورہبانیت اور تجرد کی عبائیں چڑھائے ہوئے، خطاؤں سے عاری اور لوگوں کے گناہ بخشنے کے پروانے جاری کرنے والے ان کے پیر ورہنما، پیشوا اور پادری غیر اخلاقی وغیر فطری جرائم کے میدان میں اپنے عوام کو بھی پیچھے چھوڑ جائیں گے؟! مارچ ۲۰۰۲ء میں بوسٹن کی آرچ ڈایوسس نے صرف ایک پادری گوہن کے ہاتھوں زیادتی سے متاثرہ ۸۶ لوگوں کو ۲۰ ملین ڈالر ادا کیے. ۱۹۹۴ء میں گوہن کی خاطر ہی ایک گروپ کو ۱۵ ملین اور ایک خاندان کو ۴ لاکھ ملین ڈالر ادا کیے اور ابھی ۱۲۰ دعووں کو نمٹانا باقی ہے. اپریل ۲۰۰۲ء میں میکسیکو میں جنسی زیادتی کے کیسوں میں ملوث پادریوں کے دفاع میں منعقد ہونے والی بشپ حضرات (Bishop پوپ کے بعد سب سے

(۲) روزنامہ یو ایس اے ۲۷/ اپریل ۱۹۹۳ء.

بڑا عہدہ ہے) کی کانفرنس میں جہاں بعض ارکان نے یہ اعتراض کیا کہ چرچ نے متاثرین کو خاموش کرنے کے لیے بھاری رقوم ادا کی ہیں تو ایک بڑے بشپ نے پریس کانفرنس میں اس فعل کی یہ کہہ کر توجیہہ کی:

"Dirty laundery is best washed at home"

''گندے کپڑے گھر پر ہی بہتر دھوئے جاتے ہیں''

امریکہ اور مغرب میں چرچ کے چھوٹے سے لے کر بڑے پادریوں اور ذمہ داران میں جنسی زیادتی کا جرم بڑھنے کا بنیادی سبب یہی ہے کہ عیسائیوں نے راہبوں اور پادریوں کے لیے خودساختہ قانون کے تحت شادی کو ممنوع قرار دے دیا؛ جبکہ تورات وانجیل میں کہیں بھی یہ غیر فطری حکم نہیں ہے. چنانچہ ایک طرف وہاں جنسی بے راہ روی کا اس قدر طوفان ہے کہ یورپی پارلیامنٹ ہم جنس پرستی کو قانونی تحفظ دے چکی ہے اور عوام بے لگام جنسی آزادیوں کے نتیجہ میں اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکی ہے تو دوسری طرف پادریوں کے تجرد کے خلاف کوئی تحریک نہیں جس کے نتیجے میں وہ بھی ہم جنسیت کا شکار ہو چکے ہیں اور خودساختہ مذہبی پابندیوں کے سبب غیر فطری تعلقات کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں اور اس طرح کنوارے پادریوں کے رنگیلے کارناموں سے پورا یورپی ماحول مکدر اور کریہہ ہو چکا ہے. قرآن نے سچ کہا ہے:

﴿ وَرَهبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾

''اور انہوں نے لذات سے کنارہ کش ہو کر خود ہی ایک نئی بات نکالی جس کا ہم نے ان کو حکم نہیں دیا تھا، مگر انہوں نے (اپنے خیال کے مطابق) اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے (آپ ہی ایسا) کر لیا تھا، پھر جیسا اس کو نباہنا چاہیے تھا، نباہ نہ سکے''۔ [الحدید: ۲۷] (۳)

دراصل فطری قانون سے انحراف کا نتیجہ ہی بڑا خطرناک نکلتا ہے. اللہ تعالیٰ نے مردوں

(۳) ملاحظہ فرمائیں مجلّہ الدعوۃ، جولائی ۲۰۰۲ء، مضمون ''کنوارے پادریوں کے رنگیلے کارنامے'' کا خلاصہ.

کے لیے عورتوں سے اور عورتوں کے لیے مردوں سے شادی کا نظام بنا کر بنی نوع انسان کو دیگر بہت ساری برائیوں سے محفوظ کر کے اطمینان وسکون کا سامان فراہم کیا تھا مگر انسانوں نے اس نظام عفت وعصمت کو پامال کر کے خود ہی اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کو جنم دے لیا. حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس گھناؤنے جرم سے بچنے کی تلقین کی تو ان کی ظالم قوم نے خود انہی کے مہمان فرشتوں پر دست درازی کرنے کی ٹھان لی جو خوبصورت انسانوں کی شکل میں ان کے پاس آئے ہوئے تھے. حضرت لوط علیہ السلام نے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی اور کہا کہ یہ ہماری قوم کی بیٹیاں ہیں ان سے شادی کر کے لطف اندوز ہو، مگر سرکش قوم پر بدبختی کا ستارہ منڈلا رہا تھا، وہ کاہے کو رک سکتی تھی! چنانچہ مہمان کی شکل میں آئے ہوئے فرشتوں نے اللہ کے حکم سے پوری قوم کو الٹ کر اوپر سے پتھروں کی بارش کر دی۔ [ہود: ۸۲-۸۳]

لوط علیہ السلام کے بعد کے زمانوں میں یہ مرض پایا جانے لگا. مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بدفعلی ولواطت کے اس گھناؤنے جرم کا وجود قبل مسیح بھی تھا. یونان اور روما کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں یہ فعل شنیع انتہائی عروج پر تھا. اس تلذذ بالمثل یا امرد پرستی کے سلسلہ میں لوگوں نے سقراط، ارسطو، سکندر اعظم اور جولیس سیزر وغیرہ کا نام بھی لیا ہے.

شادی سے انحراف ہی کا نتیجہ تھا کہ تیرہویں صدی عیسوی کے فرانس میں امرد پرستی کا بڑا زور تھا اور ۱۲۱۲ء میں حکومت کو اس سلسلہ میں یہ قانون پاس کرنا پڑا کہ اس گھناؤنے فعل کی سزا قتل ہے. مشرقی ممالک میں ایران کا نام بدنام ہے. فارسی شاعری سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے. اس سلسلہ میں کراچی کا نام بھی لیا گیا ہے کہ ۱۹۴۵ء میں وہاں تین اڈے ایسے پائے گئے جہاں ہیجڑے لڑکے عصمت فروشی کیا کرتے تھے، افغانستان کے متعلق بھی بعض مصنفین کا بیان ہے[(۴)].

غرض جن جن قوموں نے شادی کے قدرتی نظام کو درہم برہم کیا، ان کے اندر لواطت وبدفعلی کا رواج عام ہونے لگا اور جس کا بین ثبوت آج کی وہ جگہیں ہیں جہاں شادی مشکل بن چکی ہے.

(٤) دیکھئے کتاب: اسلام کا نظام عفت وعصمت (ص ۲۶۳)، مولانا ظفیر الدین.

اس دور میں تو لواطت واغلام بازی کا باضابطہ طور سے کاروبار چل چکا ہے. برصغیر میں بھی اس طرح کی تنظیموں کا سراغ ملا ہے جو بچوں کا جنسی استحصال کرتی ہیں. دیگر بہت سارے ممالک میں بھی بچوں کے جنسی استحصال کا کاروبار بڑا زور شور سے چل رہا ہے. یہاں بطور مثال اخبار اردو نیوز (جدہ سعودی عرب) کے حوالے سے صرف ایک رپورٹ پڑھ کر اندازہ لگائیں. اخبار عنوان "**بچوں کے جنسی استحصال سے متعلق ویب سائٹس میں اضافہ**" کے تحت لکھتا ہے:

"اٹلی (رائٹر) بچوں کے حقوق کی حفاظت کرنے والی تنظیم نے کہا ہے کہ ۲۰۰۳ء میں انٹر نیٹ پر بچوں کے جنسی استحصال کی سائٹوں میں 70 فیصد اضافہ ہوا ہے. رینبو فون نامی تنظیم نے جس کا ہیڈ کوارٹر اٹلی میں ہے، اپنے اعلامیے میں بتایا ہے کہ انٹر پول اور ایف بی آئی نے گزشتہ سال 17016 ایسی انٹرنیٹ سائٹس کو بلاک کیا جس میں بچوں کی غیر اخلاقی تصاویر نشر کی گئی تھیں. تنظیم کا کہنا ہے کہ گزشتہ سال ایسی سائٹوں کی تعداد میں 70 فیصد اضافہ ہوا ہے جن میں 50 سائٹس امریکہ سے جاری کی گئی ہیں. تنظیم کا کہنا ہے کہ ۲۰۰۲ء میں ایسی سائٹس جنہیں رینبو فون نے رجسٹرڈ کیا ہے ان کی تعداد 46 تھی جو 60 فیصد صرف امریکہ سے جاری کی گئی تھیں جبکہ دوسرے نمبر پر جنوبی کوریا پھر روس اور برازیل، اس کے بعد اٹلی اور اسپین کا نمبر آتا ہے. تنظیم کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ انٹرنیٹ پر ایسی سائٹوں کی بھرمار تشویش کن ہے، جبکہ اس کے سد باب کے لیے کوئی مؤثر اقدامات بھی نہیں کیے جا رہے. گزشتہ سال امریکی حکومت نے اس ضمن میں کچھ اقدامات کیے تھے اور 1600 افراد کو گرفتار بھی کیا گیا تھا. اس ضمن میں جرمنی کی پولیس کا کہنا ہے کہ انہوں نے بچوں کے ساتھ زیادتی کرنے والے ایک بین الاقوامی گروہ کا سراغ لگایا ہے، گروہ 166 ممالک میں پھیلا ہوا ہے جن کی تعداد 26500 ہے. رینبو فون نامی تنظیم کا کہنا ہے کہ تمام رپورٹوں کے باوجود متعدد ممالک اس مکروہ رجحان کے سد باب کے لیے کسی قسم کے ٹھوس اقدامات نہیں کر رہے۔" (۵)

(۵) اردو نیوز جدہ ۱۸/ جنوری ۲۰۰۴ء.

لواطت واغلام بازی کی سزا:

رسول اکرم ﷺ نے لواطت واغلام بازی کرنے والوں کی سخت سرزنش کے طور پر فرمایا ہے:

''مَنْ وَجَدْ تُمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الفَاعِلَ وَالمَفْعُولَ بِهِ''(۶).

''جس کو قوم لوط کا عمل (لواطت واغلام بازی) کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو''.

لواطت یا اغلام بازی کو ''قوم لوط علیہ السلام کا عمل'' اس لیے کہا گیا، کیوں کہ اس دنیا میں سب سے پہلے یہ گندی حرکت لوط علیہ السلام کی قوم نے ہی کیا تھا. اس سے پہلے یہ برائی اس روئے زمین پر کبھی نہیں پائی گئی تھی.

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿ وَلُوطاً إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ العَالَمِينَ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُسْرِفُونَ﴾

''اور ہم نے لوط علیہ السلام کو بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں سے نہیں کیا. تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو، بلکہ تم تو حد ہی سے گزر گئے ہو''۔ [الاعراف: ۸۰-۸۱]

اسی لیے جامع دمشق کے بانی اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کہا کرتا تھا:

''لَوْلاَ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَصَّ عَلَيْنَا خَبْرَ قَوْمِ لُوطٍ مَا ظَنَنْتُ أَنَّ ذَكَراً يَعْلُو ذَكَراً''.

''اگر اللہ تعالیٰ نے قوم لوط علیہ السلام کی خبر سے ہمیں آگاہ نہیں کیا ہوتا تو میں گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی مرد کسی مرد سے اپنی شہوت پوری کرتا ہے''(۷).

لواطت واغلام بازی کی سزا میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے. امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس فعل کے مرتکب کو اونچی جگہ سے گرا کر اس پر پتھروں کی بارش کر دی جائے گی جیسا

(٦) [حسن صحيح] أبو داود (٤٤٦٢) أحمد (١/٢٦٩)، ترمذی (١٤٥٦)، ابن ماجه (٢٥٦١) عن ابن عباس.

(٧) تفسیر ابن کثیر (٣/ ١٤٥٣).

کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے ساتھ کیا تھا(۸) بعض کے نزدیک وہ رجم کیا جائے گا خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، ان کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی مذکورہ حدیث ہے. بعض کے نزدیک اس کی وہی سزا ہے جو زنا کی ہے یعنی شادی شدہ ہے تو اس کو رجم کیا جائے گا اور اگر غیر شادی شدہ ہے تو سو کوڑے لگائے جائیں گے(۹).

ابراہیم نخعی کہتے تھے:

"لَوْ كَانَ أَحَدٌ يَسْتَقِيمُ أَنْ يُرْجَمَ مَرَّتَيْنِ لَرُجِمَ اللُّوطِيُّ".

"اگر کسی کو دو مرتبہ رجم کیا جا سکتا تو لواطت کرنے والے کو یہ سزا دی جاتی".

اور حافظ ابن حجر کا قول ہے:

"لواطت واغلام بازی کرنے والے کو چار خلفاء نے آگ سے جلایا ہے: ابوبکر صدیق، علی ابن ابی طالب، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اور ہشام بن عبدالملک"(۱۰).

ابن ابی الدنیا اور انہی کے حوالے سے امام بیہقی جید سند کے ساتھ محمد بن منکدر سے روایت کرتے ہیں کہ خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ عرب کے ایک حصہ میں ایک آدمی ملا ہے جو بدفعلی کراتا پھرتا ہے. حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو جمع کر کے میٹنگ کی، جس میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے. حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز رکھی کہ یہ ایسا جرم ہے جس کا ایک قوم مرتکب ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو جو سزا دی وہ آپ لوگوں کو معلوم ہے، میرا خیال ہے کہ آپ اس آدمی کو آگ سے جلا ڈالیں. اس رائے پر تمام صحابہ کرام کا

---

(۸) امام صاحب کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ مَنْضُودٍ﴾

"جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کو زیر وزبر کر دیا، اوپر کا حصہ نیچے کر دیا اور ان پر کنکر جیسے پتھر برسائے جو تہ بہ تہ تھے". [ہود: ۸۲]

(۹) تفسیر ابن کثیر (۳/ ۱٤٥٤).

(۱۰) الترغیب والترهیب (۳/ ۲٥۱).

اتفاق ہو گیا. چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو آگ میں جلانے کا حکم صادر فرمایا(۱۱).

اسی طرح اپنی بیوی کے سرین میں جماع کرنا بھی بالا جماع حرام ہے اور حدیث میں اسے لواطت صغری کہا گیا ہے(۱۲). اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لاَ يَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى رَجُلٍ جَامَعَ اِمْرَأَتَهُ فِي دُبُرِهَا"(۱۳).

"اللہ تعالیٰ اس آدمی کی طرف نہیں دیکھتا جو اپنی بیوی کے سرین میں جماع کرتا ہے".

ابو داود و مسند احمد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى اِمْرَأَتَهُ فِي دُبُرِهَا".

"جو اپنی بیوی کے سرین میں جماع کرے وہ ملعون ہے"(۱۴).

اسی طرح جانوروں کے ساتھ جماع کرنے کو بھی رسول اکرم ﷺ نے حرام قرار دیا ہے؛ بلکہ اس کے بارے میں سخت سزا آئی ہے. عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ أَتَى بَهِيمَةً فَاقْتُلُوهُ وَاقْتُلُوهَا مَعَهُ".

"جو جانور سے جماع کرے، اس کو اور اس کے ساتھ جانور کو بھی قتل کر ڈالو"(۱۵).

اس لواطت کے حکم میں مشت زنی اور مساحقت بھی ہے جس سے شریعت اسلامیہ نے منع کیا ہے. اللہ تعالیٰ امت اسلامیہ کو ان گھناؤنے افعال سے کوسوں دور رکھے، آمین.

(۱۱) [حسن] شعب الإيمان (٥٣٨٩) موقوفاً، الترغيب والترهيب (٣٦٩٣)، الجواب الكافی (٢٢٩).

(۱۲) [حسن] أحمد (٢/ ١٨٢، ٢١٠)، مجمع الزوائد (٤/ ٢٩٨)، الترغيب والترهيب (٣٦٩٥).

(۱۳) [صحيح] ابن ماجه: النكاح/ النهی عن إتيان النساء فی أدبارهن (١٩٢٣).

(۱٤) [حسن] أبو داود: النكاح/ فی جامع النكاح (٢١٦٢)، مسند أحمد (٢/٤٤٤).

(۱٥) [حسن صحيح] أبو داود: الحدود (٤٤٦٤)، ترمذی (١٤٥٥)، ابن ماجه (٢٥٦٤).

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل رشوت خوروں کے ساتھ

رشوت کی اصطلاحی تعریف یہ بیان کی جاتی ہے کہ کوئی شخص اپنے ناحق مطالبہ اور باطل غرض کی تکمیل کے لیے کسی با اختیار یا کار پرداز آدمی کو کچھ دے دلا کر اپنی بات کے موافق بنا لے. علامہ فیّومی لکھتے ہیں:

"اَلرِّشْوَةُ: مَا يُعْطِيهِ الشَّخْصُ الحَاكِمَ وَغَيْرَهُ لِيَحْكُمَ لَهُ أَوْ يَحْمِلَهُ عَلَى مَا يُرِيدُ".

''رشوت کی تعریف یہ ہے کہ کوئی آدمی حاکم وغیرہ (با اختیار) کو کچھ (روپیہ پیسہ) دے تا کہ وہ حاکم اس کے منشا کے مطابق فیصلہ کرے''(۱).

علامہ جُرجانی لکھتے ہیں:

"اَلرِّشْوَةُ: مَا يُعْطَى لِإِبْطَالِ حَقٍّ أَوْ إِحْقَاقِ بَاطِلٍ".

''رشوت یہ ہے کہ حق وجائز کو ناحق وناجائز بنانے کے لیے یا ناجائز وناحق کو جائز وحق بنانے کے لیے (حاکم یا با اختیار کار پرداز وغیرہ کو) کوئی چیز دی جائے''(۲).

یعنی رشوت کسی کے مال سے ناجائز طور پر فائدہ اٹھانے کی ایک عام صورت ٹھہری جو ابھی ہر ملک بلکہ بستی بستی، شہر شہر اور قصبہ قصبہ میں دیکھنے کو مل سکتی ہے.

ایک مالدار کا بچہ ہے، انتہائی سفیہ وغبی اور نا سمجھ و بے عقل ہے. لیکن سالانہ امتحان کے موقع پر ماسٹر صاحبان کو کچھ جیب خرچ گھر سے لا کر دے دیا، معلوم ہوا کہ فرسٹ پوزیشن میں اسے کامیابی مل گئی!!

آپ کو ریزرویشن ٹکٹ کے ذریعہ دور دراز شہروں کا سفر کرنا ہے. ٹکٹ کاؤنٹر پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ مقصود تاریخ میں سیٹ خالی نہیں ہے، مگر جونہی پچاس یا سو کا نوٹ اضافی دیا فوراً سیٹ مل گئی!!

---

(۱) المصباح المنير للفيومي (۲۲۸).

(۲) كشاف اصطلاحات الفنون للتهانوي (۳/۸٦).

میڈیکل یا انجینئرنگ کے لیے سیکڑوں طالب علم رات دن محنت سے پڑھائی کر کے امتحان میں پرچے لکھ رہے ہیں، بعض غریب بچوں کا حال یہ ہے کہ لگاتار محنت سے پڑھائی کے سبب ان کی آنکھیں سرخ ہو چکی ہیں، جسم لاغر و ناتواں ہو چکا ہے، پورے پرچے بالکل ٹھیک ٹھیک لکھ رہے ہیں لیکن جب نتیجہ سامنے آتا ہے تو ان کا نام کامیاب طالب علموں کی فہرست سے غائب ہوتا ہے جب کہ ان کے مقابلہ میں ان طالب علموں کا نام ہے جو سو نمبرات میں سے پاس کی فیصد بھی نہیں لا سکتے تھے!! کیوں؟ اس لیے کہ کاپی چیک کرنے والے اساتذہ کے لیے ہوائی جہاز کے ٹکٹ کے بندوبست نے حق و ناحق میں تمیز کا مادہ ہی ختم کر دیا ہے؛ بلکہ اب تو اپنی بیٹیوں کی بھی شادیاں بڑے بڑے گھرانوں میں اسی رشوت کی آڑ میں کی جانے لگی ہیں.

بے چارہ غریب، بے چارہ مسکین، بے چارہ، بے چارہ! غربت وافلاس کی چکی میں پس کر محنت ولگن سے پڑھنے والے طالب علم کو رشوت دینے کے لیے مال کہاں سے آئے؟ اللہ اللہ کر کے تو اس کی پڑھائی مکمل ہوئی، رشوت کے لیے اس کے پاس دولت کہاں؟

سرکاری دفاتر میں نوکری کے لیے ویکنسی (Vacancy) نکلتی ہے. ہزاروں لوگ سرکاری دفاتر میں اپنے اپنے کاغذات جمع کراتے ہیں. لیکن فرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہونے والے لوگوں کے کاغذات ابھی فائل ہی میں رہتے ہیں جب تک کہ تھرڈ ڈویژن سے بمشکل پاس ہونے والوں کی کامیابی کا لیٹر ان کے گھر چلا جاتا ہے!!

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اچھے اچھے طلبہ جنھوں نے کافی محنت ولگن کے ساتھ تعلیمی مراحل طے کیا ہوتا ہے، مقابلہ میں ناکام ثابت ہوتے ہیں، کیوں کہ رشوت کے لیے ان کے پاس دولت نہیں. اس کے برعکس نا اہل لوگ رشوت دے کر بڑے بڑے عہدے ومناصب پر پہنچ جاتے ہیں، جہاں عدل وانصاف کا جنازہ دن میں کئی کئی دفعہ پڑھا جاتا ہے.

اگر کبھی کسی غریب ذہین طالب علم کو نوکری ملتی بھی ہے تو اسے بھی ہزاروں بلکہ لاکھوں روپئے کی بھاری رقم بطور رشوت پیش کرنی ہوتی ہے. ایسی صورت میں بے چارہ وہ غریب

رشتہ داروں سے یا سسرالی رشتوں کی مدد سے یہ بھاری رقم بمشکل اکٹھا کر پاتا ہے. ظاہر ہے کہ یہ قرضے اسے مدت معین میں رشتہ داروں کو واپس کرنے ہوتے ہیں، اس لیے نوکری کے بعد اسے اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ وہ بھی اپنے نالائق واحمق رشوت خور پیشواؤں کی طرح رشوت خور بن جائے تاکہ اپنا بھاری قرض واپس کر سکے. چنانچہ وہ بھی رشوت کھانا شروع کر دیتا ہے بلکہ یہ پہلے کے رشوت خوروں سے بھی دو قدم آگے بڑھ جاتا ہے، جس کی مثالوں سے شاید ہی کوئی گھر خالی ہو جس میں کوئی سرکاری نوکری کرنے والا یا کسی پرائیوٹ کمپنی میں سروس کرنے والا ہے.

آج دنیا کے سارے ہی ممالک میں رشوت خوروں کی بہتات ہے، ان رشوت خوروں نے غریبوں کا خون چوس چوس کر اپنا قلعہ تعمیر کیا ہوا ہے. لیکن ان مجرمین کی شان وشوکت کو غارت کرنے والے ڈکیتوں کی بھی جماعتیں اور ٹولیاں بن گئی ہیں جو بندوق کی گولیاں دکھلا کر ان حرام خوروں ورشوت خوروں سے ٹیکس وصول کرتی ہیں؛ بصورت دیگر ان رشوت خوروں کے سینوں میں رائفل کی گولیاں اتار دی جاتی ہیں!!

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، بلکہ معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس حقیقت سے واقف ہے. در اصل رشوت خوری نے بہت ساری برائیوں کو جنم دیا ہے، جس کا مرتکب عوام تو عوام مذہبی رہنما بھی ہوتے رہے ہیں. تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان مذہبی پیشواؤں نے بھی رشوت خوری کے گناہ میں ملوث ہو کر اللہ کے دین کو داغدار کیا ہے. رسول اللہ اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل عرب میں یہودیوں کے مقدمے ان کے علماء حل کیا کرتے تھے. ان مذہبی رہنماؤں کے اندر دنیوی لالچ اور حرص وطمع نے اپنا اچھا خاصا مقام بنا لیا تھا، اس لیے انہوں نے رشوت کھانا شروع کر دیا تھا. اسی رشوت کی آڑ میں ان علماء نے توراۃ کی تعلیمات مسخ کر ڈالیں اور الٹے سیدھے فتوے بازی کے ذریعہ اپنے عوام کو گمراہ کر دیا. ان علماء نے رشوت سے اپنا پیٹ بھرنے کے لیے توراۃ کے احکام کو پامال ہوتے دیکھا، لیکن کبھی انہوں نے اس پر انگلی نہیں اٹھائی. چنانچہ ان

کے ذریعہ تورات کے مسخ شدہ احکام میں سے ایک یہ بھی ہے کہ زانی وزانیہ کے لیے توراۃ کے قانون رجم کو آسان قانون میں تبدیل کر دیا گیا تھا. قرآن کریم میں ان کے اس گناہ کی پردہ دری کی گئی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَناً قَلِيلاً أُولَئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ القِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [البقرۃ:۱۷۴]

''بے شک جولوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں، یقین مانو کہ یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہ کرے گا، نہ انہیں پاک کرے گا، بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء کی رشوت خوری کے متعلق قرآن یوں مخاطب ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيراً مِنَ الأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ، وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ [التوبہ:۳۴]

''اے ایمان والو! اکثر علماء اور عابد، لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں اور جولوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجیے''۔

ان کی رشوت خوری کے بارے میں ایک جگہ فرمایا:

﴿وَتَرَى كَثِيراً مِنهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الإِثْمِ وَالعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ، لَوْ لَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ [المائدۃ:۶۲-۶۳]

''آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر گناہ کے کاموں کی طرف اور ظلم وزیادتی کی طرف

اور مال حرام کھانے کی طرف لپک رہے ہیں، جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ نہایت برے کام ہیں. انہیں ان کے عابد و عالم جھوٹ باتوں کے کہنے اور حرام چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے، بے شک برا کام ہے جو یہ کر رہے ہیں''.

نیز ان کو رشوت خوری سے منع کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقاً مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [البقرة:۱۸۸]

'' اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو، نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم وستم سے اپنا کر لیا کرو، حالانکہ تم جانتے ہو''۔

عیسائیوں کے پادریوں کی اخلاق باختگی، ان کے تمول اور ان کے حرص وطمع نے تو دنیا داری کو اس قدر اہمیت دے دیا کہ عوام الناس میں بدکردار وبد اخلاق لوگوں نے بھی رشوت کے بل بوتے پر پادریوں کے عہدے پر پہنچنے کا خواب دیکھنا شروع کر دیا؛ بلکہ دھوکہ بازی اور قتل وغارت گری کے علاوہ بہت سے پادریوں نے مسند اقتدار تک پہنچنے کے لیے رشوت کا سہارا لیا اور بالآخر اس اچھے منصب پر خبیث شیطانوں کا راج ہو گیا.

پوپ جان نوز دہم (John xix) (۱۰۲۴ء) اپنے بھائی بینی ڈکٹ ہشتم (Benedict viii) (۱۰۱۲ء) کے بعد بغیر کسی حق کے اور اصول کے خلاف صرف رشوت کے زور پر پوپ بن بیٹھا، جب کہ وہ کارڈ ینل تو درکنار عام پادری بھی بننے کے ہرگز قابل نہیں تھا. اس کے بعد بینی ڈکٹ نہم (۱۰۴۷ء) کے لیے بھی رشوت ہی کے بل پر پاپائیت خریدی گئی (۳).

اسی طرح اسپینی کارڈ ینل بورجیا (Borgia) نے ہزاروں طلائی سکے (gold ducats) کی رشوت کے بل بوتے پر الیگزینڈر ششم کے نام سے پوپ بن گیا، جب کہ وہ

(3) New Catholic Encyclopaedia, vol. 7, p. 1013, The Popes and The church, p.38.

انتہائی گھٹیا اخلاق کا مالک تھا.

ڈاکٹر لاوِگ پاسٹر لکھتا ہے:

"In the early days of the church, he would not have been admitted even to the lowest rank of the cleargy an account of his immoral life".

''کلیسا کے ابتدائی دور میں وہ اپنی غیر اخلاقی زندگی کے سبب کسی ادنی ترین کلیسائی منصب کے لیے بھی منتخب نہیں ہوسکتا تھا''(۴).

جس مذہب کے رہنماؤں کی بھی حالت یہ ہو جائے، اس کے عوام میں رشوت کا کس قدر رواج ہوگا، اندازہ لگایا جا سکتا ہے. اور یہی وجہ کہ آج یہودیوں اور نصرانیوں کا کوئی بھی کارو بار رشوت کے بغیر نہیں چلتا؛ بلکہ رشوت کے بل بوتے پر انہوں نے اسلام کے خلاف بہت سارے لوگوں کو ورغلایا ہے اور عالم اسلام کو بدنام کرنے کی ان کی سازشیں اسی رشوت کی آڑ میں کامیاب ہیں.

رشوت ایک ایسا جرم ہے جو عوام کا ناحق خون چوس کر ان کے اندر سے اخلاق و کردار کو ختم کر دیتا ہے. کیوں کہ جو رشوت دے کر کوئی مقدمہ جیتے گا، یا نوکری حاصل کرے گا، وہ بھی آگے چل کر لامحالہ اپنی خالی جیب گرم کرنے کے لیے رشوت لے گا، پھر یہ حرام سلسلہ مستقبل میں کبھی ختم نہ ہوگا.

رسول اکرم ﷺ نے رشوت کے قبیح جرم ہونے ہی کی وجہ سے رشوت سے منسلک سارے ہی افراد پر لعنت بھیجی ہے. حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

''لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي''.

---

(4) Dr. Ludwig Pastor: History of the Popes (English Translation) London, 1990, vol. 6, pp. 381, 385.

''رسول اکرم ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر لعنت بھیجی ہے''(۵)۔

رشوت لینے دینے والوں کے درمیان تیسرا شخص بھی اس لعنت کا مستحق ہے جو ان دونوں کے مابین واسطہ بنتا ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ وَالرَّائِشَ، يَعْنِي الَّذِي يَمْشِي بَيْنَهُمَا".

''رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے، رشوت لینے والے اور دونوں کے درمیان واسطہ کا کام کرنے والے پر لعنت بھیجی ہے''(٦)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ فِي الْحُكْمِ"(۷)۔

''فیصلہ کے بارے میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے''۔

لیکن نہایت ہی افسوس ہے کہ آج پوری دنیا میں چند کے علاوہ سارے ہی جج اس رشوت کے خطرناک مرض میں مبتلا ہیں۔ دیگر اقوام کی تقلید اور دنیوی حرص وطمع نے مسلم ججوں کے اندر ایمانی قوت کو اس قدر کمزور کر ڈالا کہ وہ عدل وانصاف کا دامن چھوڑ کر رشوت کی آڑ میں ناحق فیصلہ دے بیٹھتے ہیں، ان ججوں کے سامنے رشوت کی رقم جس کی زیادہ ہوگی وہی حق پر ہے خواہ مجرم وہی کیوں نہ ہو!!

---

(۵) [صحیح] ترمذی: (۱۳۳۷)، أبو داود: (۳۵۸۰)، ابن ماجہ: (۲۳۱۳)، حاکم: (۱۰۲/٤)۔

(٦) مسند أحمد: (۲۷۹/۵)، وبزار وطبرانی۔

(۷) [صحیح] ترمذی: (۱۳۳٦)، صحیح ابن حبان: (۵۰۵۳)، حاکم: (۱۰۳/٤)۔

ان ججوں کو یا دیگر عہدیدار مسلمانوں کو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے نصیحت پکڑنی چاہیے کہ غزوۂ خیبر کے بعد رسول اکرم ﷺ نے وہاں کی آدھی پیداوار پر مصالحت کر لی تھی. جب پیداوار کی تقسیم کا وقت آتا تو رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجتے، وہ انتہائی ایمانداری ودیانتداری کے ساتھ پیداوار کے دو حصے کر دیتے اور یہودیوں سے کہتے: ان میں سے جو چاہو لے لو. یہودیوں نے اپنے اخلاقی بحران کا یہاں بھی استعمال کیا اور اپنے دستور کے مطابق حضرت عبداللہ بن رواحہ کو بھی رشوت دینا چاہی. چنانچہ انہوں نے اپنی عورتوں کے زیورات اکٹھا کر کے حضرت عبداللہ بن رواحہ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ اس کو قبول کر کے اس کے عوض تقسیم میں ہمارا حصہ بڑھا دیں. یہودیوں کی خباثت سن کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"يَا مَعْشَرَ اليَهُودِ! وَاللَّهِ إِنَّكُمْ لِمِنْ أَبْغَضِ خَلْقِ اللَّهِ إِلَيَّ وَمَا ذَاكَ بِحَامِلِي عَلَى أَنْ أَحِيفَ عَلَيْكُمْ، فَأَمَّا مَا عَرَضْتُمْ مِنَ الرِّشْوَةِ فَإِنَّهَا سُحْتٌ وَإِنَّا لاَ نَأْكُلُهَا".

''یہودیو! اللہ کی قسم! تم لوگ میری نگاہ میں اللہ کی ساری مخلوق میں سب سے زیادہ مبغوض ہو، لیکن یہ مجھے تم پر ظلم کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتا، اور جو تم لوگوں نے رشوت پیش کی ہے وہ حرام ہے، ہم مسلمان اس کو نہیں کھاتے''.

یہودیوں نے ان کی بات سن کر کہا:

"بِهَذَا قَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالأَرْضُ".

''یہی وہ انصاف ہے جس سے زمین وآسمان قائم ہیں''(۸).

اس واقعہ سے با اقتدار رشوت خور مسلمانوں کو سبق لینا چاہیے اور رشوت کا ارتکاب ہرگز ہرگز نہیں کرنا چاہیے ورنہ عذاب جہنم ان کا انتظار کر رہا ہے؛ بلکہ جو لوگ سفارش کے موقع پر بھی

(۸) موطأ إمام مالك، كتاب المساقاة، باب: ما جاء في المساقاة (۲).

تحفہ یا ہدیہ کے نام پر فائدہ اٹھاتے ہیں وہ بھی رشوت خوری کے جرم میں مبتلا ہیں. حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ شَفَعَ لِأَخِيْهِ بِشَفَاعَةٍ فَأَهْدَى عَلَيْهَا فَقَبِلَهَا، فَقَدْ أَتَى بَاباً عَظِيماً مِنْ أَبْوَابِ الرِّبَا".

''جس نے اپنے کسی بھائی کی کوئی سفارش کی جس کے نتیجہ میں اس نے اسے کوئی ہدیہ دیا اور اس نے قبول کرلیا تو بلا شبہ وہ رشوت کے ایک بڑے دروازہ میں داخل ہوگیا''(۹).

رشوت خوری سے رشوت خوروں کی آخرت برباد تو ہوتی ہی ہے ان کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی اس کا خمیازہ بھگتتے ہیں. حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الرِّبَا إِلَّا أُخِذُوا بِالسَّنَةِ وَمَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الرِّشَا إِلَّا أُخِذُوا بِالرُّعْبِ".

''جب کسی قوم میں سودخوری عام ہو جائے تو ان پر قحط سالی مسلط ہو جاتی ہے اور جب کسی قوم میں رشوت خوری عام ہو جائے تو ان کے اوپر دہشت مسلط ہو جاتی ہے''(۱۰).

ایسی صورت میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کے اندر رشوت خوری کا جو بازار گرم ہو چکا ہے، اسے ختم کریں اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق اپنے گھروں سے رشوت کو نکال کر حلال کی کمائی سے اپنی اور اپنی اولاد کی پرورش کریں تا کہ ان کی دعائیں مقبول ہوں. اللہ تعالیٰ ان کے حالات سازگار بنائے.

(۹) [حسن] أبو داود: أبواب الإجارة/ في الهدية لقضاء الحاجة (۳۵٤۱).

(۱۰) مسند أحمد: (٤/ ۲۰۵) رقم (۱۷۸٤۰)، الترغيب والترهيب للمنذري: (۳۳۹۲).

رسول اکرم ﷺ کا طرزِ عمل سود خوروں کے ساتھ

سود خوری ایک ایسا جرم ہے جس نے ساری دنیا کے امن وامان اور چین وسکون کو غارت کر کے رکھ دیا ہے. شاید ہی کوئی کاروبار ہو جس کا تعلق سود و بیاج سے براہ راست نہ ہو. اگر کوئی بلاواسطہ اس سودی کاروبار سے منسلک نہیں تو بالواسطہ ضرور اس کا تعلق ہے. شاید اسی وقت کو سامنے رکھ کر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

"لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنهُمْ أَحَدٌ إِلَّا آكِلُ الرِّبَا فَمَنْ لَمْ يَأْكُلْ أَصَابَهُ مِنْ غُبَارِهِ".

"لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس وقت سود خوری سے کوئی بھی نہیں بچ پائے گا، جو سود نہیں کھائے گا اس کو سود کا اثر تو پہنچ ہی جائے گا"(۱).

موجودہ دور میں جدھر بھی نظر اٹھا کر دیکھ لیں سود خوری کا بازار گرم ہے. دنیا بھر میں کوئی ایک بینک بھی ایسا نہیں ہے جو بین الاقوامی طور پر کاروبار کرتا ہو اور وہ سودی کاروبار سے منسلک نہ ہو. ایک دو بینک بین الاقوامی طور پر بغیر سود کے کاروبار کرتے بھی ہیں تو ان کی اہمیت تسلیم نہیں کی جاتی، جس کے باعث ان کی اقتصادی حالت دگرگوں ہوتی ہے اور عوام الناس ان سے قریب ہونے کے بجائے دور ہی رہتے ہیں.

درحقیقت دنیا کا سارا اقتصادی نظام اس یہودی فکر پر مبنی ہے جس کا مطمحِ نظر مال ودولت اور دنیوی جاہ ومنصب ہے. جب سے یہ قوم اللہ تعالیٰ کی لعنت وپھٹکار کی مستحق ہوئی ہے، تب ہی سے اس نے دنیا کے اندر ہر برائی کی نشر واشاعت کی قسم کھا رکھی ہے. چنانچہ یہ سودی کاروبار بھی انہی کا دین ہے کہ دنیا اس کی چکی میں پس کر کراہ رہی ہے!!

(۱) [**ضعيف**] ابن ماجه: (۲۲۷۸)، أبو داود: (۳۳۳۱)، أحمد وغيره.

عرب میں یہودیوں کا سودی کاروبار پھیلا ہوا تھا، وہ عربوں کو سود دے کر اپنے پیٹ کی جہنم بھرتے تھے، ان کے اسی جرم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿فَبِظُلْمٍ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيراً وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنهُمْ عَذَاباً أَلِيماً﴾

''غرض ان یہودیوں کے ظالمانہ رویہ کی بنا پر، اور اس بنا پر کہ یہ اکثر لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور سود لیتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا، اور لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں، ہم نے بہت سی وہ پاک چیزیں ان پر حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں''۔ [النساء:۱۶۰-۱۶۱]

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''تورات کے کئی مقامات پر سود کی حرمت وارد ہوئی ہے، لیکن اس کے باوجود اسی تورات کے ماننے والے یہودی آج دنیا کے سب سے بڑے سود خور ہیں اور اپنی تنگ دلی وسنگ دلی کے لیے ضرب المثل بن چکے ہیں''۔(۲)

ان یہودیوں کی تقلید میں عرب کے بھی کچھ سرمایہ دار سودی کاروبار کرنے لگے تھے، مثلاً حضرت عباس بن عبدالمطلب اور بنو عمرو بن عمیر وغیرہ۔ مقروض وقرض خواہ لوگ مسلمان ہوئے تو قرض خواہ لوگوں نے مقروض لوگوں سے پہلے کا سود مانگا جس کی ممانعت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ جیسا کہ زید بن اسلم، ابن جریج، مقاتل بن حیّان اور سُدّی کہتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں ثقیف کے بنو عمرو بن عمیر اور بنو مخزوم کے قبیلہ بنو مغیرہ کے درمیان سودی لین دین تھا۔ اسلام کی آمد کے بعد جب یہ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے تو ثقیف کے لوگوں نے بنو مغیرہ سے پہلے کا سود طلب کیا۔ مگر بنو مغیرہ نے کہا کہ ہم اسلام میں داخل ہونے کے بعد تمہیں

(۲) تفہیم القرآن جلد اول ص ۴۲۳، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور۔

سود اَدا نہیں کر سکتے. چنانچہ مکہ مکرمہ کے نائب گورنر عتّاب بن اسید نے اس معاملہ کو رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں لکھا. اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور رسول اکرم ﷺ نے گورنر مکہ کو لکھ بھیجا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو! اور جو کچھ سود تمہارا لوگوں پر رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم مومن ہو. لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے. اب بھی توبہ کرلو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حقدار ہو. نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے''۔ [البقرۃ: ۲۷۸-۲۷۹]

چنانچہ اس حکم کو سنتے ہی سارے لوگوں نے بقیہ سود چھوڑ دیا (۳)۔

آیت: ﴿فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ کی بنا پر حضرت ابن عباس، حسن بصری، ابن سیرین اور ربیع بن انس وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ دار الاسلام میں سود کھانے والے شخص کو توبہ پر مجبور کیا جائے گا، لیکن پھر بھی وہ سود سے باز نہ آئے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا. حضرت ابن عباس کے الفاظ یہ ہیں:

''مَنْ كَانَ مُقِيماً عَلَى الرِّبَا لَا يَنْزِعُ عَنْهُ فَحُقَّ عَلَى إِمَامِ الْمُسْلِمِينَ أَنْ يَسْتَتِيبَهُ، فَإِنْ نَزَعَ وَإِلَّا ضَرَبَ عُنُقَهُ''۔

''جو شخص (دار الاسلام) میں سود لیتا ہو اور اس سے باز نہ آتا ہو تو مسلم حکمراں پر واجب ہے کہ اسے توبہ پر مجبور کرے، اگر وہ مان جائے تو ٹھیک ورنہ اس کی گردن اڑا دے'' (۴)۔

---

(۳) تفسیر ابن کثیر (۲/۶۵۷) تفسیر طبری (۳/۱۰۶ - ۱۰۷).

(٤) تفسیر ابن کثیر (۲/ ٦٥٧).

مذکورہ آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اور مضمون کی مناسبت سے اس سلسلۂ کلام میں داخل کر دی گئی. اس سے پہلے اگر چہ سود اسلام میں ایک مکروہ و ناپسندیدہ عمل تصور کیا جاتا تھا لیکن قانونی طور پر اس کی حرمت نہیں ہوئی تھی. اس آیت کے نزول کے بعد اسلامی حکومت کے دائرے میں سودی کاروبار ایک فوجداری جرم بن گیا اور رسول اکرم ﷺ نے اپنے عمال کے ذریعہ عرب کے سود خور سرمایہ داروں کو آگاہ فرما دیا کہ اب وہ اس سودی کاروبار اور لین دین سے باز نہیں آئے تو پھر ان کے خلاف جنگ کی جائے گی. چنانچہ نجران کے عیسائیوں کو جب اسلامی حکومت کے تحت اندرونی خودمختاری دی گئی تو معاہدے میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی کہ اگر تم سودی لین دین اور سودی کاروبار کرو گے تو یہ معاہدہ فسخ ہو جائے گا اور ہمارے تمہارے درمیان اعلان جنگ ہوگا، پھر فیصلہ تلوار کرے گی.

مذکورہ آیت سے قبل آیت (۲۷۵) میں اللہ تعالیٰ نے سود خوروں کی باؤلا پن اور دنیا وآخرت میں ان کی خبط الحواسی کو بیان کیا ہے کہ سود خوار روپے کے پیچھے اس قدر دیوانہ وار بھاگتا ہے کہ اسے خودغرضی کے جنون میں اخوت و بھائی چارگی اور انسانی ہمدردی و محبت کی قطعاً کوئی پروا نہیں ہوتی. چنانچہ وہ اجتماعی فلاح و بہبود کی جڑیں کاٹتے ہوئے لوگوں کی بدحالی سے اپنی خوشحالی کا سامان کرتا ہے اور معاشرے میں تباہ کن اثرات پھیلاتا ہے. دنیا کی اس خبط الحواسی کے سبب وہ آخرت میں بھی مخبوط الحواس انسان کی صورت میں اٹھے گا اور جہنم رسید ہوگا.

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کیفیت وحالت کا بیان ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِينَ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

’’جو لوگ سود کھاتے ہیں، ان کا حال اس شخص کا سا ہوگا جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو، اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے؟ حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام. لہٰذا جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آیندہ کے لیے وہ سود خواری سے باز آ جائے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا ہے سو کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو اس کے بعد بھی پھر اسی حرکت کا اعادہ کرے، وہ جہنمی ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا‘‘۔ [البقرۃ: ۲۷۵]

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سود خواری سے بظاہر دولت زیادہ ہوتی ہے لیکن دراصل یہ تنزلی کا سبب ہے، جبکہ صدقات وخیرات سے مال کو نشو ونما ملتی ہے. ارشاد ہے:

﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ﴾

’’اللہ تعالیٰ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات (جس میں قرض حسنہ بھی شامل ہے) کو نشو ونما دیتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے بدعمل انسان کو پسند نہیں کرتا‘‘۔ [البقرۃ: ۲۷۶]

اس آیت میں ایک ایسی صداقت بیان فرمائی گئی ہے جو اخلاقی وروحانی اور تمدنی ومعاشی ہر لحاظ سے سراسر حق ہے، کیوں کہ سود خواری سے آدمی کے اندر خود غرضی، بخالت، تنگدلی وسنگدلی اور حرص وطمع جیسی مکروہ وناپسندیدہ صفات جنم لیتی ہیں جبکہ صدقات وخیرات ایک انسان کو سخی وفیاض، ہمدرد وغمگسار، اور فراخ دل وعالی ظرف بناتے ہیں.

اب ظاہر ہے کہ اخلاق کے ان دونوں مجموعوں میں سے پہلا گروہ سوسائٹی کے حق میں ہر لحاظ سے نقصان دہ ثابت ہوگا جبکہ دوسرا گروہ سماج ومعاشرہ کے لیے فائدہ ہی فائدہ ہے. اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی جامعیت میں یہ فرما دیا ہے کہ سود خوری سے مال میں قلت ہوگی جبکہ صدقات وخیرات سے برکت ہی برکت ہوگی جس کا سایہ سوسائٹی کے ہر فرد پر پڑے گا.

سود کی بے برکتی اور وبال ہی کو مد نظر رکھتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے سود خواروں کا

انجام قلتِ مال بتایا ہے۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے:

’’مَا أَحَدٌ أَكْثَرَ مِنَ الرِّبَا إِلَّا كَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهِ إِلَى قِلَّةٍ‘‘.

’’کسی بھی کثرت سے سود کھانے والے کا آخری انجام قلت ہے‘‘(۵).

معلوم ہوا کہ سودی کاروبار کرنے والے خواہ دنیا کو کتنے ہی حسین خواب دکھلائیں اور کتنا ہی زور شور سے سود کو انسانی معاشرہ کی مشکلات کا حل قرار دیں، یہ سراسر باطل ہے اور ان کا قول بے بنیاد اور عقل و منطق سے متصادم ہے.

رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو جامع خطبہ دیا تھا، اس میں سود خوری کو ہمیشہ ہمیش کے لیے حرام قرار دیا ہے. چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں رسول اکرم ﷺ کے یہ جامع کلمات مروی ہیں:

’’إِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، أَلاَ كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ، وَدِمَاءُ الجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ... وَرِبَا الجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ وَأَوَّلُ رِباً أَضَعُ رِبَانَا، رِبَا عَبَّاسِ بنِ عَبْدِ المُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ‘‘(۶).

’’تمہارا خون اور تمہارے اموال تمہارے اوپر ویسے ہی حرام ہیں جیسے تمہارے اس شہر (مکہ) اور اس ماہ میں آج کا تمہارا یہ دن حرام ہے (کہ اس میں لڑائی وقتال ہرگز ہرگز درست نہیں)، آگاہ ہو جاؤ! زمانۂ جاہلیت کی ساری چیزیں میرے قدموں کے نیچے مدفون ہو گئیں، زمانۂ جاہلیت کا خون بھی اکارت گیا، جاہلیت کا سود بھی اکارت گیا...اور پہلا سود جسے میں اکارت کرتا ہوں وہ ہمارا یعنی عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے، یہ سب کے سب اکارت ہیں‘‘.

سود خوری کو رسول اکرم ﷺ نے ان سات کاموں میں شمار کیا ہے جو ہلاکت خیز ہیں.

---

(۵) [صحیح] ابن ماجه: كتاب التجارات، باب التغليظ فی الربا (۲۲۷۹)، حاكم: (۴/ ۳۱۸).

(۶) مسلم: كتاب الحج، باب: حجة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم (۱۲۱۸).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ".

"سات ہلاکت خیز کاموں سے بچو".

صحابہ نے دریافت کیا: "يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا هُنَّ؟".

"اے اللہ کے رسول! وہ سات ہلاکت خیز کام کون سے ہیں؟".

آپ ﷺ نے فرمایا:

"الشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَاءِ وَأَكْلُ مَالِ اليَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ المُحْصَنَاتِالغَافِلَاتِ المُؤمِنَاتِ".

"اللہ کے ساتھ غیر کو شریک ٹھہرانا، جادو، اللہ کی حرام کردہ جان کا ناحق خون کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدانِ جنگ سے پیٹھ موڑنا اور پاکدامن بھولی بھالی مومن خواتین پر بہتان تراشی کرنا"(۷).

رسول اکرم ﷺ نے سود خوروں پر لعنت بھیجی ہے؛ بلکہ سود سے متعلق جملہ افراد اس لعنت کے یکساں مستحق ہیں جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

"لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا، وَمُؤْكِلَهُ، وَكَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ، وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ".

"رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے اور دونوں گواہان پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: یہ سب کے سب (گناہ میں) برابر ہیں"(۸).

جب سود سے متعلق جملہ لوگ رسول اکرم ﷺ کی لعنت کے مستحق ٹھہرے تو یہ ضروری ہے کہ جس قوم میں سودی کاروبار کی کثرت ہو وہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی مسلط ہو. چنانچہ

(۷) بخاری: (۲۷٦٦)، مسلم: (۸۹)، أبو داود: (۲۸۷٤)، نسائی: (٦/۲۵۷).

(۸) مسلم: (۱۵۹۸).

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں:

"مَا ظَهَرَ فِي قَوْمٍ الزِّنَا وَالرِّبَا إِلَّا أَحَلُّوا بِأَنْفُسِهِمْ عَذَابَ اللَّهِ"(۹).

"جس قوم میں زنا اور سود کا ظہور ہو جائے تو اس نے اللہ کا عذاب اپنے اوپر مسلط کر لیا".

آخرت میں بھی سودخوروں کے لیے سخت عذاب ہے. اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ، وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴾

"اے ایمان والو! بڑھ چڑھ کر سود نہ کھاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تمہیں نجات ملے اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے"۔ [آل عمران: ۱۳۰-۱۳۱]

یہاں اللہ تعالیٰ نے سودخوروں کو متنبہ کیا ہے کہ اگر تم اپنے اس حرام رویہ سے باز نہ آئے تو یہ فعل حرام تمہیں کفر تک پہنچا سکتا ہے اور پھر تم آتش جہنم کا ایندھن ہو گے. معراج والی حدیث میں رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

"ہم لوگ ایک خون کی نہر کے پاس آئے جس میں ایک آدمی تیر رہا تھا اور نہر کے کنارے ایک شخص کے پاس بہت سارے پتھر اکٹھا تھے، نہر والا آدمی جب تیرتے ہوئے کنارے آتا تو کنارے پر کھڑا آدمی اس کے منہ پر پتھر دے مارتا. جب جب نہر والا آدمی نکلنا چاہتا کنارے والا آدمی پتھر سے مار مار کر اسے واپس کر دیتا. میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ نہر والا شخص کون ہے؟ تو جبریل نے بتایا کہ یہ سود خوار ہے"(۱۰).

سودخواروں کو ایسا عذاب کیوں نہ ہو جبکہ سود خوری کے تہتر درجہ کے گناہ میں سب سے کمتر درجہ کا گناہ یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی ماں سے زنا کا ارتکاب کرے. جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۹) الترغیب والترهیب (۲۸۸۳)، مسند أبي يعلى (٤٩٨١)، حاکم (۲/۳۷) نے اس کی تصحیح کی ہے.

(۱۰) بخاری: (١٣٨٦، ٢٧٩١، ٤٠٤٧، ٧٠٤٧)، مسلم: (٢٢٧٥).

"الرِّبَا ثَلَاثٌ وَسَبْعُونَ بَاباً أَيْسَرُهَا مِثْلُ أَنْ يُنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ".

"سود کے گناہ کے تہتر درجے ہیں اور سب سے کمتر گناہ یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی ہی ماں سے بدکاری کرے"(۱۱).

غسیل الملائکہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"دِرْهَمُ رِباً يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلاثِينَ زَنْيَةً".

"سود کا ایک درہم جس کو کوئی آدمی جانتے ہوئے کھاتا ہے، وہ چھتیس بار زنا کرنے سے زیادہ سخت گناہ ہے"(۱۲).

اسی لیے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے:

"لَأَنْ أَزْنِيَ ثَلَاثاً وَثَلَاثِينَ زَنْيَةً أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ آكُلَ دِرْهَمَ رِبًا، يَعْلَمُ اللَّهُ أَنِّي أَكَلْتُهُ حِينَ أَكَلْتُه رِبًا".

"میں تینتیس مرتبہ زنا کا ارتکاب کروں یہ مجھے پسند ہے بہ نسبت ایک درہم سود کھانے سے، جس کو میں کھاتے وقت جان بوجھ کر کھاؤں جس کی خبر اللہ کو ہو"(۱۳).

لیکن موجودہ زمانے میں جب ہم اپنے مسلم معاشرہ کو دیکھتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی صریح مخالفت کرنے کی قسم کھا رکھی ہے. شاید ہی کوئی مسلم معاشرہ ہے جو سودخوری کے گناہ میں ملوث نہیں. جب کہ شریعت اسلامیہ نے سودخوری اور اس سے منسلک سارا کاروبار حرام قرار دیا ہے اور سودخوری کے لیے سخت وعید سنائی ہے، جیسا کہ اوپر آپ نے مطالعہ فرمایا.

(۱۱) حاکم (۲/۳۷) نے کہا ہے کہ یہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے. شعب الایمان (۵۵۱۹).
(۱۲) مسند أحمد: (۵/ ۲۲۵)، احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں. الطبرانی فی الکبیر.
(۱۳) الترغیب والترھیب (۲۸۷۶).

آپ کو میری یہ بات سن کر تعجب ہوگا کہ ایک مسلم بستی میں ایک مسلمان کو چند مسلمانوں نے مل کر سود پر قرض دیا. وہ غریب مسلمان تجارت کرتا رہا اور قسط وار سودخواروں کا سود چکاتا رہا، لیکن اتفاقاً اس کی تجارت ٹھپ پڑ گئی اور اس کو بری طرح خسارہ ہو گیا. ادھر سودخواروں کے سود کا تقاضا بھی بڑھتا گیا اور وہ بار بار اس غریب مسلمان کو سود کے لیے ٹوکتے رہے. وہ بے چارہ ایک روز گھر سے کہیں باہر نکل گیا. سودخوار لوگ اس کی آمد کا انتظار کرنے لگے لیکن وہ کئی ہفتہ تک گھر نہیں آیا. ایک مدت کے بعد گھر واپس ہوتے ہوئے اس نے بازار سے زہر خریدا اور گھر کی راہ میں راتوں رات زہر پی کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا؛ تاکہ نہ زندگی رہے گی اور نہ ہی سودخواروں کے طعنے برداشت کرنے پڑیں گے!!

سبب کیا تھا؟ سبب یہی تھا کہ سودخوار مسلمانوں نے اس کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی، وہ بیچارہ غریب کہاں سے ان کا سود دیتا جب کہ تجارت میں کافی خسارہ ہو چکا تھا؟ سودخواروں نے اس چھوٹے سے تاجر کی موت کے ایک ہفتہ بعد ہی اس کے بیٹوں سے اپنی رقم کا تقاضا کرنا شروع کر دیا، بے چارے وہ غریب لوگ کہاں سے اتنی بڑی رقم لا کر دیتے جو تقریباً پونے دو لاکھ روپے تھی؟ چنانچہ پنچایت ہوئی اور سودخواروں کو اپنی اپنی رقم چار و ناچار معاف کرنی پڑی (۱۴).

گو ان سودخواروں نے اس غریب کا خون تو چوسا ہی، اس کی جان بھی لے لی. کسی نے سچ ہی کہا ہے: ؎

جیو کی رکھشا کرنے والو، سود کھانا چھوڑ دو
یہ وہ سالن ہے کہ جس میں آدمی کا خون ہے

یہی ایک واقعہ نہیں بلکہ مسلم معاشرے میں اب سود کوئی خلاف شرع کام سمجھا ہی نہیں جاتا.

(۱٤) اس واقعہ کا میں خود عینی شاہد ہوں اور اس پنچایت میں میں بھی شریک تھا.

مسلم معاشرے کے اکثر لوگ سود یا تو لیتے ہیں یا دیتے ہیں. تجارت میں تو ان کو کامیابی ملنی مشکل ہے کیوں کہ انہیں اپنی زبان پر کنٹرول نہیں کہ لوگ ان سے تجارتی لین دین کریں، اور اس سے بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ مسلمان کو تجارت میں راتوں رات اتنا فائدہ ہونا چاہیے کہ وہ صبح اٹھتے ہی لال قلعہ تعمیر کر سکیں. اب ایسی صورت میں وہ کیوں کر تجارت کی جھنجھٹ میں پھنس کر کبھی نفع اور کبھی نقصان کی کشمکش میں اپنا وقت ضائع کریں جب کہ سود خوری میں انہیں منافع ہی منافع مل رہے ہیں!!

تمام مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ حدیث رسول کی زبان میں سود خوری کے گناہ کا ادنی درجہ یہ ہے کہ سود خوار ذلیل اپنی ہی ماں سے بدکاری کرتا ہے. اللہ تعالیٰ ہمارے مسلم معاشرے کو اس گناہ سے کوسوں دور رکھے اور رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل اپنانے کی توفیق بخشے، آمین.

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل
حلالہ کی چھری چلانے والوں کے ساتھ

شراب نوش کی بدتمیزی سے خود کو دور رکھنا آسان ہے، کیوں کہ وہ شراب پی کر بدمستی میں اناپ شناپ بکتا ہے اور اخلاق باختگی کا شکار ہوتا ہے جس کے بارے میں سب کو معلوم ہوتا ہے. بدکار کی خباثت سے علیحدگی اختیار کرنا سہل ہے کیوں کہ اس کے ناجائز تعلقات کے سبب اس کے افعال وکردار پر بدنما داغ لگ چکا ہوتا ہے. بدتمیز کے شر سے محفوظ رہنا کوئی مشکل نہیں کیوں کہ اس کی زبان درازی اور بدتمیزی سے ماحول کا ہر فرد آگاہ ہوتا ہے. ظالم کے ظلم سے خود کو بچالینا بھی کوئی مشکل امر نہیں، کیوں کہ اس کے ظلم وبربریت کا چرچا دور دور تک عام ہوتا ہے. اسی طرح دنیا کے ہر برے انسان سے خود کو اور سماج ومعاشرہ کے افراد کو محفوظ کر لینا کوئی مشکل کام نہیں بلکہ آسانی کے ساتھ خود کو اور سماج و معاشرے کے افراد کو بچایا جا سکتا ہے اور ان کی عزت کے تحفظ کے لیے خاطر خواہ قدم بڑھایا جا سکتا ہے. لیکن اس دنیا کے اس منحوس اور خناس گروہ کے چنگل سے نکلنا ہر شخص کے بس کا روگ نہیں، جس نے مذہب کی آڑ میں امت کی دولت پر تو ہاتھ صاف کیا ہی ہے، امت کی معصوم کلیوں کو بھی مسل کر رکھ دیا ہے.

جی ہاں! یہ گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جن کو نہ جانے لوگ عقیدت میں کیا کیا سمجھ بیٹھتے ہیں. ہاں کہنے کو تو یہ دین کے حامی ومبلغ ہیں، لیکن اللہ گواہ ہے کہ انہوں نے غلط فتوے دے کر اور دین کی پشت پناہی میں امت کی باعصمت خواتین کو حلالہ کی بھینٹ چڑھا کر ان کی عفت کو تار تار کیا ہے. خانقاہوں، مزاروں، مسجدوں اور مدرسوں کے مناروں کے نیچے اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کی آڑ میں طلاق کے مسئلہ کے حل کے لیے آنے والے میاں بیوی پر حلالہ کی بمباری کر دینا اور پھر شوہر کو مذہب ... مذہب ... مذہب کی پیروی کا جھانسہ دے کر بیوی کو بند

کمرہ میں لے جا کر پالتو مسٹنڈے یا کبھی خود مفتی یا مولوی کے ہاتھوں حلالہ کی صورت میں بدکاری، آخر یہ سب کیا ہے؟!

طلاق کا مسئلہ آئے دن مسلم معاشرہ میں اٹھتا ہے لیکن افسوس ہے امت مسلمہ پر کہ مسلمان ایسے حسّاس موضوع پر بھی قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں مسئلہ کی نوعیت سمجھنے سے کوسوں دور ہیں اور ان کی اس دوری کا فائدہ اٹھا کر یہ لمبے جبے اور اونچی دستار کی آڑ میں پلنے والے مُلا ان کی عزت وعفت سے کھلواڑ کر رہے ہیں!!

آیئے دلائل وحقائق کی روشنی میں حلالہ سے متعلق چند باتیں ذیل میں پڑھتے ہیں:

لفظ "حلالہ" کا شریعت اسلامیہ میں کوئی تصور بھی نہیں ہے؛ بلکہ حلالہ کرنے والوں اور حلالہ کرانے والوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔ غلط فتوی دے کر امت مسلمہ کی معصوم کلیوں کو مسلنے والے اور امت کو گمراہ کرنے والے گروہوں کا کہنا ہے کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی کو طلاق ... طلاق... طلاق... کہہ دے تو ان دونوں کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدائی ہو جائے گی اور پھر ان دونوں میں دوبارہ ملاپ کی صورت پیدا کرنے کے لیے ایک فارمولہ بھی ایجاد کر لیا جو حلالہ کہلاتا ہے۔ یعنی میاں بیوی کے مابین از سرنو ازدواجی تعلقات بحال کرنے کے لیے کسی آدمی کا عارضی طور پر عورت سے نکاح کر کے اس کے ساتھ شب باشی کرنا اور پھر طلاق دے کر پہلے شوہر کے لیے حلال کرنا۔

چنانچہ محققین کے سروے کے مطابق ان مفتیوں نے حلالہ سنٹر بھی قائم کر رکھے ہیں جہاں پالتو مسٹنڈے حلالہ کرنے کے لیے بیٹھے ہیں[1]، اور وقتاً فوقتاً یہ مفتی حضرات خود بھی اس بہتی

(۱) میری بات سے کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے بلکہ اگر معترض کو کچھ بھی شک ہو تو ذرا حلالہ کے فتوے جاری کرنے والے مفتیوں کے ارد گرد پتہ لگانا چاہئے۔ معلوم ہو جائے گا کہ حلالہ سنٹر کہاں ہے؟ اور جب پتہ نہ لگے تو کبھی مفتی صاحب ہی سے حلالہ کی پیشکش کریں، تہلکہ ڈاٹ کام کی طرح حقیقت سامنے آجائے گی۔ آزاد کشمیر کے ایک علاقہ (ک) میں باقاعدہ حلالہ سنٹر کا وجود ہے۔ اس سنٹر کی =

گنگا میں نہاتے رہتے ہیں. کیوں کہ زنا کے اڈوں پر جانے سے انہیں یہ خوف دامن گیر ہے کہ امت مسلمہ کی غیرت ان کی بدکاری کو قبول نہیں کرے گی اور پھر مسلم معاشرے کے افراد جوتوں چپلوں سے ان کی خبر گیری کرنے لگیں گے اور ان کا بائیکاٹ کر دیں گے.

ہاں! حلالہ کے لیے اپنی خدمات پیش کر کے قسم قسم کی لذتوں سے لطف اندوز ہونا ان کے لیے نہایت آسان ہے، کیوں کہ امت کو بیوقوف بنا کر اسے عقیدت کے جال میں پھنسانا ان کا اپنا فن ہے. اس پر مزید یہ کہ جب حلالہ کی بھینٹ چڑھنے والیوں کا حسن و جمال ان مفتیان کو بھا جائے تو پھر ہمیشہ کے لیے ہی شوہروں کو اپنی بیویوں سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے. میری یہ گفتگو کوئی بلا دلیل نہیں بلکہ ایک ٹھوس حقیقت ہے جس کے بے شمار دلائل ہیں. آیئے جناب ابوشر حبیل کی کتاب ''حلالہ کی چھری'' (ص ۴۱ - ۴۲) کے حوالہ سے ان مفتیان وعلماء کا حقیقی چہرہ دیکھتے ہیں:

''یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ لاہور میں ایسے قد آور علماء بھی ہیں کہ جن کے گھر حلالہ کی مقدس بیویاں بس رہی ہیں (۲). ہوا یوں کہ کئی نصیب جلوں نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے حلالہ

=خوبصورت عمارت ہے جس میں کرائے کے سانڈ ہر وقت موجود رہتے ہیں اور بے لوث نہیں بلکہ فیس لے کر 'خدمت' کرتے ہیں. طلاق کے معاملہ میں جن بیمار لڑکیوں کو پیر یا مولوی نے حلالہ کا علاج تجویز کیا ہوتا ہے جاہل اور عقیدت کے اندھے لوگ ان لڑکیوں کو وہاں ان مسٹنڈوں کے پاس لے آتے ہیں اور وہ ننگ سانڈ انسانیت کی تذلیل اور حیوانیت کی توقیر کا مظاہرہ کرتے ہوئے حوا کی بیٹیوں کو حلالہ کی کند چھری سے حلال کرتے ہیں. [دیکھئے کتاب: حلالہ کی چھری ص ۳۶].

(۲) روز نامہ خبریں لاہور ۲۸ فروری ۱۹۹۳ء اپنی سرخی ''حلالۂ دو دل ہمیشہ کے لیے اکٹھے ہو گئے سابقہ شوہر منہ دیکھتا رہ گیا!!'' کے تحت لکھتا ہے:

''عارضی شادی نے دلوں میں محبت کے ایسے جذبات پیدا کر دیے کہ دونوں نے ہمیشہ کے لیے اکٹھا رہنے کا فیصلہ کر لیا. مجسٹریٹ سعید اختر انصاری کی عدالت میں گزشتہ روز ۱۶۴ ض ف کے تحت بیان دیتے ہوئے 'ش' نے کہا: اس کی پہلی شادی ایک اسلام نامی شخص کے ساتھ ہوئی تھی. دونوں کی ازدواجی =

کے لیے اپنی بیویاں ان کے پاس چھوڑ دیں، جو ان علمائے ذی شان کے من کو بھا گئیں، تو انہوں نے ان کو کبھی واپس نہ کیا. جب بھی وارث آئے تو مولوی صاحب نے یہ کہہ کر ٹرخا دیا کہ جب وہ خود ہی طلاق لینا نہیں چاہتی تو اس معاملہ میں میں کیا کر سکتا ہوں؟ آخر وہ اور ان کے بچے صبر و شکر کر کے بیٹھ گئے، مگر آج بھی ان کی واپسی کی نا ختم ہونے والی امید لگائے بیٹھے ہیں. جب کہ وہ مولوی صاحب کی حلالہ کی نسل جنم دینے اور اسے پروان چڑھانے میں مصروف ہیں. ان علماء کی سابقہ بیویاں آج بھی اپنی ان حلالی سوکنوں کو حلالہ کا غلیظ طعنہ دے کر ان کی ناک میں دم کیے ہوئی ہیں. ان مدارس و خانقاہوں کے محراب و منبر اور مینار آج بھی ان مفتیانِ شرع متین کی اخلاق باختگی کے لیے شکایت کناں ہیں اور زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ ہمارے دامن میں اور ہمارے سائے میں حلالہ کی دکانیں سجانے والو...امت کی بیٹیوں کی عزت کو سر عام نیلام کرنے والو... ہمارا جی تو چاہتا ہے کہ تم پر اپنے آپ کو گرا کر تمہیں ہمیشہ کے لیے سلا دیں!!''.

نہ معلوم غلط فتوے بازی کرنے والے مولویوں کو حلالہ کی لعنت اس قدر محبوب کیوں ہے، اور کیوں اللہ اور اس کے رسول کی لعنت کا مستحق بن کر اللہ کے دائمی عذاب کو دعوت دے رہے ہیں!! جب کہ رسول اکرم ﷺ کی صحیح حدیث میں حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے دونوں پر

= زندگی اچھی گزر رہی تھی مگر ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہو سکی. اس وجہ سے اس کی ساس اسے حیلے بہانے سے ستاتی رہتی اور لڑتی جھگڑتی رہتی، اور اس نے اپنے بیٹے کو مجبور کر کے طلاق دلوا دی. کچھ عرصہ پہلے اسلام نے اپنے دوست نعیم سے کہا کہ وہ شکیلہ سے شادی کر لے اور بعد میں اسے طلاق دیدے کیوں کہ وہ دوبارہ شکیلہ سے شادی کرنا چاہتا ہے اور حلالہ کے بغیر اب وہ اس سے نکاح نہیں کر سکتا. شادی کے بعد شکیلہ اور نعیم دونوں نے ہمیشہ کے لیے اکٹھے رہنے کا فیصلہ کر لیا. جب اسلام نے نعیم سے مطالبہ کیا کہ اب وہ شکیلہ کو طلاق دیدے تو اس نے انکار کر دیا اور دوسری طرف شکیلہ نے مجسٹریٹ کے سامنے اپنے بیان میں نعیم سے علیحدہ ہونے سے انکار کر دیا''.

لعنت آئی ہے. حضرت ابو ہریرہ، عبداللہ بن عباس، عبد اللہ بن مسعود، علی بن ابی طالب، جابر ابن عبداللہ اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ".(۳)

"اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے".

حلالہ کرنے والے کو رسول اکرم ﷺ نے ادھار کا سانڈ کہا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت سنائی ہے. حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالتَّيْسِ الْمُسْتَعَارِ؟".

"میں تمہیں ادھار کے سانڈ کی خبر نہ دوں؟".

صحابہ کرام نے عرض کیا: بتائیں اے اللہ کے رسول. آپ ﷺ نے فرمایا:

"هُوَ الْمُحَلِّلُ، لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ والْمُحَلَّلَ لَهُ".

"وہ ادھار کا سانڈ حلالہ کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے".(۴)

معلوم ہوا کہ جو لوگ حلالہ کرتے یا کراتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کی نگاہوں میں ملعون ہیں، اور جب یہ اللہ اور رسول کی نگاہوں میں ملعون ٹھہرے تو حلالہ کا فتوی دینے والے بدرجہ اولیٰ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں مبغوض وملعون ہیں. اب ایسی صورت میں اگر طلاق ثلاثہ کے بعد کسی عورت سے کوئی شادی کرتا ہے کہ اس سے چند رات ملنے (بالفاظ دیگر زنا کرنے) کے بعد پہلے شوہر کے لیے چھوڑ دے گا تو وہ بھی بے غیرت وملعون ہے.

حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے کے سبب اسلامی معاشرے میں جو برے اثرات مرتب ہوں گے، اس سے ایک ذی عقل انسان صرفِ نظر نہیں کرسکتا. اسی لیے حضرت عمر بن

(۳) [صحيح] ابن ماجه: (١٩٣٤)، أبو داود: (٢٠٧٦)، أحمد: (٨٣/١)، نسائی:(٩٨/٢) بیهقی: (٢٠٨/٧).

(٤) [حسن] ابن ماجه: (١٩٣٦)، حاكم: (١٩٨/٢)، بیهقی: (٢٠٨/٧).

خطاب رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

"لاَ أُوْتِیَ بِمُحِلٍّ وَلاَ مُحَلَّلٍ لَهُ إِلاَّ رَجَمْتُهَا"(۵).

"اگر میرے پاس حلالہ کرنے اور حلالہ کرانے والے کو لایا جائے گا تو میں انہیں سنگسار کر دونگا".

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حلالہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے کہا:

"ذَلِکَ السِّفَاحُ! لَوْ أَدْرَکَکُمْ عُمَرُ لَنَکِلَکُمْ"(۶).

"یہ زنا ہے، اگر تمہیں عمر رضی اللہ عنہ پاتے تو لگام ڈال دیتے".

اب ذرا غور فرمائیں کہ وہ مولوی یا مفتی جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر حلالہ کا فتوی دیتا ہے یا موقع بہ موقع خود کو بھی حلالہ کرنے والے کی حیثیت سے پیش کرتا ہے اور حوا کی بیٹیوں کی عصمت کو تار تار کرتا ہے، کیا وہ شریعت کی نگاہ میں سخت مجرم نہیں ہے جس کو برسر عام پتھروں سے سنگسار کر دینا چاہیے؟! اب مسلم امت کے غیور لوگ اس مولوی کو کون سی عبرتناک سزا دینا چاہیں گے جس نے حلالہ کے نام پر امت کی ڈھائی سو لڑکیوں کی عزت سے کھلواڑ کیا ہے اور ایسے مولویوں ومفتیوں کی آج بھی کمی نہیں جو مذہب کی پاک چھتری تلے ناپاک حلالے کرتے ہیں؛ بلکہ اب یہ حلالہ ایک منافع بخش کاروبار کی حیثیت اختیار کر چکا ہے. مذکورہ حقیقت کی نشاندہی کرتے ہوئے ماہنامہ "سرپرائز" اپریل ۱۹۹۹ء کے شمارہ میں صفحہ (۳۱) پر لکھتا ہے:

"حلالہ ایک کاروباری صورت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے. بہت سارے ایسے مولوی ہیں جو ایک معاوضہ لے کر حلالہ کرتے ہیں. یوں ایک رات کے بعد دوسرے خاوند کے لیے شرعاً جائز ہونے کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیتے ہیں. اس کاروبار میں ایک بڑی مسجد کے بڑے خطیب بھی شامل ہیں جو نہ صرف لوگوں کو حلالہ کی راہ دکھاتے ہیں بلکہ خود بھی نکاح کر کے حلالہ کرتے ہیں. مولوی صاحب کے کیے گئے حلالوں کا شمار دو سے ڈھائی سو کے درمیان ہے (یعنی وہ اب

---

(٥) مصنف ابن أبي شيبة: (١٧٠٧٤).

(٦) [صحيح] مصنف ابن أبي شيبة: (١٧٠٧٦).

تک مختلف مسلم خواتین کی آبرو سے حلالہ کے نام پر کھلواڑ کر چکے ہیں).مشاہدہ میں یہ بات آئی ہے کہ حلالہ کے خواہش مند جب اپنی پریشانی کے عالم میں ان مخصوص مولویوں سے ملتے ہیں تو انہیں نہایت اچھے طریقے سے یہ راہ دکھائی جاتی ہے.انہیں سہولت فراہم کی جاتی ہے، معاوضہ لے کر نکاح کیا جاتا ہے اور پھر اگلے دن طلاق دے کر حلالہ کو شرعاً جائز قرار دے دیا جاتا ہے.
یہی نہیں کہ یہ صرف کاروباری انداز اختیار کرتا چلا جا رہا ہے بلکہ ایک مذاق اور کھیل کی سی حیثیت بھی اختیار کرتا چلا جا رہا ہے... (ان مولوی حضرات کے حلالہ کے لیے بنائے گئے قوانین کے مطابق) حلالہ کی شرائط میں یہ بات بھی شامل ہے کہ عورت خلوت صحیحہ میں دوسرے مرد کے ساتھ 'وطی' کے عمل سے گزرے.اگر یہ سارا عمل ٹھیک نہیں ہوا تو پھر حلالہ بھی شرعاً جائز نہیں ہوا.اس عمل سے بچنے کے لیے معاوضہ دیا جاتا ہے کہ یوں نکاح، طلاق اور پھر تصدیق نامہ جاری کروا لیا جاتا ہے.کچھ ہمارے جاہل لوگ بھی ہیں کہ وہ ان مذہبی بہروپیوں سے حلالہ کروانا باعث اطمینان اور سند سمجھتے ہیں، اور یہ 'نیک کام' عقیدت سے کرواتے ہیں.
بعض مولویوں نے مدارس جہاں بچوں کو اسلام کی تعلیم دی جاتی، اور جہاں اسلام کی صدائیں ۲۴ گھنٹے بلند ہوتی ہیں، ان مدارس کو بھی ناپاک کرنے سے گریز نہیں کیا، بلکہ ان کو حلالہ سنٹرز کہیں تو زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے''

قارئین کرام! آپ نے حلالہ کی آڑ میں مولویوں اور مفتیوں کے رنگین کارنامے دیکھ لیے، ان کے بدنما چہروں کو مزید دیکھنا ہے تو محترم رانا شفیق پسروی صاحب کی کتاب ''حلالہ کی شرعی حیثیت'' میں دیکھیں جہاں حلالہ کرنے کے شوقین مولویوں کے بارے میں مزید دلائل مل جائیں گے.موصوف لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں نے اپنے مدارس اور دار الافتاء میں حلالہ کے لیے باقاعدہ کمرے خاص کر رکھے ہیں. ہمارے ایک بزرگ دوست نے بتلایا کہ میں ایک معروف روز نامے کے مفتی صاحب کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک بہت بڑی تاریخی مسجد کے خطیب کا فون آ گیا.مفتی صاحب

نے ریسیور اٹھانے کی بجائے اس کا وہ بٹن دبا دیا جس کے دبنے سے دوسرے لوگ بھی گفتگو سن سکتے ہیں. چنانچہ سلام دعا کے بعد خطیب صاحب نے مفتی صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ رات انہوں نے جو حلالہ (کے لیے عورت کو) بھیجا تھا اس سے بہت لطف اٹھایا ہے. بلکہ انہی دونوں بزرگوں کے متعلق مشہور ہے کہ ان دونوں میں ایک مجبور عورت کے باعث (حلالہ کرنے کے معاملے میں) جھگڑا بھی ہوا''.

اس گندے اور گھناؤنے کاروبار میں مولویوں کا ایک خاص طبقہ ملوث ہے جو مسلم معاشرے کی مظلوم و نازک کلیوں کو مسل رہا ہے. ان حلالہ والے مولویوں کے تصور ہی سے مسلم خواتین کانپ اٹھتی ہیں. ویسے تو آئے دن اس قسم کے واقعات بہت سارے ممالک میں رونما ہوتے ہیں لیکن اس کی صرف ایک مثال روزنامہ پاکستان کے حوالہ سے پڑھئے جو پاکستان کے علاقہ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں رونما ہوا ہے. اخبار کی رپورٹ ہے:

''جج صاحب! مجھے مولوی کے حلالے سے خوف آتا ہے. یہ بات ایک مقامی خاتون بشیراں بی بی نے اپنے سابقہ خاوند شفیع کے خلاف دائر دعوے میں کی ہے. شوہر کی جانب سے مولوی حلالہ کی دھمکی سن کر خاتون کا کہنا ہے کہ 'میں مر جاؤں گی لیکن مولوی حلالہ کے پاس نہ جاؤں گی'. محمد الناصر سول جج نے مدعا علیہ کو پیش عدالت ہونے کا حکم دیا ہے''(۷).

حلالہ کی نوبت اس وقت آتی ہے جب کوئی طلاق کی سرحد سے گزرتا ہے اور اکثر طلاق دینے والوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ جذبات میں بیوی کو طلاق دے تو دیتے ہیں لیکن بعد میں ناک پکڑ کر روتے ہیں، اور پھر مولویوں کے دروازے کا چکر لگاتے ہیں تاکہ میاں بیوی کے درمیان دوبارہ ازدواجی تعلقات پھر بحال ہونے کی کوئی صورت نکل آئے. اب اگر کوئی حنفی مقلد عالم کے پاس پہنچ جاتا ہے تو پھر وہ حلالہ کی کند چھری تلے ذبح ہو جاتا ہے اور یوں اس کی سب سے قیمتی شئے یعنی عزت و آبرو کی دھجیاں اڑ جاتی ہیں. حالاں کہ اگر دلائل کی روشنی میں

(۷) روزنامہ پاکستان، لاہور ۲۷/ جولائی ۱۹۹۶ء.

دیکھا جائے تو صحیح معنوں میں اکثر طلاق دینے والوں کی طلاق رجعی واقع ہوتی ہے جن کو اپنی بیویوں سے دوبارہ رجوع کرنے کا جواز ہوتا ہے. مگر تقلید جامد نے فتوی بازوں کی میزائل کی کنڈیاں سہل بنا دیا ہے جس کے سبب بھولے بھالے عوام کی عزت وآبرو کا جنازہ نکل رہا ہے.

ایک مجلس کی تین طلاق یا تین سو طلاق صرف ایک ہی شمار ہونی چاہیے. شرعی دلائل اسی کی تائید کرتے ہیں. اس لیے عوام الناس کو چاہئے کہ پہلے وہ طلاق کے مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لیں تاکہ غلط فتوی دینے والوں کے چنگل سے بآسانی نکل سکیں. دراصل اس مسئلہ پر بہت سارے علماء نے بہت کچھ لکھا ہے اس لیے میں اپنی جانب سے اس سلسلہ میں کچھ نہ لکھ کر ایک حنفی عالم کا مقالہ ہی نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جنہوں نے دلائل کی روشنی میں مسئلہ طلاق پر سیر حاصل بحث کی ہے اور عموماً حلالہ کی کند چھری سے حنفی مکتب فکر ہی کے لوگ ذبح ہوتے ہیں، اس لیے ان کے عالم کی بات ان کے ذہن میں شاید زیادہ موثر ہو سکتی ہے. اسی لیے میں دیوبندی عالم دین مولوی محفوظ الرحمٰن قاسمی کا وہ مقالہ نقل کر رہا ہوں جو نومبر ۱۹۷۳ء میں اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد کی طرف سے منعقد کردہ ایک کانفرس میں پڑھا گیا تھا. اور یہ بھی واضح رہے کہ میں نے یہ سارا مواد جناب ابوشرحبیل کی کتاب ''حلالہ کی چھری'' سے لیا ہے، جنہوں نے اپنی کتاب میں اس مقالہ کے ساتھ بہت ہی مواد اکٹھا کیا ہے. اللہ تعالیٰ موصوف کی کتاب کو امت مسلمہ کی آبرو کے تحفظ کا ذریعہ بنائے. موصوف کی تحریر مع مقالہ من وعن ذیل میں نقل کرتا ہوں، لکھتے ہیں:

''اصل مسئلہ جو اس فتنہ وفساد کی جڑ ہے، جو گندگی کا باعث ہے... جو حلالہ کا مرحلہ درپیش آنے کا موجب بنتا ہے، وہ کچھ یوں ہے کہ کسی مسئلہ پر جب کبھی میاں بیوی کے درمیان اختلافِ رائے رونما ہوتا ہے... جھگڑا، لڑائی یا کبھی کبھی مار کٹائی بھی ہوتی ہے... مرد غصے میں آتا ہے تو وہ اپنی بیوی کو کہتا ہے کہ تجھے تینوں طلاقیں ہوں یا کہتا ہے کہ ''تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے''. یوں تین دفعہ جب وہ طلاق کہہ دیتا ہے تو پھر غصہ ٹھنڈا ہونے

پر مولوی کے پاس جاتا ہے. مولوی اس کو کہتا ہے: ''چوں کہ تمہاری بیوی کو طلاق ہو چکی ہے اس لیے اب دوبارہ گھر بسانے کے لیے حلالہ کروانا ہوگا...'' یہیں سے انسانیت کی تذلیل کا دروازہ کھلتا ہے. مسئلہ یہ ہے کہ اس طرح تین دفعہ طلاق کہنے سے کیا طلاق ہو جاتی ہے، کیا بیوی مرد پر حرام ہو جاتی ہے؟ ذیل میں مشہور حنفی عالم مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی فاضل دیوبند کا وہ تحقیقی مقالہ من وعن نقل کر دے رہے ہیں جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جائے گا تو عزت بچے گی. یہ ایک علمی مقالہ ہے جس کو بندہ نے تہذیب وترتیب دے کر اور اعراب وغیرہ لگا کر اپنی اس کاوش کا تتمہ بنا دیا ہے تاکہ حنفی بھائیوں کو آگاہی ہو سکے اور امت محمدیہ کی بیٹیاں اس کاوش کے نتیجے میں حلالہ کی پھانسی لگ کر زندہ درگور ہونے سے بچ جائیں.

اس مقالہ کو فروری ۱۹۹۲ء کو مجلس نشر السنہ مخدوم رشید ملتانی نے حرف اول کے اضافہ کے ساتھ شائع کیا ہے. ہم اس کو من وعن نقل کر رہے ہیں بغیر کسی کمی بیشی کے، کہ اے میرے حلالہ کے علمبردار بھائی...!

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

قرآن وحدیث تو یہی بتاتے ہیں جیسا کہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ اس طرح تین طلاق کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک وہ تین طہروں (یعنی تین حیضوں) میں تقریباً ایک ایک ماہ کے بعد طلاق نہ دے. اس سے معلوم ہوا جب طلاق ہی نہیں ہوئی تو بیوی حرام کیسے ہو گئی اور حلالہ کیوں ضروری ٹھہرا...؟ یہی بنیادی مسئلہ ہے، اس کو مان لیا جائے کہ ایک طہر (ایک حیض تقریباً ایک ماہ) کے اندر آدمی کی طرف سے ایک ہزار بار بھی طلاق کا لفظ بیوی کے لیے بولا جائے، طلاق واقع نہیں ہوتی اور نہ ہی اس مرحلہ تک پہنچ کر عزت وناموس کا جنازہ نکلوانے کی ضرورت پڑتی ہے. اب حنفی علماء بھی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک مانتے ہیں کہ جس سے حلالہ جیسے ہلاکت خیز پھندے اور شکنجے میں پھنسنے کی نوبت نہیں آتی.

انہی امورِ قبیحہ کے اثراتِ بدکو معاشرے میں ایک ناسور کی طرح پھیلتے ہوئے اور سرایت کرتے ہوئے دیکھ کر ہندستان کے اقبال ورق والا ایڈوکیٹ نے متعدد علماء کی وساطت سے ایک سیمینار منعقد کیا اور سیمینار میں اپنے تحریری مقالے کو پڑھنے کے لیے ان کے پاس ایک سوال نامہ بھیجا کہ وہ اپنے مقالے لکھ کر سیمینار میں لائیں اور طلاق کے مسائل کی وضاحت کریں تاکہ حلالہ کے شر سے امت کو بچایا جائے. علماء کو بھیجے گئے اس سوالنامہ کی عبارت یوں تھی:

اے علمائے ذی شان!

''عام طور سے لوگ جہالت اور شرعی احکامات سے ناواقفیت کی وجہ سے بیک وقت تین طلاقیں دے بیٹھتے ہیں اور بعد میں جب طلاق کے مغلظ ہونے کا فتوی ملتا ہے تو وہ پچھتانے لگتے ہیں. کوئی کہتا ہے کی میری نیت تین طلاق دینے کی نہیں تھی، محض تاکید کے طور پر طلاق کا لفظ تین مرتبہ دہرایا تھا اور کوئی کہتا ہے کہ تین طلاق کے الفاظ میں نے اس لیے استعمال کیے تھے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ اس کے بغیر طلاق واقع ہی نہیں ہوتی.

پھر ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو مغلظ قرار دینے کے بعد حلالہ کرنے کی قبیح صورتیں تجویز کی جاتی ہیں اور ناروا حیلے تلاش کیے جاتے ہیں. اس صورت حال نے ایک طرف تو مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں مشکلات پیدا کر دی ہیں اور دوسری طرف مسلم پرسنل لاء اور اسلامی نظام معاشرت کے مخالفین اس صورت حال سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں. چنانچہ وہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کے واقعات کو رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور ان کا سہارا لے کر دین پر حرف زنی کرتے ہیں. اس لیے ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر مسئلہ کا کوئی حل تلاش کرنا ہے.

مجلس مذاکرہ کے لیے جو ۴ نومبر ۷۳ء کو احمد آباد میں منعقد ہو رہی ہے آپ جو مقالہ مرتب ←

فرمائیں گے اس میں اپنے نقطۂ نظر کو مدلل طور پر پیش کرنے کے ساتھ درج ذیل سوالات کے جوابات بھی عنایت فرمائیں تو مناسب ہوگا:

① کیا محض طلاق کا لفظ تین مرتبہ دہرانے سے یعنی بیک وقت طلاق، طلاق، طلاق کہہ دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں جب کہ طلاق دینے والا شخص کہتا ہو کہ میری نیت صرف ایک طلاق کی تھی؟

② کوئی شخص ایک مجلس میں تین طلاقیں دیتا ہے، لفظ ''تین'' کی صراحت کے ساتھ، لیکن وہ کہتا ہے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ تین کا لفظ جب تک استعمال نہ کیا جائے طلاق واقع ہوتی ہی نہیں. اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی یا ایک؟

③ کیا ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مغلظہ ہونے پر امت کا اجماع ہے؟ اگر نہیں تو ان علماء اور فقہاء کے نام تحریر فرمائیں جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں.

④ آپ کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مسئلہ کا کیا حل ہے؟ اسے ایک شمار کیا جانا چاہیے یا تین؟

محمد حبیب الرحمٰن اقبال

ورق والا ایڈوکیٹ. کنوینرز اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد

بعد میں اس سیمینار میں پڑھے گئے مقالہ جات کو کتابی شکل بھی دی گئی. سب مقالہ جات پر مغز تھے لیکن ہم نے مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب کا مقالہ منتخب کیا. مولانا مسلکاً دیوبندی ہیں لیکن فراخ دلی سے سیمینار میں اپنی تحقیقات انہوں نے عوام کے سامنے رکھ دیں.

پرانے حرفِ اول کو ہم بھی اس مقالہ کا آغاز بنا رہے ہیں، اب آپ یہ مشہور مقالہ پڑھیں لیکن اس سے قبل یہ پر مغز حرف اول ملاحظہ ہو. حرف اول میں مزید لکھتے ہیں:

حرف اول

ایک مجلس کی تین طلاق کے بعد ہمارے معاشرے میں کافی مخدوش حالات پیدا ہو جاتے ہیں. نومبر ۱۹۷۳ء کو اس کے بارے میں ہندستان کے مشہور شہر احمد آباد (گجرات کاٹھیاواڑ) میں ایک مجلس مذاکرہ کا اہتمام کیا گیا، جس کی صدارت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب دیوبندی سربدہ ندوۃ المصنفین دہلی نے فرمائی تھی. اس موضوع پر جن اکابر علمائے دیوبند نے اپنے علمی مقالے پیش کیے تھے ان میں خاص طور پر مولانا سعید اکبر آبادی فاضل دیوبند اور مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی فاضل دیوبند نے اپنے علمی حقائق سے ثابت کیا کہ ایسے مخدوش حالات اور عوام کی دینی لاشعوری کے تحت اگر کوئی جذبات میں آکر اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاق دے دے تو ہمارے نزدیک ان تین طلاقوں کو ایک ہی سمجھا جائے تو زیادہ بہتر ہے. شواہد علمیہ کے بعد ہماری یہی رائے ہے. اسی طرح ہمارے ملک کے ایک فاضل اہل علم مولانا شاہ صاحب (فاضل جامعہ ازہر آف بھیری جو بریلوی مکتب فکر کے ایک ممتاز عالم ہیں) نے اس مسئلے پر ایک مدلل اور تفصیلی مقالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے ثابت کیا کہ ایسے حالات میں میرے نزدیک اس پر عمل کرنا افضل ہے کہ تین طلاق کو ایک طلاق شمار کیا جائے. بریلوی اور دیوبندی مسلک کے جن اہل علم نے طلاق کے جس مخدوش نتائج سے مسلمانوں کو نجات دلائی ہے ہم ان کے بے حد شکر گزار ہیں.

مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی فاضل دیوبند نے اپنے مقالے میں نہایت پر مغز علمی شواہد پیش کیے ہیں. ہم ان کے اس علمی مقالے کو آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں.

اس کے بعد اگر کوئی صاحب علم طلاق کے اس مسئلے کو جدل واختلاف کا میدان بناتا ہے تو

اس صاحب کی بصیرت پر جس قدر بھی ماتم کیا جائے بہت ہی کم ہے.

ادارہ: مجلس نشر السنہ، مخدوم رشید (ملتان) ۹۲ - ۲ - ۱۵

طلاق ثلاثہ کے موضوع پر غور وفکر کے لیے میرے نزدیک چار بنیادیں ہیں. ان پر غور کرنے کے بعد ہمیں فیصلہ کرنا چاہئے کہ ہمارے لیے موجودہ حالات میں کون سا راستہ زیادہ قابل قبول اور قابل عمل ہے.

① کیا تین طلاق کو ایک سمجھنے کا خیال دور نبوت سے ہی آرہا ہے؟ اور کیا احادیث میں اس کے لیے کوئی بنیاد موجود ہے یا نہیں؟ اگر اس کی بنیاد موجود ہے اور دور نبوت سے ہی بحث وگفتگو کی گنجائش چلی آرہی ہے تو اب ہمارے لیے اور مسئلوں کی طرح یہاں بھی دیکھنا ہوگا کہ ہمارے معاشرے سے کون سی صورت زیادہ مناسب ہے، اس کو اختیار کرلیا جائے.

② غور وفکر کی دوسری بنیاد، یہ ہے کہ کیا تین طلاقیں ایک ساتھ کوئی محمود اور پسندیدہ شئے ہے؟ اگر نہیں تو کیوں نہ ایسی شکل پر غور وفکر کرلیا جائے جو سنت کے مطابق اور شریعت کے منشا کے عین موافق ہو.

③ غور وفکر کی تیسری بنیاد، کیا فقہ حنفی میں اس کی گنجائش ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال سے ہٹ کر کسی دوسرے امام یا مجتہد کے قول پر عمل کیا جائے.

④ غور وفکر کی چوتھی بنیاد، ہمارے معاشرتی اور سماجی حالات ہمیں کون سی صورت اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہیں. قانون کی عمدگی کے لیے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اس میں معاشرہ کے لیے زیادہ سے زیادہ خیر وفلاح کی ضمانت ہو.

پہلی بنیاد، تین طلاقوں کو ایک شمار کرنا:

آئیے! اب ہم پہلی بنیاد پر غور کریں. اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تین طلاق کو ایک شمار کرنے کا خیال لغو وباطل نہیں بلکہ اس کی بنیاد ہے اور اہل سنت والجماعت کا ایک طبقہ ہمیشہ سے اسے

تسلیم کرتا آیا ہے. اس کے لیے ہم مختصراً چار احادیث نقل کرتے ہیں. بخاری و مسلم کی روایت ہے، ابوصہبا نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ تین طلاقیں دور نبوت اور دور ابوبکر وخلافت عمر رضی اللہ عنہما کے ابتدائی برسوں میں ایک ہی مانی جاتی تھیں. ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''ہاں! یہ بات مجھے معلوم ہے''.

مسلم، ابو داود، نسائی، حاکم، بیہقی میں ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو برسوں میں تین طلاق ایک ہی سمجھی جاتی تھی. سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ ''لوگ اس معاملہ میں جلد بازی سے کام لینے لگے ہیں جس میں ان کے لیے توسع تھا، لہٰذا ہم اس کو جاری کر دیں، سو آپ نے جاری کر دیا.

ابو داود کی روایت ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''إِذَا قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ ثَلاثًا بِفَمٍ وَاحِدٍ فَهِيَ وَاحِدَةٌ''.

''کسی نے اگر ایک ہی جملہ سے تین طلاقیں دیں تو وہ ایک ہی رہیں گی''.

مسند احمد جلد اول میں واقعہ مذکور ہے کہ رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو مراجعت کرنے کا اختیار دیا. ان احادیث میں سے اگر کوئی حدیث ضعیف بھی ہو یا محل کلام ہو تو متعدد طریقوں سے جو مرویات آتی ہیں، وہ اس ضعف کی تلافی کر دیتی ہیں. مولانا عبدالحیؒ لکھنوی عمدۃ الرعایۃ جلد دوم صفحہ ۷۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

''وَالقَوْلُ الثَّانِي أَنَّه إِذَا طَلَّقَ ثَلاثًا تَقَعُ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ وَهَذَا الْمَنْقُولُ عَنْ بَعْضِ الصَّحَابَةِ وَبِهِ قَالَ دَاوُدُ الظَّاهِرِيُّ وَأَتْبَاعُهُ وَهُوَ أَحَدُ الْقَوْلَيْنِ لِمَالِكٍ وَبَعْضِ أَصْحَابِ أَحْمَدَ''.

''یعنی دوسرا قول یہ ہے کہ شوہر اگر تین طلاق دیدے تب بھی ایک ہی رجعی پڑے گی اور یہ وہ قول ہے جو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے. داود ظاہری اور ان کے متبعین اسی کے قائل ہیں.

امام مالک رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے. امام احمد کے بعض اصحاب بھی اسی کے قائل ہیں"۔

علامہ عینی عمدہ القاری شرح بخاری جلد ۹ ص ۵۳۷ پر تحریر فرماتے ہیں:

"طاوس بن اسحاق، حجاج بن ارطاۃ نخعی، ابن مقاتل اور ظاہر یہ اس طرف گئے ہیں کہ اگر شوہر بیوی کو ایک ساتھ تین طلاق دیدے تو ایک واقع ہوگی. ان لوگوں نے ابو صہبا کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جو مسلم شریف میں ہے"۔

آپ ناموں کی فہرست پر نگاہ ڈالیے، یہ حضرات اپنے وقت کے جلیل القدر علماء کی فہرست میں آتے ہیں. جناب طاوس زبردست فقیہ ہیں، محمد بن اسحاق امام المغازی ہیں، حجاج بن ارطاۃ کوفہ کے مشہور فقیہ ہیں، ابراہیم نخعی امام ابو حنیفہ کے استاد ہیں اور محمد بن مقاتل رازی، امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے شاگرد رشید ہیں. علامہ عینی کی جو عبارت اوپر منقول ہوئی ہے قریب قریب انہیں الفاظ کے ساتھ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں بھی لکھا ہے. امام نووی شارح مسلم نے صفحہ ۴۷۸ جلد اول میں بھی قریب وہی الفاظ نقل کیے ہیں. نیل الاوطار جلد ۶ صفحہ ۲۴۵ پر علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

"اور اہل علم کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ طلاق، طلاق کے پیچھے واقع نہیں ہوتی اور ایسی صورت میں صرف ایک طلاق پڑتی ہے"۔

صاحب بحر نے اس کو ابو موسی اشعری سے اور ایک روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اور ابن عباس سے طاوس، عطاء، جابر بن یزید ہادی، قاسم، ناصر، احمد بن عیسی، عبداللہ بن موسی بن عبداللہ اور ایک روایت زید بن علی سے نقل کی ہے. اسی طرف متاخرین کی ایک جماعت گئی ہے، جس میں علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہما اور محققین کی ایک جماعت شامل ہے، اور ابن المنذر نے اس کو اصحاب ابن عباس، عمر بن دینار وغیرہ سے نقل کیا ہے، اور مشائخ قرطبہ محمد بن لقمی، محمد بن عبدالسلام وغیرہ کی ایک جماعت کا فتوی اس قول پر نقل کیا ہے. ابن مغیث نے

اس کو عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے. شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوی میں بیان کیا ہے کہ ان کے جد امجد ابوالبرکات مجد الدین عبدالسلام حرانی بھی کبھی کبھی طلاق ثلاثہ کے ایک طلاق رجعی ہونے کا فتوی دیتے تھے. امام رازی نے تفسیر کبیر صفحہ ۲۴۸ جلد دوم میں لکھا ہے:

"هُوَ اخْتِيَارُ كَثِيرٍ مِنْ عُلَمَاءِ الدِّينِ".

"یعنی یہی مسلک بہت سے علمائے دین کا پسندیدہ ہے".

روح المعانی جلد۲ص ۱۳۷ پر ہے:

"وَخَالَفَ فِي ذَلِكَ الْإِمَامِيَّةُ وَبَعْضٌ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ كَالشَّيْخِ أَحْمَدَ بنِ تَيْمِيَةَ وَمَنِ اتَّبَعَهُ".

"یعنی اس مسئلے میں امامیہ اور بعض اہل سنت والجماعت کے افراد جیسے علامہ ابن تیمیہ اور ان کے متبعین احناف کے خلاف ہیں".

امام طحاوی نے بھی معانی الآ ثار ص۳۲ جلد۲ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"فَذَهَبَ قَوْمٌ إِلَى أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاثاً مَعًا وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ".

امام طحاوی نے بھی لفظ قوم سے کثیر افراد کی طرف اشارہ کیا ہے. علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں بتلایا ہے کہ ابتدا ہی سے یہ مسئلہ اجتہادی رہا اور کوئی واقعہ ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ یہ معاملہ نبی مکرم ﷺ تک پہنچا اور آپ ﷺ نے اس کی کوئی شکل متعین فرمادی. وہ لکھتے ہیں:

"وَهَذِهِ مَسْئَلَةٌ اِجْتِهَادِيَّةٌ كَانَتْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَرِدْ فِي الصَّحِيحِ أَنَّهَا رُفِعَتْ إِلَيْهِ فَقَالَ فِيهَا شَيْئًا".

ہمارے احناف بھی مثلاً قہستانی اور طحطاوی وغیرہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ صدر اول

میں تین طلاق ایک ہی سمجھی جاتی تھی. طحطاوی در مختار ۱۰۵ جلد دوم کے حاشیہ میں اس کو نقل فرماتے ہیں:

"إِنَّهُ كَانَ فِي الصَّدْرِ الأَوَّلِ إِذَا أُرْسِلَ الثَّلاثُ جُمْلَةً لَمْ يُحْكَمْ إِلَّا بِوُقُوعِ وَاحِدَةٍ إِلَى زَمَنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ حَكَمَ بِوُقُوعِ الثَّلاثِ سِيَاسَةً لِكَثْرَتِهِ بَيْنَ النَّاسِ".

قہستانی نے جامع الرموز ص ۳۲۱، اور مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر میں قریب وہی الفاظ نقل کیے ہیں، لہذا اس کو ترک کر دیا گیا ہے.

عصر حاضر کے علماء میں علامہ شبلی نعمانی نے بھی الفاروق میں طلاق ثلاثہ کو تین ماننا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اولیات میں شمار کیا ہے. آخر مسلم شریف ہی میں تو موجود ہے کہ "عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو جاری کر دیا". اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ دور اول میں تین کا تین سمجھنا عمومی طور سے نہ تھا ورنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جاری کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے اس خیال کو کہ تین طلاق لفظ واحد سے ہو تو ایک ہی سمجھی جائے گی، اس کی نظیریں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

"شریعت لعان میں چار قسموں کو ضروری قرار دیتی ہے، مگر ایک ہی لفظ سے کوئی چار قسمیں کھا لے تو ہمارے فقہاء اس کو نا کافی سمجھتے ہیں. وہ الگ الگ چار قسموں کو ضروری قرار دیتے ہیں. اسی طرح اگر شریعت تین طلاق کو مباح کرتی ہے اور یکجا استعمال کو معصیت بھی بتلاتی ہے تو ضروری ہے کہ ان کو الگ الگ رکھا جائے اور ایک جملے سے ادا کی جانے والی طلاق کو ایک ہی سمجھا جائے، بالکل اسی طرح جس طرح رمی جمار کے لیے سات کنکریوں کا ہونا ضروری ہے. اگر ایک دفعہ میں سات کنکریاں مار دے تو وہ ایک ہی سمجھا جائے گا. جس طرح کسی نے قسم اٹھائی کہ رسول اللہ ﷺ پر ایک لاکھ دفع درود شریف پڑھے گا. اب اگر اس نے "صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةَ أَلْفٍ" کہہ دیا تو یہ نا کافی سمجھا جائے گا؛ بلکہ الگ الگ ایک لاکھ درود

پڑھنا پڑیں گے، جب جا کر قسم پورا کرنے والا کہلائے گا"۔

ہمارے علماء ان قیاسات کو قیاس مع الفارق بتلاتے ہیں. مگر ان تاویلوں کی حیثیت اتنی قوی نہیں کہ اس میں گفتگو کی گنجائش نہ ہو.

ان تمام تحریروں پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تین کو ایک کہنے کا خیال بعد کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ اس کی بنیاد دورِ نبوت اور دورِ صحابہ میں ملتی ہے اور اس کے حق میں بھی نقلی اور عقلی دلائل ہیں اور شروع ہی سے علماء اہل سنت والجماعت کا ایک طبقہ اسی کو مانتا آرہا ہے. لہذا طلاق ثلاثہ کو ایک باور کرنے کا خیال لغو و باطل نہیں بلکہ اگر اصح نہیں تو صحیح ضرور ہے، راجح نہیں مرجوح کہہ لیجئے مگر لغو اور باطل نہیں کہا جا سکتا.

دوسری بنیاد، ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا کیسا ہے؟

غور وفکر کی دوسری بنیاد تھی کہ کیا تین طلاقیں ایک ساتھ کوئی محمود اور پسندیدہ شئے ہے؟ اس کا جواب بالکل نفی میں ہے. احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ناپسندیدہ ہی نہیں، سخت معصیت کا موجب بھی ہے. نسائی میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی ہیں. رسول اللہ ﷺ یہ سن کر غصہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

"أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللَّهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ".

"کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جا رہا ہے حالانکہ میں ابھی تمہارے درمیان موجود ہوں".

اس حرکت پر رسول اللہ ﷺ کے غصہ کی کیفیت دیکھ کر ایک شخص نے پوچھا:

"کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟"(۸).

امام طحاوی نے روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس نے کہا:

(۸) نسائی: کتاب الطلاق (۳٤۰۱)، شیخ البانی نے ضعیف قرار دیا ہے.

میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالی ہیں. ابن عباس نے جواب دیا:

"إِنَّ عَمَّکَ عَصَى اللَّهَ فَأَثِمَ وَأَطَاعَ الشَّيْطَانَ".

"تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی اور گناہ کا ارتکاب کیا اور شیطان کی پیروی کی".

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ان کی بیوی سے رجوع کرنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے پوچھا:

"اگر میں اس کو تین طلاق دے دیتا تو کیا پھر بھی رجوع کر سکتا تھا؟".

فرمایا: "لاَ، کَانَتْ تَبِینُ مِنکَ وَکَانَتْ مَعْصِیَةً".

"نہیں، وہ تجھ سے جدا ہو جاتی اور یہ فعل معصیت ہوتا".

علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں بیان کیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جو بھی شخص ایسا آتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہوں، وہ اسے مارتے تھے اور اس کی طلاق کو نافذ کر دیتے تھے. سعید بن منصور نے یہی بات صحیح سند کے ساتھ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے. اس معاملہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عام رائے وہ ہے جس کو صاحب فتح القدیر نے جلد۲ ص ۱۴۶ پر نقل کیا ہے، امام محمد نے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

"إِنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنهُمْ کَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يُطَلِّقَهَا وَاحِدَةً ثُمَّ يَتْرُکَهَا حَتَّى تَحِيضَ ثَلاثَةَ حِيَضٍ".

"صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ آدمی بیوی کو صرف ایک طلاق دے اور اسے چھوڑے رکھے یہاں تک کہ اسے تین حیض آجائیں".

یہ ابن ابی شیبہ کے الفاظ ہیں. خود امام محمد کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"کَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ لاَ يَزِيدُوا فِي الطَّلاَقِ عَلَى وَاحِدَةٍ حَتَّى تَنْقَضِيَ الْعِدَّةُ".

"ان کا پسندیدہ طریقہ یہ تھا کہ طلاق کے معاملے میں ایک سے زیادہ نہ بڑھیں یہاں تک کہ مدت پوری ہو جائے".

اسی لیے ہمارے فقہائے کرام اس طلاق ثلاثہ کو طلاق بدعی کہتے ہیں. ظاہر ہے کہ بدعت کہنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ یہ طلاق حدیث سے ثابت نہیں؛ بلکہ وہ مانتے ہیں کہ یہ ثابت ہے، صرف موجب عتاب اور معصیت ہونے کی وجہ سے اس کو مغلظ اور طلاق بدعت کہا جاتا ہے.

چنانچہ شاہ ولی اللہ نے حجة الله البالغة ص ۱۴۰ جلد دوم میں فرمایا:

''كُرِهَ أَيْضًا جَمْعُ الطَّلَقَاتِ الثَّلاثِ فِيْ طُهْرٍ وَاحِدٍ''.

''ایک ہی طہر میں تین طلاقوں کا جمع کرنا سخت ناپسندیدہ ہے''.

اور یہ فعل شرعی حکمتوں اور مصالح کو باطل کرنے والا ہے.

مذکورہ تصریحات سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا شریعت کی نگاہ میں سخت ناپسندیدہ ہے. ایک تو نفس طلاق ہی کو أَبْغَضُ الحَلاَلِ کہا گیا ہے.

چنانچہ ابوداود میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مَا أَحَلَّ اللّٰهُ شَيْئًا أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّلاَقِ''.

''اللہ نے کسی ایسی چیز کو حلال نہیں کیا ہے جو طلاق سے بڑھ کر ناپسندیدہ ہو''(۹).

اسی لیے ہمارے فقہاء کی تصریح ہدایہ اولین میں موجود ہے:

''الأَصْلُ فِي الطَّلاَقِ هُوَ الحَظْرُ''.

شریعت نے کچھ عظیم مصلحتیں تھیں جن کی وجہ سے طلاق کو مشروع کیا ہے اور کہا ہے کہ بوقت شدید ضرورت اس کا استعمال درست ہے اور اصول فقہ کا یہ قاعدہ ہے:

''مَا ثَبَتَ بِالضَّرُورَةِ فَهُوَ يُتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الضُّرُورَةِ''.

''جو چیز کسی خاص مجبوری اور ضرورت کے لیے مباح کی جائے گی وہ صرف اسی قدر مباح ہوگی جس سے ضرورت پوری ہو جائے''.

---

(۹) أبو داود: كتاب الطلاق (۲۱۷۷)، شیخ البانی نے ضعیف قرار دیا ہے.

مثلاً بوقت ضرورت مردار حلال کیا گیا ہے تو اس میں قید لگا دی گئی ہے کہ صرف اتنی مقدار میں مردار حلال ہے جس سے رشتۂ زندگی کو باقی رکھا جا سکے ﴿غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ﴾ اب اگر کوئی شخص ایک ہی دفعہ میں تین طلاق کا استعمال کرتا ہے تو وہ سخت معصیت کا کام کرتا ہے.

امام مالک رحمہ اللہ تو دو طلاق کو بھی بدعت کہتے ہیں.

ہدایہ اولین میں ہے:

"وَقَالَ مَالِكٌ إِنَّهُ بِدْعَةٌ وَلَا يُبَاحُ إِلَّا وَاحِدَةٌ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي الطَّلَاقِ هُوَ الْحَظْرُ وَالْإِبَاحَةُ لِحَاجَةِ الْخَلَاصِ وَقَدِ انْدَفَعَتْ بِالْوَاحِدَةِ".

"دو طلاق بھی بدعت ہے، صرف ایک مرتبہ میں ایک ہی مباح ہے. کیوں کہ نفس طلاق خود اولاً ناپسندیدہ شئے ہے اور طلاق کی اباحت ایک ضرورت کے تحت تھی اور وہ ضرورت ایک سے پوری ہو جاتی ہے".

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ تین طلاق بیک وقت معصیت ہے تو کیوں نہ اس معصیت کے روکنے کا انتظام کیا جائے اور اس کا دروازہ ہی بند کر دیا جائے اور شریعت کی مصلحتوں کو طلاق کے سلسلہ میں باقی رکھا جائے. علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر جلد دوم ص ۲۴۸ میں اسی رائے کو ترجیح دی ہے:

"ثُمَّ الْقَائِلُونَ اخْتَلَفُوا عَلَى قَوْلَيْنِ الْأَوَّلُ هُوَ اِخْتِيَارُ كَثِيرٍ مِنْ عُلَمَاءِ الدِّينِ أَنَّهُ لَوْ طَلَّقَهَا اثْنَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا لَا يَقَعُ إِلَّا وَاحِدَةٌ وَهَذَا الْقَوْلُ هُوَ الْأَقْيَسُ لِأَنَّ النَّهْيَ يَدُلُّ عَلَى اشْتِمَالِ الْمَنْهِيِّ عَنْهُ عَلَى مَفْسَدَةٍ رَاجِحَةٍ وَالْقَوْلُ بِالْوُقُوعِ سَعْيٌ فِي إِدْخَالِ تِلْكَ الْمَفْسَدَةِ فِي الْوُجُودِ وَإِنَّهُ غَيْرُ جَائِزٍ فَوَجَبَ أَنْ يُحْكَمَ بِعَدَمِ الْوُقُوعِ".

"یعنی بہت سے علمائے دین کا کہنا ہے کہ جو بیک وقت دو یا تین طلاقیں دیتا ہے تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور یہی قول قیاس کے سب سے زیادہ موافق ہے. کیوں کہ کسی چیز

سے منع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چیز کسی بڑی مفسدہ اور خرابی پر مشتمل ہے اور وقوعِ طلاق کا قائل ہونا اس مفسدہ اور خرابی کو وجود میں لانے کا سبب ہے اور یہ بات جائز نہیں، لہٰذا عدم وقوع کا حکم لگانا واجب ہے"۔

بالکل یہی بات تفسیر نیشاپوری میں بیان ہوئی ہے۔ الفاظ یکساں ہونے کی وجہ سے ہم اسے نقل نہیں کریں گے، اور یہی رائے قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی کی ہے۔ انہوں نے اپنی معروف ومشہور تفسیر مظہری میں الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کے تحت لکھا ہے:

"وَكَانَ الْقِيَاسُ أَنْ لاَ يَكُونَ الطَّلْقَتَانِ الْمُجْتَمِعَانِ مُعْتَبَرَةً شَرْعًا وَإِذَا لَمْ يَكُنِ الطَّلْقَتَانِ الْمُجْتَمِعَانِ مُعْتَبَرَةً لَمْ يَكُنِ الثَّلاَثُ مُجْتَمِعَةً مُعْتَبَرَةً بِالطَّرِيقِ الْأَوْلَى لِوُجُودِهِمَا فِيهَا مَعَ زِيَادَةٍ"۔

"اور قیاس کا اقتضا یہ ہے کہ دو طلاق مجموعی معتبر نہ ہوں اور جب دو طلاق مجموعی معتبر نہ ہوں گی تو بیک وقت تین طلاق بطریق اولی معتبر نہ ہوں گی کیوں کہ دو کا عدد تین کے اندر مع ایک زائد کے موجود ہے"۔

اس رائے کی وجہ انہوں نے اپنی تفسیر میں لکھ دی ہے، وہاں ملاحظہ فرما لیا جائے۔

اس پر اس طرح بھی غور کیجیے کہ اللہ پاک نے بندوں کو نکاح کا حکم چند شرائط کی پابندی کے ساتھ دیا ہے۔ ان میں ایک شرط یہ ہے کہ ایام عدت میں نکاح نہ ہو۔ پس جو شخص ایام عدت میں عورت سے نکاح کرے تو اس کا نکاح منعقد نہ ہوگا اور یہ نکاح ایسا ہوگا جیسے نکاح کیا ہی نہیں۔ پس اسی طرح اگر کوئی شخص ایام منہی عنہ اور اوقات ممنوعہ میں طلاق دیتا ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے۔ مولانا شیخ محمد تھانوی جو تھانوی مرحوم کے استاد بھی تھے، لکھتے ہیں:

"الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ: مَعْنَاهُ بَعْدَ مرَّةٍ فَالتَّطْلِيْقُ الشَّرْعِيُّ عَلَى التَّفْرِيْقِ دُوْنَ الْجَمْعِ وَالإِرْسَالِ مَرَّةً وَاحِدَةً"۔ [نسائی: صـ۲۹، جـ۲]

''آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق دی جائے. (پس طلاق شرعی وہ ہے جو متفرق طور پر ہو، متفرق طہروں میں دی جائے نہ کہ بیک وقت ایک مجلس میں)''.

مولانا موصوف اس طلاق ثلاثہ کو سرے سے غیر شرعی طلاق قرار دیتے ہیں، اور علامہ سندھی حنفی بھی قریب قریب یہی تحریر فرماتے ہیں. بحوالہ سابق معلوم ہوا کہ بیک وقت تین طلاق بہر حال معصیت اور گناہ ہے.

تیسری بنیاد، دوسرے مجتہدین کی آراء پر عمل کرنا:

غور وفکر کی تیسری بنیاد تھی، کیا فقہ حنفی میں اس کی گنجائش ہے کہ بوقت شدید ضرورت دوسرے مجتہدین کی آراء پر عمل کیا جا سکتا ہے. اس کے متعلق واضح الفاظ میں عرض کر دوں کہ عرف و مصلحت اور حالات کی جتنی رعایت فقہ حنفی میں ملحوظ رکھی گئی ہے شاید دوسری جگہ ہوں. اس کی وجہ یہ ہے کہ عملاً فقہ حنفی کو تنفیذ احکام سے ایک مدید وطویل مدت تک واسطہ رہا ہے. ہمارے فقہاء ان احکام کو جن میں مصالح عامہ کے پیش نظر حکم لگایا گیا ہے، استحسان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں. حالاں کہ ان مسائل میں شرعی دلائل کچھ اور ہیں، مگر شریعت کا عمومی مزاج اور اس کا عمومی قانونِ یسر اور لوگوں کے حالات کسی اور بات کے متقاضی ہیں. لہٰذا اس کی مناسبت سے ایک دوسرا قابل عمل طریقہ اختیار کیا گیا، اسی کو ''استحسان'' کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے.

فقہ کی دنیا میں علامہ شامی کو کون نہیں جانتا. عالمِ اسلام میں جو شہرت و مقبولیت ان کو حاصل ہوئی اس سے شاید کوئی دوسرا بہرہ ور ہوا ہو. انہوں نے خاص اسی عنوان پر ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہے ''نَشْرُ الْعَرفِ فِی بِنَاءِ بَعضِ الأَحْكَامِ عَلَى الْعُرْفِ''. یہ رسالہ ۱۹۰۱ء میں دمشق سے شائع ہو گیا ہے. اس میں علامہ نے بڑی تفصیل سے ان مسائل کا ذکر کیا ہے جن میں عرف اور مصلحت نیز زمانہ کے تقاضوں کا خصوصی لحاظ رکھا گیا ہے. ان مسائل کا بھی تذکرہ کیا ہے جو ایک زمانہ میں حرام اور ممنوع تھے مگر دوسرے زمانے میں وہ ایک شدید

ضرورت بن گئے، لہٰذا ان کا حکم بدل گیا. دراصل یہ بات قانون کے لیے خصوصاً اس قانون کے لیے بہت ضروری ہے جو ابدی ہو. دنیا میں کوئی قانون بشمول قانون اسلام کے ایسا نہیں ہے جو جزئیات کا اس طرح احاطہ کیے ہو کہ بس اس میں اب تغیر کی گنجائش نہ ہو. مثلاً علامہ شامی ص ۱۸ پر فرماتے ہیں:

”وَاعْلَمْ أَنَّ الْمَسَائِلَ الْفِقْهِيَّةَ إِمَّا أَنْ تَكُونَ ثَابِتَةً بِصَرِيحِ النَّصِّ وَهِيَ الْفَصْلُ الْأَوَّلُ وَإِمَّا أَنْ تَكُونَ ثَابِتَةً بِضَرْبِ اجْتِهَادٍ وَرَأْيٍ كَثِيرٍ مِنهَا مَا يُبَيِّنُ الْمُجْتَهِدُ عَلَى مَا كَانَ فِي عُرْفِ زَمَانِهِ بِحَيْثُ لَوْ كَانَ فِي زَمَانِ الْعُرْفِ الْحَادِثِ لَقَالَ بِخِلَافِ مَا قَالَهُ أَوَّلاً وَلِهَذَا قَالُوا فِي شُرُوطِ الِاجْتِهَادِ أَنَّهُ لاَ بُدَّ فِيهِ مِن مَعْرِفَةِ عَادَاتِ النَّاسِ فَكَثِيرٌ مِنَ الْأَحْكَامِ إِلَى قَوْلِهِ... بِأَنَّهُ لَوْ كَانَ فِي زَمَنِهِمْ لَقَالَ بِمَا قَالُوا بِهِ“.

”یہ بات واضح رہے کہ کچھ مسائل تو ایسے ہیں جو صریح نص سے ثابت ہیں، انہیں ہم نے فصل اول میں بیان کیا ہے، اور کچھ مسائل وہ جو رائے اور اجتہاد سے ثابت ہیں. ان کا حال تو یہ ہے کہ بہت سے مسائل مجتہد نے اپنے دور اور رواج کے اعتبار سے قائم کیے ہیں؛ حالاں کہ وہی مجتہدین اگر اس زمانہ میں ہوتے تو اپنے قول کے خلاف فتوی دیتے. اس لیے اجتہاد کی شرائط میں سے ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ مجتہد رسم ورواج اور مصلحت وقت کا نباض ہو کیوں کہ اکثر احکام اختلافِ زمانہ سے متغیر ہو جاتے ہیں“.

رواج کی تبدیلی اور کسی نئی ضرورت کے پیدا ہو جانے سے یا اس لیے کہ زمانہ کے لوگ بدروش اور تساہل برتنے لگے ہیں، اس شکل میں اگر پہلا حکم باقی رہے تو شدید ضرورت کا اندیشہ رہے گا اور ان قواعد شریعت کی مخالفت لازم آئے گی جن کی بنیاد آسانی اور دفع ضرر پر ہے، تا کہ دنیا کا نظام اعلیٰ طریقہ پر چل سکے. اسی بنا پر تم دیکھو گے کہ مشائخ فقہ اکثر مواقع پر مجتہد کی منصوصات تک سے اختلاف کرتے ہیں جن کی اساس اور بنیاد مجتہد کے دور کے مطابق

تھی، مگر اب نہ رہی. مشائخ نے اس بنیاد پر ایسا کیا کہ انہیں معلوم تھا کہ اگر وہ مجتہد آج ہوتا تو وہی حکم لگاتا جو انہوں نے دیا.

نظر کو وسعت دیں گے تو مذکورہ عبارت کی وضاحت آپ کو فقہ حنفی میں نظر آجائے گی اور خود علامہ شامی نے بھی قریب سو مثالیں ایسی نقل کی ہیں جن میں عرف اور مصلحت کا لحاظ رکھتے ہوئے متاخرین نے متقدمین کے خلاف فتوے دیے ہیں. ہم دو چار مثالیں نقل کرتے ہیں:

① ''پہلے ہمارے علماء کا فتویٰ تھا کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینی ناجائز ہے، مگر متاخرین علماء نے موجودہ دور کو سامنے رکھتے ہوئے جائز قرار دیا ہے''.

② ''رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کا مسجد میں جانا ثابت ہے، مگر متاخرین نے حالات وزمانہ کی رعایت سے اسے ممنوع قرار دیا''.

بہت سے مسائل میں احناف نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال کو ترک کر کے دوسرے ائمہ کے اقوال پر فتویٰ دیا ہے. مثلاً:

③ ''وہ عورت جس کا شوہر لاپتہ ہو اس میں امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے کہ چار سال تلاش وجستجو اور انتظار کے بعد نکاح فسخ کر دیا جائے اور اس عورت کو شادی کی اجازت دے دی جائے''.

④ ''امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک تھا کہ گواہ بظاہر ثقہ ہو تو شہادت دے سکتا ہے، مگر امام محمد وابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما ظاہری عدالت کو ناکافی قرار دیتے ہیں. کیوں کہ امام صاحب کے زمانہ میں اکثر لوگ ثقہ عادل ہوتے تھے اور صاحبین کے زمانہ میں یہ بات نہ رہی''.

⑤ ''مزارعت، معاملت اور وقف میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول معمول بہ نہیں ہے بلکہ امام محمد وابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے اقوال پر فتویٰ ہے''.

⑥ ''ماءِ مستعمل کو امام صاحب نجاست غلیظہ فرماتے ہیں اور امام محمد طاہر غیر مطہر کہتے ہیں

اور اسی پر فتوی ہے"۔

⑦ ہدایہ جلد اول ص ١٦ ا پر یہ عبارت ملے گی:

"لَوْ كَانَ الإِمَامُ اِنْتَقَلَ إِلَى آيَةٍ أُخْرَى تَفْسُدُ صَلاَةُ الْفَاتِحِ وَتَفْسُدُ صَلَاةُ الإِمَامِ لَوْ أَخَذَ بِقَوْلِهِ"۔

"اگر امام نماز میں بھول گیا اور بھولنے کے بعد دوسری آیت شروع کر دی، کسی نے لقمہ دیا اور امام نے لے لیا تو امام مقتدی دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی"۔

مولانا عبدالحی لکھنوی حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں: یہ عام مشائخ کے خلاف ہے، جیسا کہ صاحب محیط نے ذکر کیا ہے. آگے کہتے ہیں:

"وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لاَ تَفْسُدُ صَلاَةُ الْمُقْتَدِيَ وَلاَ صَلاَةُ الإِمَامِ"۔

"صحیح بات یہ ہے کہ اس سے نہ تو مقتدی کی نماز فاسد ہوگی اور نہ ہی امام کی، سب کی نماز ہو جائے گی"۔

⑧ قدیم فقہا کے نزدیک وصی کو یتیم کے مال میں مضاربت کا حق حاصل تھا، مگر متاخرین اس کو نا جائز بتلاتے ہیں. علامہ شامی نے "نَشْرُ الحَرفِ فِي بِنَاءِ بَعْضِ الأَحْكَامِ عَلَى الغرفِ" میں لکھا ہے:

"حدیث میں وارد ہے کہ کوئی شخص کسی کو اس شرط پر آٹا پیسنے کو دے کہ اجرت کے بدلہ میں ایک تہائی آٹا اس کا ہوگا تو نا جائز ہوگا"۔

اس حدیث سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کپڑے بننے والے کو اس شرط پر سوت دے کہ وہ اس کا کپڑا بن دے اور معاوضہ میں ایک تہائی کپڑا لے لے تو یہ معاملہ نا جائز ہوگا. لیکن چوں کہ بلخ میں یہ طریقہ عموماً معمول ہے، اس لیے بلخ کے فقہاء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور یہ قرار دیا ہے کہ رواج کی بنا پر حدیث میں تخصیص کر دی جائے گی. یعنی

یہ حدیث آٹے کی صورت میں محدود رہے گی. علامہ شامی کے خاص الفاظ یہ ہیں:

"وَمَشَائِخُ بَلْخَ كَنَصِيرِ بنِ يَحْيَى وَمُحَمَّدِ بْنِ سَلَمَةَ وَغَيْرِهِمَا كَانُوا يُجِيزُونَ هَذِهِ الإِجَارَةَ فِي الثِّيَابِ لِتَعَامُلِ بَلَدِهِمْ، وَالتَّعَامُلُ حُجَّةٌ يُتْرَكُ بِهِ القِيَاسُ وَيُخَصُّ بِهِ الأَثَرُ".

"اور مشائخ بلخ مثلاً نصیر بن یحیی و محمد بن سلمہ وغیرہ اس اجارہ کو کپڑے میں جائز کہتے ہیں کیوں کہ ان کے شہر میں یہ چیز عملاً موجود تھی اور لوگوں کا کسی شئے کو معمول بنا لینا ایک ایسی حجت ہے جس سے قیاس کو ترک کر دیا جائے گا اور حدیث میں تخصیص کر دی جائے گی".

یہاں سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ آخر اس تبدیلی کی کوئی حد ہوگی یا نہیں؟ اس طرح تو فرائض اور ارکان تک نوبت پہنچ سکتی ہے. علامہ شامی نے خود اس سوال کو نقل کر کے اس کا مفصل جواب دیا ہے اور وہ حدود بتلائے ہیں جہاں تک مختلف تبدیلیوں کی گنجائش ہوسکتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"فَنَقُولُ فِي جَوَابِ هَذَا الإِشْكَالِ أَنَّ العُرْفَ نَوْعَانِ خَاصٌ وَعَامٌّ وَكُلٌّ مِنهُمَا إِمَّا أن يُوَافِقَ الدَّلِيلَ الشَرْعِيَّ وَالنُّصُوصَ عَلَيْهِ... إلى قَوْلِهِ ... يُتْرَكُ بِهِ القِيَاسُ".

چوں کہ یہ بات بہت مفصل ہو جائے گی اس لیے ہم عرض کریں گے کہ اس بحث کو براہ راست اسی کتاب میں ملاحظہ فرما لیا جائے.

اوپر کی مثالیں دینے سے ہمارا مقصد یہ بتلانا ہے کہ فقہ حنفی میں بہت توسع ہے. فقہ حنفی صرف ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال و آراء کا نام نہیں، بلکہ بوقت ضرورت دیگر فقہاء وائمہ کے اقوال پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے اور کیا گیا ہے. احناف کی کتابیں اٹھا کر دیکھئے کہ آپ کو ایسے الفاظ کثرت سے مل جائیں گے "وَالفَتْوَى عَلَى قَوْلِهِمَا" (فتوی صاحبین کے قول پر ہے) یا علیہ فتوی. بلکہ ہمارے ائمہ میں سے امام محمد کے متعلق شاہ ولی اللہ دہلوی نے مسلک اعتدال

میں لکھا ہے:

''ایک مرتبہ امام محمد نے مدینہ میں جمعہ کی نماز پڑھائی. بعد میں معلوم ہوا کہ جس کنویں سے انہوں نے غسل فرمایا ہے اس میں چوہا مرا ہوا ہے، لہٰذا پانی ناپاک ہو گیا. امام محمد نے فرمایا:

''ہم نے اپنے بھائی مالکیوں کے مسلک پر نماز پڑھائی ہے''.

یہ بات فقہ حنفی کے لیے عیب نہیں؛ بلکہ اتنی بڑی خوبی اور دور اندیشی کی بات ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو فقہ حنفی ناقص ہوتی. لہذا اس بنیاد پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ طلاق ثلاثہ والے مسئلہ میں اگر دیگر فقہاء کے مسلک پر فتوی دے دیا جائے تو کوئی حرج کی بات نہ ہوگی. کیونکہ ضرورت اس کی شدید متقاضی ہے جیسا کہ ہم چوتھی بنیاد میں اس پر گفتگو کریں گے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعض احناف اور جلیل القدر علماء یہ میلان رکھتے ہیں.

حلالہ نہ کروانے والے کافر:

مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلوی سے کسی سائل نے اسی طلاق ثلاثہ کے متعلق دریافت کیا تھا، سائل کے گاؤں میں ایک واقعہ ایسا ہوا تھا کہ ایک حنفی شخص نے تین طلاق دینے کے بعد کسی اہل حدیث عالم سے فتوی پوچھ کر رجوع کر لیا. اب گاؤں کے لوگوں نے اس کا بائیکاٹ کر دیا. مفتی صاحب نے یہ جواب دیا: ''ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تینوں پڑ جانے کا مذہب جمہور علماء کا ہے اور ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں. ائمہ اربعہ کے علاوہ بعض علماء اس کے ضرور قائل ہیں کہ اس طرح ایک رجعی طلاق ہوتی ہے اور یہ مذہب اہل حدیث حضرات نے اختیار کیا ہے اور سیدنا ابن عباس، طاوس، عکرمہ اور ابن اسحاق سے منقول ہے. پس کسی اہلِ حدیث کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں اور نہ وہ قابل مقاطعہ اور مستحقِ اخراج از مسجد ہے. ہاں! حنفی کا اہلِ حدیث سے فتوی حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا یہ باعتبار فتوی ناجائز تھا، لیکن اگر وہ بھی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں اس کا مرتکب ہو تو قابل درگزر ہے''.

[اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ شعبان ۱۳۵۰ ہجری مطابق ۱۶ دسمبر ۱۹۳۱ء، محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی]

ہمارے علمائے احناف میں سے مولانا عبدالحیٔ فرنگی کا فتویٰ مجموعہ فتاویٰ ص ۳۴۷ پر موجود ہے، وہ لکھتے ہیں:

''اس صورت میں ابوحنیفہ کے نزدیک تین طلاق ہوں گی اور بغیر تحلیل کے نکاح درست نہ ہوگا مگر بوقت ضرورت کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا اس سے دشوار ہو اور احتمال مفاسدِ زائدہ کا ہو تو کسی اور امام کی تقلید کرے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ نظیر اس کی مسئلہ نکاح زوج مفقود اور عدۃ ممتدۃ الطہر موجود ہے کہ حنفیہ عند الضرورۃ قول امام مالک رحمہ اللہ پر عمل کر لینے کو درست رکھتے ہیں؛ چنانچہ ردالمحتار میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے''۔

مدرسہ امینیہ دہلی کا ایک اور فتویٰ ملاحظہ کرتے چلئے:

''اور بعض سلف صالحین اور متقدمین اس کے بھی قائل ہیں، اگر چہ أئمہ اربعہ میں یہ نہیں ہیں، لہٰذا جن مولوی صاحب نے مفتی اہل حدیث پر جو فتویٰ دیا ہے، غلط ہے اور مفتی اہل حدیث پر اس اختلاف کی بنا پر کفر ومقاطعہ واخراج از مسجد کا فتویٰ غیر صحیح ہے۔ بوجہ شدید ضرورت اور خوف مفاسد اگر طلاق دینے والا ان بعض علماء کے قول پر عمل کرے گا جن کے نزدیک اس واقعہ مرقومہ میں ایک ہی طلاق ہوتی ہے تو وہ خارج از مذہب حنفی نہ ہوگا، کیوں کہ فقہاء حنفیہ نے بوجہ شدید ضرورت کے دوسرے امام کے قول پر عمل کر لینے کو جائز لکھا ہے''۔

[دستخط حبیب المرسلین عفی عنہ، مُہر دار الافتاء مدرس امینیہ دہلی بحوالہ الجواہر العالیہ: ص ۳۷ مرتب مولانا ابوعبید اعظمی]

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں میں نے پڑھا ہے کہ جس زمانہ میں انہوں نے ''حیلہ ناجزہ'' تصنیف فرمائی اور اس میں نکاح مفقود الزوج کے سلسلہ میں امام مالک کے مسلک پر فتویٰ دیا تو کسی نے کہا کہ آپ لوگ تقلید ابوحنیفہ پر بہت زور دیتے ہیں، لیکن امام

مالک کے مسلک کے مطابق فتوی دیتے ہیں تو تقلید جا رہی ہے...؟ فرمایا: ''تم تقلید کو لیے پھرتے ہو یہاں سرے سے اسلام ہی جا رہا ہے''. درحقیقت ان کا اشارہ اس طرف تھا کہ شریعت کی مصلحت کل کو باقی رکھنے کے لیے کسی خاص امام کی تقلید کر کے دوسرے امام کی رائے پر عمل درست ہے.

اس پوری تفصیل سے آپ کو یہ اندازہ کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ ائمہ احناف بوقت ضرورت اور زمانہ کے اقتضا کا لحاظ کرتے ہوئے دوسرے مجتہدین وائمہ کی آراء پر عمل کو جائز رکھتے ہیں. لہٰذا طلاق ثلاثہ والے مسئلہ میں ہم غور وفکر کر کے دیکھیں کہ واقعی ضرورت اس بات کی متقاضی ہے کہ تین طلاقیں واحد شمار کی جائیں یا نہیں؟ اگر ضرورت شدید ہے تو اسے قبول کر لیں اور وسعت نظری سے کام لیں.

چوتھی بنیاد، معاشرتی اور سماجی حالات کا تقاضا:

غور وفکر کی چوتھی بنیاد یہ تھی کہ ہمارے معاشرتی اور سماجی حالات ہمیں کون سی صورت اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہیں. ہمارا ہندی معاشرہ کچھ اس طرح چل رہا ہے کہ اس میں دینی قدریں کم پڑ گئی ہیں. ہمارے عوام دین کا اتنا حصہ بھی حاصل نہ کرتے جو اُن پر فرض عین ہے. بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جو دنیاوی تعلیم اونچی سے اونچی رکھتے ہیں اور دینی تعلیم اس کی نسبت سے کم ہے. مولانا اسحاق جلیس ندوی، مدیر تعمیر حیات نے ابھی حال ہی میں اپنے ایک اداریہ میں تحریر فرمایا تھا کہ ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر سے گفتگو کے دوران سیدنا عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کا تذکرہ آیا تو وہ سادگی سے پوچھتے ہیں: ''مولانا! ان دونوں میں کس کی خلافت پہلے اور کس کی بعد میں ہے؟'' یہ حقیقت اتنی واضح ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے. اس جہالت کے باعث جب ایسے لوگ طلاق دینا چاہتے ہیں تو انہیں یہ تک نہیں معلوم کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کون سا طریقہ پسند فرمایا ہے اور کسے معصیت بتایا ہے، بلکہ مسلمانوں میں بہت

سے لوگ ایسے مل جائیں گے جنہیں یہ مسئلہ معلوم ہے کہ ایک طلاق کے بعد رجوع کا اختیار ہوتا ہے. اس لیے وہ ایک طلاق کو کامل طلاق نہیں سمجھتے اور جب وہ دینی ناواقفیت اور جذبات کی شدت سے مجبور ہو کر تین طلاق دیتے ہیں تو صحیح حکم کے ظاہر ہونے کے بعد سخت نادم ہوتے ہیں اور دنیا بھر کی حیلہ جوئی اور چارہ گری کی تلاش کرتے ہیں، ایسی غلط تدبیریں اختیار کرتے ہیں کہ پھر وہ عورت اس کے نکاح میں بغیر تحلیل (حلالہ) کے آجائے یا باقی رہ جائے.

اس سے متعدد خرابیاں رونما ہوتی ہیں. اگر طلاق دینے والا حنفی مسلک رکھتا ہے اور اسی مسلک پر قائم رہنا چاہتا ہے تو لامحالہ تحلیل کی شکل اختیار کرتا ہے. شرط باندھ کر دوسرے سے نکاح کرتا ہے کہ تم کل طلاق دے دینا، اس طرح شریعت کے نزدیک مجرم ٹھہرتا ہے. ترمذی کی روایت ہے:

"إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ".

"یعنی رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے".

یہ حدیث سنن نسائی میں بھی موجود ہے اور ابن ماجہ میں عقبہ بن عامر کی روایت اس طرح ہے:

"أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِالتَّيْسِ الْمُسْتَعَارِ، قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّه! قَالَ: هُوَ الْمُحَلِّلُ لَعَنَ اللَّهُ الْمُحِلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ".

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کیا میں تم کو منگنی (ادھار مانگے ہوئے) بکرے سے آگاہ نہ کر دوں؟".

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور یا رسول اللہ! فرمایا: "وہ حلالہ کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے".

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فتوی ابن شیبہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

''لاَ أُوْتِیَ بِمُحَلِّلٍ وَلاَ مُحَلَّلٍ لَهُ إِلَّا رَجَمْتُهُمَا''.

''میرے پاس جو بھی حلالہ کرنے والا اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا ہو، لایا جائے گا تو میں اس کو سنگسار کر دوں گا''.

امام بیہقی نے جلد ۷ ص ۲۳۷ پر نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، اگر کوئی شخص اس کی بیوی کو اس کے لیے حلال کر دے تو کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا:

''مَنْ یُخَادِعِ اللَّهَ یَخْدَعْهُ''.

''جو اللہ کے ساتھ چالبازی کرے گا اللہ اس کی چال کو ناکام کر دے گا''.

یہ فتوی امام طحاوی نے بھی معانی الآثار میں ص ۳ جلد ۲ میں نقل کیا ہے. موطأ مالک میں ہے:

''وَالْمُحَلِّلُ یُفَرَّقُ بَیْنَهُمَا مَعَ کُلِّ حَالٍ إِذَا أُرِیدَ بِالنِّکَاحِ التَّحْلِیلُ''.

''دونوں کے درمیان ہر حال میں تفریق کر دی جائے گی اگر ان کا ارادہ تحلیل کا ہے''.

ہمارے ائمہ میں صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تحلیل حلالہ سے بیوی زوج اول کے لیے حلال ہوتی ہے ورنہ امام محمد وابو یوسف کے نزدیک دیگر ائمہ کی طرح عَلَی وَجهِ التَّحْلِیْلِ کیا ہوا نکاح غلط ہے اور اس سے عورت زوج اول کے لیے حلال نہیں ہوتی ہے.

ویسے خود امام صاحب بھی تحلیل کو مکروہ فرماتے ہیں. چنانچہ ہدایہ جلد اول ص ۳۷۶ میں ہے:

''إِذَا تَزَوَّجَهَا بِشَرْطِ التَّحْلِیلِ فَالنِّکَاحُ مَکْرُوهٌ لِقَوْلِهِ عَلَیْهِ السَّلاَمِ لَعَنَ اللَّهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ''.

موطأ امام مالک کے حاشیہ میں ہے:

''قَالَ الشَّافِعِیُّ وَأَبُو یُوسُفَ إِذَا نَکَحَ بِشَرْطِ أَنَّهُ إِذَا وَطِیَ طَلَّقَ بَطَلَ''.

''امام شافعی اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کا کہنا ہے کہ اگر اس شرط پر نکاح کیا گیا ہو کہ ہم بستری

کے بعد اس عورت کو طلاق دے دی جائے تو نکاح باطل ہے''.

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کا ایک فتوی ملاحظہ کرتے چلیے، فرماتے ہیں:

''حلالہ، مطلقہ عورت کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرے اور پھر اس سے طلاق یا موتِ زوج کی وجہ سے علیحدہ ہو کر پہلے زوج کے لیے حلال ہو جاتی ہے، اسی کا نام حلالہ ہے، لیکن زوج اول یا زوجہ یا اس کے کسی ولی کی طرف سے زوج ثانی سے یہ شرط کرنی کہ وہ (مخصوص متعین راتیں گزارنے کے بعد) طلاق دیدے اور زوج ثانی کا اس شرط کو قبول کر کے اس سے نکاح کرنا، یہ حرام ہے اور اس پر فریقین پر لعنت کی گئی ہے''.

[اخبار الجمعیہ دہلی، ٦ شعبان ١٣٥٠ ہجری، ١٦ دسمبر ١٩٣١ء].

اب آپ غور کر کے دیکھیے کہ ہمارے معاشرے میں کون سی شکل رائج ہے. بالکل مُتعَةِ النِّسَاءِ کی طرح نکاح کیا جاتا ہے اور اگلے دن نکاح کرنے والے سے طلاق لے لی جاتی ہے. اس شکل میں بعض ایسے شرمناک اور حیا سوز قصے سننے میں آتے ہیں کہ کسی شریعت کا مزاج اس کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں. جب ہی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''ایسے تمام لوگوں کو سنگسار کر دوں گا''. بسا اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ نکاح کرنے والا طلاق ہی نہیں دیتا تو اس طرح اس قضیے میں نزاع وفساد کا ایک دوسرا قضیہ کھڑا ہو جاتا ہے.

ان تمام قباحتوں کا ارتکاب تو اس شکل میں ہوتا ہے جب طلاق دینے والا حنفی مذہب پر قائم رہتا ہے، لیکن اگر وہ حنفی مسلک پر قائم مستعد نہیں تو فوراً ایسی شکل میں تبدیلی مسلک پر غور کرتا ہے اور یہاں بھی ایسا شخص مجرم ہوتا ہے. کیوں کہ ہمارے علماء اس کو شریعت کی اتباع نہیں بلکہ خواہش نفس کی پیروی سے تعبیر کرتے ہیں اور اس طرح کی تبدیلی کو غلط اور ناجائز بتاتے ہیں. چنانچہ علامہ شاطبی نے الموافقات جلد ۴ ص ۸۲ ''بَیَانُ مَفَاسِدِ اتِّبَاعِ رُخَصِ الْمَذَاهِبِ'' میں اس کو وضاحت سے لکھا ہے. اور خود طلاق دینے والے کے لیے یہ دشواری

ہے کہ اگر وہ صرف اس مسئلہ کی حد تک اہل حدیث کے مسلک پر عمل کرتا ہے اور باقی سب مسئلوں میں اہل حدیث کی مخالفت کر کے ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو مانتا ہے تو یہ خواہش نفس کی کھلی پیروی ہے. ایسا رجحان شرعی معاملات میں ایک خطرناک رجحان ہے. ایسا شخص ہمیشہ مذاہب کی رخصتوں کا متلاشی ہوگا، اور اگر وہ اس ایک مسئلہ کی وجہ سے مکمل اہل حدیث مسلک کو اختیار کر لے تو اپنے ذہن وقلب کے خلاف کرتا ہے، کہ بہت سے مسئلوں میں امام ابو حنیفہ کو برحق مانتے ہوئے جس پر وہ اب تک پوری زندگی عمل کرتا رہا ہے، اب صرف ایک مسئلہ کی وجہ سے اس کے خلاف عمل کرنے پر مجبور ہے.

تین طلاق کو تین تصور کر لینے کے بھیانک نتائج:

مزید یہ کہ اس طرح عورت کو غصہ اور جذبات کی شدت میں الگ کر دینے کے نتائج بہت سنگین شکل میں برآمد ہوتے ہیں. خصوصاً عورت کی زندگی کے لیے تو انتہائی تباہ کن بھی ہو سکتے ہیں، فوری طور سے بچوں کی نگہداشت اور ان کی پرورش وتربیت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے. ظاہر ہے حقیقی ماں جس طرح سے اپنی اولاد کی ساخت وپرداخت پر اپنا خون جگر صرف کر سکتی ہے، دوسری عورت نہیں، پھر اسی مطلقہ عورت کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے کہ اس کو کس طرح معاشرہ میں جذب کیا جائے. ۲۵/ ۵۰ برس شوہر کے ساتھ رہنے کے بعد اب الگ ہو کر وہ کہاں جائے؟ خصوصاً جب کہ وہ بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھ چکی ہو. ہندستان میں ہمارا بیت المال بھی نہیں کہ اس کی کفالت ہو سکے. خود اس میں کمانے اور پیٹ بھرنے کی استطاعت نہیں. علاوہ اس کے وہ پردہ نشین خاتون جس نے اب تک عزت وخودداری کی اعلیٰ زندگی بسر کی ہو، کس طرح اپنی معاشی پریشانی کا ازالہ کر سکے اور سکون واطمینانِ قلب کے ساتھ زندگی بسر کر سکے.

مجھے اپنے شہر کے متعلق اچھی طرح معلوم ہے، ایک صاحب جو اچھے خاصے زمین دار معروف تھے، ۵۰/ ۶۰ برس کی عمر تک ساتھ رہنے کے بعد ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں. کچھ

دنوں تو اس عورت نے خود کو سنبھالا، مگر اس کے افراد خاندان کی غربت اور معاشی پریشانی کی وجہ سے وہ اس قدر بد حال ہوگئی کہ اس کے دماغ پر جنون کے اثرات ہو گئے، اب وہ در بدر کاسۂ گدائی لے کر اپنا پیٹ بھرتی ہے. اس طرح ایک دوسرا واقعہ بھی میری نظر میں ہے. ایک صاحب نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں. شادی کے وقت دونوں بہت غریب تھے، مگر عورت کی محنت اور کوشش سے محلہ والوں کا کہنا ہے کہ چند برسوں میں اللہ نے وسعت دی. اب وہ ایک پختہ مکان اور ایک کارخانے کے مالک ہو گئے ہیں، بس کسی خانگی معاملہ میں بگڑ کر شوہر نے تین طلاقیں دے دیں. علیحدگی کے بعد کچھ دنوں تک عورت زیورات اور گھر کا اثاثہ بیچ کر گزارہ کرتی رہی، مگر اب حالت یہ ہے کہ اس کی زندگی باعث عبرت ہے. کسی نے اس عورت کو مشورہ دیا کہ تو دار القضاء میں دعوی کر دے کہ شوہر کے مال میں سے جو اصلاً تیری محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے، کچھ حصہ دیا جائے مگر کفالت کی کوئی شکل نہ بننے کی وجہ سے وہ عورت وہاں سے بھی محروم ہوئی.

(حلالہ کی) رنگ آمیزی میں حقیقت کا عنصر:

اس طرح کے دسیوں واقعات آپ کو مل جائیں گے. میں محترم اقبال ورق والا صاحب کے ان الفاظ سے متفق ہوں کہ مخالفین ان واقعات کو رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کرتے ہیں، مگر اس کو نہیں بھولنا چاہیے کہ ان واقعات کی کوئی نہ کوئی اصلیت بھی ضرور ہے جس پر رنگ آمیزی اور مبالغہ کی دیوار کھڑی کی جاتی ہے. اور یہی وجہ ہے کہ حکومت ایسے قوانین بنانے پر تل گئی ہے کہ مطلقہ کا نان ونفقہ اس وقت تک شوہر کے ذمہ واجب ہے جب تک کہ وہ دوسری شادی نہ کر لے. ظاہر ہے یہ چیز افراط کی طرف ایک قدم ہے، مگر یہ بھی کمی اور تفریط کی بات ہوگی کہ ایسی عورت کے سلسلہ میں ہم بیٹھ کر کوئی لائحہ عمل نہ سوچیں. ہمارا خیال ہے کہ اگر طلاق کے مروجہ طریقہ میں احناف کے مسلک سے ہٹ کر بعض دیگر مجتہدین کی آراء پر عمل کر لیا

جائے یعنی تین طلاق کو ایک قرار دیا جائے تو بہت سی پیچیدگیاں خود بخود رفع ہو جائیں گی اور فریقین ٹھنڈے دل ودماغ کے ساتھ ایک دوسرے کے مستقبل کے بارے میں سوچ سکتے ہیں. اس طرح مخالفین کو مسلم پرسنل لاء کے خلاف رنگ آمیزی کا بھی موقع نہ رہے گا. جس طرح مصری علماء نے پوتے کی وراثت کے سلسلہ میں ثلث مال کی اختیاری وصیت کو لازم کر دیا ہے، اس طرح ہم کو مذکورہ بالا چار بنیادوں پر غور وفکر کرنے کے بعد کوئی تبدیلی کرنا چاہئے جس کی شریعت میں گنجائش بھی ہے اور حنفی مسلک بھی اس کی اجازت دیتا ہے. ائمہ تین طلاق کو معصیت اور گناہ بھی بتلاتے ہیں اور ہمارے حالات شدت سے متقاضی ہیں تو کیوں نہ ان اقوال پر عمل کر لیا جائے جو شروع سے اہل سنت والجماعت کے ایک طبقہ (اہل حدیث) کا معمول رہا ہے.

سوالنامے کے مختصر جوابات:

اب آیئے سوالنامے میں درج شقوں کے مختصراً جوابات بھی سماعت فرمایئے!

① طلاق، طلاق، طلاق تین دفعہ کہہ دینے سے اگر کہنے والے کی نیت ایک کی ہو اور اس نے محض تاکید کے لیے باقی دو دفعہ مزید کہہ دیا ہو، باقی دو سے اس نے کچھ بھی نیت نہ کی ہو، نہ تاکید کی ہو نہ عدم تاکید کی تو ایک طلاق پڑے گی. علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں علامہ ابن حجر کی عبارت نقل کی ہے کہ فاسق سے فاسق آدمی کا ارادہ تاکید معتبر مانا جائے گا اور یہی ہمارا مذہب بھی ہے.

"فَإِنَّهُ صَرِيحُ مَذْهَبِنَا تَصْدِيقُ مَرِيدِ التَّأْكِيدِ بِشَرْطِهِ وَإِنْ بَلَغَ فِي الفِسْقِ مَا بَلَغَ".

مفتی مہدی حسن سابق صدر مفتی دار العلوم دیو بند اپنی کتاب "إقامة القيامة" ص ۵۷ پر فرماتے ہیں:

"اگر عورت مدخول بہا ہے اور ایک ہی طلاق دینے کا ارادہ تھا لیکن بتکرار لفظ تین مرتبہ

طلاق دی اور دوسری اور تیسری طلاق کو بطور تاکید استعمال کیا ہو تو دیانۃً قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا اور ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اس میں اختلاف نہیں''.

علامہ ابن حزم کی کتاب ''محلی'' میں بالکل یہی الفاظ ہیں، مگر اس میں دیانۃً کا لفظ اور حلف کا کوئی تذکرہ نہیں، بلکہ صرف اتنا ہے کہ اس کے ارادۂ تاکید کو معتبر مانا جائے گا. علامہ جلد ۱۰ ص ۱۷۵ پر فرماتے ہیں:

''فَلَوْ قَالَ لِمَوْطُوءَ ةٍ أَنْتِ طَالِقٌ أَنْتِ طَالِقٌ فَإِنْ نَوَى التَّكْرِيرَ (أى: التَّأْكِيدَ) لِكَلِمَةِ الْأُولَى فَهِيَ وَاحِدَةٌ وَكَذٰلِكَ إِنْ لَمْ يَنْوِ بِتَكْرَارِهِ شَيْئًا فَإِن نَوَى بِذٰلِكَ أَنَّ كُلَّ طَلْقَةٍ غَيْرُ الْأُخْرَى فَهِيَ ثَلَاثٌ إِنْ كَيَّدَهَا''.

''مدخول بہا عورت سے کسی نے کہا: تجھے طلاق، تجھے طلاق، اگر اس نے باقی دو سے تاکید کا... یا نہ تاکید کا، کسی کا ارادہ نہ کیا تو ایک (طلاق) واقع ہوگی لیکن اگر مطلب یہ تھا کہ ہر طلاق پہلے والی طلاق سے الگ ہے تو تین واقع ہوں گی''.

② یہی شکل مختلف فیہ ہے. احناف تین کے وقوع کے قائل ہیں اور عذر جہالت کو وہ معتبر نہیں مانتے اور علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم اور اہل حدیث حضرات جب تین کو تین سمجھ کر دینے والے کی طلاق کو رجعی بتلاتے ہیں تو یہاں تو ارادہ بھی نفس طلاق کا تھا نہ کہ تین کا. لہٰذا ان کے نزدیک ایک (ہی طلاق واقع) ہوگی.

③ اہل سنت والجماعت کا ایک طبقہ شروع ہی سے اس کے خلاف رہا ہے، لہٰذا امت کا اجماع نہیں کہا جا سکتا. ہاں! ہمارے ہاں بعض علماء ائمہ اربعہ کا اجماع بتاتے ہیں، مگر یہ بھی مخدوش ہے. مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کی جو عبارت ہم اوپر مقالہ میں نقل کر چکے ہیں، اس میں واضح طور سے یہ بات موجود ہے کہ امام مالک کا ایک قول اور اصحاب احمد کا بھی ایک قول یہی ہے. غور وفکر کی پہلی بنیاد میں ان فقہاء کا نام لکھ چکے ہیں جو ایک طلاق رجعی ہونے کے قائل ہیں.

④ ہمارے نزدیک مجلس واحد کی تین طلاقوں کو ایک ہی سمجھا جائے تو زیادہ بہتر ہے. یہی رائے ہے جس کے دلائل اوپر نقل کر دیے گئے ہیں''.

☆ ☆ ☆

امید ہے کہ قارئین مسئلہ طلاق سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہوں گے. اب اگر کوئی شخص مسئلہ طلاق سے کھلواڑ کرتے ہوئے اس کے حل کے لیے حلالہ کا بہانہ ڈھونڈے تو اس کو بے غیرت اور بد دین نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟! میں اس موضوع کو مولانا محمد صاحب جونا گڈھی کے درج ذیل کلام کے ساتھ ختم کرتا ہوں، مولانا اپنی کتاب ''نکاح محمدی'' میں عنوان ''حلالہ کی بے حیائی کا بھیانک منظر'' کے تحت لکھتے ہیں:

''آہ! ان آنکھوں نے یہ منظر دیکھے ہیں اور ان کانوں نے یہ دردناک قصے سنے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے دیں پھر اس نے حنفی علماء کے فتوے لیے. انہوں نے حلالہ کے فتوے دیے. یہ اٹھا شرم وحیا طاق پر رکھی، بے شرمی کا برقعہ اوڑھا اور اس پر آمادہ ہو گیا. کسی کو پکڑا، منت خوشامد کی، اس سے کام نہ چلا تو کچھ دینا کیا اور یہ امر ٹھیرا کہ یہ اس سے نکاح کر کے اس سے وطی کر کے پھر اسے طلاق دیدے، یہ ٹھیرا کر اپنی بیوی، ہاں اپنے بچوں کی ماں بعد از نکاح ظاہر اس کے حوالے کی. وہ اسے لے گیا، اس سے منہ کالا کیا اور پھر اس دیوث نے اسے اپنی بیوی بنا لی. وہ عورت جس نے کبھی غیر کا منہ نہ دیکھا تھا، جس کا پلّہ کبھی کسی نے نہ چھوا تھا، وہ دوسرے کے نیچے بچھ گئی، اپنی عصمت خراب کی، تب وہ اپنے بال بچوں میں بیٹھی اور خاوند سے ملی. کاش کہ ان کے علماء وہی حدیث پڑھ دیتے جو ہم نے بحوالہ صحیح مسلم وغیرہ پہلے نقل کر دی ہے کہ ایسی تین طلاقیں بفرمان رسول ﷺ اسلام میں ایک شمار کر لی جاتی تھیں. اب عدت کے اندر اگر ہے تو حق رجوع حاصل ہے اور اگر عدت گزر چکی ہے اور دونوں رضا مند ہیں تو نیا نکاح کر لیں تو نہ انھیں اس بھاڑے کے ٹٹو کی اور اس

اُدھار سانڈ کی ضرورت پڑتی، نہ یہ شریف عورت بدکار بنتی، نہ یہ کالا داغ دونوں کے ماتھے پر ہمیشہ کے لیے لگتا. حنفی بھائیو! اللہ کی قسم دردِ دل سے کہتا ہوں کہ اللہ کے واسطے اس مسئلہ سے ہٹ جاؤ. حلال کو حرام نہ کرو کہ پھر تمہیں حرام کو حلال کر کے پھر اس حرام سے حرام کو حلال کرنے کی ضرورت پڑے. سیدھا سادہ شریعت کا پاک مسئلہ ہے، صرف فقہا کے قول سے اس پر سے کیوں ہٹتے ہو؟ تم تو ہندوؤں کے نیوگ پر شیعوں کے متعہ پر ہنستے تھے، لیکن آہ! آج تم نے دوسروں کو اپنے پر ہنسنے کا موقع دیا: ؎

کہا تھا بلبل سے حالِ تیں نے تیرے ستم کا بہت چھپا کر
یہ کس نے ان کو خبر سنائی کہ ہنس پڑے پھول کِھل کھلا کر

تمہاری غیرت وحمیت نے اسے کیسے قبول کرلیا؟ مسلمان پاک دامن عورتو! کیا حنفی مذہب کا یہ مسئلہ تمہارے نزدیک قابل قبول ہے؟ واللہ ایک باحیا عورت ایک مسلم عورت مر جانا قبول کرلے گی لیکن کسی ایسے کے پاس جانا قبول نہ کرے گی. ایک عصمت مآب خاتون اپنے خاوند کے منہ کے بعد قبر کا منہ دیکھتی ہے دوسروں کے منہ پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی!!''.

اللہ تعالیٰ مسلم خواتین کو حلالہ مولویوں کے شکنجے سے محفوظ رکھے، آمین.

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل دہشت گردوں کے ساتھ

دہشت گردی (Terrorism) کی تاریخ بہت پرانی ہے. ہر دور میں دہشت گردوں کی کثیر تعداد پائی گئی ہے. لیکن بیسویں اکیسویں صدی میں یہ لفظ جس قدر ہر کس وناکس کی زبان زد عام رہا، شاید اس سے قبل کے زمانوں میں اس کا اتنا زیادہ استعمال کبھی نہ رہا ہو. ۱۱رستمبر۲۰۰۲ء کو جب امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پنٹا گان پر چند دل جلوں نے حملہ کر کے امریکہ کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی تو امریکی ویورپی میڈیا نے دہشت گردی دہشت گردی کی گردان اس قدر کثرت سے کی کہ دنیا کے چپے چپے میں بچے بچے کی زبان پر دہشت گردی کا لفظ جاری ہو گیا. امریکہ اور دشمن اسلام ممالک کو بہت سنہری موقع ہاتھ لگ گیا کہ اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دنیا کے عرض وطول میں پھیلے ہوئے علمِ اسلام کو بلند کرنے والے مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کر کے انہیں قید خانوں کی سلاخوں میں ڈال دیا جائے (۱).

چنانچہ اسامہ بن لادن اور ملا عمر کی گرفتاری کے بہانے افغانستان کے عوام کو بھی نشانہ بنایا گیا اور وہاں کے بوڑھوں، بچوں، مردوں اور عورتوں کو اس قدر مجبور کر دیا گیا کہ وہ روزانہ کی تجارت اور اپنے برسوں سے چلتے کاروبار ترک کر کے چوبیں گھنٹہ میں صرف ایک وقت کی دو روٹی کے لیے بھی ترسنے لگ گئے. یہی نہیں بلکہ عالمِ اسلام میں پھیلی ہوئی پوری رفاہی تنظیموں کو

---

(۱) یہ واضح رہے کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پنٹا گان کے تباہ ہونے کے بعد بہت سارے تجزیہ نگاروں، محققوں اور دانشوروں کے بیانات اخبارات وجرائد میں شائع ہوئے ہیں اور آج تک کسی نے حتمی ثبوت کے ساتھ یہ حقیقت منظر عام پر لانے میں کامیابی حاصل نہیں کی کہ ان فلک بوس عمارتوں کو تباہ کرنے والے کون لوگ تھے؟ بلکہ ایک رائے یہ بھی سامنے آئی ہے کہ یہ عمارتیں اپنے دن مکمل کر چکی تھیں، اس لیے خانگی پلاننگ کے تحت خود اپنے ہاتھوں انہیں تباہ کر کے اپنی راہ میں رکاوٹ بننے والے خود داروں کو مارنے کا بہانہ ڈھونڈ نکالا گیا.

دہشت گردی کا اڈہ ثابت کرنے کی کوششیں کی گئیں اور کئی اسلامی مراکز کے اکاؤنٹس بھی ضبط کیے گئے. بلکہ پاکستان میں کثیر تعداد میں پھیلے ہوئے اسلامی مدارس کے نصابِ تعلیم میں قرآن کریم کی سورۃ "الأنفال" کے پڑھائے جانے پر بھی پابندی لگانے کی بات کی جانے لگی. کیوں کہ دشمنانِ اسلام کی ساری خباثتوں اور ان کا نفسیاتی آپریشن کرنے والی سورۃ الانفال کی تعلیمات نے لفظ ''جہاد'' کے ذریعہ ان کے ہوش اڑا کر رکھ دی ہیں. ظاہر ہے سورۃ الانفال میں فسادی لوگوں کے امراض کا کڑوا تریاق بتایا گیا ہے تو بھلا ایسے لوگ اس سورۂ مبارکہ اور اس کی تعلیمات پر پابندی لگانے کی بات نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا؟!!

اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گردی سے جوڑنے کی جو بے جا کوششیں اور افترا پردازیاں کی جا رہی ہیں اور سیدھے سادے عوام میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں، انہی افترا پردازیوں کے پوسٹ مارٹم کے لیے ہمیں یہ عنوان قائم کرنے کی ضرورت پڑی ہے.

رسولِ اکرم ﷺ کی آمد سے قبل عالمِ عرب کی اخلاقی، معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی حالت کیا تھی، اس سے پوری دنیا واقف ہے. چوروں، ڈکیتوں اور غنڈوں نے شاہراہوں پر راہگیروں کی زندگی اجیرن بنا رکھی تھی. کیا دن اور کیا رات، ہر وقت لوگ اس خدشہ میں سفر طے کرتے کہ کسی بھی وقت انہیں لوٹ لیا جائے گا، یا کم از کم جان بچ گئی تو تجارتی سامان کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہوتی تھی. یہ بات صرف عربستان ہی میں نہیں، بلکہ اس کے قرب وجوار میں بھی لگ بھگ یہی حال تھا. صحیح بخاری میں عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک آدمی نے آ کر آپ ﷺ سے راستوں کی امنی کی شکایت کی. آپ نے فرمایا:

''اے عدی! کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے؟''.

میں نے عرض کیا: دیکھا تو نہیں ہے؛ البتہ اس کے بارے میں سن رکھا ہے.

آپ ﷺ نے فرمایا:

''لَئِنْ طَالَتْ بِکَ حَیَاۃٌ لَتَرَیَنَّ الظَّعِینَۃَ تَرْتَحِلُ مِنَ الحِیرَۃِ حَتَّی تَطُوفَ بِالکَعْبَۃِ لاَ تَخَافُ أَحَدًا إِلَّا اللّٰہَ''.

''اگر تیری زندگی نے وفا کی تو تو دیکھے گا کہ ایک عورت ہودج میں سوار ہو کر تن تنہا حیرہ (ملک یمن میں ایک جگہ کا نام) سے چلے گی اور خانہ کعبہ کا طواف کرے گی؛ اس درمیان اس کو کسی کا خوف نہیں ہوگا، اگر وہ خوف کھائے گی تو صرف اللہ تعالیٰ سے''.

میں نے دل ہی میں کہا: یہ قبیلہ طے کے فساد انگیز لوگ کہاں چلے جائیں گے، جنہوں نے شہروں میں فتنہ وفساد کی آگ سلگا رکھی ہے؟!(۲).

''طے'' عراق وحجاز کے درمیان ایک مشہور قبیلہ تھا. اس قبیلہ کے قرب وجوار سے جو کوئی بھی گزرتا، وہاں کے لوگ راہ گیروں کو لوٹ لیتے تھے. اس لیے عدی بن حاتم نے نبی کریم ﷺ کی زبان سے امن وامان کے متعلق اس پیشین گوئی کو سن کر شدید تعجب کا اظہار کیا تھا کہ ایسی صورتحال میں کیوں کر کوئی عورت بلا خوف وخطر اس راہ سے گزر سکتی ہے. لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اسلامی حکومت آتے ہی ایک قلیل سے عرصے میں یہ خوشنما منظر دیکھا گیا، جیسا کہ مذکورہ حدیث ہی میں عدی بن حاتم کہتے ہیں:

''میں نے دیکھ لیا کہ ایک عورت حیرہ سے چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرتی ہے اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوتا ہے''.

زمین میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے والے اور موجودہ زمانے کی اصطلاح میں دہشت گردوں کی دم دبانے والے آخر وہ کون سے اصول وقوانین تھے کہ دیکھتے ہی دیکھتے زمین عدل وانصاف اور امن وامان کا گہوارہ بن گئی اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ایک قلیل سی مدت میں

(۲) بخاری: المناقب/ علامات النبوۃ فی الإسلام (۳۵۹۵). 2

یہ دہشت گرد معصوم لوگوں کے راستوں سے فرار ہو گئے؟!

در اصل وہ اصول وقوانین نبی کریم ﷺ کے نافذ کردہ تھے. اگر رسول اکرم ﷺ نے اسلامی حکومت کے استحکام کے بعد اس سرزمین کے فتنہ وفساد کی چنگاری کو بجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حدود وتعزیرات کے نفاذ پر زور نہ ڈالا ہوتا اور اسلامی حکومت اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ حدود وتعزیرات کو نافذ نہیں کرتی، تو پھر اس زمین میں کبھی امن وامان دیکھنے کو بھی نہیں ملتا. لیکن قربان جایئے نبی کریم ﷺ پر! کہ اسلامی قانون ''خون کا بدلہ خون'' کی تعلیم دے کر اور اللہ تعالیٰ کی وحی کی تبلیغ کر کے سارے لوگوں کو سکون وآرام فراہم کر دیا.

رسولِ اکرم ﷺ دہشت گردوں کو کمر توڑ جواب دیتے تھے اور انہیں اس قدر دردناک سبق سکھلاتے کہ دوسرے دہشت گردوں کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، جس کی وجہ سے انہیں آگے مجرمانہ حرکت کرنے کی جرأت نہیں ہو پاتی تھی. آیتِ محاربہ کا سبب نزول بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ جب چند لوگوں نے دہشت گردی کا نقاب اوڑھ کر مظلوموں پر ظلم وستم ڈھایا اور دہشت گردوں کی فہرست میں اپنا نام درج کرا لیا تو نبی کریم ﷺ نے ان کو ان کے کرتوت کا دردانگیز مزہ چکھایا.

بخاری ومسلم میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلہ عکل یا عرینہ کے آٹھ آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام پر بیعت کی. انہیں مدینہ کی آب وہوا راس نہیں آئی، جس کے سبب ان کے جسم کمزور ہو گئے. انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے اس بات کا شکوہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم لوگ ایسا نہ کرو گے کہ ہمارے چرواہوں کے ساتھ ان کے اونٹوں میں نکلو اور ان کا پیشاب اور دودھ پیو؟'' انہوں نے کہا: ہاں ہم نکلیں گے. چنانچہ وہ لوگ نکلے اور اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پینے لگے. جب صحت یاب ہو گئے تو چرواہے کو قتل کر دیا. (مسلم کی روایت کے مطابق انہوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں سلائیاں

بھی پھرائیں) اور اونٹوں کو ہنکا لے گئے. اس بات کی اطلاع جب رسول اکرم ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ نے ان کے پیچھے (بروایت مسلم تقریباً بیس) شہسواروں کو دوڑایا؛ چنانچہ ان (دہشت گرد) لوگوں کو پکڑ کر لایا گیا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے. ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھرائی گئیں اور شدید دھوپ میں انہیں ڈال دیا گیا. مسلم کی روایت کے مطابق انہوں نے پینے کے لیے پانی طلب کیا لیکن انہیں پانی نہیں دیا گیا(۳).

انہی لوگوں کے بارے میں سورۃ المائدۃ کی یہ آیت نازل ہوئی جس کو آیت محاربہ کہا جاتا ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [المائدۃ:۳۳]

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانے میں لگے رہتے ہیں، ان کا بدلہ یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا انہیں سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں، یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے. یہ رسوائی ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا''(۴).

آیتِ مذکورہ میں ان دہشت گردوں کی سزا بتائی گئی ہے جو زمین میں فتنہ وفساد رونما کر کے لوگوں کی نیندیں حرام کر دیتے ہیں. ایسے فساد انگیز لوگوں کی مذکورہ سزاؤں میں قدرے اختلاف ہے کہ کس قسم کے مجرموں کو کون سی سزا دی جائے گی. تفسیر کی کتابوں میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے. امام شوکانی نے امام شافعی، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی وغیرہ کے حوالے سے اس آیت کے ضمن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ موقف بیان کیا ہے:

---

(۳) بخاری: الدیات/ القسامة (٦٨٩)، مسلم: القسامة/ حكم المحاربين والمرتدين (١٦٧١).

(٤) دیکھئے: تفسیر ابن کثیر (٣/ ١١٥٨ - ١١٦٢) دار ابن حزم، بیروت ١٩٩٨ء.

''جب محارب (دہشت گرد) مال لوٹ لے لیکن قتل کے جرم کا ارتکاب نہ کرے تو مخالف جانب سے اس کا ہاتھ پاؤں کاٹ دیا جائے گا، اگر صرف قتل کرے اور مال واسباب چھوڑ دے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے گا. اگر مال واسباب لوٹ لے اور قتل بھی کرے تو اسے قتل کیا جائے گا اور سولی بھی دی جائے گی، اور اگر راستے میں خوف ودہشت کا بازار گرم کرے لیکن مال واسباب نہ لوٹے اور نہ ہی قتل کے جرم کا مرتکب ہو تو اس کو ملک بدر کر دیا جائے گا''(۵).

جو شریعت زمین میں فتنہ وفساد پھیلانے والوں کے متعلق اس قدر زبردست اور سخت سزا مقرر کرتی ہو، اس کے بارے میں یہ آواز بلند کرنا کہ اسلام دہشت گردی کو جائز قرار دیتا ہے یا مسلمانوں کے ذہن ودماغ میں خون کی قدر وقیمت گھٹاتا ہے، کس قدر بے جا اور غیر منطقی بات ہے؟ ابھی چند سالوں قبل امریکہ میں ''جہاد اِن امریکہ'' (JIHAD IN AMERICA) نامی ایک فلم بنائی گئی ہے جس میں مسلمانوں کو ڈاکو اور دہشت گرد دکھایا گیا ہے(٦). حالانکہ اسلام دہشت گردی کا شروع سے آخر تک مخالف ہے اور دہشت گرد خواہ مسلم ہوں یا کافر ان کے لیے سخت سے سخت سزا مقرر کیا ہے. خود رسول اکرم ﷺ نے دہشت گردوں کو وہ مزہ چکھایا ہے کہ اتنے انصاف کے ساتھ آج تک دہشت گردوں کو کسی حکومت نے سزا دی ہی نہیں. بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ دہشت گردی کا الزام دے کر خود دہشت گردی کی جاتی ہے اور صرف شک بلکہ بہتان تراشی کی بنیاد پر دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے نکلنے والے خود ہی دہشت گردی کا بازار گرم کر کے پوری دنیا میں تباہی مچاتے ہیں. اس سلسلہ میں انہیں کچھ پرواہ نہیں ہوتی کہ کتنی معصوم جانیں ان کی خونخواری کا شکار ہوتی ہیں!!

آج مورخہ ۲۰۰۳/۴/۵ء کو سعودی عرب کے وقت کے مطابق رات ۱۲ بجے یہ جملے لکھ رہا ہوں اور اُدھر عراقی عوام پر امریکہ وبرطانیہ کی فوجیں جدید اسلحوں کے ذریعہ تابڑ توڑ حملہ کر رہی

(٥) فتح القدير (٢/ ٤٠)، دار الوفا ١٩٩٤ء طبع أول.
(٦) ہفت روزہ تکبیر، کراچی، ۴/ مئی ۱۹۹۵ء.

ہیں. خبریں آرہی ہیں کہ زخمیوں کے لیے ہسپتالوں میں بستر کم پڑ گئے ہیں، طبی سہولیات بروقت نہ پہنچنے پر سیکڑوں بوڑھے، بچے، عورتیں اور مرد دم توڑ چکے ہیں. بیمار پرسی کرنے والے مردوں اور عورتوں کی چیخ وپکار اور آہ وبکا سے دل پھٹ رہا ہے، لیکن حملہ ہے جو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا. کل ہی رات بارہ بجے کے نیوز میں پاکستان ٹیلی ویژن نے دنیا کے ایک معروف اور بڑے مسیحی پوپ کا خطاب نشر کیا تھا جس میں اس مسیحی رہنما نے ہزاروں کے مجمع میں عراق پر امریکی وبرطانوی حملہ کو ناجائز اور ناحق ٹھہراتے ہوئے حملہ روکنے کی بات کہی تھی. لیکن دہشت گردی کو ختم کرنے کے بہانے خود دہشت گردی کرنے والے کیوں کر نقار خانے میں اس طوطی کی آواز سے نصیحت پکڑ سکتے ہیں؟

موجودہ جنگ میں رات دن معصوم لوگوں کی جانیں برباد ہو رہی ہیں. لیکن حملہ آوروں کو کسی بھی صورت میں فتح چاہیے اور بس!! چاہے اس کے لیے کتنی ہی بے گناہ جانیں چلی جائیں. جبکہ رسول اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں بلاحق ایک جان کی بربادی بھی پوری دنیا کے لوگوں کی جانوں کی بربادی قرار دی گئی ہے. اس کے برعکس اگر کوئی ایک جان کو بچا دیتا ہے تو اس بارے میں قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ گویا سارے لوگوں کی جانیں بچ گئیں. چنانچہ مذکورہ آیت محاربہ سے قبل والی آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾ [المائدة:۳۲]

''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی''.

اس آیت کی تفسیر میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مطلب یہ ہے کہ دنیا میں نوعِ انسانی کی زندگی کا بقا منحصر ہے اس پر کہ ہر انسان کے دل

میں دوسرے انسانوں کی جان کا احترام موجود ہو اور ہر ایک دوسرے کی زندگی کے بقا وتحفظ میں مددگار بننے کا جذبہ رکھتا ہو. جو شخص ناحق کسی کی جان لیتا ہے وہ صرف ایک ہی فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل حیاتِ انسانی کے احترام سے اور ہمدردی نوع کے جذبہ سے خالی ہے، لہٰذا وہ پوری انسانیت کا دشمن ہے. کیوں کہ اس کے اندر وہ صفت پائی جاتی ہے جو اگر تمام افرادِ انسانی میں پائی جائے تو پوری نوع کا خاتمہ ہو جائے. اس کے برعکس جو شخص انسان کی زندگی کے قیام میں مدد کرتا ہے وہ درحقیقت انسانیت کا حامی ہے. کیوں کہ اس میں وہ صفت پائی جاتی ہے جس پر انسانیت کے بقا کا انحصار ہے"(۷).

رسول اکرم ﷺ نے یہ تعلیم دی ہے کہ جہاں تک ہو سکے اپنے تئیں لوگوں کو آسانیاں فراہم کی جائیں اور انہیں کسی قسم کی مشقت وپریشانی میں نہ ڈالا جائے. صحیح بخاری ومسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے رسول اکرم ﷺ کی یہ صریح تعلیم مروی ہے:

"يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلاَ تُنَفِّرُوا"(۸).

"(لوگوں کے لیے) آسانیاں فراہم کرو، سختی پیدا نہ کرو، خوشخبری سناؤ، نفرت نہ دلاؤ".

انسان تو انسان جانوروں کے ساتھ بھی نرمی برتنے کی نبی کریم ﷺ نے تاکید فرمائی ہے. آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"اتَّقُوا اللَّهَ فِي هَذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوهَا صَالِحَةً وَكُلُوهَا صَالِحَةً".

"تم لوگ ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے خوف کھاؤ، ڈھنگ سے ان پر سواری کرو اور ڈھنگ سے انہیں کھاؤ"(۹).

حتیٰ کہ وضو کرتے وقت رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے بلی چلی آتی اور پانی پینے کی خواہش

(۷) تفہیم القرآن (۴۶۴/۱)، ناشر مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، تیرہواں ایڈیشن، جنوری ۱۹۷۶ء.

(۸) بخاری: العلم/ ما كان النبي يتخولهم (۶۹)، مسلم: الجهاد (۱۷۳۴).

(۹) [صحیح] أبو داود (۲۵۴۸)، ابن حبان (۸۴۴)، أحمد (۱۸۰/٤)، الصحيحة (۲۳).

کرتی تو آپ اسے پلانے کے لیے برتن کو جھکا دیتے تاکہ بلی آسانی سے پانی پی لے(۱۰).

جب جانوروں کے ساتھ رسولِ اکرم ﷺ کا یہ طرزِ عمل اور ان کے متعلق یہ تعلیم ہے تو بھلا کون اس الزام تراشی سے غلط فہمی کا شکار ہو کر اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گردی سے جوڑنے کی بات کرسکتا ہے، جب کہ دہشت گردی کی تعریف اسی وقت مکمل ہوتی ہے جب دہشت گرد معصوم لوگوں کے خون کی پرواہ کیے بغیر ناجائز مقصد کے حصول میں کچھ بھی کرنے لگیں؟! جبکہ رسولِ اکرم ﷺ نے زمین میں دہشت گردی پھیلانے والوں کو سخت سے سخت سزا دی ہے اور آپ کی چھوڑی ہوئی تعلیمات میں دہشت گردی کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے؛ بلکہ رسول اکرم ﷺ ہر ذی روح کے لیے رحمت بن کر نمودار ہوئے اور اپنی رحمت بھری تعلیمات سے دنیا کو روشناس کرایا، امن وامان کا ماحول پیدا کرنے کے لیے آپ ﷺ نے بے لاگ کوششیں کیں اور اپنی امت کو بھی اس پر ابھارا. نبوت کی زندگی سے قبل بھی آپ امن وامان کی کانفرنسوں میں بڑے شوق سے جم کر حصہ لیتے تھے، حلف الفضول اور حلف الفجار نامی دو معاہدوں کی تاریخ کسی سے مخفی نہیں.

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ میں امن وامان کے لیے یہ دعا کی تھی:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلاً ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾ [البقرة:۱۲۶]

''اور ابراہیم نے دعا کی: اے میرے رب! اس شہر کو امن کا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں انہیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے. جواب میں ان کے رب نے فرمایا: اور جو نہ مانے گا دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان تو میں اسے بھی دوں گا، مگر آخر کار اسے عذابِ جہنم کی طرف گھسیٹوں گا اور وہ بدترین ٹھکانا ہے''.

(۱۰) اندازہ کریں کہ رسول اکرم ﷺ بے زبان جانوروں کے ساتھ بھی کس قدر حسن سلوک کرتے تھے؟!

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ ہی میں نہیں بلکہ سارے عرب میں امن وامان کی ایسی طرح ڈالی کہ راتوں رات ایک عورت تن تنہا سفر کر کے منزل مقصود پر پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں سمجھتی تھی، اور اس دوران اسے کوئی مائی کا لعل چھیڑ خانی کی جرأت نہیں کر پاتا تھا. تاریخ اسلامی کی یہ ایک ایسی روشن مثال ہے جس کی نظیر تاریخ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے. پھر ویسے مذہب کو دہشت گردی سے جوڑنا جس کا وجود ہی امن وسلامتی کا ضامن ہے، سراسر بے انصافی اور الزام نہیں تو پھر اور کیا ہے؟!

قرآن واحادیث میں بے شمار ایسے دلائل ہیں جو دہشت گردی کا بائیکاٹ کرتے ہیں. خود رسول اکرم ﷺ نے بہت سارے دہشت گردوں کو کیفر کردار تک پہنچایا ہے اور اس سلسلے میں بہت سارے واقعات ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں. آپ ﷺ کی امت بھی شروع سے آخر تک دہشت گردی کی مذمت کرتی رہی ہے اور علمائے کرام اس کی حرمت کے فتوے دیتے رہے ہیں. آج کے دور میں دہشت گردی کی جو تعریف کی جاتی ہے، اس دہشت گردی کو فساد فی الارض کے تحت شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے. سعودی عرب کی ''مجلس هيئة كبار العلماء'' جو کہ چوٹی کے علماء کی دنیا کی سب سے بڑی فتویٰ کمیٹی ہے، اس کی طرف سے دہشت گردی کی حرمت کا فتویٰ بار بار شائع ہوتا ہے. چنانچہ اس کی جانب سے ۱۲/محرم ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۴/۸/۱۹۸۸ء کی قرارداد میں یہ فتویٰ صادر ہوا ہے:

''من يثبت شرعًا أنه قام بعمل من أعمال التخريب والإفساد في الأرض التي تزعزع الأمن بالاعتداء على الأنفس والممتلكات الخاصة أو العامة كنسف المساكن أو المساجد أو المدارس أو المستشفيات والمصانع والجسور ومخازن الأسلحة والمياه والموارد العامة لبيت المال كأنابيب البترول ونسف الطائرات أو خطفها ونحو ذلك فإن عقوبته القتل ...''.

''شرعاً یہ ثابت ہے کہ زمین میں تخریب اور فتنہ وفساد برپا کر کے امن وامان کو غارت کرنے والا قتل کا مستحق ہے جو جانوں اور خاص وعام جائداد پر دھاوا بولتا ہے جیسے رہائشوں، مسجدوں، مدرسوں، ہسپتالوں، کارخانوں اور پلوں کو ڈھانا، یا ہتھیار اور پانی جمع کرنے کی جگہوں کو اکارت کرنا، یا بیت المال کے عام موارد جیسے پٹرول کے ذخائر کو برباد کرنا، اور جہازوں کو مار گرانا یا انہیں ہائی جیک کرنا وغیرہ''(۱۱).

اسلام شروع ہی سے دہشت گردی کا سخت مخالف ہے؛ البتہ اس نے ضرورت پڑنے پر جہاد کی اجازت ضرور دی ہے، جو فطرت کے عین مطابق ہے، اور جہاد جیسے پاکیزہ عمل کو دہشت گردی سے جوڑنا سراسر بے انصافی اور حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی بدترین سازش ہے.

قرآنِ کریم میں جہاد پر دلالت کرنے والی آیات پر غور کرنے والا کبھی بھی جہاد کو تخریب کا سبب نہیں بتائے گا؛ بلکہ اگر اس کی زبان حق بولنے کی استطاعت رکھتی ہے تو بلا شبہ وہ جہاد کو وقت کی ضرورت اور دہشت گردی کو ملیامیٹ کر کے دنیا کے چپے چپے میں امن وامان قائم کرنے کا ذریعہ قرار دے گا. قرآن کریم کی سب سے پہلی آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی ہے، سورۃ الحج کی آیت (۳۹) ہے. اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جہاد کی اجازت پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرما دی ہے کہ مکی دور میں چونکہ تیرہ سالوں تک مظلوم و بے گناہ مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا جاتا رہا اور ان کو طرح طرح کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا، لہٰذا اب ان کمزور مسلمانوں کو بھی اجازت دی جاتی ہے کہ ظالموں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تاکہ ظلم وطغیانی کا بازار سرد پڑے. چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ﴾

---

(۱۱) دیکھئے کتاب: عن الإرهاب (ص ۹۱)، از ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن سلطان ۲۰۰۳ء.

”(جہاد کی) اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے“۔ [الحج:۳۹]

اس اجازت کے بعد باضابطہ مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ﴾

”اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا. ان سے لڑو جہاں بھی تمہارا ان سے مقابلہ پیش آئے اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے“۔ [البقرۃ:۱۹۰-۱۹۱]

ہجرت کے بعد جو مسلمان مکہ ہی میں رہ گئے تھے ان پر کفار کے ظلم وستم کے پہاڑ برابر ٹوٹ رہے تھے. ان کی فریاد پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمَالَكُمْ لاَ تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيرًا﴾

”بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتواں مردوں، عورتوں اور ننھے ننھے بچوں کے لیے جہاد نہ کرو؟ جو یوں دعا مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لیے خود اپنے پاس سے حمایتی مقرر کر دے اور ہمارے لیے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا“۔ [النساء:۷۵]

مذکورہ تینوں آیات میں جو اہم نکتہ مشترک ہے وہ یہ کہ جب مسلمانوں پر کافروں کی طرف سے ظلم ہونے لگے، مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالا جائے، انہی کے مال وجائداد سے انہیں دستبردار کیا جائے، ان کی عورتوں اور معصوم بچوں کا قتل ہو، انہیں اپنے ہی وطن سے

جلاوطن کیا جائے، ان کی عزت وآبرو سے کھیلا جائے اور ان کے ایمان ویقین کو خطرہ لاحق ہو جائے تو پھر ایسی صورت میں مسلمانوں کو متفق ہو کر جہاد کے لیے اٹھ کھڑا ہونا چاہئے؛ تاکہ اس ظلم وتشدد اور خوں ریزی ودہشت گردی کا مقابلہ کر کے ان ظالموں کو سبق سکھلائیں، جنھوں نے اس سرزمین پر ظلم وطغیانی کا بازار گرم کر رکھا ہے اور پھر اس روئے زمین سے دہشت گردی وجارحیت کا استیصال ہو.

ان کے علاوہ بھی مختلف آیات ہیں جن میں جہاد کی اجازت وترغیب دی گئی ہے اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جان توڑ کوشش کرنے پر ابھارا گیا ہے اور چونکہ عقیدۂ توحید ہی کے ذریعہ اس روئے زمین سے بدامنی، جبر وتشدد، ظلم وطغیانی، خوں ریزی وغارت گری اور دہشت گردی وجارحیت کا خاتمہ ہوسکتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ (دین میں زور زبردستی نہیں) کے مطابق دین میں تشدد کا رویہ اختیار کیے بغیر اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے علَمِ جہاد بلند کرنا امت مسلمہ کا فرض ہے. ﴿حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّيْنُ لِلَّهِ﴾ ''یہاں تک کہ (سرزمین میں) کسی قسم کا فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے''۔ [البقرۃ:۱۹۳]

نیز جہاد کے لیے نکلنے والے افراد کے لیے جو نبوی تعلیمات ہیں کہ بدعہدی نہ کی جائے، خیانت نہ کی جائے، کسی عمارت کو منہدم نہ کیا جائے، مثلہ نہ کیا جائے، عورتوں کو قتل نہ کیا جائے، بچوں کو نہ مارا جائے، بوڑھوں کو قتل نہ کیا جائے، ہتھیار ڈالنے والوں کا پیچھا نہ کیا جائے، کھانے کے علاوہ جانوروں کو بے کار ذبح نہ کیا جائے وغیرہ وغیرہ، ان تعلیمات سے بھی جہاد کی پاکیزگی وطہارت عیاں ہوتی ہے.

کیا یہ اور ان جیسی بہت ساری نبوی تعلیمات جو حدیث وسیرت کی کتابوں میں بکھری پڑی ہیں، کے جاننے کے باوجود بھی اسلام اور مسلمانوں کو جہاد کے ذریعہ دہشت گردی کرنے کا الزام لگایا

جا سکتا ہے؟ جب کہ دہشت گردوں کی جو سزائیں رسول اکرم ﷺ نے دی ہیں اور دہشت گردی سے متعلق جو باتیں بیان فرمائی ہیں، وہ بلا شبہ اس دنیا کے امن وامان کی ضامن ہیں؟!!

دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے ہی رسول اکرم ﷺ نے دہشت گردوں کے لیے سخت سے سخت سزا مقرر کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمن دہشت گردوں کے ہتھیاروں سے بھی مضبوط ہتھیار بنانے کا حکم دیا ہے؛ تاکہ دہشتگرد اپنی طاقت کے نشے میں ظلم وطغیانی کا بازار گرم کرنے سے باز رہیں. چنانچہ سورۃ الانفال میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لاَ تَعْلَمُونَهُمْ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لاَ تُظْلَمُونَ﴾ [الانفال:٦٠]

''تم ان (دشمنوں) کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی، کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے سوا اوروں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں خوب جان رہا ہے، جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا''.

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دہشت گردوں اور اللہ کے دشمنوں کے بم سے بھی بڑا بم بنانے کا حکم دیا ہے؛ تاکہ دہشت گردی کو جڑ سے ختم کیا جا سکے.

دہشت گردی سے متعلق رسولِ اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے سخت اور بہتر موقف بتانے کے بعد اب مجھے یہ کہنے میں کچھ بھی شک نہیں کہ اگر زمین میں فتنہ وفساد برپا کرنا دہشت گردی ہے، لوگوں کو خوف وہراس میں مبتلا کر کے اپنا ناجائز مقصد پورا کرنا دہشت گردی ہے، بے گناہ عوام کی عزت وآبرو سے کھلواڑ کرنا دہشت گردی ہے، ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پنٹاگان پر فدائی حملہ کر کے ہزاروں لوگوں کی جانوں کو یکلخت ختم کر دینا دہشت گردی ہے اور

دوسروں کی زمین پر ناجائز قبضہ کرنا دہشت گردی ہے تو اس دور میں سب سے بڑی دہشت گرد حکومت امریکہ اور اسرائیل کی ہے. امریکہ کی دہشت گردی کی بین ثبوت تو حالیہ افغانستان اور عراق پر جدید اسلحوں سے ناحق حملہ کر کے وہاں کے بہت سارے معصوم و بے گناہ لوگوں کا ناجائز خون اور عراق کی قدرتی دولت پٹرول پر ناجائز تسلط کا حصول ہے، اور اسرائیل کی دہشت گردی کے لیے بس یہی ایک دلیل کافی ہے کہ وہ پوری دنیا کی مخالفت کے باوجود فلسطین کی سرزمین پر ناجائز قبضہ کر کے مظلوم مسلمانوں کا قتل وخوں ریزی کر رہا ہے!!!

اب ذرا ایک نظر دیگر اقوام اور اہلِ اسلام کی جنگوں پر دوڑائیں. پھر ہم آپ سے آپ کا فیصلہ سننا چاہیں گے کہ دہشت گردی کرنے والا اور دہشت گردی کو جنم دینے والا کون ہے، جہاد کے ذریعہ مظلوموں و بے کسوں کے حقوق دلانے والا اسلام یا مظلومین کے حقوق پامال کر کے اپنے ملکوں سے جدید اسلحوں کو لے کر دہشت گردی کے خاتمہ کے بہانے نکلنے والے بزعم خویش مظلوموں کے مسیحا لوگ؟

رسولِ اکرم ﷺ جہاد کرنے والے مسلمانوں کو جہاد کے میدان میں جانے سے قبل یہ نصیحت کرتے تھے کہ دیکھو! جنگ کے دوران درویشوں کو قتل مت کرنا اور کسی عمارت (گرجا وغیرہ) کو منہدم نہ کرنا. لیکن عہدِ نبوی کی مہذب اقوام قیصر وکسریٰ کا حال یہ تھا کہ ۶۱۳ء میں ایرانی بادشاہ خسرو پرویز نے قیصرِ روم ہرقل کو شکست دی تو مفتوحہ علاقے میں تمام مسیحی عبادت خانے مسمار کر دیے اور (۶۰) ہزار غیر مقاتلین (عورتوں، بچوں اور بوڑھوں) کو تہ تیغ کر دیا، جن میں سے (۳۰) ہزار مقتولوں کے سروں سے شہنشاہِ ایران کا محل سجایا گیا[۱۲].

رسولِ اکرم ﷺ نے جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا تھا جیسا کہ بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک جنگ کے دوران ایک مقتول عورت

---

(۱۲) غزوات مقدس ص ۲۵۷.

پائی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا(۱۳).

ایک حدیث میں ہے:

''وَلاَ تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا وَلاَ طِفْلاً وَلاَ صَغِيرًا وَلاَ امْرَأَةً''.

''بوڑھوں، بچوں، چھوٹوں اور عورتوں کو قتل مت کرو''(۱۴).

لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادیٔ ہند میں انگریزوں نے انتہائی سنگدلی و بے دردی کے ساتھ عورتوں اور بچوں کو قتل کیا. اس جنگ میں (۲۷) ہزار اہلِ اسلام نے پھانسی پائی، سات دن برابر قتل عام ہوتا رہا جس کا کوئی حساب نہیں، بچوں تک کو مار ڈالا گیا، عورتوں سے جو سلوک کیا گیا وہ بیان سے باہر ہے، اس کے تصور سے ہی دل دہل جاتا ہے''(۱۵).

۱۱۹۳ء میں والیٔ قرطبہ ابو یوسف یعقوب بن منصور نے طلیطلہ کا محاصرہ کیا جس پر ایک عیسائی شہزادی حکومت کر رہی تھی. شہزادی نے ابو یوسف کو پیغام بھجوایا کہ عورتوں پر حملہ کرنا بہادروں کا شیوہ نہیں. ابو یوسف نے شہزادی کو سلام بھجوایا اور محاصرہ فوراً اٹھا لیا(۱۶) لیکن ترقی یافتہ یورپ کے مہذب جرنیلوں کا نظریہ یہ ہے کہ ''گولہ باری کے وقت محصورین میں عورتوں اور بچوں اور دوسرے غیر مقاتلین کا موجود ہونا ہی جنگی نقطۂ نظر سے مطلوب ہے، کیوں کہ صرف اسی صورت میں محاصر فوج محصورین کو خوف زدہ کر کے ہتھیار ڈالنے پر جلدی سے جلدی مجبور کر سکتی ہے''(۱۷).

رسول اکرم ﷺ نے مزدور وغیر مقاتل وغیرہ کو جنگ کے دوران قتل کرنے سے منع فرمایا

---

(۱۳) بخاری: الجهاد/ قتل النساء فی.. (۳۰۱۵)، مسلم: الجهاد/ تحریم قتل النساء.. (۱۷۴٤).

(۱٤) أبوداود: کتاب الجهاد (٤/ ٢٦). یہ روایت گرچہ ضعیف ہے مگر اس کی تائید صحیح احادیث سے ہوتی ہے.

(۱۵) تاریخ ندوۃ العلماء، از مولوی محمد جلیس رحمہ اللہ (۱/۴).

(۱٦) یورپ پر اسلام کے احسان (ص ۱۳۰).

(۱۷) الجهاد فی الإسلام: (ص ۵۷۰).

ہے. حضرت رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے. آپ نے کچھ لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا دیکھ کر ایک آدمی کو حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا. اس نے آ کر خبر دی کہ لوگ ایک عورت کی لاش کے پاس جمع ہیں.

آپ ﷺ نے (ناراض ہو کر) فرمایا:

''عورت تو قتال نہیں کر رہی تھی (تو پھر کیوں قتل کی گئی)؟''.

پھر آپ ﷺ نے فوج کے سپہ سالار خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک آدمی سے یہ پیغام بھجوایا:

''قُلْ لِخَالِدٍ لَا يَقْتُلَنَّ امْرَأَةً وَلَا عَسِيفًا''.

''جا کر خالد کو کہہ دو کہ عورت اور مزدور (غیر مقاتلین) کو ہرگز قتل نہ کرے''(۱۸).

لیکن یورپ کے مہذب جرنیلوں نے جنگِ عظیم دوم میں جدید تہذیب وتمدن کے تین بڑے علم برداروں (امریکہ کے ٹرومین، برطانیہ کے چرچل اور روس کے سٹالن) نے جاپان کا سلسلۂ فتوحات روکنے کے لیے ایک اجلاس میں متفقہ طور پر جاپان کی شہری آبادی کو ایٹم بم کا نشانہ بنانے کا فیصلہ کیا. چنانچہ ۶/اگست ۱۹۴۵ء کو ہیروشیما اور ۹/اگست ۱۹۴۵ء کو ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر ڈیڑھ لاکھ غیر مقاتلین کی شہری آبادی کو آنِ واحد میں صفحہ ہستی سے مٹا دیا(۱۹).

رسول اکرم ﷺ نے جنگ شروع کرنے سے قبل کفار کو اسلام کی طرف دعوت دینے کی تاکید کی ہے. اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ٹھیک، ورنہ جزیہ دینا لازم ہے. لیکن اسلام قبول کرنے کے لیے ان پر جبر واکراہ سے منع فرمایا ہے، خود قرآن میں ہے: ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ (دین میں کوئی زور وزبردستی نہیں). مگر ایک مرتبہ کسی جنگ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے غلط فہمی کے سبب کچھ لوگ مارے گئے تو رسول اکرم ﷺ نے اس بات کو سخت ناپسند کیا. بخاری ومسلم میں عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بنو جذیمہ کی طرف خالد بن ولید کو (ایک فوج

(۱۸) [حسن صحیح] أبو داود: الجهاد/ في قتل النساء (۲۶۶۹).

(۱۹) ماہنامہ قومی ڈائجسٹ، لاہور، جولائی ۱۹۹۵ء.

کا سپہ سالار بنا کر) روانہ کیا.حضرت خالد نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو وہ لوگ ''صَبَأْنَا صَبَأْنَا'' کہنے لگے.(جس کا ظاہری مفہوم ہے کہ ہم بے دین ہو گئے.یعنی ہم لوگ ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہو گئے.مگر حضرت خالد حقیقت نہیں سمجھ سکے اور ان کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے) چنانچہ خالد بن ولید انہیں قتل کرنے لگے اور گرفتار کرنے لگے اور ہم میں سے ہر آدمی کو قیدی عطا کیا.دوسرے دن خالد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ہر آدمی اپنا اپنا قیدی ذبح کر دے. میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کر سکتا اور نہ ہی میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنا قیدی قتل کرے گا. جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے اس بات کا تذکرہ کیا.

نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر اپنا ہاتھ اٹھایا اور کہنے لگے:

''اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ''.

''اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بری الذمہ ہوں''(۲۰).

بعد میں رسول اکرم ﷺ نے مقتولین کی دیت اور ان کے نقصان کا معاوضہ ادا فرمایا.

لیکن مذہبی جبر کی یہ داستان بھی سنیں کہ ''۳۰۳ء میں شہنشاہ روم ڈریوکلیٹیان نے اپنی مملکت سے عیسائیت ختم کرنے کے لیے حکم جاری کیا کہ تمام کلیسا مسمار کر دیے جائیں، انجیلیں جلا دی جائیں، کلیساؤں کے اوقاف ضبط کر لیے جائیں، جو شخص مسیحی مذہب پر اصرار کرے اسے قتل کر دیا جائے.اس حکم کے باوجود جن عیسائیوں نے عیسائیت ترک کرنے سے انکار کیا، ان کے بدن زخمی کر کے ان پر سرکہ اور نمک ڈالا جاتا، بعد میں ان کی بوٹی بوٹی کاٹی جاتی، بعض اوقات ان کو عبادت گاہوں میں بند کر کے آگ لگا دی جاتی، زیادہ لطف اٹھانے کے لیے ایک ایک عیسائی کو پکڑ کر دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا جاتا، یا لوہے کے کانٹے اس

(۲۰) بخاري: المغازي/ بعث ﷺ خالد بن الوليد إلى بني جذيمة (٤٣٣٩).

کے بدن میں بھونکے جاتے،،(۲۱).

،،حمیر (یمن) کا بادشاہ تُبان اسعد ابو کرَب ایک مرتبہ یثرب گیا جہاں یہودیوں سے متاثر ہو کر اس نے دین یہود قبول کر لیا اور بنی قریظہ کے دو یہودی عالموں کو اپنے ساتھ یمن لے گیا. وہاں اس نے بڑے پیمانے پر یہودیت کی اشاعت کی. اس کا بیٹا ذونواس اس کا جانشین ہوا اور اس نے اکتوبر ۵۲۳ء میں نجران پر جو جنوبی عرب میں عیسائیوں کا گڑھ تھا، حملہ کیا تا کہ وہاں سے عیسائیت کا خاتمہ کر دے اور وہاں کے باشندوں کو یہودیت اختیار کرنے پر مجبور کرے. عیسائیوں نے یہودیت اختیار کرنے سے انکار کیا تو ذونواس (یمن کا بادشاہ) نے نجران کے حکم حارثہ کو جسے سُریانی مورخین Arethas لکھتے ہیں، قتل کیا. اس کی بیوی رومہ کے سامنے اس کی دو بیٹیوں کو مار ڈالا اور اسے ان کا خون پینے پر مجبور کیا، پھر اسے بھی قتل کر دیا. اُسقف پال (Paul) کی ہڈیاں قبر سے نکال کر جلا دیں اور آگ سے بھرے ہوئے گڑھوں میں عورت، مرد، بچے، بوڑھے، پادری، راہب سب کو پھکوا دیا. مجموعی طور پر (۲۰) سے چالیس ہزار تک مقتولین کی تعداد بیان کی جاتی ہے،،(۲۲).

۱۴۹۲ء میں اسپین سے مسلمانوں کی حکومت ختم ہوئی تو صرف آٹھ برسوں کی قلیل مدت میں وہاں کی عیسائی حکومت نے مسلمانوں سے اسلام چھڑانے کی مہم شروع کر دی. اسپین کے ساڑھے تین لاکھ سرکردہ مسلمانوں کو ایک مذہبی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا. عدالت نے اٹھائیس ہزار پانچ سو چالیس (۲۸۵۴۰) مسلمانوں کو موت کی سزا سنائی اور بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) مسلمانوں کو زندہ جلانے کا حکم دیا. مسلمانوں کی سیکڑوں لائبریریاں جن میں لاکھوں کتابیں تھیں، نذرِ آتش کر دیں. بالآخر ۱۶۱۰ء میں تمام مسلمانوں کو ترکِ وطن کا حکم دے دیا گیا. ڈیڑھ لاکھ عربوں کا ایک قافلہ بندرگاہ کی طرف جا رہا تھا کہ بلیڈا نامی ایک پادری نے غنڈوں کو ساتھ ملا

---

(۲۱) الجهاد في الإسلام از مودودی (ص ۴۴۸).

(۲۲) تلخیص از تفہیم القرآن (۶/۲۹۷ - ۲۹۸) تفسیر سورۃ البروج.

کر قافلہ پر حملہ کر دیا اور ایک لاکھ مسلمان قتل کر ڈالے. اس کے بعد مسلمانوں کے گھروں، گلیوں اور بازاروں میں قاتلانہ حملے شروع ہو گئے، حتیٰ کہ ۱۶۳۰ء تک ایک بھی مسلمان اسپین میں باقی نہ رہا''۔(۲۳)

مندرجہ بالا مثالوں میں درندگی، سفاکی، قتل وخوں ریزی، غارت گری اور غنڈہ گردی کا محرک جذبہ مذہبی جبر واکراہ ہی ہے اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ یہ گھناؤنا جرم ان لوگوں کا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے جہاد جیسے پاکیزہ عمل کو دہشت گردی ثابت کرنے کی دن رات بے جا کوشش میں لگے ہیں، جن کے بارے میں شروع سے لے کر آج تک تاریخ یہی بتاتی ہے کہ اس روئے زمین پر یہ پہلے بھی دہشت گردی مچائے ہیں اور آج بھی دہشت گردی ان کی رگ رگ میں سرایت کی ہوئی ہے!!

ذرا اور پڑھئے!!

رسولِ اکرم ﷺ نے جنگ میں عمارت منہدم کرنے، کلیساؤں اور عبادت گاہوں کو مسمار کرنے، کھیتوں کو برباد کرنے اور درختوں کو کاٹنے سے منع فرمایا ہے. لیکن اس کے برعکس دیگر اقوام کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب ۵۴۰ء میں نوشیروان نے شام پر چڑھائی کی تو اس کے دارالحکومت انطاکیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، باشندوں کا قتل عام کیا، عمارتوں کو مسمار کیا، جب اس سے بھی تسکین نہ ہوئی تو شہر میں آگ لگوا دی(۲۴). ''مارچ ۱۹۹۲ء میں بوسنیا کے مسلمان شہریوں نے ریفرنڈم کے ذریعہ آزادی کا فیصلہ کیا تو متعصب سرب عیسائیوں نے بوسنوی مسلمانوں پر جو ظلم وستم کیے وہ تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے. مسلمانوں کے سینوں پر خنجروں سے صلیب کے نشان بنائے گئے، بچوں کو ذبح کر کے ماں باپ کو ان کا خون پینے پر

---

(۲۳) یورپ پر اسلام کے احسان (ص ۸۷، ۸۸) از ڈاکٹر غلام جیلانی برق.

(۲٤) الجهاد فی الإسلام (ص ۲۱۲).

مجبور کیا گیا، زندہ انسانوں کے جسموں سے خنجروں کے ساتھ کھال اتاری گئی، بستیوں اور دیہاتوں کو نذر آتش کیا گیا، کھیتیوں کو برباد کیا گیا وغیرہ وغیرہ''(۲۵)۔

رسولِ اکرم ﷺ جنگ میں صلح کو پسند فرماتے تھے اور سپہ سالاروں کو تاکید کرتے تھے کہ اگر کوئی تم سے صلح پر آمادگی کا اظہار کرے تو صلح کرلو. کیوں کہ اسلام امن پسند اور صلح و آشتی کا مذہب ہے، اس کی مثالیں تاریخ اسلامی کے صفحات میں بھری پڑی ہیں. صلح حدیبیہ کے مشہور واقعہ کا تذکرہ غیر مسلموں کی کتابوں میں بھی بہت کیا جاتا ہے. لیکن ذرا اس معاملہ میں غیر اقوام کا رویہ بھی پڑھو:

۶۱۳ء میں شہنشاہِ ایران خسرو پرویز نے قیصر روم ہرقل کو شکست دی تو ہرقل نے صلح کی درخواست کے لیے اپنا ایک وفد خسرو کے پاس بھیجا. خسرو نے سربراہِ وفد کی جیتے جی کھال کھنچوا دی اور باقی ارکانِ وفد کو قید کر دیا اور صلح کی پیش کش کے جواب میں جو خط لکھا اس کا سرنامہ یہ تھا:

''خسرو خداوند بزرگ، فرمانروائے عالم کی جانب سے اس کے احمق اور کمینہ غلام ہرقل کے نام''(۲۶)۔

خسرو پرویز نے صلح کے لیے جو شرائط مقرر کیں وہ یہ تھیں:

''ڈھائی لاکھ پونڈ سونا، ڈھائی لاکھ پونڈ چاندی، ایک ہزار ریشمی تھان، ایک ہزار گھوڑے کے ساتھ ایک ہزار کنواری لڑکیاں، ہرقل ادا کرے گا. ہرقل نے یہ سب کچھ دینا منظور کر لیا تو خسرو نے مزید مطالبہ یہ کیا کہ ہرقل زنجیروں میں جکڑا ہوا میرے تخت کے نیچے ہونا چاہئے اور میں اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک شہنشاہِ روم اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر سورج دیوتا

---

(۲۵) مجلّہ الدعوۃ لاہور، اگست ۱۹۹۲ء، ہفت روزہ تکبیر کراچی ۱۵ر جولائی ۱۹۹۳ء، ہفت روزہ زندگی، لاہور ۱۳ر نومبر ۱۹۹۳ء.

(۲۶) الجهاد فی الإسلام ص ۲۰۹.

کے آگے سر نہ جھکائے''(۲۷).

اندازہ کریں کہ صلح کے بین الاقوامی اصول کی دیگر اقوام نے کس طرح دھجیاں اڑائی ہیں؟!

نبی کریم ﷺ معاہدہ کو بہت اہمیت دیتے تھے. اگر جانبین میں کسی بات پر معاہدہ ہو جاتا تو کسی بھی قیمت پر آپ ﷺ اپنے کیے گئے معاہدہ سے پھر نہیں سکتے تھے. جنگ میں بھی یہ موقع آیا اور آپ نے دشمن سے کیے گئے معاہدے پر عمل کیا؛ بلکہ صلح حدیبیہ میں تو ابھی عہد نامہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ ابو جندل رضی اللہ عنہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے آگئے اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا. لیکن سہیل جو کفار کی طرف سے معاہدہ کرنے آیا تھا، اس نے کہا کہ جب تک ابو جندل واپس نہیں ہو جاتا، معاہدہ مکمل نہیں ہوگا. رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ابھی تو نوشتہ مکمل نہیں ہوا ہے''.

لیکن جب سہیل نے آپ ﷺ کی بات نہ سنی، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''ابو جندل! صبر کرو اور اسے باعثِ ثواب سمجھو، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور تمہارے جو دوسرے کمزور مسلمان ہیں ان سب کے لیے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا. ہم نے قریش سے صلح کر لی ہے اور ہم نے ان کو اور انہوں نے ہم کو اس پر اللہ کا عہد دے رکھا ہے، اس لیے ہم بد عہدی نہیں کر سکتے''(۲۸).

اس کے برعکس دوسری اقوام کے سپہ سالاروں کو دیکھو کہ انہوں نے معاہدہ پر دستخط کرنے کے باوجود کس قدر عہد شکنی کی اور انسانیت کا خون کیا؟!

''پہلی مرتبہ ۱۸۶۸ء میں جنیوا اور دوسری مرتبہ ۱۸۷۴ء میں بروسلز کانفرنس میں یورپ کی مہذب ترین حکومتوں میں یہ طے پایا کہ جنگ میں آتش گیر مادہ اور زہریلی گیس استعمال نہیں

(۲۷) غزوات مقدس، ص ۲۵۸.

(۲۸) الرحیق المختوم اردو (ص ۴۶۷)، طبع الدار السلفیۃ پاکستان.

کی جائے گی. لیکن جنگ عظیم دوم [۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء] میں ہٹلر نے سات لاکھ انسان گیس چیمبروں کے ذریعہ ہلاک کر کے اس قانون کے پرخچے اڑا دیے. اگست ۱۸۶۴ء میں یورپ کی تمام حکومتوں نے ایک سمجھوتے پر دستخط کیے جس کے مطابق فوجی ہسپتالوں کا عملہ غیر جانبدار قرار دیا گیا اور بیماروں اور زخمیوں کے علاج میں مزاحمت کو ناجائز قرار دیا گیا. لیکن جنگ عظیم اول [۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء] میں فریقین نے ایک دوسرے کے ہسپتالی جہاز بڑی آزادی سے غرق کر کے اس قانون کی دھجیاں اڑا دیں''(۲۹).

کوئی کہاں تک دیگر اقوام کی جنگوں اور رسول اللہ ﷺ یا آپ کے پیروکاروں کی جنگوں کے درمیان مقارنہ پیش کرے؟ ایک دو باتوں میں فرق ہو تو بتلایا جائے، یہاں تو دیگر اقوام اور مسلمانوں کی جنگوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جاتا ہے یا موجودہ دور میں دیکھا جاتا ہے تو ہر جگہ اور قدم قدم پہ مسلمانوں کا تفوق ظاہر ہوتا ہے. پھر اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گردی سے جوڑنا اور دیگر اقوام کی خونریزیوں اور ناجائز جنگوں سے چشم پوشی کرنا کہاں کا انصاف ہے؟! جب کہ رسول اکرم ﷺ نے مرتے دم تک دہشت گردوں کا جم کر مقابلہ کیا ہے اور جب بھی دہشت گردی نے سر اٹھانے کی کوشش کی، آپ ﷺ نے خود اس کی سرکوبی کی ہے اور اپنے متبعین کو بھی اس کی تعلیم دی ہے!!

(۲۹) تفصیل کے لیے دیکھیں: الجهاد في الإسلام، باب ہفتم ''جنگ تہذیب جدید میں''.

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل جانی دشمنوں کے ساتھ

رسول اکرم ﷺ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے اپنی پوری زندگی میں اپنی ذات کے لیے کبھی بھی کسی سے انتقام نہیں لیا. جب آپ ﷺ نے انتہائی بے سروسامانی کے ایام میں نبوت کا اعلان کیا تو اگر چہ آپ اعدائے اسلام کے بہ نسبت کمزور وکم تعداد تھے لیکن آپ کے خاندان کا رعب ودبدبہ پورے عالم عرب پر عیاں تھا. آپ کا خاندان پورے عالم کے بائیکاٹ کے باوجود آپ کا ساتھ دینے کو تیار تھا بلکہ آپ کی جان کی حفاظت میں آپ کی پشت پناہی کر رہا تھا اور اس کی سب سے واضح مثال شعب اَبی طالب میں بنو ہاشم کا تین سالوں تک محصور رہنا ہے جو قریش مکہ کے ظلم وستم اور بے پناہ دباؤ کے سامنے آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے تھے اور رسول اکرم ﷺ کا ساتھ دیا تھا؛ بلکہ ایک مرتبہ جب ابوجہل اور اس کے ہمنوا ساتھیوں نے رسول اکرم ﷺ کو قتل کر دینا چاہا تو ابو طالب بنو ہاشم اور بنو مطلب کے نوجوانوں کو اکٹھا کر کے حرم شریف میں تشریف لائے اور ابوجہل کو برسرعام مرنے مارنے کی دھمکی دی. یہ اور بات ہے کہ بہت دنوں تک آپ کے خاندان کی اکثریت کفر وشرک کی دلدل میں پھنسی رہی اور بہت سوں کی موت مشرکانہ عقائد پر ہی ہوئی. اگر اس وقت بھی آپ اپنے دشمنوں کو سزا دینا چاہتے تو آپ کو اچھا خاصا تعاون حاصل تھا لیکن آپ نے عفو ودرگذر ہی کو اپنا بوریا بستر بنائے رکھا اور "وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ" کی عملی تصویر بنے رہے.

پھر جب مکہ کی سرزمین پر آپ کی زندگی ظالم وجابر رؤسا کی لال پیلی زہریلی آنکھوں میں کانٹوں کی طرح چبھنے لگی تو انہوں نے آپ پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا اور اللہ کی پوری زمین اپنی کشادگی کے باوجود آپ پر تنگ کر دی گئی؛ چنانچہ آپ نے اپنے ہی دیار کو خیر باد کہہ کر صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے مکہ سے مدینہ تک تقریباً پانچ سو کیلو میٹر کی مسافت پا پیادہ چل کر طے

کی اور مکہ میں تیرہ سال گزارنے کے بعد مدینہ میں جلوہ افروز ہو گئے.

مدینہ میں کشاں کشاں اسلام پھیلتا گیا اور اسلام کا تخم نہایت ہی تیزی کے ساتھ تناور ہو گیا اور ۲/ ہجری میں جنگ بدر میں مکہ سے کبر ونخوت کے ساتھ اسلام کو جڑ سے مٹانے کے لیے آنے والے کفار ومشرکین کے ستر جرنیل وبہادر آپ کی جماعت کی بھینٹ چڑھ گئے اور ستر گرفتار ہو کر انتہائی ذلت ورسوائی کے عالم میں مدینہ کے قید خانے میں پہنچے، اس سے کفار ومشرکین کی ایسی کمر ٹوٹی کہ پھر اس کے بعد سر اٹھا کر چلنے کی انہیں جرأت نہیں ہوئی اور ادھر آپ ﷺ کی جماعت نہایت نظم ونسق کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے ایک اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالنے میں کامیاب ہو گئی، اور بہت ہی قلیل مدت میں عرب وعجم ان کا سرنگوں ہو گیا، پھر جسے دیکھو محمد کی تعلیم کے مطابق اپنی زندگی گزارنے میں فخر محسوس کرتے نظر آنے لگا.
لیکن ایسی رعب ودبدبہ والی مضبوط ومستحکم سلطنت کے باوجود بھی آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں سے اپنے نفس کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا؛ بلکہ اپنے ساتھ نازیبا گستاخیاں کرنے والوں اور ایذا رسانیوں میں حد سے تجاوز کرنے والوں کو آپ نے ہمیشہ عفو ودرگذر کا مژدہ سنایا اور اسلام کی تبلیغ واشاعت میں ساری مصیبتوں اور تکلیفوں کو تریاق سمجھ کر پی لیا.

آپ نے سیرت وتاریخ کی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں بہت سارے واقعات پڑھے ہوں گے کہ آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کو کیسے کیسے موقعوں پر معاف کر دیا اور رہتی دنیا تک کے لیے ایک عظیم الشان مثال قائم کر دی کہ آپ جیسا دشمنوں کے ساتھ سلوک کرنے والا نہ تو کبھی دیکھا گیا اور نہ ہی اس روئے زمین کو آپ جیسا عظیم اور محسن انسان دیکھنے کو ملا. آخر وہ منظر تو آپ کو یاد ہوگا کہ جب رسول اکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ ہجرت کے لیے نکلیں تو ہبار بن اسود نے ان کے اونٹ کو بدکایا جس سے وہ گر پڑیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا، مگر اس دشمن کو بھی رسول اکرم ﷺ نے معاف کر دیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے وحشی اور ان کا کلیجہ چبانے والی عورت کے لیے بھی آپ نے معافی کا

پروانہ جاری کر دیا. مزید اس سلسلہ میں چند مثالیں آپ کے پیش خدمت ہیں:

☆ کوہ صفا پر ابو جہل کا پتھر کھا کر سر سے رستے ہوئے خون کی حالت میں چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ:

نبوت کے چھٹے سال کا ذکر ہے کہ ایک روز نبی کریم ﷺ کوہ صفا پر بیٹھے ہوئے تھے، ابو جہل کا وہاں سے گزر ہوا، اس نے آپ ﷺ کو گالیاں دیں اور تکلیف دہ باتیں سنائیں، آپ ﷺ اس سے بات کیے بغیر گالیاں سن کر چپ چاپ رہے. اس نے ایک پتھر اٹھا کر آپ کے سر پر دے مارا جس سے آپ کا سر پھٹ گیا اور خون ٹپکنے لگا، پھر ابو جہل واپس ہو گیا اور کعبہ کے پاس قریش کی مجلس میں آ کر بیٹھ گیا. عبداللہ بن جدعان کی ایک لونڈی جس کا گھر صفا پر ہی تھا، یہ سارا کھیل دیکھ رہی تھی. اتنے میں وہاں سے آپ ﷺ کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا جو شکار کھیل کر کمان لٹکائے ہوئے واپس آ رہے تھے. لونڈی نے ان سے وہ کچھ بتا دیا جو کہ اس نے ابو جہل کا رویہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ دیکھا تھا. امیر حمزہ یہ سن کر آگ بگولہ ہو گئے، اس وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے. قرابت کے جوش میں ابو جہل کے پاس پہنچے اور گویا ہوئے:

"يَا مُصْفِرَّ إِسْتِهِ، تَشْتُمُ ابْنَ أَخِي وَأَنَا عَلَى دِينِهِ؟".

"اُوسرین پر خوشبو لگانے والے بزدل! تو میرے بھتیجے کو گالی دیتا ہے حالانکہ میں اسی کے دین پر ہوں".

پھر اس کے سر پر اس قدر زور سے کھینچ کر کمان ماری کہ وہ زخمی ہو گیا. پھر حمزہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور کہا: بھتیجے! خوش ہو جاؤ میں نے ابو جہل سے تمہارا بدلہ لے لیا ہے. نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "چچا جان! مجھے ایسی باتوں سے خوشی نہیں ہوتی، کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے تو آپ کا یہ بھتیجا بہت خوش ہوتا".

حمزہ رضی اللہ عنہ کی حمیت جاگ اٹھی اور انہوں نے اسی وقت قلادۂ اسلام کو گلے سے لگا کر مسلمانوں کی فہرست میں اپنا نام درج کرالیا(۱).

دیکھا آپ نے! نبی کریم ﷺ نے اپنے جانی دشمن سے امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے بدلہ لینے پر تو خوشی کا اظہار نہیں کیا؛ البتہ پیارے چچا کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ کیا ہی اچھا ہوتا آپ مسلمان ہو جاتے اور پھر حمزہ رضی اللہ عنہ کو دائرہ اسلام میں داخل کر کے ہمیشہ کے لیے ان کی خاطر اللہ کی جانب سے جنت کا پروانہ جاری کر دیا.

☆ سوق ذی المجاز میں پتھر کھاتے ہوئے:

طارق بن عبداللہ محاربی کوفی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو سوق ذی المجاز میں دیکھا، اس وقت میں وہاں سامان فروختنی میں لگا ہوا تھا، اتنے میں آپ ﷺ کا گزر ہوا، آپ ﷺ ایک لال جبہ پہنے ہوئے تھے اور بآواز بلند یہ پکار رہے تھے:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ! قُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تُفْلِحُوا".

"اے لوگو! لا إلہ إلا اللہ کہو فلاح پا جاؤ گے".

ایک آدمی آپ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا جس نے پتھر مار مار کر آپ کے ٹخنوں اور پنڈلیوں کو خون آلود کر دیا تھا اور یہ کہہ رہا تھا:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ! لَا تُطِيعُوهُ فَإِنَّهُ كَذَّابٌ".

"اے لوگو! تم اس کی پیروی نہ کرو کیوں کہ یہ جھوٹا ہے".

طارق بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے (رسول اللہ ﷺ کے بارے میں) پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا: یہ عبدالمطلب کا پوتا ہے. پھر میں نے پوچھا: یہ کون ہے جو اس کو پیچھے پیچھے پتھر یہ پتھر مارے جا رہا ہے؟ لوگوں نے بتایا: اس کا چچا عبدالعزی ابولہب ہے(۲).

(۱) رحمة للعالمين: (۱/۶۳)، سيرة ابن هشام: (۱/۱۶۸)، الرحيق المختوم: (۹۹).
(۲) اس کی سند متصل ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں، دیکھئے: کتاب المغازی (ص۱۱۲)، ابن ابی شیبہ.

ذرا تصور کریں کہ اس وقت کیا منظر ہو گا؟ لوگ چاروں طرف سے دیکھ رہے ہوں گے، بائع ومشتری اور ان کے علاوہ بازار میں آنے والے دیگر لوگ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے پیچھے پیچھے پتھروں کی بارش کرنے والے ظالم وبدبخت ابولہب کے رویہ کا عین الیقین سے مشاہدہ کر رہے ہوں گے، عورتیں اور لونڈیاں اپنے گھروں کی کھڑکیوں سے جھانک جھانک کر یہ حیرت ناک سین دیکھ رہی ہوں گی اور نہ جاننے والے ایک دوسرے سے اس رحمۃ للعالمین اور آپ کے پیچھے پتھر برسانے والے بدبخت ابولہب کے متعلق استفسار کر رہے ہوں گے، مگر ادھر آمنہ کا جگر، عبداللہ کا شہزادہ، ابوطالب کا لاڈلہ، عبدالمطلب کا پوتا، آسمان کا تارہ، زمین کا دلارا، یتیموں کا والی، بیواؤں کا ماویٰ اور عرب وعجم کا سردار اللہ کا پیغام پہنچانے کی خاطر اپنے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتا ہے اور پتھر پہ پتھر کھاتے ہوئے لا إلہ إلاّ اللہ کا آوازہ بلند کر رہا ہے اور جہنم سے چھٹکارے کے لیے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ پروانہ بانٹنے میں مگن ہے!! پتھر مارنے والے ظالم کا جواب دینا تو کجا، مڑ کر دیکھنا بھی گوارہ نہیں کر رہا ہے!!

☆ ظلم وستم کا پہاڑ توڑنے والے اہل طائف کے ساتھ:

جب ابوطالب کا انتقال ہو گیا اور قریش کی ایذا رسانی شدت اختیار کر گئی تو نبوت کے دسویں سال ماہ شوال یعنی ۶۱۹ء مئی یا جون کے آخر میں نبی کریم ﷺ نے ۸۸ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع طائف کا رخ کیا، اس امید میں کہ شاید وہاں لوگ اسلام قبول کر لیں. یہ سفر آپ ﷺ نے اپنے غلام زید بن حارثہ کے ساتھ پاپیادہ طے کیا اور راستہ میں جس قبیلہ سے بھی آپ کا گزر ہوا وہاں کے باشندگان کو آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی لیکن کسی بھی قبیلہ کا ایک آدمی بھی آپ ﷺ کی دعوت قبول نہیں کیا. طائف پہنچ کر آپ ﷺ قبیلۂ ثقیف کے تین رؤساء عبد یالیل، مسعود اور حبیب کے پاس پہنچے جو تینوں بھائی اور عمرو بن عمیر ثقفی کے بیٹے تھے. آپ ﷺ نے ان کے پاس بیٹھ کر انہیں اسلام کی دعوت پیش کی. ان میں سے ایک نے

کہا: ''کعبہ کا غلاف چاک کروں، اگر اللہ نے تمہیں رسول بنایا ہو''. دوسرے نے کہا: ''اللہ کو تیرے سوا کوئی اور نہیں ملا جسے چڑھنے کی سواری میسر نہیں، اللہ کو رسول ہی بنانا تھا تو کسی حاکم یا سردار کو بنایا ہوتا''. تیسرے نے کہا: ''میں تجھ سے کبھی بات ہی نہیں کروں گا، کیوں کہ اگر تو اللہ کا رسول ہے تب تو یہ خطرناک بات ہے کہ میں تیری بات کا انکار کروں اور اگر تو اللہ پر کذب بیانی سے کام لے رہا ہے تو میری شایان شان نہیں کہ تجھ جیسے آدمی سے کلام کروں''.

نبی کریم ﷺ نے ان کا جواب سن کر فرمایا:

''تم نے جو سمجھا وہ کہا لیکن میری گذارش ہے کہ تم اپنے خیالات اپنے ہی پاس رکھو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خیالات دوسرے لوگوں کی گمراہی کا سبب ٹھہریں''.

نبی کریم ﷺ نے باشندگان طائف کے درمیان دس روز تک قیام کیا اور اس مدت میں آپ ﷺ نے وہاں کے تمام رؤساء و شرفاء کے پاس پہنچ کر انہیں اسلام کی دعوت پیش کی. انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور کہنے لگے: اب تم ہمارے شہر سے نکل جاؤ. پھر ان ظالموں نے اپنے سفہاء اور غلاموں کو آپ ﷺ کے خلاف ورغلا دیا. جب آپ ﷺ طائف سے نکلنے لگے تو یہ سفہاء و غلام اور اوباش آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے گالیاں دینے، آوازیں کسنے اور تالیاں بجانے لگے؛ یہاں تک کہ ایک جگہ سبھوں نے اکٹھا ہو کر چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا اور آپ پر پتھروں اور گالیوں کی بوچھاڑ کرنے لگے اور اس قدر پتھراؤ کیا کہ آپ کا لہو تر بتر ہو گیا. پنڈلیاں بری طرح زخمی ہو گئیں، خون بہہ بہہ کر جوتا میں جم گیا. زید بن حارثہ آپ کو بچا رہے تھے، ان کا بھی سر پھوٹ گیا، لیکن ان وحشیوں کو پھر بھی رحم نہیں آیا. وہ مسلسل یہ ظالمانہ حرکت کرتے رہے. تاریخی روایات کے مطابق جب آپ ﷺ مار کھاتے کھاتے تھک کر چور ہو جاتے تو کہیں بیٹھ جاتے، لیکن یہ اوباش گریبان میں ہاتھ ڈال کر آپ ﷺ کو اٹھا دیتے اور پھر گالیوں اور پتھروں کی بوچھاڑ کرنے لگتے. انہوں نے آپ ﷺ کو عتبہ و شیبہ فرزندانِ ربیعہ

کے ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا. یہ باغ طائف سے تین میل کے فاصلہ پر تھا، اس کے بعد اوباشوں کی یہ بھیڑ واپس چلی گئی. آپ ﷺ مار کھا کھا کر چور ہو چکے تھے(۳)، وہاں انگور کے بیلوں کی چھاؤں میں ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، جب آپ کو قدرے اطمینان ہوا تو آپ نے یہ دردناک دعا کی جو دعائے مستضعفین کے نام سے مشہور ہے:

''اللَّهُمَّ إِلَيْکَ أَشْكُو ضَعْفَ قُوَّتِي وَقِلَّةَ حِيلَتِي وَهَوَانِي عَلَى النَّاسِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِينَ وَأَنْتَ رَبِّي، إِلَى مَنْ تَكِلُنِي؟ إِلَى بَعِيدٍ يَتَجَهَّمُنِي أَمْ إِلَى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهُ أَمْرِي؟ إِنْ لَمْ يَكُنْ بِکَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلاَ أُبَالِي، وَلَكِنْ عَافِيَتُکَ هِيَ أَوْسَعُ لِي، أَعُوذُ بِنُورِ وَجْهِکَ الَّذِي أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ مِنْ أَنْ تَنْزِلَ بِي غَضَبُکَ أَوْ يَحُلَّ عَلَيَّ سَخَطُکَ لَکَ الْعُتْبَى حَتَّى تَرْضَى، وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلَّا بِکَ''.

''بار الٰہا! میں تجھ سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں، یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے، تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں؛ لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے. میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو گئیں اور جس پر دنیا وآخرت کے معاملات دُرست ہوئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے، یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو، تیری ہی رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں''۔ [الرحیق المختوم: ۱۲۵، عربی نسخہ]

(۳) اسی سفر میں ایک دفعہ وعظ کرتے ہوئے اللہ کے رسول کو اتنی چوٹیں لگیں کہ آپ ﷺ بیہوش ہو کر گر پڑے. حضرت زید رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اپنی پیٹھ پر اٹھایا، آبادی سے باہر لے گئے، پانی کے چھینٹے دینے سے ہوش آیا۔ [رحمۃ للعالمین ۶۲/۱]

پھر نبی کریم ﷺ انتہائی حزن وملال کے عالم میں مکہ کی راہ پر واپس چل پڑے. جب قرنِ منازل پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتہ) کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجا کہ اگر آپ ﷺ اسے حکم دیں تو اہل مکہ وطائف کو اخشبین نامی دونوں پہاڑوں کے درمیان پیس ڈالے.

بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: کیا آپ ﷺ پر کوئی ایسا دن بھی گزرا ہے جو جنگ احد کے دن سے بھی گراں ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں نے تمہاری قوم کی طرف سے جو (ظلم وستم کا) سامنا کیا سو کیا، لیکن عقبہ کے دن سے بھی زیادہ سخت گھڑی مجھ پر اس وقت گزری جب کہ میں نے خود کو (دعوت اسلام کے لیے طائف میں) ابن عبد یا لیل بن عبد کلال کے سامنے پیش کیا. اس نے میری دعوت ٹھکرا دی، میں سیدھے نکلا - اور میں انتہائی حزن وغم میں تھا - جب قرن منازل پہنچا تو سر آسمان کی طرف اٹھایا، کیا دیکھتا ہوں کہ مجھ پر ایک بادل سایہ فگن ہے. میں نے دیکھا تو اس میں جبریل ہیں، انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا: اللہ تعالیٰ نے وہ بات سن لی جو آپ کی قوم نے آپ سے کہا اور انہوں نے جو رویہ اختیار کیا وہ دیکھ لیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتہ) کو بھیجا ہے تاکہ آپ اپنی قوم کے بارے میں اپنی خواہش کے مطابق اسے حکم دیں، پھر ملک الجبال نے مجھے آواز دی اور سلام کے بعد گویا ہوا: اے محمد! بات یہی ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟ اگر آپ چاہیں تو میں أخشبين - مکہ کے ابوقبیس اور قیقعان نامی دو معروف پہاڑ - کو ان پر ملا دوں اور انہیں پیس دوں؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

'' بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا''.

''نہیں! بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشت سے ایسی نسل تیار کرے گا جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گی، اس کے ساتھ کسی غیر کو شریک نہیں کرے گی''.

صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں:

”بَلْ أَسْتَأْنِي بِهِمْ لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُخْرِجَ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئاً“.(۴)

پندرہ صدیاں گزر گئیں، آسمان وزمین نے سیکڑوں انقلابات دیکھے، شیر خوار بچوں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا اور طرح طرح کے علوم وفنون سے دنیا کو جگمگا دیا، مفکرین آئے اور انہوں نے اپنے افکار ونظریات سے معاشرتی تہذیب وثقافت کو اجاگر کرنے کی ہزار ہا کوششیں کیں، سائنس دانوں نے جنم لیا اور قدرت کے سیکڑوں پوشیدہ رازہائے سر بستہ کو عوام الناس کی آنکھوں کے سامنے آشکارا کرنے کی کوششیں کیں، چڑیوں کو ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھا گیا تھا لیکن انہوں نے انسانوں کو فضا میں اتنی بلندی میں اڑنا سکھا دیا جہاں پرندوں کی اڑان ممکن نہیں، چاند پر کمندیں ڈال دیا؛ نیز ٹیلی فون، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ جیسے اختراعات جدیدہ سے آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کے باشندگان کے لیے سیکنڈوں میں ایک دوسرے کی خبر گیری کا ذریعہ بنا دیا، مؤلفین ومصنفین اور مترجمین نے کتابیں لکھ لکھ کر لائبریریاں بھر دیں کہ ان کی تالیفات کو رکھنے کے لیے مکتبات کی جگہیں ناکافی ہوگئیں، ڈکشنریوں میں طرح طرح کے قدیم وجدید الفاظ داخل کیے گئے تاکہ ہر دور کی ضروریات وفکریات کو ان الفاظ میں ڈھال کر مافی الضمیر کا حق ادا کیا جا سکے؛ لیکن ذرا انصاف سے بتائیے، پندرہ سو سال قبل کا وہ منظر اپنی دیدہ آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش کیجیے جس کا سامنا نبی امی، پیغمبر اعظم وآخر، عرب وعجم کے سردار، رب العالمین کے فرستادہ، خدیجہ وعائشہ کے سرتاج، آمنہ کے بیٹے اور پوری انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجے جانے والے مصطفیٰ کو کرنا پڑا تھا، کیا طائف میں پیش آنے والے حادثہ کی عکاسی ان لائبریریوں میں پڑی ڈکشنریوں کے الفاظ سے ہوسکتی ہے؟!!

ذرا اندازہ کریں دشمنوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے حسنِ سلوک کا!!

(٤) بخاری: كتاب بدء الخلق (٣٢٣١)، مسلم: كتاب الجهاد والسير (١٧٩٥).

☆ سر پر مٹی ڈالنے والے کے ساتھ:

ابن اسحاق کہتے ہیں: جب ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو قریش نے رسول اللہ ﷺ کو وہ وہ تکلیفیں دیں جو وہ ابو طالب کی زندگی میں نہیں دے سکتے تھے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ قریش کے ایک احمق نے آپ ﷺ کے سر مبارک پر مٹی ڈال دی. آپ ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو سر پر مٹی پڑی ہوئی تھی، آپ کی ایک صاحبزادی نے جب آپ کے سر پر مٹی دیکھا تو وہ آپ کے سر سے مٹی دھوتی جاتیں اور زار وقطار روتی جاتیں. آپ ﷺ اپنی صاحبزادی کو دلاسا دیتے ہوئے فرماتے:

"لَا تَبْكِي يَا بُنَيَّةُ، فَإِنَّ اللَّهَ مَانِعٌ أَبَاكَ".

"بٹیا! تو مت رو، اللہ تعالیٰ تیرے باپ کی حفاظت کرے گا".

اور آپ ﷺ یہ بھی کہتے جاتے تھے:

"مَا نَالَتْ مِنِّي قُرَيْشٌ شَيْئاً أَكْرَهُهُ حَتَّى مَاتَ أَبُو طَالِبٍ"(۵).

"مفہوم یہ ہے کہ جب تک ابو طالب زندہ تھے، مجھے قریش کے لوگ تکلیف نہ دے سکے مگر جونہی میرے چچا کا انتقال ہو گیا، یہ لوگ میری زندگی دوبھر کیے ہوئے ہیں اور مجھے تکلیف دینے میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں".

☆ اپنے چہرۂ مبارک پر تھوکنے والے کے ساتھ:

قریش مکہ کے جور و جفا کے سلسلۂ دراز کا ایک نمونہ یہ ہے کہ ایک دن ابولہب کا بیٹا عتبہ رسول اللہ ﷺ کی پاس آیا اور بولا: میں (وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ) اور (ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ) کے ساتھ

(۵) ابن هشام: (۲/ ٤٢)، شیخ البانی غزالی کی کتاب "فقہ السیرۃ" میں تعلیق چڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی تخریج ابن اسحاق (۱/ ۲۵۸) نے صحیح سند کے ساتھ عروہ بن زبیر سے مرسلاً کی ہے" اھـ.

کفر کرتا ہوں. یہ کہہ کر وہ آپ ﷺ کے ساتھ ایذا رسانی کرنے لگا، آپ کی قمیص پھاڑ دی اور چہرۂ انور پر تھوک دیا؛ گرچہ تھوک آپ کے چہرے پر نہیں پڑا، اس وقت نبی کریم ﷺ نے اس پر بد دعا کی کہ اے اللہ! اس پر تو اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو مسلط فرما دے. آپ کی یہ بد دعا قبول ہوئی، عتبہ ایک مرتبہ قریش کے چند لوگوں کے ساتھ سفر پر گیا، جب وہ لوگ سرزمین شام میں مقام زرقاء پر اپنا پڑاؤ ڈال لیے تو رات کو ایک شیر ان لوگوں کا چکر لگانے لگا، عتبہ نے دیکھتے ہی کہا: ہائے میری تباہی! اللہ کی قسم! یہ مجھے کھانے والا ہے کیوں کہ محمد نے میرے لیے بد دعا کی تھی، دیکھو میں شام میں ہوں اور محمد نے مکہ میں ہوتے ہوئے مجھے مار ڈالا. پھر لوگوں نے بطور احتیاط عتبہ کو اپنے اور اپنی سواریوں کے گھیرے میں سلایا، لیکن شیر سب کو پھلانگتا ہوا عتبہ کے پاس پہنچا اور سر پکڑ کر اسے مار ڈالا (٦).

دیکھا آپ نے! رسول اللہ ﷺ نے اپنے چہرۂ انور پر تھوکنے والے گستاخ و بد بخت کے ساتھ خود کوئی جوابی کارروائی نہیں کی، اگر چاہتے تو وہ بد بخت آپ ﷺ کے ید مبارک کے ایک تھپڑ میں درست ہو جاتا لیکن آپ نے اپنے معاملہ کو اللہ کے حوالے کر دیا.

موقع بہ موقع رسول اکرم ﷺ نے اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ جو طرز عمل اپنایا ہے، اس کی مثال دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملتی. دشمنوں کے ساتھ آپ ﷺ کے حسنِ سلوک کی داستانوں سے تاریخ اسلامی بھری پڑی ہے۔ کتاب کی طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں اس سلسلہ میں مزید لکھتا مگر افسوس!!

---

(٦) الرحيق المختوم (٩٦)، مختصر سيرة عبدالله النجدى (١٣٥)، الإصابة، دلائل النبوة، الروض الأنف، الاستيعاب وغيره.

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل اہل خانہ کے ساتھ

عموماً یہ بات سننے میں آتی ہے بلکہ ہر سماج ومعاشرہ میں دیکھا بھی جاتا ہے کہ جس آدمی کو اپنے گھر والوں کی طرف سے عزت وتکریم نہیں ملتی اسے معاشرہ میں بھی ہیچ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اور کوئی بھی آدمی اسے اپنی مجلس میں بیٹھانا اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے. تاریخ کی کتابوں میں عبداللہ بن جدعان کا نام مکہ کے بڑے تاجروں میں آتا ہے، مگر اس کی زندگی کے حالات بھی کچھ ایسے ہیں کہ اس کی شرارت اور بداخلاقی سے تنگ آکر گھر والوں نے اسے اپنی نگاہوں سے گرا دیا تھا اور گھر خاندان میں اس کی اہمیت صرف اتنی ہی رہ گئی تھی کہ وہ خاندانی وقار کو مجروح کرنے والا ایک بداخلاق وشریر انسان ہے جس نے برسوں سے بنی بنائی خاندانی شرافت کی ناک کٹا دی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے معاشرے میں سارے ہی افراد اس سے نفرت کرتے تھے کیونکہ گھر خاندان والوں نے اس کی شرارت سے تنگ آکر اس کی بداخلاقی وشرارت کا رزلٹ آوٹ کر دیا تھا.

جب عبداللہ بن جدعان کو محسوس ہوا کہ گھر خاندان ہی نے نہیں بلکہ پورا معاشرہ ہی اس کی بدچلنی سے تنگ آکر اس کا بائیکاٹ کر دیا ہے، تو وہ اپنی اس ذلت ورسوائی کو برداشت نہیں کر سکا. چنانچہ وہ اپنی زندگی سے تنگ آکر اس نیت کے ساتھ مکہ کی پہاڑیوں کی طرف نکل پڑا کہ کسی غار میں داخل ہوکر خودکشی کر لے گا.اسے ایک پہاڑ میں ایک غار دکھائی دیا جس میں ایک اژدہا نظر آرہا تھااور معلوم ہوتا تھا کہ وہ اسی پر حملہ کرنے والا ہے، وہ جان بوجھ کر اس اژدہا کی طرف بڑھا تاکہ وہ اسے ڈس لے اور وہ ہمیشہ ہمیش کی نیند سو کر سماج کی ذلت آمیز نگاہوں سے چھٹکارا حاصل کر لے.مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، وہ اژدہا جو اسے موت کی شکل میں نظر آرہا تھا درحقیقت ہیرے جواہرات سے بنا ہوا اژدہا کی شکل میں ایک مجسمہ تھا جو گزشتہ

رئیسوں کی قبروں کے پاس نصب تھا. اس غار میں عبداللہ بن جدعان کو مزید سونے چاندی اور ہیرے جواہرات ملے؛ چنانچہ وہ وہاں سے وقتاً فوقتاً مال مکہ منتقل کرنے لگا اور مکہ میں لوگوں کو کھانا کھلانے لگا.

پھر کیا تھا! سماج میں ہر طرف سے اسے مبارک بادیاں ملنے لگیں اور ہر رات اس کے حکم کے مطابق ایک منادی یہ پکارنے کے لیے مقرر کیا گیا:

''هَلُمُّوْا إِلَى جَفْنَةِ ابْنِ جُدْعَانِ''.

''ابن جدعان کی دیگ سے لطف اندوز ہونے کے لیے آؤ''.

عبداللہ بن جدعان کی اسی دیگ کے متعلق صحیح مسلم کی شرح میں ابن قتیبہ کا یہ قول ہے:

''كَانَتْ جَفْنَةُ طَعَامِهِ يَأْكُلُ مِنهَا الرَّاكِبُ عَلَى بَعِيرِهِ''.

''اس کے کھانے کی دیگ سے سوار اپنے اونٹ ہی سے لے کر کھاتا تھا''.

وہ دیگ اتنی بڑی تھی کہ اس میں سے کھانا نکالنے کے لیے سیڑھی کا استعمال ہوتا تھا اور رسول اکرم ﷺ فرماتے تھے:

''كُنْتُ أَسْتَظِلُّ بِظِلِّ جَفْنَةِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جُدْعَانِ''.

''میں عبداللہ بن جدعان کی دیگ کی چھاؤں سے سایہ حاصل کرتا تھا''.(۱)

اُف! بات کہاں سے کہاں نکل گئی، بات تو چل رہی تھی کہ جس آدمی کو اہل خانہ اور خاندان والے احترام نہیں دیتے وہ معاشرہ میں بھی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا. اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو اپنے اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرنے کی تعلیم دی ہے، اور اسی لیے یہ عنوان بھی قائم کیا گیا ہے تاکہ ہمارے معاشرے میں جو گھریلو ناچاقیاں پائی جاتی ہیں، ان کو رسول اکرم ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات کی روشنی میں حل کیا جائے، کیوں کہ رسول اکرم ﷺ جہاں زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمانوں کے لیے نمونہ ہیں، وہیں بیویوں

(۱) شرح الأبيّ والسنوسي على صحيح مسلم (۱/۶۲۹)، والبداية والنهاية.

کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے، اس میدان میں بھی آپ کامل نمونہ ہیں. تاریخ نے آپ سے زیادہ کامیاب شوہر اور آپ سے اچھا اہل خانہ کی ذمہ داریوں کو نبھانے والا کسی اور کو نہیں دیکھا. آپ بیویوں کے معاملہ میں بھی صبور تھے، حلیم تھے، بردبار تھے، کریم تھے، صادق تھے، امین تھے، زاہد تھے، متواضع تھے، غیرت منداور عفوودر گذر کرنے والے تھے.

اہل خانہ سے میری مراد رسول اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں، کیوں کہ بیویاں ہی کسی گھر کی رونق ہوا کرتی ہیں. جن لوگوں کے تعلقات اپنے اہل خانہ سے خراب ہوتے ہیں وہ بھری مجلس میں بھی جہاں قہقہوں کا ماحول ہوتا ہے، اندرونی طور پر روتے اور اپنی قسمت کو کوستے ہیں، بھلے ہی وہ بناوٹی مسکراہٹ کو اپنے چہرے کی زینت کیوں نہ بنائیں!!

تو آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ کیسی زندگی گزاری ہے اور زندگی کے پیچ وخم اور نشیب وفراز میں ان کے ساتھ کیسا طرز عمل اپنایا ہے؟

ایک وقت میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کی تعداد نو تک پہنچتی تھی، جن کے ساتھ آپ نے بود وباش اختیار کیا. ان میں ہر مزاج اور ہر طبیعت کی عورتیں تھیں، غیرت اور رشک ومنافست جیسا کہ عورتوں کی فطرت ہے، ان ازواج مطہرات میں بھی یہ صفات بدرجہ اتم موجود تھیں. ازدواجی زندگی میں میاں بیوی کے درمیان باہم اختلافات ہوتے ہی رہتے ہیں، یہ چیزیں بھی خانۂ نبوی میں پائی گئیں.

عام طور پر رسول اکرم ﷺ کے ایام فقر وفاقہ اور محتاجی میں گزرتے، اس لیے اپنی ازواج مطہرات کی خورد ونوش کا انتظام بھی خاطر خواہ نہیں ہوسکتا تھا، لہٰذا بسا اوقات ان کی طرف سے شکوہ شکایت کا بازار گرم ہو جاتا؛ بلکہ کبھی یہ شکوہ ہڑتال کا بھی روپ اختیار کر لیتا تھا. مگر قربان جایئے رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر، اس مشکل گھڑی میں بھی آپ عدل وانصاف سے تجاوز کیے بغیر اپنی بیویوں کا شکوہ گوش گزار کرتے رہے اور جبین خلق پر کبھی شکن نہیں پڑنے دی.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے گھر تشریف لائے، دیکھا تو آپ کے دروازے پر لوگ بیٹھے ہوئے تھے جنہیں اندر جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی، اجازت ملنے پر حضرت ابو بکر گھر کے اندر داخل ہو گئے، اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اجازت طلب کر کے رسول اکرم ﷺ کے گھر میں تشریف لے گئے. انہوں نے دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ غمزدہ اور بالکل خاموشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ ﷺ کے اردگرد ازواج مطہرات بھی بیٹھی ہوئی ہیں. حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاموشی توڑنے اور آپ ﷺ کو ہنسانے کے قصد سے کہنا شروع کیا:

"يَا رَسُولَ اللَّهِ! لَوْ رَأَيْتَ بِنْتَ خَارِجَةَ سَأَلَتْنِي النَّفَقَةَ فَقُمْتُ إِلَيْهَا فَوَجَأْتُ عُنُقَهَا"

"اے اللہ کے رسول! آپ دیکھتے کہ خارجہ کی بیٹی نے مجھ سے نان ونفقہ کا مطالبہ کیا تو میں نے اٹھ کر اس کی گردن مروڑنا شروع کر دی".

یہ سننا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے اور ارشاد فرمایا:

"هُنَّ حَوْلِي كَمَا تَرَى يَسْأَلْنَنِي النَّفَقَةَ".

"یہ عورتیں جنہیں تم میرے اردگرد دیکھ رہے ہو، یہ بھی مجھ سے نان ونفقہ کا ہی مطالبہ کر رہی ہیں".

یہ سنتے ہی اُدھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گردن مروڑنے لگے اور ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی گردن مروڑنے لگے اور دونوں کہنے لگے:

"تَسْأَلْنَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَيْسَ عِنْدَهُ؟"(۲)

"تم رسول اکرم ﷺ سے اس چیز کا سوال کر رہی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے؟"

اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے آپ کی ازواج مطہرات کھلے الفاظ

(۲) مسلم (۱٤٧٨) النسائي في الكبرى (٣٨٣/٥) مسند أحمد (٣٢٨/٣) بيهقي (٣٨/٧).

میں اپنا مطالبہ کرتی تھیں اور آپ چیں بہ جبیں ہونے کی بجائے ان کی گفتگو بغور سنتے تھے. اس واقعہ میں ان لوگوں کے لیے درس عبرت ہے جو بیویوں کو زبان کھولنے کا حق ہی نہیں دیتے اور جب بیوی کچھ مطالبہ کردے تو زبان کے ساتھ ہاتھ کا استعمال بھی کرنے سے نہیں چوکتے؛ بلکہ کبھی اس کے مطالبہ کو گستاخی سمجھ کر طلاق کا بم بھی برسا دیتے ہیں، حالانکہ رسول اکرم ﷺ کی بیویاں کبھی کبھار ناگوار باتیں بھی کہہ ڈالتی تھیں. حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں.

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ اور آپ کی سب سے محبوب بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کسی بات میں اختلاف ہو گیا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ فیصلہ کے لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بلانا پڑا! جب حضرت ابو بکر تشریف لائے تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"تَكَلَّمِينَ أَنْتِ أَوْ أَتَكَلَّمُ؟".

"تم بات کرو گی یا میں ہی کروں؟".

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"بَلْ تَكَلَّمْ أَنْتَ وَلَا تَقُلْ إِلَّا حَقًّا".

"آپ ہی بات کریں مگر جو حق ہے وہی بتائیں".

یہ سننا تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کھینچ کر ایک طمانچہ بیٹی کے منہ پر رسید کیا جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے خون نکل آیا اور کہنے لگے:

"يَا عَدِيَّةَ نَفْسِهَا أَوَ يَقُولُ غَيْرَ الْحَقِّ؟!".

"اے اپنی جان کی دشمن! کیا آپ ﷺ حق کے سوا بھی کچھ اور کہیں گے؟".

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا طمانچہ کھا کر جلدی سے رسول اکرم ﷺ کے پیچھے آکر خود کو بچانے کے لیے چھپ گئیں.

نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"لَمْ نَدْعُکَ لِهَذَا وَلَا أَرَدْنَا مِنْکَ هَذَا".

"ابوبکر! ہم نے آپ کو اس کے لیے نہیں بلایا تھا اور نہ ہی ہم یہ چاہتے تھے"(۳).

اسی طرح ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کے پاس غصہ ہو گئیں اور غصہ میں ان کی زبان سے نکل گیا:

"أَنْتَ الَّذِی تَزْعُمُ أَنَّکَ نَبِیُّ اللَّهِ؟!".

"آپ ہی وہ ہیں جن کو اپنے بارے میں اللہ کا نبی ہونے کا دعوی ہے؟!".

مگر یہ ہے کامیاب شوہر کی پہچان کہ آپ ﷺ نے انتہائی صبر وتحمل سے کام لیا اور بیوی کے اس جملہ پر ناراض ہونے کی بجائے کچھ کہے بغیر مسکرانے لگے(۴).

میاں بیوی میں وقتاً فوقتاً اختلافات ہوتے ہی رہتے ہیں. یہ اختلافات ازواج مطہرات اور رسول اکرم ﷺ کی ازدواجی زندگی میں بھی ہوتے تھے، مگر جائز حدود سے یہ ہرگز تجاوز نہیں کر پاتے. ازواج مطہرات بسا اوقات آپ سے زبان بھی لڑا پڑتیں جب کہ بہت سارے لوگ اپنی باتوں میں بیویوں کو مداخلت کی اجازت ہی نہیں دیتے ہیں. ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ان کی کسی بات میں مداخلت کیا تو انہوں نے کہا:

"مَا لَکِ وَلِمَا هَاهُنَا، فِیمَ تَکَلُّفُکِ فِی أَمْرٍ أُرِیدُهُ؟".

"اس معاملہ میں تجھے مداخلت کی کیا ضرورت، میں کوئی کام کرنا چاہتا ہوں اس میں تو کیوں مداخلت کی بے جا کوشش کر رہی ہے؟"

ان کی بیوی نے کہا:

---

(۳) إحياء علوم الدين للغزالي (۲/۶۳)، وقال العراقي: رواه الطبراني في الأوسط والخطيب في التاريخ من حديث عائشة بسند ضعيف، تخريج الإحياء (۲/۹۷۶).

(٤) المصدر السابق، وقال العراقي: رواه أبو يعلى في مسنده وأبو الشيخ في كتاب الأمثال من حديث عائشة بسند ضعيف.

”عَجباً لَکَ یَا ابْنَ الخَطَّابِ! مَا تُرِیدُ أَنْ تُرَاجَعَ أَنْتَ وَإِنَّ ابْنَتَکَ لَتُرَاجِعُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی یَظَلَّ یَوْمَهُ غَضْبَانَ“.

”اے ابن خطاب! آپ پر تعجب ہے، آپ بالکل نہیں چاہتے کہ آپ کی بیوی آپ کے کسی بھی بات میں مداخلت کرے؛ حالانکہ خود آپ کی بیٹی حفصہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منہ لڑاتی ہے حتی کہ رسول اللہ ﷺ اس دن غصہ میں گزارتے ہیں“(۵).

اس واقعہ سے اندازہ لگائیں کہ ازواج مطہرات کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کس انداز میں رہتے تھے.

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کی ایک بیوی نے آپ ﷺ کے سینہ میں دھکا دیا. اس بیوی کی ماں بھی موجود تھی، اس نے دیکھ کر اپنی بیٹی کو ڈانٹا مگر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”دَعِیهَا فَإِنَّهُنَّ یَصْنَعْنَ أَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ“.

”اس کو چھوڑ دو مت ڈانٹو، یہ (بیویاں) تو اس سے بڑی بڑی حرکتیں کرتی ہیں“(۶).

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ ازواج مطہرات کی بہت ہی خاطر داری فرماتے اور ان کی نازک مزاجیاں برداشت کرتے تھے. اوپر کے واقعات سے آپ کو اس کا اندازہ ہو ہی گیا ہوگا۔ ذیل کے واقعات بھی پڑھیے: ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

”إِنِّی لَأَعْلَمُ إِذَا کُنْتِ عَنِّی رَاضِیَةً وَإِذَا کُنْتِ عَلَیَّ غَضْبَی“.

”جب تم مجھ سے خوش رہتی ہو تب بھی اور جب ناخوش رہتی ہو تب بھی، میں سمجھ جاتا ہوں“.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

”مِنْ أَیْنَ تَعْرِفُ ذٰلِکَ؟“.

---

(۵) بخاری، التفسیر/ سورة التحریم (۴۹۱۳)، مسلم (۱۴۷۹).

(۶) دیکھئے: کتاب: المراح فی المزاح، للشیخ العلامة بدر الدین أبی البرکات محمد الغزی ص ۳۸. حافظ عراقی کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اصل مجھے نہیں مل سکی.

''آپ کو یہ کیسے معلوم ہو جاتا ہے؟''.

آپ ﷺ نے فرمایا:

''أَمَّا إِذَا كُنْتِ عَنِّي رَاضِيَةً فَإِنَّكِ تَقُولِينَ: لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ، وَإِذَا كُنْتِ غَضْبَى قُلْتِ: لَا وَرَبِّ إِبْرَاهِيمَ''.

''جب تم مجھ سے خوش رہتی ہو تو کسی بات میں قسم کھاتے ہوئے کہتی ہو کہ نہیں محمد کے رب کی قسم، اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو کہ نہیں، ابراہیم کے رب کی قسم''.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ بالکل صحیح فرما رہے ہیں اے اللہ کے رسول! قسم کھاتے وقت صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں (۷).

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ سے برہم ہو کر اونچی اونچی آواز میں باتیں کر رہی تھیں. اتفاق سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آ گئے اور حضرت عائشہ کو تھپڑ مارنا چاہا اور کہا:

''يَا ابْنَةَ أُمِّ رُومَانَ! أَتَرْفَعِينَ صَوْتَكِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟''.

''اے ام رومان کی بیٹی! تو رسول اکرم ﷺ کے اوپر آواز بلند کر رہی ہے؟''.

اتنے میں رسول اکرم ﷺ دونوں کے بیچ آ گئے، جب حضرت ابو بکر غصہ میں باہر نکل گئے تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ کو راضی کرنے کے انداز میں کہا:

''أَلَا تَرَيْنَ أَنِّي قَدْ حُلْتُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَكِ؟!''.

''تم نے دیکھا نہیں کہ میں نے کس طرح تمہارے اور اس آدمی کے بیچ میں آ کر تمہیں پٹنے سے بچا لیا؟!''.

کچھ دنوں بعد جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ آپ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہنسا رہے ہیں، عرض کیا:

(۷) بخاری: کتاب: النکاح، باب: غیرة النساء ووجدهن (۵۲۲۸)، مسلم (۲۴۳۹).

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَشْرِكَانِي فِي سِلْمِكُمَا كَمَا أَشْرَكْتُمَانِي فِي حَرْبِكُمَا".

''اے اللہ کے رسول! آپ دونوں مجھے بھی صلح میں شریک کریں جیسا کہ آپ دونوں نے ناراضگی کی جنگ میں مجھے شریک کیا تھا''(۸).

رسول اکرم ﷺ اپنی بیویوں کے جذبات کا از حد احترام فرمایا کرتے تھے. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شادی کے وقت بہت ہی کم سن تھیں اور لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں. جب رسول اکرم ﷺ اتفاقاً گھر کے اندر آ جاتے تو لڑکیاں بھاگ کھڑی ہوتیں. آپ ﷺ ان کو بلا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا کرتے تھے(۹).

ایک مرتبہ عید کے دن حبشی لوگ نیزہ کے ذریعہ ایک کھیل کھیل رہے تھے. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، رسول اکرم ﷺ آگے کھڑے ہو گئے. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے دوش مبارک پر رخسار رکھ کر تماشہ دیکھنے لگیں اور دیر تک دیکھتی رہیں. آپ ﷺ نے پوچھا: کیوں، ابھی تک سیر نہیں ہوئیں؟ عرض کیا: نہیں، آپ ﷺ خاموش ہو رہے یہاں تک کہ وہ خود ہی تھک کر ہٹ گئیں(۱۰).

رسول اکرم ﷺ اپنی بیویوں کے ساتھ کس قدر خلوص کے ساتھ پیار ومحبت سے رہا کرتے تھے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ سے اس وقت شادی کی جب آپ کا عنفوان شباب تھا اور ان کا بڑھاپا، مگر آپ ﷺ نے ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی. ان کے انتقال کے بعد بھی جب وہ یاد آ جاتیں تو آپ ﷺ بڑی محبت سے ان کا تذکرہ فرماتے، حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سخت غیرت آ گئی اور کہنے لگیں: آپ کیا بار بار ایک بوڑھیا کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے

(۸) أحمد (٤/٢٧٢) صحيح على شرط مسلم، والنسائى فى الكبرى (٩/٥٥).

(۹) بخاری (٦١٣٠)، مسلم (٢٤٤٠)، ابن ماجه (١٩٨٢).

(۱۰) بخاری (٤٥٤)، مسلم (٨٩٢).

عوض میں میری جیسی کنواری بیوی عطا کیا ہے(۱۱)؟!

رسول اکرم ﷺ کے نزدیک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ محبوب تھیں، مگر محبت کی وجوہ وہ نہ تھیں جو عام لوگوں میں پائی جاتی ہیں. حسن صورت میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ان سے بڑھ کر تھیں اور کم سن بھی تھیں۔ دوسری ازواج مطہرات بھی ظاہری محاسن میں ان سے کم نہ تھیں؛ لیکن قوت اجتہاد، دقت نظر، وسعت معلومات، ذہانت وقابلیت اور مسائل کی تطبیق ایسے اوصاف تھے جو ان کی ترجیح کا اصل سبب تھا. علاوہ ازیں چوں کہ تمام ازواج مطہرات میں صرف وہی ایک کنواری بیگم کی حیثیت سے رسول اکرم ﷺ کی زوجیت میں آئی تھیں اس لیے ان کی غیرت کچھ زیادہ ہی اشتعال انگیز تھی.

ایک دفعہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کھانا پکا کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں خادم کے ہاتھ سے بھیجا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کھانا بہت ہی عمدہ پکاتی تھیں. رسول اکرم ﷺ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شدید غیرت آئی اور انہوں نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا جس کی وجہ سے پیالہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا. آپ ﷺ نے پیالے کے ٹکڑے چن چن کر یکجا کیے اور ان کو جوڑا، پھر دوسرا پیالہ منگوا کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے گھر روانہ کیا(۱۲).

جب دیگر ازواج مطہرات نے یقین کے ساتھ مشاہدہ کر لیا کہ رسول اکرم ﷺ کا قلبی میلان حضرت عائشہ کی طرف کچھ زیادہ ہی ہے تو انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سفیر بنا کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا. حضرت فاطمہ اجازت لے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اس وقت آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی چادر میں ان کے ساتھ

(۱۱) تخریج کے لیے دیکھئے صفحہ (۳۲)، حاشیہ (۱).

(۱۲) بخاری، کتاب: النکاح، باب: الغیرۃ۔ بخاری کی روایت میں نام مذکور نہیں البتہ نسائی کی روایت میں نام کی وضاحت آئی ہے.

لیٹے ہوئے تھے. حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ أَزْوَاجَكَ أَرْسَلْنَنِي إِلَيْكَ يَسْأَلْنَكَ العَدْلَ فِي ابْنَةِ أَبِي قُحَافَةَ"

''اے اللہ کے رسول! آپ کی ازواج مطہرات نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے، وہ ابوقحافہ کی بیٹی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کے بارے میں آپ سے انصاف کا مطالبہ کررہی ہیں''.

آپ ﷺ نے فرمایا:

"يَا بُنَيَّةُ! أَلَسْتِ تُحِبِّينَ مَا أُحِبُّ؟".

''جان پدر! کیا تم اس کونہیں چاہتیں جس کو میں چاہتا ہوں؟''.

جناب سیدہ کے لیے اتنا کافی تھا، واپس جا کر ازواج مطہرات سے کہا: میں اس معاملہ میں دخل نہیں دوں گی. اب اس سفارت کے لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتخاب عمل میں آیا، ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعوی تھا، انہوں نے بڑی دلیری کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چپ سن رہی تھیں اور رسول اکرم ﷺ کے چہرے کی طرف دیکھتی جاتی تھیں. حضرت زینب رضی اللہ عنہا جب اپنی بات کہہ چکیں تو حضرت عائشہ رسول اکرم ﷺ کی رضا پا کر اس طرح زور شور کے ساتھ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہوئیں کہ وہ لا جواب ہو گئیں، اس وقت رسول اللہ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

"إِنَّهَا ابْنَةُ أَبِي بَكْرٍ".

''ارے! ٹھہری جو ابوبکر کی بیٹی''(۱۳).

مذکورہ واقعات سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ رسول اکرم ﷺ نے ازواج مطہرات کے ساتھ کس قدر خوش مزاجی کے ساتھ زندگی گزاری. اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کی خانگی ضروریات کا بھی حتی الامکان بند وبست کر رکھا تھا. انسان بذات خود

(۱۳) مسلم: كتاب فضائل الصحابة (۲٤٤٢).

فاقہ کشی کر سکتا ہے، زخارفِ دنیوی کو کلیۃً چھوڑ سکتا ہے، سخت سے سخت مصائب جھیل سکتا ہے، کھانا پانی دستیاب نہ ہونے کی صورت میں خود کو برداشت کی حد تک بھوکے رکھ سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جن لوگوں نے راہبانہ زندگی بسر کی ہے انہوں نے خود کو اہل وعیال کے بکھیڑوں سے کوسوں دور رکھا ہے، دنیا کی مذہبی تاریخ میں صرف رسول اکرم ﷺ کی زندگی ہی اس کلیہ کی ایک مستثنیٰ مثال ہے

ایک وقت میں آپ ﷺ کی نو بیویاں تھیں جن میں بعض ناز ونعم میں پلی تھیں۔ اکثر معزز اور شریف گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، اس لیے ان کا قدرتی میلان غذاہائے لطیف اور لباس ہائے فاخرہ کی طرف ہو سکتا تھا، اور اس صورت میں تو ضرور جبکہ فتوحات کی کثرت مدینہ منورہ میں مال وزر کے خزانے لٹا رہی تھی، مگر رسول اکرم ﷺ نے ازواج مطہرات کے ساتھ انتہائی محبت ہونے کے باوجود اپنی ذات کی طرح ان کی زندگی کو بھی دنیوی زخارف کا خوگر نہیں بنایا. اس بنا پر آپ کی گھریلو زندگی آپ کے اسوۂ حسنہ کی اعلیٰ ترین مظہر بن گئی؛ تاہم خانہ داری کے بہت سارے بکھیڑے تھے جن سے آپ کو خود بہ نفس نفیس کوئی سروکار نہیں تھا، اپنی ذات کی نسبت تو یہ التزام تھا کہ جو کچھ آتا دن کے دن صرف ہو جاتا، حتی کہ اگر کچھ دے دلا کر بچ رہتا تو آپ ﷺ اس وقت تک گھر نہیں جاتے جب تک وہ بھی کار خیر میں خرچ نہ ہو جائے، لیکن ازواج مطہرات اور مہمانوں کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام بلال رضی اللہ عنہ کے ذمے تھا.

سنن ابو داود میں حضرت عبداللہ ہوزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا: رسول اکرم ﷺ کے خانگی انتظام کا کیا حال تھا؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: رسول اکرم ﷺ کا تمام کاروبار میرے ہاتھ میں تھا اور شروع سے اخیر زمانۂ وفات تک میرے ہی سپرد رہا. معمول تھا کہ جب کوئی نادار مسلمان آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو مجھ کو ارشاد ہوتا، میں جا کر کہیں سے قرض لاتا اور اس کے کھانے کپڑے کا انتظام کر دیتا(۱۴).

(١٤) [صحيح الإسناد] أبو داود: كتاب الخراج، في الإمام يقبل هدايا المشركين (٣٠٥٥).

ازواج مطہرات کے لیے یہ انتظام تھا کہ بنونضیر کے نخلستان میں ان کا حصہ مقرر کر دیا گیا تھا، وہ فروخت کر دیا جاتا جو سال بھر کے مصارف کے لیے کافی ہوتا۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبِيعُ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَيَحْبِسُ لِأَهْلِهِ قُوتَ سَنَتِهِمْ".

"نبی کریم بنونضیر کا نخلستان فروخت کر کے اس کی قیمت اپنے اہل وعیال کے سال بھر کے نفقہ کے لیے جمع کر لیا کرتے تھے"۔(۱۵)

جب خیبر فتح ہوا تو ازواج مطہرات کے لیے فی کس 80 وسق کھجور اور 20 وسق جو سالانہ مقرر کر دیا گیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بعض ازواج مطہرات نے جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، پیداوار کے بدلے میں زمین لے لیا تھا(۱۶)

ازواج مطہرات کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی زندگی کے متعلق اگر بالتفصیل لکھا جائے تو صرف اسی کے متعلق ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ مگر ازدواجی زندگی میں چوں کہ خوشگوار ماحول کی سخت ضرورت پڑتی ہے ورنہ سارا بنا بنایا گھر منٹوں میں اجڑ جاتا ہے، اس لیے میں نے رسول اکرم ﷺ کے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ اسی طرز عمل کی طرف نشاندہی کی ہے جو میاں بیوی کے مابین خوشگوار زندگی پر مشتمل ہے؛ البتہ اس کے علاوہ بہت ساری خانگی باتیں ہیں جنھیں رسول اکرم ﷺ نے اپنانے کی تعلیم دی یا خود کر کے دکھلایا ہے جن سے میں نے صرف نظر کیا ہے۔ مثلاً رسول اکرم ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ گھریلو کاموں میں مدد فرماتے، کبھی گھر میں جھاڑو دیتے، کبھی کپڑا دھو لیتے اور آٹا گوندھ دیتے تھے۔ مسند احمد میں حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

---

(۱۵) بخاری: کتاب النفقات (۵۳۸۷)، مسلم: (۱۷۵۷).

(۱۶) بخاری: کتاب المزارعة (۲۲۸۵)، مسلم: (۱۵۵۱).

"مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فِي أَهْلِهِ؟".

"رسول اکرم ﷺ گھر میں کیا کرتے تھے؟".

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ".

"رسول اکرم ﷺ اپنے اہل خانہ کے کاموں میں ان کی مدد فرماتے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز کے لیے نکل جاتے تھے"(۱۷).

مذکورہ ساری باتوں سے ان لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جو بیویوں کو اپنی لونڈی سمجھتے ہیں اور بات بات پر اسے ڈانٹ پلا کر ان کا کلیجہ چھوٹا کیے رکھتے ہیں، اور خاص کر جو بیویاں اپنے شوہروں سے نان ونفقہ طلب کر دیں، ان کی تو خیر نہیں!! شوہروں کو چاہیے کہ وہ بیویوں کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے طرز عمل کو اپنا کر اپنی ازدواجی زندگی خوشگوار بنائیں اور اپنی جھوٹی شان کے لیے مونچھیں اینٹھتے ہوئے بیویوں پر اپنی دادا گیری کا بے جا دھونس جما کر ازدواجی زندگی کو جہنم زادر بنانے سے گریز کریں!!

ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے رسول اکرم ﷺ نے جو تعلیم دی ہے اور اپنی بیگمات کے ساتھ آپ ﷺ نے جو طرز عمل اپنایا ہے، اس کے مطابق اگر آج کے شوہروں کا عمل ہو جائے تو یقین مانیں گھر کا ماحول بہت ہی خوشگوار اور عمدہ ہوگا. میاں بیوی کے درمیان اسی خوشگواری کا فقدان ہے کہ پوری دنیا میں اکثر میاں بیوی ایک دوسرے سے نالاں اور ایک دوسرے کے شاکی ہیں. آپ نے ازدواجی زندگی میں خوشگواری پیدا کرنے کے متعلق رسول اکرم ﷺ کی جو عملی زندگی کا اوپر مطالعہ کیا ہے، اس کے مطابق آج ہی سے اپنے ازدواجی زندگی گزارنے کی ٹھان لیں، پھر ان شاء اللہ آپ کے گھر کا ماحول دیکھئے کس قدر اچھا ہو جاتا

(۱۷) مسند أحمد: (٦/٤٩)، بخاری: (٦٧٦)، الطیالسی: (١٣٨٣)، بیهقی: (٢/٢١٥).

ہے۔ذیل میں چند احادیث بیان کر دی جا رہی ہیں جن کا تعلق بھی اوپر کے موضوع سے ہے، ان احادیث کو پڑھیں اور خود ہی اس کے مفہوم کی گہرائی میں جا کر اپنی ازدواجی زندگی کے حسین لمحات کو ڈھونڈ نکالیں:

① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقاً وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ خُلُقاً''.

''مومنوں میں کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو، اور تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتا ہے''(۱۸).

② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرٌ لأَهْلِي''(۱۹).

''تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں بہتر ہو، اور میں اپنی بیویوں کے حق میں بہتر ہوں''.

③ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ''.

''دنیا فائدے کی چیز ہے اور دنیا کی سب سے فائدے کی چیز نیک عورت ہے''(۲۰).

④ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''إِنَّ الْمَرْأَةَ كَالضِّلَعِ، إِذَا ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَهَا وَإِنْ تَرَكْتَهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيهَا عِوَجٌ''(۲۱).

''عورت کی مثال ٹیڑھی پسلی کی مانند ہے، اگر تم اسے سیدھی کرنا چاہو تو اسے توڑ بیٹھو گے،

(۱۸) [حسن صحیح] ترمذی: کتاب الرضاع، ما جاء فی حق المرأة علی زوجها (۱۱۶۲).

(۱۹) [صحیح] ابن ماجه: کتاب النکاح (۱۹۷۷).

(۲۰) مسلم: (۱٤٦۷)۔ دیکھئے صفحہ (۲۴۷) کا حاشیہ (۳).

(۲۱) مسلم: کتاب الرضاع (۱٤٦۸)، بخاری: کتاب النکاح (۵۱۸٤).

اگر اسے یونہی چھوڑ دو تو اس کے ٹیڑھے پن کے باوجود اس سے استفادہ کر سکتے ہو"۔

⑤ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ صلاۃ کسوف میں رسول اکرم ﷺ کو جنت وجہنم کا دیدار ہوا، نماز کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا:

"مجھے جہنم دکھائی گئی جس میں زیادہ عورتیں تھیں"۔

صحابہ نے پوچھا: جہنم میں عورتوں کے زیادہ داخل ہونے کا سبب؟

آپ ﷺ نے فرمایا: "ان کی ناشکری"۔

صحابہ نے پوچھا: کیا عورتیں اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتی ہیں؟ فرمایا:

"يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ وَيَكْفُرْنَ الإِحْسَانَ لَوْ أَحْسَنْتَ إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْکَ شَيْئًا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنْکَ خَيْراً قَطُّ"۔

"یہ عورتیں اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں، احسان فراموشی کرتی ہیں، اگر تم اپنی بیوی کے ساتھ زندگی بھر احسان وبھلائی کرتے رہو، مگر وہ کبھی کوئی کمی تمہارے اندر دیکھ لے گی تو (بغیر کسی ہچکچاہٹ کے) کہنے لگے گی: میں نے تمہارے اندر کبھی بھی کوئی خیر وبھلائی کا پہلو نہیں دیکھا ہے"۔(۲۲)

⑥ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لاَ يَفْرَکْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ کَرِهَ مِنهَا خُلُقاً رَضِيَ مِنهَا آخَرَ"۔

"کوئی مسلمان مرد (شوہر) کسی مسلمان عورت (بیوی) سے نفرت نہ کرے، اگر اس (بیوی) کی ایک عادت اسے ناپسند ہو تو دوسری عادت پسند ہوگی"۔(۲۳)

⑦ حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے عورتوں کو وعظ ونصیحت فرمائی، پھر ارشاد فرمایا:

---

(۲۲) بخاری (۲۹)، مسلم (۹۰۷)، نسائی (۱٤۸/۳)، أحمد (۲۹۸/۱)، ابن خزیمة (۱۳۷۷).

(۲۳) مسلم: کتاب الرضاع (۱٤٦۹).

"إِلامَ يَجْلِدُ أَحَدُكُمُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الأَمَةِ وَلَعَلَّهُ أَنْ يُضَاجِعَهَا مِنْ آخِرِ يَوْمِهِ".

"آخر تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو لونڈی کی طرح کیوں پٹائی کرتا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ رات کو اپنی بیوی سے ہم بستری کرے گا"(۲۴).

⑧ حضرت ایاس بن عبداللہ بن ابی ذُباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے حکم فرمایا:

"لاَ تَضْرِبُنَّ إِمَاءَ اللَّهِ".

"اللہ کی لونڈیوں کو مت مارو".

اس حکم کے بعد لوگ اپنی بیویوں کی پٹائی سے باز آ گئے. کچھ دنوں کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ شکوہ لے کر حاضر ہوئے:

"يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَدْ ذَئِرَ النِّسَاءُ عَلَى أَزْوَاجِهِنَّ؟".

"یہ عورتیں اپنے شوہروں کی مخالفت و نافرمانی پر اتر آئی ہیں؟".

آپ ﷺ نے بیویوں کے مارنے کا حکم دے دیا. نہ معلوم لوگ کب سے برداشت کیے بیٹھے تھے، انہوں نے حکم ملتے ہی اپنی بیگمات کی پٹائی شروع کر دی. اس رات بہت ساری عورتوں کو ان کے شوہروں نے پیٹا اور وہ عورتیں راتوں رات رسول اکرم ﷺ کے دربار میں شکوہ لے کر پہنچیں. صبح ہوئی تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لَقَدْ طَافَ اللَّيْلَةَ بِآلِ مُحَمَّدٍ سَبْعُونَ امْرَأَةً كُلُّ امْرَأَةٍ تَشْتَكِي زَوْجَهَا فَلاَ تَجِدُونَ أُولَئِكَ خِيَارَكُمْ".

"آج رات آل محمد کے گھر کا ستر عورتوں نے چکر لگایا ہے، ہر عورت اپنے شوہر کے مارنے کا شکوہ لے کر حاضر ہوئی تھی، تم لوگ اپنی بیگمات کی پٹائی کرنے والوں کو اپنے اچھے

(۲٤) ابن ماجه: كتاب النكاح (۱۹۸۳)، بخاري: (٥٢٠٤)، مسلم: (۲۸۵۵).

آدمیوں میں نہیں پاؤ گے''۔(۲۵)

یہ احادیث آپ بار بار پڑھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ آپ کی ازدواجی زندگی کس طرح ہنسی خوشی اور خوشگواری وعمدگی کا حسین سنگم بن سکتی ہے. نیز رسول اکرم ﷺ نے اہل خانہ کو بھی ہدایت کی ہے کہ جب اسلام نے تم بیگمات کو اس قدر عزت وتوقیر بخشی ہے کہ موقع بہ موقع شوہروں کو تمہارا پاس ولحاظ رکھنے کی تلقین کی ہے اور تمہیں دوسری قوموں کی طرح ذلیل نہ کر کے عالی مقام عطا کیا ہے، عبادات ومعاملات میں بھی تمہارے لیے رعایت کر دیا ہے اور شوہروں کو تمہارے بارے میں حکم دیا ہے کہ بیگمات کو گھر کی لونڈی نہیں بلکہ ملکہ بنا کر رکھو، تو پھر ایسی صورت میں تم بیگمات کی بھی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے کہ تم انتہائی وفا داری اور پیار والفت کے ساتھ اپنے شوہروں کا ساتھ دو، ان کے دکھ درد میں برابر کی شریک رہو اور ان کی حکم عدولی مت کرو. حضرت عبداللہ بن ابی اَوفیٰ کہتے ہیں کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ملک شام سے مدینہ منورہ آئے تو نبی کریم ﷺ کے آگے سجدے میں گر گئے. آپ نے پوچھا:

''مَا هَذَا يَا مُعَاذُ؟''.

''معاذ! یہ کیا کر رہے ہو؟''.

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں نے ملک شام میں دیکھا کہ لوگ اپنے پادریوں اور اَساقفہ کو سجدہ کرتے ہیں، اس لیے میرے دل میں آیا کہ ہم بھی آپ کو سجدہ کریں. رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''فَلاَ تَفْعَلُوا فَإِنِّي لَوْ كُنْتُ آمِراً أَحَداً أَنْ يَسْجُدَ لِغَيْرِ اللّٰهِ لأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لاَ تُؤَدِّي الْمَرْأَةُ حَقَّ رَبِّهَا حَتَّى تُؤَدِّي حَقَّ زَوْجِهَا وَلَوْ سَأَلَهَا نَفْسَهَا وَهِيَ عَلَى قَتَبٍ لَمْ تَمْنَعْهُ''.

(۲۵) [حسن صحيح] ابن ماجه: كتاب النكاح، باب: ضرب النساء (۱۹۸۵).

''مجھے سجدے نہ کیا کرو، اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر کسی غیر کا سجدہ کرے تو یقیناً میں عورت کو اپنے خاوند کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! عورت اپنے رب کا حق ادا نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے، اگر شوہر اس کو (ہم بستری یا کسی بھی ضرورت کے لیے) بلائے تو وہ اس کی حکم عدولی نہ کرے؛ گرچہ وہ پالان پر بیٹھی ہو (یعنی ہر حال میں شوہر کی فرمائش پوری کرے)''۔(۲۶)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے بیگمات کے لیے یہ حدیث ارشاد فرمائی:

''اُعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَأَكْرِمُوا أَخَاكُمْ وَلَوْ كُنْتُ آمِراً أَحداً أَنْ يَسْجُدَ لأَحَدٍ لأَمَرْتُ المَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا، وَلَوْ أَمَرَهَا أَنْ تَنْقُلَ مِنْ جَبَلٍ أَصْفَرَ إِلَى جَبَلٍ أَسْوَدَ، وَمِنْ جَبَلٍ أَسْوَدَ إِلَى جَبَلٍ أَبْيَضَ كَانَ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تَفْعَلَهُ''.

''تم اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی عزت کرو، اور اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ اگر شوہر حکم دے کہ عورت پیلے پہاڑ کو کالے پہاڑ پر منتقل کرے اور کالے پہاڑ کو سفید پہاڑ پر منتقل کرے تو عورت کو چاہیے کہ وہ اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے''۔(۲۷)

مسلم خواتین ذرا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث پڑھ کر شوہروں کے عظیم حقوق کا اندازہ کریں:

''لاَ يَصْلُحُ لِبَشَرٍ أَنْ يسْجُدَ لِبَشَرٍ وَلَوْ صَلَحَ لِبَشَرٍ أَنْ يَسْجُدَ لِبَشَرٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا مِنْ عِظَمِ حَقِّهِ عَلَيْهَا وَالَّذِى نَفْسِى بِيَدِهِ لَوْ كَانَ مِنْ قَدَمِهِ إِلَى

(۲۶) [حسن صحیح] ابن ماجه: کتاب النکاح، باب: حق الزوج علی المرأة (۱۸۵۳).
(۲۷) مسند أحمد: (۷۶/٦)، نیز دیکھئے: ابن ماجه: (۱۸۵۲).

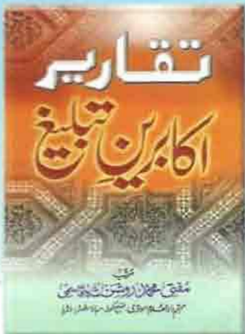
مَفْرِقِ رَأْسِهِ قَرْحَةٌ تَنْبَجِسُ بِالْقَيْحِ وَالصَّدِيدِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَتْهُ تَلْحَسُهُ مَا أَدَّتْ حَقَّهُ“.

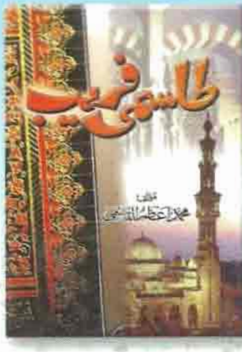
”کسی انسان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی دوسرے انسان کا سجدہ کرے، اور اگر یہ درست ہوتا کہ ایک انسان دوسرے انسان کا سجدہ کرے تو میں شوہر کے بیوی پر عظیم حق ہونے کے پیش نظر بیوی کو اس کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر شوہر کے پاؤں سے لے کر سر تک پھوڑا ہو جس سے خون اور پیپ نکل رہا ہو، پھر بیوی اس کو اپنی زبان سے چاٹ لے تب بھی وہ شوہر کا حق ادا نہیں کر سکتی۔“ (۲۸)

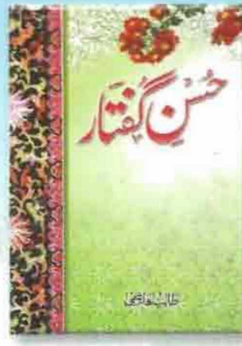
اللہ تعالیٰ مسلمان مردوں اور مسلم خواتین کو اپنے اپنے حقوق اچھی طرح نبھانے کی توفیق دے اور مسلم بیگمات اور ان کے شوہروں کے درمیان باہمی مفاہمت اور پاس ولحاظ کا اسلامی سلیقہ سکھا دے، آمین.

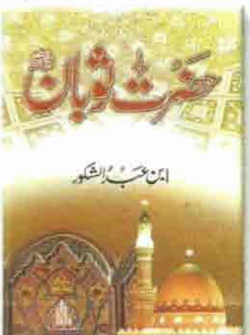
(۲۸) مسند أحمد (۳/۱۵۹)، ابن حبان (٤١٦٤)، مجمع الزوائد (٤/٣٠٧، ٣١١).

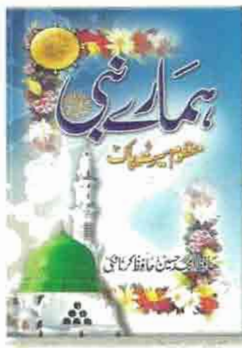
فہرست عناوین

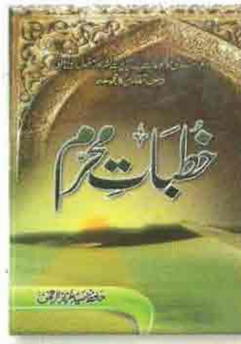


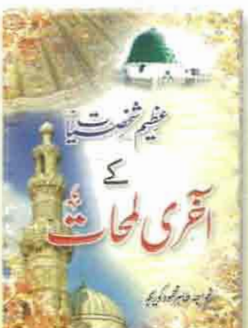


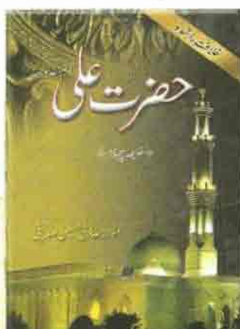


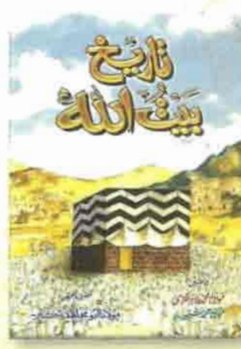












Designed by: A. FAHAD

فرید بُک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ
FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.
Corp. Off.: 2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, N. Delhi-2
Phones : 23289786, 23289159 Fax: 23279998
E-mail : farid@ndf.vsnl.net.in Websites : faridexport.com, faridbook.com

Rs. 150/-